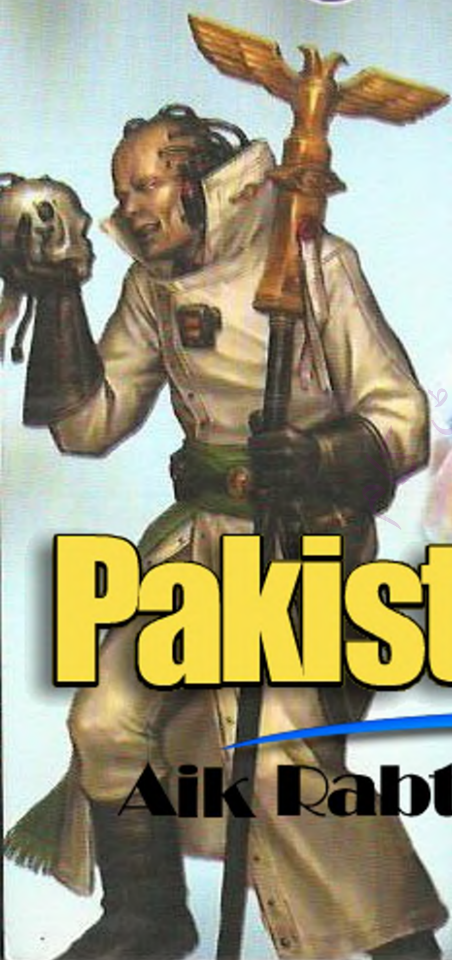
مکمل اور طویل ترین حیرت انگیز داستان

رولوکا

7



تحریر: اے وحید

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف مکمل سلسلہ اور طویل ترین داستانِ حیرت

قسط نمبر 71 سے قسط نمبر 82 تک

نمبر 7

رولوکا

پراسرار قوتوں کا مالک

تحریر: اے وحید

ڈر پبلی کیشنز
کتاب مارکیٹ لیوارڈ و بازار کراچی
Ph:32744391

نام کتاب	رولوکا بر ⑦
تحریر	اے وحید
ناشر	ڈر پبلی کیشنز
پرنٹر	خالد پرنٹرز
قیمت	150/-

رولوکا ⑦

رولوکا نے یہیں تک ڈائری کے صفحات پڑھے تھے کہ اچانک اسے ایک ایمرجنسی سگنل ملا تو اس نے جھٹ اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں اور پھر وہ چونک پڑا۔

کمرے کی چھت جیسے غائب ہو چکی تھی، سر پر آسمان نظر آ رہا تھا اور فضا میں معلق ایک عجیب الخلقت چھپکلی نما سانپ سے مشابہ بلا نظر آئی اور پھر چشم زدن میں اس کے منہ سے آگ کی زبردست لپٹیں نکلیں اور بڑی تیزی کے ساتھ رولوکا کی طرف بڑھیں۔

رولوکا پلک جھپکتے ہی اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا، رات کا پہر ہر سو گھپ اندھیرے کا راج اور سائیں سائیں کرتی فضائیں ایسے ماحول میں اس بلا کے منہ سے جب آگ کی زبردست نا قابلِ فراموش حد تک لپکتی جھپکتی اور بھڑکتی ہوئی لپٹیں جسے دیکھ کر ایک عام آدمی دل پکڑ کر رہ جائے۔ رولوکا کو اپنی جگہ نہ پا کر وہ بلا جیسے اچنبھے میں پڑ گئی اور پھر اس کی آنکھوں سے بھی جیسے انگارے برسنے لگے۔ آسمان پر چاند گہرے کالے بادلوں میں چھپ چکا تھا اردگرد کا پورا ماحول ایسا ہو چکا تھا کہ جیسے اس جگہ روشنی کا کوئی نام ونشان نہ ہو۔

رولوکا کو اپنے سامنے نہ پا کر وہ بلا اب جیسے چنگھاڑنے لگی تھی اور پھر اسی حالت میں وہ چاروں طرف چکر لگانے لگی جیسے وہ اپنا شکار ڈھونڈ رہی ہو۔ اتنے میں ایک بھاری بھرکم کھر کھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''مورکھ بھاگ گیا! ارے بھاگ کر کہاں جائے گا، میرے بیر پاتال سے بھی تجھے نکال باہر کریں گے، ارے تو میرے سامنے کہاں ٹھہر سکے گا، تیری تکا بوٹی کر کے کالی شکتیوں کی دنیا میں عبرت کا نشان بنا دوں گا، میں مہان شکتی کا مالک بلرام ہوں، بڑے بڑے بلوان بیر میرے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں، میری کئی سو سال کی تپسیا ہے، بلرام سے مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا، ارے مورکھ! تجھ میں اگر شکتی ہے اور اپنے آپ کو شکتی شالی سمجھتا ہے تو میرے سامنے آ...... میں تجھے دکھاؤں کہ شکتی کیا ہوتی ہے۔''

اسی قسم کی آوازیں نکالنے والا اپنی مستی میں اور بھی نہ جانے کیا کیا بکے جا رہا تھا۔ وہ بلا بدستور فضا میں معلق تھی، اب اس کے منہ سے آگ کی لپٹیں نہیں نکل رہی تھیں لیکن اس کی انگارہ برساتی آنکھیں دہشت ضرور پھیلا رہی تھیں۔

رولوکا روپوشی کی حالت میں تھا اس کے اشارے سے اچانک اسی وقت ایک طرف سے ایک باریک ہرے رنگ کی روشنی کی لکیر کئی ہزار کی تیز اسپیڈ سے آئی اور پھر نیچے سے اس کا رخ اوپر کی طرف ہو گیا۔ وہ روشنی کی لکیر بلا کے نیچے سے ہوتی ہوئی اور اندھیرے کو چیرتی ہوئی اوپر کو اٹھی۔

کان پھاڑ دینے والا ایک نا قابل فراموش دھماکہ ہوا، روشنی کے ان گنت چھوٹے چھوٹے ذرات فضا میں بکھر گئے، ایسا نظر آنے لگا جیسے فضا میں آتش بازی ہو رہی ہو، اور ساتھ ہی ساتھ ایسے کان پھاڑ دینے والے گونج دار دھماکے گونج دار آوازوں میں انسانی آوازیں بھی شامل

تھیں، چیخ وپکار، آہ وبکا، سسکیوں کی دل دہلا دینے والی آوازیں پوری فضا کولرزا رہی تھیں، کہ پھر آواز گونجی۔

''ارے مورکھ میرے ساتھ چھل (دھوکا) کر گیا، ارے بہادر ہے تو سامنے آ کر مقابلہ کرتا، تو میرا، کالی شکتیوں اور بیروں کی دنیا کا نابکار دشمن ہے، میں تیرے چھل کو سمجھ نہ پایا! تو میرے شکنجے میں ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا، میں تجھے پیس کر رکھ دوں گا، جس طرح گنے کو مشین میں پیستے ہیں، میں پھر ضرور آؤں گا، تو مجھ سے بچ نہیں سکتا۔''

اور پھر کربناک آہ! آہ!! کی آوازیں گونجتے گونجتے پوری فضا میں خاموشی چھا گئی۔ اب رولوکا اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھا ان واقعات کے متعلق سوچ رہا تھا۔

چند منٹ میں جس طرح کے دل دہلا دینے والے واقعات ہو گئے تھے کہ اگر بے شمار عام لوگ ان منظروں کو دیکھ لیتے تو شاید دہل کر مر جاتے، ایسے ایسے دھماکے اور گونج دار آوازیں کہ اپنے حلقوں سے آنکھیں باہر کو ابل پڑیں، دل بس ایک ہی مرتبہ دھڑک کر بند ہو جائے، اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی کسی آواز یا شور کو کسی نے نہیں سنا اور نہ ہی ایسے شور شرابے کی کسی کو بھنک پڑی۔ پوری فضا پہلے کی طرح خاموش تھی، چاند اپنے آب وتاب سے آسمان پر جلوہ افروز تھا، ستارے جھلمل کرتے آسمان کو رونق بخش رہے تھے، لوگ اپنے بستروں پر میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے لیکن حکیم وقار کی چھٹی حس کچھ بھانپ گئی تھی، وہ یکدم ہڑبڑا کر اپنے بستر سے اٹھ بیٹھے، ان کے پورے وجود میں ایک عجیب سی بے چینی گردش کرنے لگی تھی، ان کا ذہن اچانک رولوکا کی طرف چلا گیا، انہوں نے چند ساعت کچھ سوچا اور پھر نگاہ اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا پھر ہاتھوں کو ملتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلے اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

اوپر پہنچ کر ایک دروازے کے سامنے رکے اور جلدی جلدی دروازے کو دھڑ دھڑا دیا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا، سامنے رولوکا کھڑا تھا۔ حکیم وقار پر نظر پڑتے ہی رولوکا جیسے اچنبھے میں پڑ گیا۔ ''حکیم صاحب آپ!'' رولوکا بولا۔

رولوکا کو دیکھ کر حکیم وقار جیسے عجیب کشمکش میں تھے، ان کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

رولوکا بولا۔ ''حکیم صاحب! خیریت!!''

رولوکا کی آواز سن کر حکیم وقار جیسے چونک پڑے، ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے بحال ہو گئی تھی، پھر فوراً حکیم وقار بولے۔ ''میرے دماغ میں اچانک تمہارا خیال آیا اور پھر ایک عجیب سی بے چینی میرے پورے وجود میں سرایت کرتی چلی گئی، اور میں تمہاری خیریت کے پیش نظر چلا آیا۔

پتہ نہیں آج میرے ساتھ یہ پہلا اتفاق ہے کہ رات کے اس پہر میرے ساتھ ایسا ہوا، میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ شاید خیریت نہیں ہے۔'' حکیم وقار نے جلدی جلدی یہ باتیں کیں۔

رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔ ''حکیم صاحب اندر آ جائیں۔''

حکیم وقار کمرے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئے لیکن ان کی نظریں متواتر رولوکا پر لگی رہیں۔ رولوکا حکیم وقار کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولا۔ ''حکیم صاحب آپ کو تو معلوم ہے کہ میرا واسطہ آئے دن بلکہ ہر لمحہ ہر ساعت نادیدہ ہستیوں اور عجیب وغریب شر پسند مخلوق سے پڑتا رہتا ہے، کبھی کوئی شریر ضدی روح، کوئی بیر یا پھر شیطان کا کوئی چیلا پریشان کرنے آ جاتا ہے، ابھی بھی کچھ دیر پہلے ایک کالی شکتیوں کی روح آن دھمکی تھی اور دھینگا مستی کر کے رفو چکر ہو گئی۔ وہ بہت ہی دھڑلے سے آئی تھی، اور اس قدر اچانک کہ اگر میں فوراً چوکنا نہ ہوتا تو شاید مجھے ناتلافی حد تک نقصان پہنچا دیتی، مگر بروقت میں سنبھلا اور اس کے وار کو روکا اور پھر جوابی وار کے تحت وہ دم دبا کر بھاگ نکلا اپنے آپ کو 'بلرام'' بتلا رہا تھا۔'' ایک ساعت رولوکا رکا پھر بولا۔

''حکیم صاحب آپ کی چھٹی حس اس وقت بالکل درست سمت مارک کر رہی تھی اور یہ آپ کی میری ذات

سے محبت و انسیت کا ثبوت ہے کہ آپ میرے متعلق اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اور جو لوگ کسی کو اپنے دل دماغ میں بسائے رکھتے ہیں تو سامنے والے کے ساتھ اگر کوئی واقعہ جو کہ پوشیدہ ہو، تکلیف دہ ہو تو سوچنے والے کا دماغ سگنل دینا شروع کر دیتا ہے کہ فلاں شخص کسی تکلیف سے دوچار ہے یا ہونے والا ہے۔" یہاں تک بول کر ردلوکا خاموش ہو گیا اور اپنی نظریں حکیم وقار کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

حکیم وقار بولے۔ "بھئی میری تو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر دکھ مصیبت اور پریشانیوں سے محفوظ رکھے، تم ہر وقت چوکس رہا کرو، کیونکہ شر پسند مخلوقات دھوکے سے وار کرتی ہیں۔"

بہر حال ردلوکا حکیم وقار کو تسلی دے کر بولا۔ "آپ جائیں اور آرام سکون سے سو جائیں، اب میں بھی آرام کرتا ہوں۔"

حکیم صاحب مصافحہ کر کے کمرے سے نکل گئے اور اپنے کمرے میں آ گئے، ویسے بھی تہجد کا وقت ہو گیا تھا، حکیم وقار باقاعدگی سے نماز تہجد پڑھتے تھے۔ انہوں نے اللہ کا نام لیا اور وضو بنانے کے لئے بیٹھ گئے۔

ردلوکا دوسرے دن اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر ڈائری لے کر بیٹھ گیا تا کہ بعد کے حالات پڑھ سکے۔ ڈائری میں آگے درج تھا۔

اس علاقے کا راج کمار کسانوں اور غریبوں کی قسمت کا مالک دو بپھرے ہوئے بیلوں کے سامنے پڑا تھا۔ بیلوں کے چہرے پر غصہ اور نفرت تھی ان کے نتھنوں سے گرم گرم ہوا خارج ہو رہی تھی دروازے کے پاس اور بھی لوگ تھے مگر کوئی ان موت کے ہرکاروں کے نزدیک نہیں آ رہا تھا اور راج کمار کے سامنے موت ناچ رہی تھی۔

بیلوں کو صرف اتنا ہی حکم تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو راج کمار اور اس کے آدمیوں کا قیمہ ہو چکا ہوتا، میں بیلوں کے قریب تھا میں نے کہا۔ "اب جاؤ اب اپنا کام کرو۔"

دونوں بیل فوراً پلٹ کر واپس کنوئیں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ان کے چہروں پر کوئی غصہ نہ تھا میں نے گووندی اور چھنگا کو کہا۔ "جاؤ تم بھی اپنا کام کرو تماشا ختم ہوا۔"

گووندی ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا اس کے بعد چھنگا بھی اتر کر آ گیا۔

راج کمار بھی کھڑا ہو گیا اس کا چہرہ فق تھا اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا۔

جو موت کو دیکھ لیتا ہے وہ پھر اس کے تصور سے پوری زندگی ڈرتا ہے آدمی کتنا بھی نڈر ہو بہادر ہو موت کا تصور اس کے لئے بھیانک ہی ہوتا ہے۔

راج کمار کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی میں اس کے قریب چلا گیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا وہ چونک پڑا میں نے کہا۔

"تم نے ایک خواب دیکھا ہے بھیانک خواب تمہاری زندگی اور موت کے درمیان صرف ایک لمحے کا فاصلہ تھا مگر یاد رکھو موت کبھی بے وقت نہیں آتی جب اس کا وقت ہو گا وہ پھر آئے گی اگر تمہارا وقت پورا ہو چکا ہو گا تو تم کو جانا ہو گا اس وقت، تم سے تمہاری رضا نہیں پوچھی جائے گی۔ اگر انسان کی موت اس کی مرضی سے آئے تو شاید بری سے بری حالت میں بھی کوئی موت کے ساتھ نہ جائے۔ اب تم ہوش کرو برا وقت گزر گیا ہے۔"

ایک بوڑھا مگر بہت تندرست آدمی میرے پاس آ کھڑا ہوا اور بولا۔

"آپ کون ہو میرے مہربان دوست؟"

"میں مسافر ہوں سیلانی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا نام زمیندار رام رتن ہے۔ میں اس لڑکے کا باپ ہوں تم نے میرے اکلوتے بچے کی جان بچا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔" وہ بولا

"تیرے بچے کی موت نہیں آئی تھی اس لئے بچ گیا اگر آئی ہوتی تو کون بچا سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

"آپ اندر گھر میں آ جاؤ میں آپ کی خدمت کروں گا۔" وہ بولا

"میں تمہارے خدمت کا محتاج نہیں ہوں۔ میں اسٹیشن جا رہا ہوں وہی میرا ٹھکانا ہے۔" اور میں واپس مڑ گیا اور چند لمحوں میں، میں املی کے درخت کے نیچے کھڑا تھا درخت پر چڑیائیں بیٹھی مزے مزے کی باتیں کر رہی تھیں میں نے درخت سے کہا۔ "تو نے دیکھا یہاں پر تیری کتنی ضرورت تھی۔"

"ہاں مگر مجھ میں اتنی طاقت کہاں تھی تو حضرت انسان ایسا کر سکتا تھا میں خوش ہوں۔"

شوکت دوڑ کر میرے پاس آ گیا اور خوشی سے بولا۔

"یہ تو کمال ہو گیا اتنا بڑا درخت راتوں رات اگ آیا۔"

"اور تو نے وہ پورا بیروں کا باغ نہیں دیکھا۔" میں نے کہا۔

"میں تو ابھی تک حیرت کے دریا میں ہوں میری عقل کام نہیں کر رہی۔" شوکت بولا۔

"تم کو یہی شکایت تھی نا کہ یہ ویران اسٹیشن ہے، یہ اب ویران نہیں رہے گا اس کے چاروں طرف ہریالی ہوگی، ہریالی زندگی کی علامت ہوتی ہے، پرندے آئیں گے اور دوسرے جانور بھی آئیں گے ان کے ساتھ انسانوں کا رخ بھی اِدھر ہو جائے گا تم نے اس اسٹیشن کا نام مہاجن پور بتایا تھا اور کہا تھا تم نے کسی مہاجن کو نہیں دیکھا تو تم فکر نہ کرو تم دیکھ لو گے۔"

اسٹیشن کے اِرد گرد درختوں کی تعداد بڑھتی رہی اور گاؤں کے درخت کم ہوتے گئے۔

اس پتھریلے علاقے میں ہر جگہ درخت نظر آنے لگے برسات ہونے لگی اور زندگی کی گہما گہمی نظر آنے لگی پورا گاؤں اور زمیندار باغ کے شفٹ ہونے پر حیران تھے دور دور سے لوگ اس باغ میں آتے تھے۔

درخت وہی تھے ان پر پھل بھی اسی طرح آ رہے تھے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے علاقوں کے لوگ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔

مہاجن پور اب صرف ایک ویران اسٹیشن نہیں تھا یہ خوب آباد علاقہ تھا دور دور سے گاؤں کے لوگ بھی آتے تھے۔ زمیندار رام رتن کے گاؤں کے لوگ بھی یہاں آ گئے۔ اور آزادی سے کھیتی باڑی کر رہے تھے ان پر کسی کی دھونس نہیں تھی غلامی نہیں تھی رام رتن ان کا یہاں پر کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اس کو پتہ تھا کہ میں یہاں پر ہوں۔

کھیت اجڑ گئے تھے باغ مہاجن پور آ گئے تھے۔ انسان تو انسان پرندے اور دیگر جانور بھی گاؤں سے بھاگ کر آ چکے تھے۔

میں اب بھی اسی کوٹھری میں تھا ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا تھا۔

رام رتن میرے پاس آ گیا اور بولا۔

"گرو مجھے معاف کر دو میں اپنی بربادی کا کارن سمجھ گیا ہوں۔"

"تو پھر بتا تیری بربادی کا کارن کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری بربادی کا کارن آپ ہو میں آپ کو سمجھ نہیں سکا۔" وہ بولا۔

"تو مورکھ ہے۔" میں نے کہا۔ "تیری بربادی کا کارن میں نہیں ہوں۔ تیری بربادی کا کارن تو خود ہے تیری بربادی کا کارن تیرا راج کمار ہے، تو نے جو پرم پرا اپنے بارے میں اور اپنے پریوار کے بارے میں خود بنائی ہے یا تیرے پرکھوں نے بنائی ہے اس کی بنیاد خود غرضی اور مطلب پرستی پر رکھی ہے تیرے گاؤں کا آدمی تیرا غلام رہے تیری چاکری کرے مگر اس کو دو وقت کی روٹی پیٹ بھر کر نہ ملے یہ ہے تیری پرم پرا مگر اب وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے تو اس گاؤں میں رہے گا ضرور مگر تو اور تیرا راج کمار وہ کام کرے گا جو تو اپنے غلاموں سے کراتا تھا اور سن کبھی گاؤں سے جانے کی کوشش نہ کرنا اگر کرے گا تو اچھی طرح سن رکھ کہ اب بھی تیرے پاس بیل گائے ہیں ان کا دماغ کسی وقت بھی پھر سکتا ہے تجھے

ہر حالت میں وہیں پر رہنا ہے تیری صرف اتنی سی سزا ہے۔"

رام رتن پیروں میں گر گیا اور بولا۔

"گرو معاف کر دو اب میں انسان بن جاؤں گا۔"

"پہلے انسان بن کر دکھا پھر بات کریں کہیں پر ہوں مجھے پتہ چل جائے گا۔ اب تو جا اب نہ آنا اگر آئے گا تو جو رعایت تجھے ملی ہے اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

رام رتن اٹھ کر ہاتھ ملتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شوکت آ گیا اور بولا۔

"گرو اتنا مرکھنا آدمی ایسا سیدھا ہو گیا یقین نہیں آتا۔"

"شوکت انسان بہت سیدھا ہوتا ہے مگر طاقت اس میں بل دینا شروع کر دیتی ہے طاقت چاہے جسمانی ہو دولت کی ہو کرسی کی ہو پھر آدمی امرتی کی طرح ہو جاتا ہے اس کا سرا تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے اگر کوئی سرا مل بھی جائے تو اس کو کھولنا سیدھا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔

"پھر یہ امرتی تھا انسان سیدھا کس طرح ہو گیا؟" شوکت بولا۔

"اس کا ایک ہی طریقہ میرے نزدیک تھا۔" میں نے کہا۔

"کونسا طریقہ؟" شوکت بولا۔

اس امرتی کو سل پر رکھ کر پیس دیا جائے۔ اور نئے سرے سے اس کو بنایا جائے۔ رام رتن کے پاس کچھ دن کے بعد کیا رہ جائے گا اس کو ہر کام خود کرنا ہوں گے اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔ پھر ایک نیا انسان وہ بن جائے گا۔" میں نے کہا۔

شوکت نے گردن ہلائی اور بولا۔ "کہتے ہیں کہ سو سال کے بعد گھوڑے کے دن پھر جاتے ہیں۔ میں اس بات کو دیوانہ پن کہا کرتا تھا مگر اس مہاجن پور کی حالت اتنی تیزی سے بدلے گی اور آبادی اتنی ہو جائے گی کون یقین کرے گا۔ اب تو اکثر گاڑیاں رکنے لگی ہیں نئے نئے آرڈر آ رہے ہیں اسٹیشن کو بڑھایا جا رہا ہے نئے نئے بازار پیدا ہو رہے ہیں بارش ہو رہی ہے، اناج اور پھل اگ رہے ہیں دن بدن یہ ویرانہ اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے ایسا میں نے کیا کسی نے کب سوچا تھا۔"

"تم نے کبھی کوئی ایسا گاؤں دیکھا ہے جس میں گھر ہوں کنویں ہوں درخت ہوں۔ مگر انسان ایک نہ ہو اس گاؤں کے سب لوگ نقل مکانی کر کے کسی اور جگہ آباد ہو گئے ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے تو گرو ایسا سنا بھی نہیں ہے آخر وہ لوگ آباد گاؤں چھوڑ کر کیوں جائیں گے؟" شوکت بولا۔ "یہ ہندوستان ہے یہاں پر ہزاروں قسم کے عقائد اور کئی مذاہب ہیں دیوی دیوتاؤں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے ان میں سے کچھ کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی آبادی کو آباد ہوئے ہزار سال ہو جائیں تو اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہئے اور وہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو پتہ کیسے چلتا ہے کہ ہزار سال پورے ہو گئے ہیں۔" شوکت بولا۔ "ان کے عقیدے کے مطابق کچھ نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہوتی ہیں ان کے مذہبی راہ نما ان کو باور کراتے ہیں اور وہ نقل مکانی کر جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"گرو اس ویرانے کو آپ نے آباد کر دیا ہے میں نے وہ دیکھ لیا جو شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔ اگر آپ نہ رہے تو کیا یہ پھر ویرانہ نہ ہو جائے گا۔" شوکت بولا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوگا اب یہاں پر انسان آباد ہو گیا ہے اس نے یہاں پر اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے درختوں کی جڑیں زمین کے سینے پر بہت نیچے تک جا چکی ہیں جب جڑیں اندر ہوں تو آدمی کہیں نہیں جاتا میں تو سیلانی ہوں میرا ٹھکانا بدلتا رہتا ہے اس کے علاوہ میرے کچھ اور بھی کچھ کام ہیں میں ان سے غافل نہیں رہ سکتا۔ میں کسی وقت بھی جا سکتا ہوں میرے جانے کا اعلان نہ کرنا اور تلاش بھی نہ کرنا۔"

شوکت خاموشی سے چلا گیا اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے سینے میں بہت سے سوال ہیں مگر وہ بڑا سمجھدار انسان

تھا میرے مزاج اور زبان کو سمجھتا تھا۔

اسٹیشن کے چاروں طرف خوب آبادی ہو گئی تھی۔ اس کے آباد کرنے میں کسی بیرونی امداد کی ضرورت نہیں پڑی تھی خود بہ خود آبادی بڑھ رہی تھی اور پھر مہاجن پور گاؤں بن گیا۔

اور میں آگے روانہ ہوا سفر پیدل تھا اگر چاہتا تو اپنے علم کے ذریعے بھی جا سکتا تھا مگر مجھے پیدل سفر کرنے میں مزا آ رہا تھا۔ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے ہر پچاس میل کے بعد یہاں کی زبان بدل جاتی ہے کچھ طور طریقوں میں فرق آ جاتا ہے کپڑے اور زیورات میں فرق آ جاتا ہے لوگوں کے مزاجوں میں فرق آ جاتا ہے میرے راستے میں دریا بھی آ ئے ریت کے میدان بھی آئے میں چلتا رہا۔ میرے۔ ئے تنہائی نہیں تھی میرے ساتھی درخت تھے میں بات ان سے کر لیا کرتا تھا جنگل کے جانور مجھے دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے درخت خود بتا دیا کرتے تھے کہ اس کا پھل میرے لئے مفید ہے کہ نقصان کرے گا۔ میرے لئے خوراک کا مسئلہ تھا نہ قیام کی دشواری تھی۔

میرے سامنے ایک بہت اونچا پہاڑ تھا اس کا رنگ سرخ تھا میں اس کے قریب گیا تو وہ بولا۔

"میری خواہش پوری ہو گئی تم میرے پاس آ گئے میں نے تم کو دیکھ لیا میرے پاس قیام کرو مجھے خوشی ہو گی۔"

میں اس کی اونچائی کی طرف چلا اور چڑھتا ہی چلا گیا۔ وہ بہت اونچا پہاڑ تھا۔ میں اس کی چوٹی پر چلا گیا۔ پہاڑ پر کوئی درخت نہ تھا دھوپ میں پتھر جلتے کوئلے کی طرح گرم ہو جایا کرتا تھا۔ اس کی چوٹی پر کسی انسانی وجود کا تصور بھی مشکل تھا مگر وہاں پر ایک انسان موجود تھا۔ میں اس کو انسان اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ دو پیروں پر چلتا تھا اس کے دو ہاتھ تھے اور ایک چہرہ بھی تھا۔ اس کا جسم لکڑی کا بنا ہوا لگتا تھا۔ جسم پر ذرا گوشت نہیں تھا چہرے پر صرف آنکھیں نظر آتی تھیں اس کے اس لکڑی کے بدن پر ہڈیوں پر کھال منڈھی ہوئی تھی اور وہ کھال جل کر کالی ہو چکی تھی جسم کے کسی حصے پر بال نہیں تھے پہلی نظر میں وہ انسان نہیں لگتا تھا عام آدمی اس کو دیکھ کر ڈر سکتا تھا کیونکہ انسانوں والی کوئی بات نظر نہیں آتی تھی۔

وہ ایک پتھر پر کھڑا تھا اس کا رخ میری طرف نہیں تھا میں اس کے پیچھے تھا اس نے میری طرف رخ نہیں کیا اپنی جگہ کھڑا رہا میں اس پتھر کے قریب چلا گیا جس پر وہ کھڑا تھا۔

میں انتظار کرتا رہا کہ وہ میری طرف اپنا رخ کرے گا۔ مگر وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت تھا۔

میں نے پتھر سے پوچھا۔ "یہ کب سے کھڑا ہے؟"

پتھر نے کہا۔ "چالیس دن ہو گئے ہیں، یہ یہاں اسی طرح کھڑا ہے۔ میں اس سے دور آ گیا، میں اس کی عبادت یا ارتکاز میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔" پہاڑ کے اوپر بڑا میدان تھا مگر کہیں پر سایہ نہیں تھا آسمان پر سورج پوری طرح روشن تھا۔ اور پہاڑ کے پتھر گرم ہو رہے تھے پتھریلا فرش توے کی مانند گرم تھا۔

"تو نے مجھے گرمی میں مارنے کی خواہش کی تھی۔" میں نے پہاڑ سے کہا۔

"نہیں دائیں طرف جاؤ تم کو ایک گھر مل جائے گا۔" پہاڑ بولا۔

میں دائیں طرف چل پڑا کچھ ہی دور مجھے ایک غار نظر آ گیا میں اس کے اندر چلا گیا اور چلتا ہی گیا۔

غار حیرت انگیز طور پر ٹھنڈا تھا اور نہ معلوم کدھر سے ٹھنڈی ہوا بھی آ رہی تھی میں اور اندر چلا پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی اور ایک جھرنا غار میں گزر رہا تھا جہاں سے پانی گزر رہا تھا وہیں سے روشنی اور ہوا بھی آ رہی تھی ہوا اتنی ٹھنڈی تھی کہ یہ پانی کے ساتھ آ رہی تھی یہاں باہر کے مقابلے میں بڑا سکون تھا۔ میں نے آسن جمایا اور اپنا سبق یاد کرنے لگا یہ میرا ایک طریقہ کار تھا جب فرصت ملتی تھی میں اپنا سبق یاد کرنے لگتا تھا، گرو نے کہا تھا۔ "بیٹا اگر سبق بھولا تو سب کچھ گیا۔" مجھے نہیں پتہ میں کتنے عرصہ اس غار میں رہا۔ اور پھر باہر آ گیا۔ پتھر خالی پڑا تھا

اس پر کوئی نہیں تھا میں نے پتھر سے پوچھا تو وہ بولا...... "اس کا جاپ پورا ہو گیا وہ چلا گیا۔"

"وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ چل سکتا ہے، میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ دوسری بار آیا تھا۔ پہلے اس نے تین مہینے گزارے تھے اور اب کے بیاسی دن گزارے ہیں، وہ کون ہے کہاں سے آتا ہے مجھے کیا پتہ؟"

میں پہاڑ سے اتر آیا اور ایک جانب چل پڑا۔ کچھ ہی دور مجھے ایک پکی سڑک نظر آ گئی اس سڑک کے کنارے جامن اور آم کے درخت کھڑے تھے جامن درختوں پر لگی ہوئی تھیں میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ درخت پر پرندے اچھل کود کر رہے تھے ایک دو بندر بھی جامن کھا رہے تھے۔ میں نے درخت سے کہا۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

درخت نے جواب دیا "یہ راجہ جے پور کی راج دھانی ہے تین چار کوس پر جے پور شہر اور یہ سڑک جودھپور جاتی ہے۔"

میں نے بندر کو اپنے پاس بلایا اور اس کو کہا۔

"تو کب سے جامن کھا رہا ہے تیرا پیٹ نہیں بھرا۔"

بندر نے دانت نکال دیئے اور بولا۔ "جامن سے پیٹ کب بھرتا ہے میں تو اپنے پیٹ کی صفائی کے لئے کھا رہا ہوں۔"

"میں تیرے پاس اتنی دور سے آیا ہوں تو نے مجھے پوچھا تک نہیں۔" میں نے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں تم میرے ساتھ چلو کچھ ہی دور ہماری بستی ہے وہاں پر میں خاطر کروں گا۔" بندر بولا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر میں جامن لے آتا ہوں وہ کھا لو۔" وہ بولا۔

"ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں تو جا اور جامن کھا۔" میں نے کہا۔

بندر چلا گیا میں اٹھ کر آگے چلا۔ شاید ایک دو کوس چلا ہوں گا کہ بائیں طرف مجھے پرانے محلات کے کھنڈرات نظر آئے۔ میں اس طرف مڑ گیا۔

کھنڈرات میں جگہ جگہ درخت اور گھاس بھی کھڑی تھی میں ایک بہت بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور اس سے پوچھا۔ "یہ محلات کیسے ہیں؟"

"یہ جے پور کے محلات ہیں کبھی ان میں جے پور کا راجہ رہا کرتا تھا۔ مغلوں نے راجہ کو برباد کر دیا تھا۔ پھر اس نے مغلوں کو اپنی لڑکی دے کر دوستی کر لی اور دوسرے محلات بنائے اور وہاں پر رہنے لگے اور پرانے محلات کو ویران کر دیا یہ جب سے ہی ویران ہیں اس محل کو آمیر کا محل کہا جاتا ہے۔"

میں پھر سڑک پر آ گیا اب جے پور کے گاؤں نظر آ رہے تھے ان میں کسان کام کر رہے تھے کسانوں کے ساتھ ان کے بیل اور عورتیں بھی تھیں عورتوں کی سرخ یا پیلی چولیاں تھیں اور گھاگرے ہرے شوخ رنگ کے تھے ان کی چولیاں بڑی مختصر تھیں اور پورے پیٹ نظر آ رہے تھے وہ اپنے مردوں کے ساتھ برابر سے محنت کر رہی تھیں ان کے دودھ پیتے بچے کھیت کے کنارے درختوں پر کپڑے میں لٹک رہے تھے اور ہوا ان کو جھلا رہی تھی۔

میں ایک کھیت میں کسان کے پاس چلا گیا اور بولا۔

"کا ہے کا کھیت ہے بھائی؟"

"دیکھ نہیں رہا گاجر بھری پڑی ہیں۔" وہ بولا۔

"اچھا تو یہ گاجر ہیں۔" میں نے کہا۔

ارے کا بات کرے ہے تے نے گاجر نہیں کھائی کبھو "تھا اُدھر وں اپنی عورت سے بولا۔

"اری کنگن سا دھو مہاراج کے گاجر دھو کے کھلا۔"

"یہ تمہاری کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اے لو ہو گی کون ارے جورو ہے کنگن منڈپ پر سات پھیرے کر کے لی ہے سری پر بڑے کام کی چیز ہے ہمارا جب گن نہیں ہوا تھا ہم اکیلے کھیت میں کام کرتے تھے تھک کر چور ہو جاتے پر اب نہیں ہوتے دن بھر یہ ہمارے کان کھائے رکھتی ہے سارا دھیان تو اس کی

طرف رہے ہے تھکان کیسے ہوگی۔ پر تم کا جانو یہ سب کہ کیا مزا ہے یہ تم شہرے ڈولتے پھرتے سادھو۔'' کسان تھا ہاتونی بولا۔

''تم اپنی دنیا میں خوش ہو یہ بہت اچھا ہے سب کی فکر نہ کرو سب کی فکر کرو گے تو اپنا کام پورا نہیں کر پاؤ گے۔''

''آدمی ہر طرف بھاگتا ہے تو کہیں نہیں پہنچتا جو ایک طرف چلتا رہتا ہے وہ کہیں نا کہیں ضرور پہنچ جاتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جوگی تیری بات من کو لاگے ہے۔'' کسان بولا۔

''تو کبھی مجھے سادھو بناتا ہے کبھی جوگی ارے میں یہ سب نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کچھن پانی سے دھو کر گاجر لے آئی اور بولی۔ ''لو مہاراج پیٹ بھر کھاؤ۔''

میں نے ایک گاجر لے کر کہا۔ ''تیری خوشی کی خاطر کھا لیتا ہوں۔''

''میں تمہارے کا ہے میں لائی ہوں مہاراج۔'' وہ بولی۔

''میں نے کھالی، چل تیری خوشی پوری ہوگئی۔'' میں نے کہا۔

میں اس سے متاثر ہوگیا تھا شاید اس کے سادہ سے حسین چہرے پر بناوٹ کے کوئی آثار نہیں تھے میں نے اس کو غور سے دیکھا اس کا مختی جسم تھا وہ ایک بھرپور جوان عورت تھی، اس کا پیٹ ننگا تھا چولی بہت مختصر تھی پیٹ کا ابھار اور پھر گہرائی میں میں نے خود کو سنبھالا...... میں کیا سوچ رہا ہوں اور کس کے متعلق سوچ رہا ہوں یہ ایک شادی شدہ کسان عورت ہے اس کا دس ہاتھ کا مرد سامنے کھڑا ہے۔ میں نے اپنا رخ موڑ لیا اور واپس چل پڑا۔

کسان کی آواز میرے کان میں آئی۔ ''ارے مہاراج کہاں چل پڑے جل پانی تو کرتے جاتے۔''

میں اس کی آواز پر رکا نہیں۔

آج یہ کیا ہوا کسی ناری کو میں نے کس نظر سے دیکھ لیا۔ آج بہت عرصہ کے بعد میری وہ حس بیدار ہوگئی جو کبھی کی مر چکی تھی میں بھول چکا تھا کہ میں مرد ہوں میری بھی کچھ وہ خواہشات ہیں جو ایک مرد میں ہوتی ہیں۔ میں آگے بڑھتا گیا شہر کے اندر آ کر بھی میں چلتا ہی گیا۔

میں ایک گھنی آبادی کے علاقے میں کھڑا تھا میرے سامنے ایک مندر تھا میں اس میں داخل ہوگیا۔ یہ محلہ چاندنی پور تھا اور یہ مندر ہنومان مندر تھا۔ مندر بہت بڑا تھا میری طرف ایک آدمی آیا اس کا سر گنجا تھا اور بدن سے ننگا تھا اور صرف ایک دھوتی اس کے بدن پر تھی۔ وہ بولا۔

''پدھارو مہاراج۔''

''تم کون ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں سیوک ہوں راجہ جی کی طرف سے میری یہ ڈیوٹی ہے کہ میں آپ لوگوں کی خدمت کروں۔'' وہ بولا۔

میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے ایک صاف ستھری کٹیا میں لے آیا اور بولا۔ ''آپ آرام کرو میں بھوجن کا پربند کرتا ہوں۔'' اور وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں آسن جما کر بیٹھ گیا اور دنیا سے غافل ہوگیا۔

جب میں نے آنکھ کھولی تو سیوک میرے سامنے تھا بولا۔

''مہاراج میں تو سیوا کے لئے روز چکر لگاتا تھا پر تو آپ کو اسی حالت میں دیکھ کر ہٹ جاتا تھا جگانے کی ہمت نہیں تھی اس نے نہیں جگایا اب حکم ہو تو بھوجن لے آؤں۔''

''تو کہتا ہے تو لے آ۔ تیری خوشی بھی ضروری ہے۔''

وہ دوڑ کر گیا اور ایک تھالی میں پوریاں اور کئی قسم کے ساگ اور اچار لے آیا۔ ایک لوٹے میں چھاچھ بھی ساتھ تھی۔ میں نے اس کے سامنے بھوجن کر لیا لسی پی لی اور کہا۔

''آج تیری بات رکھ لی ہے، اب جب ہم کہیں کے تو بھوجن لانا ہمارے کھانے کی فکر نہ کرنا اور کسی کو اس طرف مت آنے دینا بس اتنی چنتا ضرور کرنا۔''

سیوک چلا گیا اور میں اپنے دھیان میں گم ہو گیا۔
سیوک میرے سامنے تھا۔ میں نے پوچھا ”تو روز آتا ہے میرے پاس۔“
”ہاں مہاراج جب فرصت ہوتی ہے تو آ جاتا ہوں، بڑا آنند ملتا ہے آپ کے پاس بیٹھ کر۔“ وہ بولا......
تو ہنومان کا بھگت ہے۔“ میں نے پوچھا۔
”ہاں مہاراج بھگت تو ہوں پر بڑی دبدہ میں پڑا ہوں۔“ وہ بولا......
”میں تیری دبدہ کو جان رہا ہوں ہنومان کے بھگت کو شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ان کو بال برہم چاری رہنا پڑتا ہے یہ کام آسان نظر آتا ہے مگر ہوتا نہیں آدمی کو خود سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔
اور اکثر وہ یہ جنگ ہار جاتا ہے اور وہ برہم چاری نہیں رہتا تیرے ساتھ بھی یہی ہے۔
تو ہار رہا ہے تیری عقل کہتی ہے ہنومان مندر کو چھوڑ کر گرہستی کی طرف چل، مرجائے گا کوئی نام نہیں ہوگا۔ دھرم کہتا ہے تو ہنومان کا سیوک ہے برہم چاری رہنا ضروری ہے۔
تو عقل کا کہنا مان لے اس لئے کہ ایسا برہم چاری جو صرف نام کا ہو، اندر سے نہ ہو بیکار ہے۔
تیری نگاہوں کا زاویہ بدل گیا ہے ناری تجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے یاد رکھ کبھی کبھی آدمی اس کھینچا تانی میں خرچ ہو جاتا ہے اور اس کو کچھ نہیں ملتا اس نے ایک طرف ہونا ہی تیرے لئے اچھا ہے۔“
سیوک نے گردن جھکا کر میری بات سنی اور بولا۔ ”میں آپ کی بات پر عمل کروں گا مہاراج۔“
سیوک مندر سے چلا گیا۔ اس کی جگہ دوسرا آ گیا۔
میں نے پوچھا ”تو کون ہے؟“
اس نے جواب دیا۔ ”میں نیا سیوک ہوں۔“
”تو بھی یہاں برہم چاری ہے۔“ میں نے کہا۔
”برہم چاری تو ہوں۔“ وہ بولا......
”مندر میں ناریوں کے ساتھ تو ہوتا ہوگا، تیرا من ناریوں کو دیکھ کر مچلتا تو ہوگا؟“ میں نے پوچھا
”مہاراج اصل بات یہ ہے کہ برہم چاری تو شاید اس مندر میں ایک بھی نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے رنگ میں مست ہیں کہنے کو برہم چاری ہیں، میں نے سب کو کنیاؤں کے ساتھ دیکھا ہے پھر بتاؤ میں یہاں برہم چاری کیسے ہوں گا، ہاں صرف یہ بات ضرور ہے کہ میری شادی نہیں ہوئی ہے۔“ وہ بولا......
”تو پھر یہ نقلی زندگی ختم کر کے شادی کر لے۔“ میں نے کہا۔
”ہنومان کو ناراض کر لوں وہ شراپ نہیں دیگا۔“ سیوک بولا......
”تیرے لئے وہ شراپ آسان ہوگا مگر تو اب جو کچھ کر رہا ہے وہ تو لا حاصل گناہ ہے۔ تیرا کام اس مندر میں نہیں ہے تو غلط جگہ آ گیا ہے“ میں نے کہا۔
دوسرے دن وہ بھی چلا گیا۔ تو بڑا پجاری میرے پاس آ گیا۔ ”معاف کرنا سادھو مہاراج میں کچھ کہنے آیا ہوں۔“ وہ بولا......
”کہہ مجھے پتہ ہے تو کیا بولے گا، پھر بھی تو اپنی زبان سے کہہ۔“ میں نے کہا۔
”تم اگر اس مندر کی اندر کی بات جان گئے ہو تو بھی زبان کو بند رکھو یہ دھرم کا معاملہ ہے۔“ وہ بولا۔
”میں اندر باہر کہیں کی بات نہیں جانتا تو بتا۔“ میں نے کہا۔
”دو سیوک تمہارے پاس آئے اور بھاگ گئے، اس طرح سیوک جاتے رہے تو اتنے بڑے مندر کا انتظام کیسے چلے گا۔؟“ پجاری نے پوچھا۔
”میں نے ان کو صرف اتنا کہا تھا کہ تم برہم چاری نہیں ہو تو پھر تم کو ہنومان کے مندر میں رہنے کا حق نہیں ہے وہ چلے گئے۔ تم اپنی بتاؤ تم ہنومان کے سیوک ہو کیا برہم چاری بھی ہو۔“ میں نے پوچھا۔
”دیکھو میں پھر کہتا ہوں اندر کی بات کو اندر ہی رہنے دو۔ اس مندر میں رہنا ہے تو آرام سے رہو تم کو ہر سہولت

میں دوں گا مگر اپنی زبان پر قابو کرنا ہوگا دوسری صورت میں تم کو اپنا ٹھکانا بدلنا ہوگا خوب غور کر لو۔" پجاری نے تیوریاں بدل کر کہا اور چلا گیا۔

پجاری کا راج اس مندر پر تھا میں نے رات کو ایک چیونٹے کا روپ دھارا اور کواڑ کے نیچے سے پجاری کے کمرے میں چلا گیا۔ پجاری اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اٹھارہ بیس سال کی حسین لڑکی تھی پجاری لیٹا ہوا تھا اور لڑکی اس کا سر دبا رہی تھی۔

لڑکی نے کہا۔ "گرو بہت دن ہو گئے خدمت کرتے اب تو اجازت دے دو۔"

"اری کیوں مری جا رہی ہے تیری کیا عمر گزر جائے گی۔ ارے ہم کو دیکھ اب تک برہم چاری مشہور ہیں۔ اور رہیں گے تیری جگہ کوئی اور آ جائے گی۔" پجاری نے کہا۔

"میں تو شادی کرنا چاہتی ہوں گرہستی بنانا چاہتی ہوں۔" لڑکی بولی۔

"تو میں نے کب منع کیا ہے بنا لینا ذرا ہمارا دل بھی خوش کر۔" پجاری بولا......

"دو سال سے سیوا کر رہی ہوں ماتا پتا نے ہنومان کی سیوا کو چھوڑا تھا اور خدمت تمہاری کر رہی ہوں۔ تاکہ میں کیا کروں تم نے میرا سب کچھ تو چھین لیا اب کیا دھرا ہے میرے پاس۔" لڑکی نے کہا۔

"ارے کس دبدہ میں پڑی ہے میں جس کو کہوں گا تجھ سے بیاہ کرے گا۔ تجھ سے کوئی پوچھ کچھ نہیں ہوگی۔ تجھے خبر ہے پورے جے پور میں مہاراجہ تک میری بات ہے۔" پجاری بولا......

اس کے بعد میرا وہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں رینگ کر دروازے سے باہر آ گیا۔

صبح سویرے پجاری اپنی کٹیا سے باہر نہیں آیا اسکو ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ پورے مندر میں ہاہا کار مچ گئی ہر طرف سانپ کو تلاش کیا گیا مگر میری طرف کوئی نہیں آیا۔

میں ہنومان کی مورت کے سامنے گیا اور کہا کہ "تیرے سامنے تیرے حکم کی دھجیاں بکھر رہی تھیں اور تو خاموش تھا، تو پتھر ہے کچھ تیرے پاس نہیں ہے تیرے حکم کی پابندی میں کراؤں گا۔"

میں نے ایک بوڑھے پجاری کو آگے کر دیا اور سب نے اسکو بڑا مان لیا۔ مندر سے ناریوں کو باہر کر دیا گیا اور سخت پابندی لگا دی گئی اعلان کر دیا گیا کہ "ہنومان سخت ناراض ہیں اگر کسی نے کسی ناری سے رابطہ کیا تو اس کو سانپ کاٹ لیگا۔" جس طرح بڑے پجاری کو کاٹ لیا تھا۔

بس اتنے حکم سے پورا مندر صاف ہو گیا جو لوگ صرف عیاشی کی خاطر مندر میں رہتے تھے وہ چلے گئے۔ میں بوڑھے پجاری کے پاس گیا اور کہا۔ "دیکھو تم نے اس مندر کو صاف کر دیا ہے ایسا ہی رکھنا بڑا کام ختم ہوا، اب میں جاتا ہوں مگر ایک بات یاد رکھنا سانپ یہاں پر موجود ہے۔

جے پور سے میں روانہ ہوا اور جودھپور آ گیا۔ یہ بھی ایک رجواڑہ ہے مگر یہاں پر مسلمان بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ بڑے دبے دبے ہیں ان کو اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔

میں ایک دیہاتی کسان کے روپ میں تھا میں نے سلوکا اور دھوتی باندھی تھی پیر میں پرانے طرز کے نوکدار جوتے تھے ان پر تیل چڑھا ہوا تھا میں ایک دوکاندار کے پاس گیا اس سے بولا۔

"میں بہت دور سے آیا ہوں، کوئی رہنے کا ٹھکانا مل جائے گا۔"

"اچھا تو کیا کرت سکے ہے یہ بول۔" وہ بولا......

"کسان ہوں اور بھیا کسان بھی ایسا بڑھیا کہ جو کوئی نہ کر سکے وہ کر دوں بھگوان ہوں" میں نے کہا۔

"اور جا کھیت میں دانہ مر جائے اوکا کیا کرے گا" وہ بولا......

"ارے مرے گا کیسے سسرے ہم کب مرن دیں گے۔" میں نے کہا۔

"تیرا نام کیا ہے؟" وہ بولا......

"ہمارا نام شیر سنگھ ہے۔" میں نے کہا۔

"اور ہمارا نام کملا ہے ایک بیگار کا ہمارا کھیت ہے ارے مردار ہوگیا ہے اسی کارن بہت ستا مل گیا۔ ہم تو لے کر پھنس گئے کا کریں۔" کملا بولا......

"کچھ نہ کرو ہمارے حوالے کر دو پھر دیکھو ہم کا کریں۔" میں نے کہا۔

"ارے واہ اس سے اچھی بات اور کا ہوگی آ جا پھر ہمارے گھر چل۔" وہ بولا......

میں اس کے ساتھ چل پڑا اسکا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے گھر میں اس کے علاوہ اسکی بیوی اور دو جوان لڑکیاں بھی تھیں بیوی لڑکیوں کی ماں لگتی ہی نہیں تھی۔ ایک بھینس اور کچھ بکریاں بھی صحن میں کھڑی تھیں وہ اندر جاتے ہیں بیوی سے بولا۔ "لے گوری تیرے لئے ایک کام اور بڑھا دیا۔" میں نے۔

گوری اس کی بیوی کا نام تھا وہ صحن میں گوبرا اٹھا رہی تھی گردن اٹھائے بغیر بولی۔

"تو اور کیا کرے گا میرے کام بڑھائے گا کبھی میرے آرام کا خیال کیا ہے جواب کرے گا۔"

"ایسا تو مت کہہ تیری خاطر تو میں سب کچھ کرتا ہوں۔" وہ بولا......

"اچھا بول کا بات ہے؟" وہ کھڑی ہوکر بولی پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو پھر بولی۔

"یہ کون تھاڑا ہے تیرے ساتھ آیا ہے؟"

"یہ اپنا کھیت ہے نا با کے آباد کرے گا۔" کملا بولا۔

گوری ہنس پڑی بولی۔ "ارے کبھی مرن کے بعد کوئی زندہ ہوا ہے وہ زمین مرگئی ہے اب کا رکھا ہے بات میں" وہ بولی تو میں نے کہا "ہر بیماری کا علاج ہے" ٹھکرائن۔

"اچھا گوری تو روٹی پانی کا پربند کر میں چلا دوکان پر اور یہ چھوریاں کہاں ہیں دونوں۔"

"ہوں کسی آم کے باغ میں رہ گئی ہوں کام کاج کو ...... دکھی۔" گوری بولی۔ اس کے بعد وہ مجھ سے بولا......

"یہ دیکھ کھاٹ پڑی ہے آج تو تو کھا اور آرام کر کل سویرے لے چلوں گا کھیت پر، دور ہے ذرا وہیں پر رہنا ہوگا۔ تیری روٹی پانی کا بندوبست میں کردوں گا۔"

کملا چلا گیا۔ اور میں کھاٹ پر لیٹ گیا۔ گوری آنگن میں کام کر رہی تھی کبھی اٹھ رہی تھی کبھی بیٹھ رہی تھی اسکی چولی بہت تنگ تھی اور بہت اوپر تک تھی ناف سے اوپر پورا پیٹ ننگا تھا۔

مجھے بڑا اچھا لگ رہا تھا اس کا گھاگرہ کبھی کبھی ہوا سے اڑ جاتا تھا۔ اور ٹانگیں دور تک روشن ہو جاتی تھیں مگر یہ لمحوں میں ہوتا تھا۔ میرے اندر کا مرد بیدار ہو رہا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا مگر آنکھیں بند ہونے پر بھی میرے سامنے گوری کا نظارہ رہا۔

شام ہوگئی اور کملا دوکان بند کر کے آگیا پھر اس نے کھانے کا بندوبست کردیا اور مکئی کی روٹی، میتھی کی سبزی اور لسی میں نے کھائی۔ میری کھاٹ وہیں پڑی رہی موسم اچھا تھا۔

میں وہیں پر سوگیا سویرے ایک گلاس دودھ اور مکھن لگی بیسن کی روٹی سے ناشتہ کیا اور کملا کے ساتھ اس کے کھیت کی طرف روانہ ہوا۔

جے پور کے مقابلے میں جودھپور بہت معمولی شہر ہے زیادہ بڑا ابھی نہیں بازار میں نیلی پیلی پگڑیاں اور تیز رنگوں کی ساڑھیاں اور چولیاں نظر آتی ہیں زبان کھڑی ہے اور انداز گفتگو نئے آدمی کو ناگوار لگتا ہے مگر یہ ان کے بولنے کا انداز ہے نہایت سیدھے لوگ ہیں راجہ سے بہت ڈرتے ہیں میں یہ سب دیکھتا کملا کے ساتھ تھا پھر بازار ختم ہوگئے اور ہم شہر سے باہر آگئے۔ شہر سے باہر آنے کے بعد زیادہ دور نہیں چلنا پڑا کھیتیاں شروع ہوگئیں۔

اب کھیت کے کنارے دو تین نیم کے درخت کھڑے تھے کملا وہیں کھڑا ہوگیا اور بولا......

"یہ بھی دیکھ لے یہ ہے میرا کھیت سدا کا بنجر اب تو

جان اور یہ کھیت جانے تیری روٹی پانی اور کھاٹ میں لے آؤں گا رہنا تجھے یہیں پر ہوگا آباد ہوگیا تو تیرا حصہ بھی دوں گا اور خرچ بھی دوں گا اگر کر سکے تو بول میں تیرے لئے انتظام کروں۔'' کملا بولا......

''میں نے کہہ دیا تو کروں گا بھی تو ایک جھونپڑی اس درخت کے نیچے بنا دے اوزار بھی لا دے پھر میں جانوں اور میرا کام تو بے فکر ہو جا۔'' میں نے کہا۔

''شاباش جوان تو بڑی ہمت والا لگتا ہے۔ یہ ساری زمین بنجر ہے سب ناامید ہو کر چھوڑ بیٹھے ہیں اگر تو نے آباد کر دی تو سمجھ یہ سارا علاقہ آباد ہو جائے گا۔''

کملا چلا گیا اور شام سے پہلے ایک ہاتھ گاڑی میں سب سامان لیکر آ گیا درخت کے نیچے اس نے ایک جھونپڑی ڈال دی کھاٹ ڈال دی اس پر ایک دری اور تکیہ رکھ دیا۔ سارے اوزار جھونپڑی میں رکھ دیئے اور بولا......

''بول تو حقہ اور تمباکو بھی لے آؤں۔''

''میں حقہ نہیں پیتا اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تیری روٹی آ جائے گی۔'' وہ بولا......

میں چاہتا تو روٹی کو منع کر سکتا تھا مگر میں نے منع نہیں کیا مجھے اندازہ تھا کہ کملا روٹی لیکر نہیں آ سکتا گوری آئے گی گوری کا خیال آتے ہی بہت سارے خیالات آنے لگے میں نے جھٹک کر ان خیال خیالات چھٹکارا حاصل کیا اور جھونپڑی کے باہر آ گیا۔

اور نیم کے درخت سے پوچھا۔ ''تو کب سے ہے یہاں پر''

''میں تو پیدا ہی یہاں ہوا تھا اب تو بوڑھا ہو رہا ہوں۔'' درخت بولا......

''تو یہ بتا یہ زمین بنجر کیوں ہو گئی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ زمین بنجر نہیں ہے اس کو بنجر بنایا گیا ہے۔'' درخت بولا......

''بنایا گیا ہے وہ کس طرح؟'' میں نے پوچھا۔

''تم دیکھ رہے ہو اس کھیت کے اور اس کے ساتھ کے کھیت کے ہر طرف ہریالی ہے یہ دو تین کھیت بنجر ہیں کسی زمانے میں ان کھیتوں کا مالک ہریا نام کا آدمی ہوا کرتا تھا۔ یہ کھیت بڑی اچھی فصل دیا کرتے تھے ان کھیتوں کو ہریا سے لینے کی کوشش کی گئی مگر وہ راضی نہیں ہوا اور ایک دن ایسا آیا کہ یہ کھیت ویران اور بنجر ہو گئے ہریا نے ایک آدمی کو ایک کھیت دے دیا مگر پھر بھی آباد نہ ہوا۔''

''ہریا سے کون یہ کھیت لینا چاہتا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''مانی چند ایک زمیندار تھا اب تو مر گیا اس کے ساتھ اس کا ایک دوست تھا وہ کالے علم کا ماہر تھا اور لکشمی دیوی کے مندر میں رہتا تھا یہ مندر آگے چل کر سڑک کے کنارے ہے وہ کالے جادو کرنے والا بھی بہت بری حالت میں مارا گیا مگر یہ ویران زمین پچاس سال سے ویران پڑی ہے کملا کے باپ نے اونے پونے خرید لی کہ شاید وہ کچھ کر سکے گا مگر کچھ نہ ہوا۔'' درخت نے بتایا۔

''اس کالے عمل کرنے والے نے کیا کیا تھا اس زمین پر۔'' میں نے پوچھا۔

''ایک کتا اس نے زمین میں زندہ دفن کر دیا تھا اور اس جگہ چالیس دن تک جاپ کرتا رہا تھا اس کے بعد تمام ہریالی ختم ہو گئی میں تو کنارے پر تھا میری جو جڑیں کھیت کی طرف تھیں سب مر گئیں اب تک زندہ تو ہوں مگر پوری طرح نہیں۔'' درخت بولا......

دوسرے دن درخت نے جگہ کی نشان دہی کر دی اور میں نے اس مقام پر کھدائی شروع کر دی دوپہر تک میں کھدائی کرتا رہا ایک بجے کے لگ بھگ گوری میرا کھانا لے کر آ گئی۔ میں کھیت کے درمیان میں تھا اور میرے چاروں طرف مٹی کا ڈھیر پڑا تھا وہ وہیں آ گئی اور حیرت سے بولی۔

''کا کنواں بنائے ہو؟'' میں گردن اٹھا کر اس کو دیکھا میں کھڈے کے اندر تھا وہ اونچائی پر ایک مٹی کے ٹیلے پر

کھڑی تھی اس کا لہنگا ہوا میں اڑ رہا تھا اس کو اندازہ نہیں تھا۔ اس کا اس نے پھر حیرت سے کہا۔ ''کا کر رہے ہو؟''

''کام کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اچھا کرتے رہو، پہلے پیٹ پوجا کر لو، میں برتن لے جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''تجھے بہت دور آنا پڑا میرے کارن۔'' میں نے کہا۔

میں گڑھے سے باہر آ گیا اور جھونپڑی کی طرف بڑھا پھر وہ بھی میرے ساتھ ساتھ آ گئی۔

میں نے ہاتھ دھوئے اور کھاٹ پر بیٹھ گیا میرے سامنے اس نے روٹی کی پوٹلی رکھ دی اور بولی۔

''تو جوان چوکھا ہے کہاں کا ہے یہ نہیں بتایا تو نے۔''

''میں بھرت پور کا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کون ذات کا ہے یہ بھی تو بتا؟'' وہ بولی۔

''تیری ذات کا ہوں۔'' میں نے پوٹلی کھول کر کہا۔

''چل یہ تو سندر ہوا کہ تو میری ذات کا ہے۔'' وہ بولی۔

''تیرا گن بیاہ ہو گیا ہے کہ اب تک بیل کی طریوں ہر کھیت میں منہ مار رہا ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''کھیت میں تو اب آیا ہوں پہلے تو پہاڑ پر تھا وہاں کھیت کہاں ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

میں نے روٹی کھالی تو وہ بولی۔ ''اچھا تو کام کر میں جاتی ہوں۔''

''ذرا دیر اور رک جا۔'' میں نے کہا۔

''میرے رکنے سے کیا ہوگا تیرا کام بھی رکے گا۔'' وہ بولی۔

''تجھے دیکھ کر میری تھکن اتر جاوے گی۔'' میں نے کہا۔

''ہائے رام خالی دیکھنے سے تھکن اتر جاوے ہے۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''اچھا تو جا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''تو بات ادھوری کرے ہے یہ ٹھیک نا ہے۔'' وہ بولی۔

''پوری بات میں پھر کبھی کروں گا اب تو جا۔'' میں نے کہا۔

اور وہ چلی گئی میرے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپی پیدا ہو رہی تھی میری مردانہ حس پوری طرح بیدار تھی اگر وہ اور رک جاتی تو میں شاید خود پر قابو نہ رکھ پاتا۔

میں پھر گڑھے کے پاس آ گیا اور اندر کود گیا۔ تھوڑی اور کھدائی کے بعد مجھے کتے کی ہڈیوں کے آثار نظر آ گئے میں نے وہ ہڈیاں ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیں اور کچھ دیر میں میں نے ساری ہڈیاں جمع کریں اور ان سب کو سمیٹ کر گڑھے سے باہر آ گیا اور درخت کی طرف چلا۔

''یہی کتا اس کالے عمل کرنے والے نے گاڑا تھا۔'' میں نے درخت سے پوچھا۔

''اگر یہ ہڈیاں وہاں سے نکلی ہیں تو ضرور یہی ہے۔'' وہ بولا......

میں نے لکڑیاں جمع کیں اور ان کو ان لکڑیوں کے اوپر رکھ دیا۔

درخت بولا۔ ''کیا ان کو جلاؤ گے؟''

''ہاں یہی کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''کہیں اور کچھ چکر نہ ہو جائے سوچ لو۔'' درخت بولا......

''اگر یہ ہڈیاں جل گئیں تو جادو ختم ہو جائے گا، ان ہڈیوں کی موجودگی میں یہ کھیت ہرا نہیں ہوگا، ہر جادو کی ایک شرط ہوتی ہے اس کی یہی شرط ہے۔'' میں نے کہا۔

میں نے لکڑیوں میں آگ لگا دی، آگ بھڑک اٹھی اور لکڑیوں کے ساتھ ہڈیاں بھی جلنے لگیں ہڈیوں میں آگ لگتے ہی ایسا لگا جیسے سیکڑوں کتے کھیت میں رو رہے ہوں۔ ان کی آواز میں درد اور تکلیف کا احساس تھا آگ پوری طرح جل رہی تھی کھیت میں کوئی نہیں تھا مگر ایسا لگتا تھا جیسے ہر طرف کتے دوڑ رہے ہیں اور آوازیں نکال رہے ہیں۔

آگ کم ہوتی گئی۔ ہڈیاں ختم ہوتی گئیں اور آوازیں مدھم ہوتے ہوتے ختم ہو گئیں اب صرف کوئلے دہک

رہے تھے ان کی تپش مجھ تک آرہی تھی۔

میں کھیت کے اندر گڑھے کے پاس چلا گیا اور مٹی پھر گڑھے میں بھر دی۔ ابھی میں واپس بھی نہیں آپایا تھا کہ آسمان پر گھرے بادل آگئے اور اچانک بارش ہونے لگی ۔

میری جھونپڑی اور درخت اونچی جگہ پر تھے میں جھونپڑی میں آگیا اور پانی برستا رہا اور پھر سارے کھیت میں پانی بھر گیا میں کھاٹ پر لیٹ گیا اور بڑی پیاری نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

بارش کب تک ہوئی مجھے اندازہ نہیں ہوا سویرے سویرے مجھے کملا نے جگایا۔

''ارے اٹھ جا میرے یار رات بھر برسات ہوتی رہی ہے تیری کھاٹ پوری گیلی ہے اور تو مزے سے سو رہا ہے آجا روٹی کھالے۔''

میں اٹھ گیا اور اس کے ساتھ ناشتہ کرنے لگا ناشتے کے دوران کملا بولا۔ ''کام کتنا کرلیا۔''

''کام تو ختم کرلیا اب تو اس میں ہل چلا اور جو دل کرے وہ بیج ڈال دے۔'' میں نے کہا۔

کملا حیرت سے بولا ''ارے کا جادو کردیا تو نے۔''

''جادو میں نے نہیں کیا جادو کسی نے کر رکھا تھا اس کو ختم کردیا ہے اب یہ زمین آزاد ہے اب اسکی کوکھ سے تو جو چاہے پیدا کرلے۔'' میں نے کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو بھیا اپنی کھوپڑیا میں تو کچھ نہیں آیا۔'' وہ پریشان ہوکر بولا۔

''تو اپنی کھوپڑی پر زیادہ زور مت ڈال میری بات پر عمل کر اور ہل چلانے کا بندوبست کر ورنہ وقت نکل جائے گا۔'' میں نے کہا۔

کملا نے گردن ہلائی اور حیرت میں ڈوبا ہوا چلا گیا۔

دوپہر کو کوئی نہیں آیا شام کو گوری روٹی لے کر آگئی آتے ہی خوشی سے بولی۔

''کھیت میں ہل چلوار ہے ہو کھیت ٹھیک ہوگیا۔''

''فصل اگانے کو ہل تو چلانا پڑتا ہے یہ تو تجھے پتہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''سب پتہ ہے بچہ نہیں ہوں پر اتنی جلدی تو نے کیسا چمتکار کردیا۔ کملا بتلائے تھا کہ تو نے زمین کا جادو ختم کردیا پھر تو تو بڑا ہی گہرا آدمی مجھے لاگے ہے۔'' وہ بولی۔

''میری گہرائی میں اترے گی تو اوپر نہیں آپائے گی۔'' میں نے کہا۔

''تو نے بنجر زمین کا علاج کردیا یہ تو بے زبان ہے پھر علاج ہوگیا۔'' وہ بولی۔

''اچھا تو اب جا شام ہو رہی ہے اور کملا کو کہہ دینا کل ہل والے آجائیں۔'' میں نے کہا

گوری چلی گئی زمین خود بخود ہل کے نیچے آرہی تھی۔ میرا دماغ بہت دور دور تک دیکھ رہا تھا میرے خیالات کا رخ نہ جانے کہاں کہاں جا رہا تھا۔

کھیت میں ہل چلا دیا گیا اور ساری کارروائی کے بعد چنا ڈال دیا۔ میرے لئے کھیت کے درمیان ایک مچان بنادیا گیا اس مچان کے اوپر بھی چھت ڈالی گئی میں اس میں رہنے لگا کچھ ہی دن میں کھیت میں ہریالی نظر آنے لگی ننھی کونپلوں نے اپنا سر ابھارا تھا۔ کملا اور گوری اس کو دیکھ کر نہال ہوگئے۔

کملا نے خوشی کے مارے میرا منہ چوم لیا اور بولا۔ ''وارے جادوگر تو نے تو چمتکار کردیا۔''

''تم مجھے جادوگر نہ کہو تم نے ابھی کچھ نہیں دیکھا۔'' میں نے کہا۔

''اتنا بڑا کام کردیا۔ یہ جادو تو ہے۔'' وہ بولا۔

گوری آگے بڑھ کر بولی۔ ''اب تم ہمارے پاس ہی رہنا میں جانے نہیں دوں گی۔''

''آدمی کی ضرورت اس کو لئے پھرتی ہے خود سے کون پھرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے تیری خدمت کریں گے تو ہمارے پاس رہنا۔'' کملا بولا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں خوش خوش چلے گئے۔

دوسرے دن گوری اکیلی آ گئی میں جھونپڑی میں تھا۔
وہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی اس کی چولی آج بہت تنگ تھی اور لہنگا پنڈلیوں تک پہنچا ہوا تھا اس کی گوری گوری تندرست پنڈلیاں صاف نظر آ رہی تھیں ان پر باریک باریک رواں مجھے آگے لے جارہا تھا میں اب تک کبھی کسی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا شاید اس لئے وہ مجھے دنیا کی حسین ترین عورت نظر آ رہی تھی اس نے اپنی ضرورت کے مطابق بناؤ سنگھار بھی کیا تھا۔ میں اس کے حسن کے جال کے طلسم میں بری طرح پھنس چکا تھا اگر کسی بھوکے کو دعوت مل جائے تو اس کی کیا حالت ہوگی وہی میری حالت تھی میں جذبات کے اندھے کنویں میں پوری طرح اتر چکا تھا اسکا لہنگا کچھ اوپر ہو گیا تھا میں اس کے اور قریب چلا گیا۔ میں کون تھا کیا تھا سب کچھ بھول چکا تھا مجھے صرف ایک عورت نظر آ رہی تھی بھرپور عورت، خود دعوت نظارہ بھی میں دریا میں اتر گیا اور ڈوبنے ابھرنے لگا میری زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا اس نے بھی شاید یہ سمجھ لیا تھا اس نے خود کو میرے سپرد کر دیا تھا۔
وہ کب گئی مجھے نہیں پتہ میرا کھانا رکھا ہوا تھا خیالات نے پھر مجھ پر یلغار کر دی۔ اور میں نے ان سے چھٹکارا پانے کو آسن جما لیا۔ پھر مجھے وقت کا اندازہ نہیں کہ کتنے دن کے بعد میری آنکھ کھلی صبح کا وقت پیڑ پر چڑیا شور کر رہی تھیں میں نے ایک سے پوچھا میں کتنے دن میں جاگا ہوں بتا وہ بولی۔ ''ایک مہینہ ہو گیا ہے۔''
''میرے پاس کوئی آتا تھا۔'' میں نے پھر پوچھا۔
ایک عورت روز آتی تھی مگر جھونپڑی کے اندر نہیں گئی دیکھ کر چلی جاتی تھی اس کے آنے کا وقت ہو رہا ہے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ سامنے سے آ رہی تھی جب وہ میرے قریب آ گئی تو غور سے دیکھنے لگی میں نے کہا۔ ''کیا دیکھتی ہے؟''
''وہ بولی۔'' میں اسی وقت سمجھ گئی تھی جب میری منو کامنا پوری ہوئی تھی۔'' اس کے گفتگو کرنے کے انداز میں ذرا سا بھی شرمگیں احساس نہیں تھا یا شاید اس نے ایک ماہ میں اس احساس پر قابو پا لیا تھا۔
''تم کیا سمجھ گئی تھیں یہ تو بتاؤ۔'' میں نے پوچھا۔
''تم وہ نہیں جو نظر آتے ہو تم میں ضرور کوئی خاص بات ہے۔'' وہ بولی۔
''میں تو ایک عام سا آدمی ہوں تجھے کیا خاص بات لگی ہے۔'' میں نے کہا۔
''میں روز آ رہی ہوں پہلے دن میں نے جس حالت میں دیکھا تھا وہی حالت میں روز دیکھا تھا کملا بھی تجھے دیکھ گیا تھا میری ہمت تیرے سامنے آنے کی نہ ہوئی، کملا بھی ڈر کے بھاگ گیا بتا یہ خاص بات نہ ہوئی۔'' وہ بولی۔
''میں کون ہوں کیا ہوں تیری سمجھ میں نہیں آئے گا تو میرے بارے میں زیادہ نہ سوچ۔'' میں نے کہا۔
''میں تم کو خوش خبری دوں۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔
''مجھے پتہ ہے تیری منو کامنا پوری ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔
''ہاں میں بہت خوش ہوں کملا بھی خوش ہے وہ کہتا ہے شیر سنگھ بڑا بھاگوان ہے زمین بھی ٹھیک ہو گئی۔ اور میری منو کامنا بھی پور ہو رہی ہے۔'' وہ بولی۔
''تم دونوں کے کام ہوئے زمین اور تو دونوں کملا کے ہیں ان پر پھل آئے اس کا بھی وہی مالک ہے۔
میرا کام اب ختم ہو رہا ہے میں کسی وقت بھی جا سکتا ہوں۔ آسمان پر اڑتے بادل کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں پر برسے گا اسی طرح گھومتے جوگی کا ایک ٹھکانا نہیں ہوتا میں کب تک ہوں کسی کو پتہ نہیں ہے۔''
میرا روپ پھر ایک جوگی کا تھا میں چلتا گیا اور پھر ایک بڑے شہر میں پہنچ گیا۔ شہر میں ہر طرف انسانوں کا اژدھام تھا ہر کوئی بھاگا چلا جا رہا تھا میں ایک مندر کے دروازے پر کھڑا تھا اندر جانے والوں کی بھیڑ تھی سب کے ہاتھوں میں گیندے کے پیلے اور لال پھولوں کے دونے تھے۔
عورتیں زیادہ اور مرد کم تھے یہ کرشن بھگوان کا مندر تھا

مندر کے اندر سے بھجن گانے کی آوازیں آ رہی تھیں میں بھی اندر چلا گیا پوجا کے بڑے کمرے میں کرشن بھگوان کی ایک بڑی سی مورتی پھولوں سے لدی کھڑی تھی اس کے چاروں طرف گیندے کے پھول بکھرے پڑے تھے مورتی کے قدموں میں ایک تلک دھاری پنڈت بیٹھا تھا وہ آنے والوں کو خوشی کی نوید سنا رہا تھا آشیرباد دے رہا تھا اور چڑھاوے وصول کر رہا تھا۔ اس کی مدد کو اس کے عین پیچھے دو آدمی کھڑے تھے وہ مورتی کے پچھواڑے رکھتے جا رہے تھے یہ مندر تو بڑی آمدنی والا ہے۔'' میں نے دل میں سوچا۔''

میں بھی مورتی کے سامنے چلا گیا مگر میرا ہاتھ خالی تھا ۔ پنڈت نے منہ بنایا اور بولا......

''بھگوان کے درشن کو خالی ہاتھ آ گئے ہو۔''

''میں تو جوگی ہوں درشن کو نہیں آیا میں مندر میں رہنے آیا ہوں بول تیرے پاس جگہ ہے کہ نہیں ۔'' میں نے کہا۔

پنڈت نے ناک سکیڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا۔'' یہ وقت ان باتوں کا نہیں دیکھ نہیں رہا کہ کتنی بھیڑ ہے بعد میں بات کرنا۔''

''ٹھیک ہے تو فرصت پالے تو پھر بات کرنا۔'' میں نے کہا۔

بارہ بجے بڑے پجاری کو فرصت ہوگئی۔ میں باہر ہی موجود تھا وہ میرے قریب آ گیا اور بولا......

''بول کیا بات ہے؟''

''میرے اپنے اور کھانے کا پربند کر دے۔'' میں نے کہا۔

''کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟'' وہ بولا......

''جب تک دل کرے گا رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اگر تو کسی کے کہنے سے آیا ہے تو یاد رکھ تیری آشا پوری نہیں ہوگی چنی لال کی بہت دن سے اس مندر پر نظریں ہیں مگر تجھے بتا دوں کہ میری بھی بہت اوپر تک بات ہے۔'' پنڈت بولا......

''چنی لال کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس شہر کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔'' وہ بولا......

''اور یہ شہر کون سا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

پنڈت نے مجھے حیرت سے دیکھا اور بولا۔'' ارے تو کیسا آدمی ہے جس شہر میں کھڑا ہے اس کا نام تک پتہ نہیں۔''

''میں جوگی ہوں میں کسی ایک جگہ کا پابند نہیں ہوں دل کرتا ہے نکل پڑتا ہوں مجھے نام سے کیا غرض ہے۔'' میں نے کہا

''ارے بھولے جوگی اس شہر کا نام دھولپور ہے یہ ایک راجہ کی ریاست ہے یہ مندر بھی اسی نے بنوایا ہے وہی اس کی دیکھ ریکھ کرتا ہے میرے ساتھ جو دو آدمی کھڑے تھے وہ راجہ کے آدمی ہیں چنی لال بہت دن سے کوشش میں ہے کہ اس کا کوئی گرگا میری جگہ آ جائے اور اس کے چوبارہ ہو جائیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس مندر کی آمدنی کہاں جاتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آدھی تو راجہ کو جاتی ہے چوتھی میری اور مندر کے چار دوسرے سیوکوں کی ہے۔''

''مندر پر تو کیا خرچ ہوتا ہوگا وہ بھی تم لوگ کے پیٹ میں جاتا ہوگا۔''

''یہی تو مروڑ چنی لال کو ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''دیکھو پنڈت میں کسی چنی لال کو نہیں جانتا مجھے تیری آمدنی سے بھی غرض نہیں ہے میں جب تک رہوں میری دیکھ بھال تجھے کرنا ہے میری ضرورت پوری کرنا ہے اگر تو نے نہیں کی تو یاد رکھنا میں چنی لال نہیں ہوں میرا نام شیر سنگھ ہے تو اور تیرا راجہ میرا کچھ نہیں کر سکے گا اور تیرا سنگھاسن ڈول جائے گا۔'' میری رعب دار آواز اور انداز خود اعتمادی نے پنڈت کے پیر اکھاڑ دیئے وہ جھک کر بولا۔

''میں آپ کی سیوا کروں گا گرو آپ چنتا ہی نہ کرو۔''

مجھے اندازہ ہوا کہ بغیر طاقت لگائے صرف زبان کے رعب سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔ ایک بہترین کمرہ میرے لیے خالی کر دیا گیا۔

''میں نے پنڈت کو کہا۔'' میری اس بات کا خیال رکھنا کہ میں جب تک کسی کو نہ بلاؤں کوئی میرے پاس نہ آئے کسی کام سے نہ آئے میرے بھوجن کی چنتا نہ کرے میں خود بلاؤں تو آئے۔''

''اور گرو ناری پرش پر کوئی پابندی تو نہیں۔'' پنڈت بولا......

''پرش ہرگز میرے کمرے میں نہ آئے تم آ سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

پنڈت چلا گیا اس کے جاتے ہی میں نے آسن جمایا اور بیٹھ گیا۔

اور ٹھیک پندرہ دن کے بعد میرا ارتکاز ختم ہوا۔ میں نے کمرے میں نظر ڈالی ہر طرف گرد جمی ہوئی تھی لالٹین کا تیل ختم ہو چکا تھا اس کا شیشہ کالا ہو رہا تھا۔

میں نے آواز دی۔ ''کوئی ہے؟''

ایک جوان لڑکی دوڑ کر اندر آ گئی اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ کمرے کی حالت تم نے دیکھی ہے۔'' میں نے کہا۔

''گرو، پنڈت جی کی آ گیا نہیں تھی دروازے پر بیٹھنے کا حکم تھا سو میں بیٹھی تھی۔'' وہ گردن جھکائے بولی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے میں نے منع کیا تھا مگر تم صفائی کو آ جایا کرو۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے گرو جی۔'' وہ بولی۔

''اچھا اب جا بھوجن کا پربند کر۔'' میں نے کہا۔

اور وہ چابی لگی گڑیا کی طرح تیزی سے باہر چلی گئی۔

اور جب واپس آئی تو اس کے ساتھ پنڈت تھا وہ آتے ہی میرے پیروں میں بیٹھ گیا اور بولا......

''مجھے اندازہ نہیں تھا گرو مجھے معاف کر دو شاید کچھ بھول چوک ہو گئی ہو۔''

''تو نے بھول چوک نہیں کی تو بچ گیا اب آگے بھی نہ کرنا۔'' میں نے کہا۔

لڑکی نے بھوجن دری پر رکھ دیا اور ایک بڑا سا ہاتھ کا پنکھا لیکر کھڑی ہو گئی۔

میں بھوجن کرنے لگا اور پھر اٹھ گیا۔ ہاتھ دھوئے اور کمرے سے باہر آ گیا۔

دن ڈوب رہا تھا میں شہر کی طرف نکل گیا۔ دھول پور ریاست بھی جودھپور کی طرح ہی تھی۔

زبان بھی وہی تھی اور لباس بھی وہی تھا۔ شہر میں رنگوں کی بہار تھی یہاں کے لوگ شوخ رنگ کے دل دادہ تھے پورے راجستھان میں شوخ رنگ پسند کئے جاتے ہیں مٹھائی کھائی جاتی ہے ہر تہوار پر مٹھائی ضروری ہوتی ہے اور شاید ہی کوئی مہینہ ہو کہ مقامی طور پر کوئی تہوار نہ ہو اکثریت کا شکار ہیں ان کے تفریح میلے ٹھیلے اور تہوار ہیں۔

شاید ان دنوں بھی کوئی میلہ لگا ہوا تھا لوگ صاف ستھرے کپڑے اور سروں پر نیلی پیلی بڑی بڑی پگڑیاں باندھے جا رہے تھے ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جن کی لال اوڑھنیاں اور پیلی لال چولیاں پورے راستوں کو رونق بخش رہی تھیں بچے بھی ان کے ساتھ تھے وہ بھی بڑے شوق سے کودتے پھاندتے ان کے آگے آگے چل رہے تھے میں نے ایک آدمی سے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہو بھا؟''

وہ چونک کر بولا۔ ''اے لے بھا ارے تو نیا مانس نظر پڑے ہے میں ٹھیک کہوں ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں تو ٹھیک بولے ہے۔''

''ارے سیتا کا میلہ ہے بہت بھاری میلہ ہووے ہے سیتا کا تو ئے نہ خبر۔'' وہ بولا......

''میں نیا ہوں موئے کا خبر۔'' میں نے کہا۔

اور وہ آدمی دوڑ کر اپنی فیملی کے پاس چلا گیا۔

سیتا بھی ہندوؤں کی ایک دیوی ہے جہاں پر یہ میلہ تھا

وہاں پر ایک بہت بڑا مندر بنا ہوا تھا اس مندر کے چاروں طرف کھیت تھے مگر اس وقت یہاں پر بھانت بھانت کے جھولے اور بازار لگا ہوا تھا اطراف کے تمام گاؤں کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں یہاں موجود تھے عورتیں بازار میں چھوٹی موٹی اپنی ضرورت کی چیزیں خرید رہی تھیں بچے دونے ہاتھ میں پکڑے پکوڑے دہی بڑے اور چاٹ کھا رہے تھے ان کے مرد اپنی اپنی ٹولیاں بنائے کھیل تماشوں میں دل بہلا رہے تھے ان لوگوں کی یہی تفریح تھی وہ لوگ میلوں میں دل کھول کر تفریح کرتے ہیں۔ یہ میلہ تین روز کا ہوتا ہے آخری دن پوجا کے بعد میلہ سرکاری طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

آخری پوجا میں ایک سانڈ کی بلی دیوی کو دی جاتی ہے اسکا خون ایک نالی میں بہتا ہے اور لوگ اس میں انگلی ڈبو کر ماتھے پر لگاتے ہیں پھر دوکانیں اور کھیل تماشے والے جانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں اور تین دن کے آئے لوگ بھی اپنی اپنی سواریوں پر چلے جاتے ہیں جو پیدل آئے ہوتے ہیں وہ بھی اپنے اپنے گاؤں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

آج پہلا دن تھا میں ایک جادوگر کے کھیل دکھانے والے کے خیمے کے سامنے کھڑا تھا۔

دو آنے کا ٹکٹ تھا میری جیب خالی تھی۔ مگر میں اندر چلا گیا۔

اندر ایک گول دائرے کے اندر جادوگر کھڑا تھا اس کے چاروں طرف لوگ بیٹھے تھے اور جادوگر بہت ہی معمولی نوعیت کے کھیل دکھا رہا میں نے سوچا دو آنے کے ٹکٹ میں اس سے زیادہ وہ اور کیا دکھائے گا۔ میں باہر آ گیا۔ اور فوری ہٹ کر مندر کے پچھواڑی کی طرف چل دیا۔

شام ہو رہی تھی اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا مندر کے سامنے کی طرف خوب رونق تھی بازار میں گیس کی بتیاں جل گئی تھیں مگر اس طرف اندھیرا تھا۔

اندھیرے میں میرے کان میں آواز آئی۔ ''میں باپو کے ساتھ آئی ہوں۔ ابھی جانے دو باپو سو جائے گا تو پھر آ جاؤں گی۔'' کسی عورت کی آواز تھی۔

''اور تیرا وہ گھر والا نہیں آیا'' مرد نے پوچھا۔

''ارے وہ کیا آتا اوکی ماہتاری نے روک لیا لڑتا بہت ہے اس کارن۔'' عورت کی آواز آئی۔

''تیرے پتا نے تیری شادی کا ہے کر دی اس سے۔'' مرد نے پوچھا۔

''ارے وہ میرا جیٹھ بڑا حرامی ہے اڑ گیا باپو سے کہ قرض ادا کر نہیں تو میرے بھائی سے سونی کی لگن کر باپو کیا کرتا او کے پاس رقم کاں تھی کر دی اس سے۔''

''یہ تو تو نے بری سنائی تو بول کر دوں تیرے مرد کا کلیان۔'' مرد بولا......

''اچھا تو کا کرے گا۔'' عورت نے شوق سے پوچھا۔

میں او سے دوستی کر لوں گا اس کے ساتھ کھاؤں گا پیوں گا اور اس کے گھر تک آ جاؤں گا اور پھر تو دیکھنا کہ گھر کے اندر کیا تماشہ ہوئے گا۔ تیرا میرا میل بھی آسان ہو جاوے گا۔ کھیت کھلیان جائے گا تو بس تو فکر نہ کر میں سب کچھ کر لوں گا بس تو پکی رہنا۔'' مرد بولا......

''میں تو پکی ہوں تیری ہوں کتنی بار کہوں۔'' عورت بولی۔

''میری ہے پر میری منو کا منا اب تک پوری نہیں کی۔'' مرد بولا......

''ڈر لاگے ہے کچھ الٹ پلٹ ہو گئی تو۔'' عورت بولی۔

''ارے کا الٹ پلٹ ہوگی میں جو ہوں۔''

''صبر کر تو جانے نہیں عورت کو گڑ بڑ ہوت میں دیر نہ ہی لگے بس بہانہ سے ہو جائے ہے۔'' عورت بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے کر لوں گا صبر۔'' مرد بولا......

''اب میں چلوں بہت دیر ہو گئی ہے باپو اٹھ گیا ہوگا۔''

میں جہاں کھڑا تھا وہیں اندھیرے میں کھڑا رہا عورت میرے سامنے سے گزر کر روشنی کی طرف چلی میں بھی کچھ فاصلہ دے کر اس کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ ایک بیل گاڑی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی گاڑی کے بیل ایک طرف کھڑے جگالی کر رہے تھے۔

بیل گاڑی کے چاروں طرف کپڑے پڑے تھے اور اندر ایک لالٹین جل رہی تھی اندر کسی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی میں اس کے قریب چلا گیا۔ وہ ایک کڑیل جوان عورت تھی اسکا چہرہ لالٹین کی روشنی میں دمک رہا تھا اس کی چولی بہت مختصر تھی پیٹ کا کافی حصہ نظر آ رہا تھا کسی مرد کو دیوانہ کرنے کو یہ بہت زیادہ تھا میرے اندر بھی مرد بیدار ہو چکا تھا۔ میں نے اشارے سے اس کو قریب بلایا وہ میری حالت دیکھ کر اور مجھے بے ضرر سمجھ کر میرے نزدیک آ گئی اور بولی۔ ”کیا بات ہے سادھو جی؟“

میں نے اس کے سراپے پر بھرپور نظر ڈالی اور کہا۔

”تیرا وہ عاشق کچھ نہیں کرے گا وہ تیرے بدن کا رسیا ہے جس دن اس نے تجھے پا لیا تیری مصیبت شروع ہو گی پھر لوٹ کر وہ نہیں آئے گا تیرا جیٹھ بہت دن سے تجھ پر دانت لگائے ہیں مگر تیری جیٹھانی تیرا جینا مرنا دوبھر کر دے گی تجھے جیٹھ سے بھی ہوشیار رہنا ہے۔

ایک طرف سانپ ہے تو دوسری طرف بچھو ڈنک تانے کھڑا ہے۔“ میں نے کہا۔

اس نے حیرت سے میری بات سنی اور بولی۔ ”تم کو یہ کیسے پتہ چلا سادھو جی؟“

”پتہ کرنا پڑتا ہے مگر ہماری بھی تو کچھ ضرورت ہے۔“ میں نے کہا۔

”تمہاری کیا ضرورت ہے مہاراج؟“ وہ بولی۔

”صاف بات تو یہ ہے کہ تیری جیسی ناری ہماری ضرورت ہے۔“ میں نے کہا۔

”میرے جیسی ناری ہی کیوں مہاراج؟“

”تو سیتا دیوی جیسی ہے تیرا میرا ملاپ سیتا بھی پسند کرے گی خوش ہو گی اور شاید آگے تجھے نہال کر دے تجھے خوش کر دے تیرے بھاگ میں کچھ اچھا بھر دے۔“ میں نے بات بنائی۔

”کیا ایسا ہو سکے ہے۔“ وہ حیرت سے بولی۔

”سب کچھ ہو سکے ہے تیرا بھاگ میرے ہاتھ آ گیا ہے۔“ میں نے کہا۔

اور پھر وہ میرے پاس آ گئی۔ رات بھر وہ میرے پاس رہی اور میں سویرے واپس مندر آ گیا۔

مندر میں پجارن موجود تھی نہ ہوتی تو داسی تھی میرا چارہ ہی بدل گیا تھا میں ہر روز ہری ڈال پر بیٹھ کر میوے کھا رہا تھا۔

ساتھ ساتھ ایک ایک دو دو مہینے کے ارتکاز بھی کرتا تھا اپنی شکتی کی آزمائش بھی کرتا تھا میرا فن میرے پاس تھا۔

میں نے ایک روز پنڈت سے کہا۔ ”میں اب جا رہا ہوں، شاید پھر نہ آؤں بول تیرے پاس کتنا مال ہے؟“

”ارے جوگی مہاراج میرے پاس کیا دھرا ہے خرچ ہی بہت ہے۔“ وہ بولا......

”مجھ سے اڑانے کی کوشش مت کرنا میں سب جانتا ہوں۔ تیرا یہ مندر ایک اشارے میں زمین پر پڑا ہو گا۔ پورے شہر میں ہاہا کار ہو گی تیرا راجہ اور تو کچھ نہیں کر سکو گے۔ مجھے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ راجہ کے پاس جا یا تو دے میری ضرورت پوری کر۔“ میں نے کہا۔

”گرو یہ تو بہت زیادہ ہے راجہ جی ہی پورا کر سکتے ہیں۔“ وہ بولا......

”تو پھر بلا لے راجہ کو میں اس سے بات کروں گا۔“ میں نے کہا۔

”ان کے پاس چلنا ہو گا وہ نہیں آویں گے۔“ وہ بولا......

”تیرا راجہ سو دفعہ آئے گا اور اگر نہ آیا تو اس کے راج پاٹ کی اس کو فکر کرنا پڑے گی۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے گرو میں آپ کا سندیسہ ان تک پہنچا دوں گا۔“ پنڈت ہاتھ جوڑ کر بولا......

رات کو پنڈت نے بتایا کہ ایک دو گھنٹے کے بعد راجہ جی آویں گے خاموشی سے آپ سے ملاقات کریں گے آپ ان سے بات کر لینا۔

دو گھنٹے کے بعد پنڈت کے ساتھ ایک لمبا چوڑا جوان

آدمی آ گیا اور بولا......

''میں راجہ ہوں یہ میری پرکھوں کی راج گدی ہے مگر میں خود تمہارے پاس آ گیا۔''

''اچھا کیا راجہ کچھ کام خود ہی کرنا پڑتے ہیں۔''

''تم سادھو ہو تم کو اتنی رقم کی ضرورت کیسے پڑ گئی کیا کرو گے۔'' راجہ بولا......

''میں تم کو جو نظر آتا ہوں وہ ہوں نہیں قصور تمہارا بھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر یہ ایک لاکھ کا جرمانہ کیوں بھروں۔'' راجہ بولا......

''یہ مندر کب سے تجھے دے دیا ہے اور آگے بھی تیری تجوری بھرتا رہے گا۔ اور کہتا ہے جرمانہ کیوں بھروں اگر یہ مندر بند ہوا تو تیری لگی بندھی آمدنی بند نہ ہو جاوے گی۔'' میں نے کہا

''کون اس مندر کو بند کرے گا یہ میری راج دھانی میں ہے میں ہوں اس زمین کا مالک تو سادھو سنت ہے اس لئے تیری سننے آ گیا تھا یاد رکھ میں جاٹ ہوں اور پرکھوں سے اس زمین کا مالک ہوں زیادہ پر پھیلانے کی کوشش نہ کرنا۔'' راجہ غصے سے بولا......

''زمین بھگوان کی اور مندر بھگوان کا اگر وہ خود تیری زمین پر نہ رہنا چاہیں تو کیا تو روک سکتا ہے سب سے اڑنا سادھو سنتوں سے دور رہتا ہے یہ برا اپریش ہے۔'' میں نے کہا۔

''سن لیا تیرا بھاشن اور اب میرا حکم سن لے شام تک تو اگر میری راج دھانی میں رہا تو تیرے ساتھ بری ہو گی زیادہ سے زیادہ لوگ یہی کہیں کے میں نے سادھو کے ساتھ زیادتی کر دی وہ میں سن لوں گا۔'' راجہ بولا......

''ٹھیک ہے راجہ تیرا وقت ہی بگڑ رہا ہے تو میں کیا کروں۔'' میں نے کہا۔

راجہ چلا گیا میں بھی مندر سے باہر آ گیا۔ اور میں نے سرخ پہاڑ کی طرف کا ارادہ کیا اور میں وہاں کھڑا تھا میں نے کہا۔ ''تو کب سے یہاں ہے؟''

پہاڑ بولا۔ ''ہزاروں سال تو ہو ہی گئے ہیں۔''

''کچھ وقت کے لئے تو میرے ساتھ چل سکتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میری نہ ہمت ہے نہ طاقت۔'' پہاڑ بولا......

''میں تیری مجبوری سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم میرے جو ٹکڑے پڑے ہیں ان کو لے جاؤ۔'' پہاڑ بولا......

''میں جاتا ہوں سب میرے ساتھ آؤ۔'' میں واپس روانہ ہوا اور مندر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ مندر میں پتھروں کی بارش ہونے لگی اور پوری عمارت اور مندر اس میں رہنے والے اور سب کچھ پتھروں کے نیچے دب گیا اور مندر کے کلس تک ایک بہت اونچا پتھروں کا ٹیلا بن گیا۔ میں جہاں کھڑا تھا وہاں تک بڑے بڑے پتھر پڑے تھے کسی راہ گیر کو کسی دوکاندار کو ایک پتھر نہ لگا بڑے طریقہ پر پتھر اڑ کر آئے اور مندر ان میں ڈوب گیا۔ ہزاروں لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا اور حیرت سے ان کے چہرے فق ہو گئے اندر رہنے والے پجاریوں اور پجارنوں کے کوئی باہر نہیں آیا۔

راجہ تک یہ خبر پہنچ گئی اور وہ اپنے حفاظتی جوانوں کے ساتھ موٹر میں آ گیا میں دروازے پر وہیں کھڑا تھا۔ اس نے جہاں مندر دیکھا تھا وہاں پر ایک پتھروں کا بہت اونچا ٹیلا تھا ہمارے پتھر سرخ تھے اور سرخ پتھر اس کی راج دھانی میں نہیں تھا۔ حیرت سے اسکا منہ کھلا تھا اس کے حواری کانوں کو ہاتھ لگا رہے تھے ان سب کے اوسان خطا تھے ایسا کبھی نہ سنا تھا اور نہ دیکھا تھا حیرت تو ہونا تھی۔ ہزاروں ٹن پتھر اتنی جلدی کہاں سے آ گئے یہ سوچ سوچ کر ان کے دماغ پلپلے ہو رہے تھے۔

میں ایک پتھر کے ستون کی مانند کھڑا تھا اور راجہ میرے پیروں میں بیٹھا تھا اس کے ساتھ آئے۔ سارے حواری رام رام کر رہے تھے۔ اور قدموں میں بیٹھے تھے۔

''میں نے کہا اب لگا مزدور اور مندر کو کھود کر نکال۔ مگر اندر کچھ نہیں ملے گا تیری بند ہو گئی ارے مورکھ ایک

لاکھ پر روتا تھا سادھوسنتوں کی بات کو پھیر رہا تھا شکر کر تیرا محل بچ گیا اگر یہ پتھر اُدھر چلے جاتے تو تو بھی اندر ہی رہ جاتا۔" میں نے کہا۔ "معاف کردو مہاراج بڑی بھول ہوگئی۔" وہ گڑگڑا کر بولا......

"ایسی دو چار بھول اور کر لے تیرا اور تیرے پریوار کا کلیان ہو جاوے گا۔" میں نے کہا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں مہاراج دو چار جوتے میرے سر پر مار دو۔" وہ بولا......

"تو جاٹ ہے جاٹ کی عقل اس وقت کام کرتی ہے جب اس کے سر پر پڑتی ہے تجھے پتہ ہے۔" میں نے پوچھا۔

"پرکھوں کا پتہ نہیں پر اب میری عقل کام کر رہی ہے۔" راجہ بولا......

"اس لئے کام کر رہی ہے کہ تیرے سر پر آن پڑی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کو جو آپ کہیں دے دوں گا۔" راجہ بولا......

"تیرا یہ کمائی کا ذریعہ تو ختم ہوا پھر بھی دے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں آپ کا مطالبہ پورا کروں گا۔" راجہ بولا......

"آج رات کو یہ پتھر جہاں سے آئے ہیں چلے جائیں گے مگر مندر اور اس کے مکین تجھے نہیں ملیں گے ان سب کے لئے صبر کرنا اور میری مانگ پوری کر۔" میں نے کہا۔

راجہ نے اٹھ کر ایک آدمی کو اشارہ کیا وہ گاڑی لے کر دوڑ گیا اور پندرہ منٹ کے بعد ایک لاکھ روپے کی تھیلی لے آیا میں نے تھیلی پکڑی اور ایک طرف منہ کر کے آگرے کا ارادہ کیا اور میں آگرے کے لال قلعے کے دروازے پر کھڑا تھا میں ایک طرف کو روانہ ہوا بہت چوڑا روڈ تھا دونوں طرف ہر قسم کی دکانیں تھیں میں ایک بہت بڑی اور سجی ہوئی حجام کی دکان میں داخل ہوا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ حجام نے پوچھا۔ "باواجی کیا کام ہے؟"

"پہلے ڈاڑھی صاف کر دے اس کے بعد بال تراش دے اس کے بعد نہاؤں گا۔ میرے لئے ایک نئے جوڑے کا انتظام کر۔" نائی نے گردن ہلائی اور بولا۔ "ٹھیک ہے جو حکم ہوگا کروں گا پردیسی ہو باواجی۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

نائی نے اپنا کام شروع کر دیا اور ایک گھنٹہ کام کرتا رہا وہ اپنے کام کا ماہر آدمی تھا۔ اس نے میرے بال شہریوں جیسے تراش دیئے، پھر بولا۔ "اب آپ غسل کر لو میں نے پانی حمام میں رکھ دیا ہے۔ کپڑے میں ابھی منگوائے دیتا ہوں دھوتی کرتا پسند کرو گے یا پائجامہ منگواؤں۔"

"تم کیا پہنتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"باواجی میں مسلمان ہوں، میں دھوتی نہیں باندھتا پائجامہ پہنتا ہوں۔" نائی بولا......

"تیرا لباس اچھا ہی ہوگا وہی منگوا لے اور یہ لے رقم میں نے مٹھی بھر کر روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے وہ چونک کر بولا۔ "یہ تو بہت زیادہ ہیں"

"باقی تیری محنت ہے۔" میں نے کہا اور غسل خانے میں داخل ہو گیا۔

نائی حیرت سے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

میں نے خوب غسل کیا اور باہر آ گیا نائی نے کپڑے تیار رکھے تھے۔

نائی نے پوچھا۔ "آپ پردیسی ہو آپ کے پاس رقم بھی ہے آپ قیام کہاں کرو گے؟"

"کسی بھی سرائے میں رک جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"باباجی یہ شہر آگرہ ہے یہاں پر ایک سے بڑا ایک نو سرباز پڑا ہے آنکھ سے سرمہ تک چرا لیتا ہے سرائے تو ایک عام جگہ ہے آپ اپنی رقم کی حفاظت نہیں کر پاؤ گے میری مانو تو سرائے میں ہرگز قیام نہ کرنا۔" نائی نے کہا۔

"بات تو تمہاری دل کو لگتی ہے مگر میں اس شہر میں کسی کو نہیں جانتا۔" میں نے کہا۔

"اگر آپ مجھ پر بھروسہ کرو تو میں آپ کو اپنے ہاں

ٹھہرا سکتا ہوں۔ میری اوپر چھت پر ایک بڑی کشادہ اٹاری بنی ہوئی ہے اوپر کوئی نہیں رہتا زینہ بھی گھر سے باہر ہے دروازے پر کواڑ بھی لگے ہیں میں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ اگر کوئی مہمان اوپر رہے تو اس کو اور ہم کو تکلیف نہ ہو کیوں کہ ہم لوگ پردے کے پابند لوگ ہیں۔" نائی بولا......

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام رمضان ہے۔" نائی بولا......

"اور میرا نام شیر سنگھ ہے اب بتاؤ کیا اب بھی مجھے تم مکان دو گے۔" میں نے کہا۔

"مجھے آپ کی ذات سے سروکار نہیں ہے میں نے انسان ہونے کے ناطے آپ کو کہا ہے۔" وہ بولا......

"تو پھر تم کو ناامیدی نہیں ہوگی میں بھی انسان ہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر آیئے میرے ساتھ میرا مکان چھپی ٹوپے کے بازار میں ہی ہے۔" رمضانی نے کہا۔

دونوں بازار کی چڑھائی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور چند منٹ کے بعد اس نے ایک مکان کے سامنے رک کر کہا۔ "یہی میرا غریب خانہ ہے۔"

"مگر یہ غریب خانہ کب لگتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"باپ دادا کے زمانے کا بنا ہوا ہے دادا اللہ بخش شاہی قلعہ کے ملازم تھے اور اس سے پہلے بھی یہی سلسلہ تھا بس انہوں نے اس مکان کو بنوایا تھا میں کہاں بنوا سکتا ہوں۔" رمضانی بولا......

وہ دروازہ کھول کر اندر گیا اور زینے کی چابی لے آیا۔ اوپر بہت بڑا ایک کمرہ تھا اس کے سامنے صحن تھا ایک طرف غسل خانہ اور باورچی خانہ بنا ہوا تھا کمرہ ایک ہی تھا مگر بہت بڑا تھا باقی چھت کھلی تھی کمرہ اور صحن دونوں صاف تھے ایسا لگتا تھا کہ روزانہ یہاں پر صفائی ہوتی تھی۔

"میں آپ کے بستر اور ضرورت کی اور چیزوں کا بندوبست کرتا ہوں آخر انسان کو کچھ چیزوں کی ضرورت تو ہوتی ہے۔"

وہ نیچے چلا گیا اور ایک بڑی سی چارپائی لے آیا۔ پھر بستر اور تکیہ لے آیا اور اس کے بعد ایک مٹکا لا کر اس نے گھڑونچی پر رکھ دیا گلاس اور ایک لوٹا بھی لے آیا پھر بولا......

"اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو آپ ضرور بتا دیں تکلف ہرگز نہ کرنا۔"

"ہرگز نہیں کروں گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ایک مسئلہ میرے لئے ضرور ہوگا۔" رمضانی بولا......

"وہ بھی بتا دو۔" میں نے کہا۔

"میں نے آپ کو بتایا کہ میں مسلمان ہوں ہمارے گھر میں گوشت روز پکتا ہے آپ کو کھانا تو میں پیش نہیں کر سکتا۔" رمضانی بولا......

"میں زور سے ہنس پڑا اور بولا۔" بس اتنی سی بات ہے۔"

"میرے لئے تو بہت بڑی ہے۔" رمضانی نے کہا۔

"میں تیری خوشی میں خوش ہوں۔ مگر میں روز روز کھانا نہیں کھاتا اگر میں ارتکاز میں ہوں تو میرے پاس کوئی نہ آئے میرا ارتکاز کئی کئی دن جاری رہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" رمضانی حیرت سے بولا......

ہر کسی کی سمجھ میں ہر بات نہیں آتی تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے اوپر کوئی نہیں آئے گا جب آنا ہوا تو میں ہی آؤں گا۔" رمضانی بولا......

رمضانی چلا گیا اور میں ارتکاز میں مشغول ہو گیا۔

پندرہ دن گزر گئے میری آنکھ کھل گئی۔ میرے سامنے رمضانی خاموش کھڑا تھا۔

"تم کب سے کھڑے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی میں روز ہی چکر لگاتا تھا آپ کو

ایک ہی حالت میں بیٹھا دیکھ کر واپس چلا جاتا تھا، مجھے فکر ہو رہی تھی۔'' رمضانی بولا......

''میری فکر نہ کرنا میں تو سالوں بھی اسی حالت میں رہتا ہوں یہ میرا گیان، دھیان ہے۔'' میں نے کہا۔

''کھانا لاؤں۔'' رمضانی نے پوچھا۔

''ہاں ضرور لاؤ۔'' میں جواب دیا۔

رمضانی چلا گیا اور کچھ دیر میں کھانا آ گیا۔

میں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد کہا۔

''اگر میں اچانک چلا جاؤں تو تم حیران نہ ہونا اور نہ پریشان ہونا کیونکہ میں مسافر ہوں میرا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے میں کسی وقت بھی آ سکتا ہوں اور کسی وقت بھی چلا جاتا ہوں تم نے میری خدمت کی ہے میں یہاں پر تمہارے لئے جو چھوڑ جاؤں وہ تم قبول کر لینا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کسی لالچ میں آپ کو یہاں لا کر نہیں رکھا ہے۔'' رمضانی بولا......

''میں جانتا ہوں اسی لئے تو میں تمہارے ساتھ آ گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

میں نے دوسرے دن کلکتہ کا تصور کیا اور میں اس شہر میں پہنچ گیا۔

مگر ایک معقول رقم رمضانی کے لئے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔

کلکتہ جو کہ ہندوستان کا بہت بڑا شہر ہے اس شہر میں بھانت بھانت کے لوگوں کا گزر ہے زیادہ آبادی تو بنگالیوں کی ہے مگر اس کے باوجود ہندوستان کے ہر علاقے کے لوگ یہاں پر پائے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی بلڈنگیں ہیں مگر ان میں ایک بازار جس کا نام سونا گاچھی بہت مشہور اس بازار میں خریدار رات کو آتے ہیں۔ دن میں یہ بازار سونا رہتا ہے اس بازار میں کالی بلڈنگ بہت مشہور ہے یہ صرف تین منزلہ عمارت ہے اس کی چھت پر ایک ایک مینار بنا ہوا ہے اور اس مینار کے اوپر کالی دیوی کا ہیبت ناک بت کھڑا ہے اس بلڈنگ میں صرف تین خاندان آباد ہیں۔

پہلی منزل پر جانکی بائی کا کوٹھا ہے یہ اس شہر کی بہت قدیم ڈیرہ دار طوائف ہے اس کے یہاں آنے والے اس کے مخصوص گاہک ہیں عام آدمی اس کے پاس نہیں آتا کیونکہ اس کے طور طریقے عام آدمی قبول نہیں کرتا۔

دوسری منزل پر آرتی بائی اپنی چار لڑکیوں کے ساتھ آباد ہے یہ پٹنہ کی رہنے والی ہے مگر اردو اور بنگالی مادری زبان کی طرح بولتی ہے یہ بھی بڑے قرینے کی عورت ہے ہر کسی کو منہ نہیں لگاتی اس کے بھاؤ بھی بہت ہیں۔

تیسری اور آخری منزل پر لکھنؤ کی دل دار بیگم رہتی ہے اس کے پاس علم ادب کے شوقین لوگ آتے ہیں اس کی شاگرد غزلیں بہت قاعدے سے گاتی ہیں۔ صاحب ذوق لوگ ان پر نوٹ برساتے ہیں فرمائش پر وہ ہر قسم کے گیت اور کلاسیکل چیز بھی گاتی ہیں یوں تو تینوں کے ہاں ایک قاعدہ اور طریقہ تھا کسی قسم کی ہڑبونگ نہیں تھی مگر دلدار بیگم کے کوٹھے پر تو کوئی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کر سکتا تھا تینوں وضع دار تھیں اور عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں میں کالی بلڈنگ کے سامنے کھڑا تھا۔

شام ہو رہی تھی مگر اس بازار کی آنکھ ابھی نہیں کھلی تھی رات دس بجے کے بعد یہاں پر دن نکلتا تھا۔

میں ایک طرف چل دیا ایک ہوٹل کا بورڈ نظر آیا۔ میں اندر چلا گیا ایک کمرہ کرائے پر لیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

رات دس بجے میں نکل کھڑا ہوا بازار میں رونق نظر آ رہی تھی طبلے کی آواز فضاء میں گردش کر رہی تھی ہار پھول کی دکانیں خوشبو اڑا رہی تھیں پان کی دکانوں پر سفید کرتے اور دھوتی میں پنواڑی پیتل کے برتنوں کے چمکائے گلوری چبا رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کالی بلڈنگ کے زینے کے پاس کھڑا تھا گراؤنڈ فلور پر ایک بڑا سا ہوٹل تھا اس میں ہلکے سروں میں بھجن کا ریکارڈ لگا ہوا تھا۔ میں ہوٹل کے اندر چلا گیا کاؤنٹر پر ایک موٹا سا آدمی چمبیلی کا ہار گلے میں ڈالے بیٹھا تھا دیوار پر اگر

بتیاں جل رہی تھیں۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "میری مدد کرو گے۔"

وہ کسی گہری سوچ میں تھا چونک کر بولا۔ "اپن اور کیا کرتا ہے ادھر بول کیا مانگتا ہے؟"

"میں نیا آدمی ہوں پہلی دفعہ ادھر آیا ہوں شوقین ہوں گانے کا، میں کدھر جاؤں؟" میں نے کہا۔

"تو اہے تو پھر کیا ہوا ارے بابا ادھر تو بازار میں گانا ناچ ہوتا ہے کدھر بھی جاؤ۔" وہ بولا......

"مگر اچھا کدھر ہے میں یہ پوچھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم ادھر کھڑا ہے یہ بلڈنگ ادھر کا مشہور جگہ ہے پر جیب میں مال ہونا مانگتا ہے۔" وہ بولا......

"مال بہت ہے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تم تیسرا مالے پر جاؤ اُدھر بہت بڑھیا مال ملے گا۔ پر تم اُدھر جائیں گا کس طرح اکیلا تم جا نہیں سکتا ابھی تم ادھر بیٹھ کر چائے پیو میں تم کو اُدھر پہنچانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

میں بڑی سعادت مندی سے بیٹھ گیا۔ چائے میرے سامنے آ گئی۔

موٹے نے آواز دی۔ "او سیتا رام ادھر آ۔" اندر سے ایک آدمی آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا وہ سیتا رام سے بولا۔ "ذرا دوڑ کے جا بابو کو بلا کر لا......"

سیتا رام چابی کے گڈے کی طرح چل پڑا اور چند منٹ کے بعد ہی ایک آدمی کے ساتھ آ گیا۔

موٹا اس کو دیکھ کر بولا۔

"تم بہت بنڈل آدمی ہے دھندے کے ٹائم تم کو بلانا پڑتا ہے تمہارا گاہک ادھر بیٹھا پڑا ہے اور تم آج پھر لیٹ ہے ہم کو پتہ ہے تم کدھر تھا اور اس کو چھوڑ تیرا بیڑا غرق کر دیگی تیرے ماتق کتنے اس کے پاس آتے ہیں۔"

"ارے استاد تم تو بس میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" بابو بولا......

"اچھا ابھی فالتو بات مت کر گاہک کے پاس جا۔"

بابو میرے پاس آ گیا اور کرسی قریب کر کے بولا...... "بولو بابو کیا خدمت کروں۔"

"ادھر آدمی کیوں آتا ہے۔" میں کہا۔

"اپنی تسلی کو آتا ہے کوئی گانا سن کر خوش ہو جاتا ہے تسلی ہو جاتی ہے کچھ اس سے اور آگے جاتا ہے کسی حسینہ کے پہلو میں رات گزارتا ہے اور تسلی کر کے چلا جاتا ہے آپ جو بولو ویسی خدمت کروں میرے پاس اس بازار کی اول درجے کی چیزیں ہیں دوسرے درجے پر میں خود ہاتھ نہیں رکھتا۔" بابو بولا......

"مجھے ابھی تو کچھ ذہن کی تھکاوٹ دور کرنا ہے اس کے بعد آگے کی سوچوں گا۔"

"اس بلڈنگ میں تین کوٹھے ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ بہت شاندار ہیں ان کے ہاں صرف گانا ہوتا ہے اس کے آگے کی ہرگز نہ سوچنا بڑی بری طرح بے عزتی ہوتی ہے۔" بابو بولا......

"سب سے اچھا جو ہو وہاں لے چل۔" میں نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" بابو کھڑا ہو گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ چل دیا۔

مجھے گانے سننے کا شوق نہیں تھا مگر میں بابو کے ساتھ جا رہا تھا۔ بابو بولا......

"میں تیسرے مالے پر تم کو لے جا رہا ہوں اپنی گارنٹی پر ذرا دھیان رکھنا کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ دلدار بیگم تمہارے ساتھ ساتھ میرا بھی داخلہ بند کر دے بڑی سخت عورت ہے اور اس کی پہنچ بھی اوپر تک ہے۔ سب اس سے ڈرتے ہیں۔" بابو بولا۔

"میری پہنچ تو صرف تم تک ہے۔" میں نے کہا۔

میری طلب تو کچھ اور ہی تھی میں گانے والے سے کوئی رغبت نہ رکھتا تھا۔

تیسرے مالے کے دروازے پر ایک آدمی بیٹھا تھا شکل سے ہی چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔

بابو کو دیکھ کر بولا۔ "کھوتا کھرا دیکھ لیا کہ نہیں۔"

''میرا گارنٹی ہے بالے تو فکر نہ کر۔''

''ارے ہم فکر نہیں کرے گا تو کون کرے گا تم کو باکی جی کا پتہ ہے نا۔'' بالے نے جواب دیا۔

''سب پتہ ہے۔'' بابو نے کہا اور ہم دروازے کے اندر چلے گئے۔

ایک لائن میں بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے سب کے دروازے بند تھے ایک درمیان کے کمرے کا دروازہ بہت بڑا تھا اور اندر سے دودھیا روشنی باہر آ رہی تھی۔

بابو اور میں اندر چلے گئے کمرہ بہت بڑا تھا دیوار کے ساتھ ساتھ فرش پر گاؤ تکیئے لگے تھے۔ فرش پر سفید چاندنی بچھی تھی دو تین آدمی اندر بیٹھے تھے۔ چاندنی پر گلاب کے تازہ پھول پڑے تھے اور ان کی خوشبو پورے کمرے میں مہک رہی تھی۔ میں ایک تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ میرے پاس بابو بھی بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر میں ایک دبلی پتلی عورت جس کا ناک نقشہ بتاتا تھا کہ کبھی بڑی طرح دار رہی ہوگی نہ جانے کتنوں کو برباد کیا ہوگا، کیا کیا آفت نہ ڈھائی ہوگی۔ اس کی ساڑی کا رنگ ہلکا گلابی تھا اور اسی رنگ کا اس کا بلاؤز تھا چہرے پر ہلکا میک اپ تھا اس نے بابو کو دیکھا تو بولی۔

''اچھا بابو بھائی تم ہو۔''

''ہاں میں ایک مہمان کو لایا تھا۔'' بابو بولا......

''اچھا کیا، صاحب ذوق بھی ہیں کہ نہیں تم نے ہمارے بارے میں بتلا تو دیا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو سب بتا دیا ہے۔'' بابو بولا......

''تو پھر تم جاؤ یہ اب ہمارے مہمان ہو گئے۔'' دلدار نے کہا۔

بابو نے آنکھ کے اشارے سے مجھے کچھ کہا اور چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی دو جوان لڑکیاں بجلی کی طرح ہمارے سامنے آ گئیں۔

لوگ آتے رہے اور پورا کمرہ بھر گیا ان لڑکیوں پر نوٹوں کی بارش ہوتی رہی میں نے بھی بہت نوٹ ان پر نچھاور کر دیئے رات ڈھل گئی محفل ختم ہو گئی سب چلے گئے میں اٹھ کر دلدار کے پاس آ گیا وہ نوٹ کی گڈی بنا رہی تھی میں نے کہا۔ ''سنبھال کر رکھنا دولت کے سب دشمن ہوتے ہیں۔''

''تم اب جاؤ وقت ختم ہوا اور یہ دولت کیا ہے میں تو روز ہی نوٹ بٹورتی ہوں۔'' دلدار بولی۔

''تم جن کے ذریعہ یہ بٹورتی ہو اگر ان کو کچھ ہو جائے تو پھر کیا کرو گی؟'' میں نے کہا۔

''تم کیا الٹی سیدھی بات کر رہے ہو اب جاؤ۔'' دلدار نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

''میں گانا سننے نہیں آیا تھا میرا مطلب کچھ اور ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس مطلب کو زبان پر ہرگز نہ لانا ورنہ سڑک پر پڑا نظر آئے گا۔'' دلدار کا لہجہ یک لخت بگڑ گیا۔

''دلدار تیری عمر اس بازار میں گزر گئی مگر انسان کو پہچاننا نہیں آیا۔ بات کو آگے مت بڑھا اور میرے سونے کا بندوبست کر دے تو مجھے سڑک پر نہیں پھینک سکے گی تیری یہ پتھر کی بنی عمارت تیرے سر پر گر پڑے گی تجربے کے طور پر دیکھ۔'' میں نے دیوار کے ایک پتھر کو کہا۔ ''تو کب تک یہاں رہے گا چل باہر آ جا۔'' دس انچ لمبا اور چوڑا پتھر کا بلاک ایک دھماکہ کے ساتھ نکل کر میرے سامنے آ گرا اور دیوار میں سوراخ ہو گیا۔

دلدار نے حیرت سے یہ نظارہ دیکھا اور بولی۔ ''ارے تو کون ہے؟''

''میں تیرا قدردان ہوں تیری قدر کرنے آیا ہوں اور تو مجھے ٹال رہی ہے یہ سارے پتھر میرے کہنے پر تیرے اوپر آ جائیں گے پھر بتا تیری حسین تتلیاں اور تو کہاں جائے گی یہ صرف ایک منٹ کے اندر ہو جائے گا جس طرح یہ پتھر یہاں آ گیا ہے۔''

''یا خدا آج میں کس عذاب میں مبتلا ہو گئی۔'' وہ بولی۔

''تو نے اب تک کیا کمایا ہے کہ اب عذاب کی بات کر رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تیری خدمت کرنے کو تیار ہوں۔"

وہ بولی۔

"تیرا میں کیا کروں گا۔" میں نے کہا۔

"میرا مطلب لڑکیوں کی طرف تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"میری بات یاد رکھنا کسی قسم کی چالاکی مت کرنا اور نہ ہی کسی کو بتانا ورنہ بہت بربادی ہوگی۔" میں نے کہا۔

اور پھر مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا اور پھر میری خوراک مل گئی۔ رات حسین سے حسین تر ہوگئی، جذبات کی تسکین ہوگئی۔

رات بھر میں وہیں پر رہا اور پھر میرا دل یہاں سے بھر گیا۔ میں نے دلدار سے کہا۔

ایک لاکھ روپے میں تم مجھ سے جان چھڑا سکتی ہو۔"

"یہ بہت زیادہ ہے۔" وہ بولی۔

"تم کو سودے بازی کی عادت پڑ گئی ہے میرے ساتھ یہ نہ کرو اور رقم میرے حوالے کرو۔"

دلدار نے ایک لاکھ ادا کر دیئے اور میں آگے چل پڑا۔

میرا رخ خود بہ خود آسام کی طرف ہو گیا۔

یہ شہر اتنا بڑا نہیں مگر آبادی یہاں پر بھی بنگالی بولنے والوں کی ہے مقامی زبان بھی بولی جاتی ہے مگر ہندی اردو کم لوگ جانتے ہیں۔

میں ایک سرائے نما ہوٹل میں رک گیا۔

مالک اس کا ایک ہندو تھا مگر اس نے اپنی زندگی یہاں پر ہی گزاری تھی مقامی زبان اور بنگالی خوب بولتا تھا ہندی اس کی اپنی زبان تھی کیونکہ اس کے خاندان کا تعلق یوپی سے تھا۔

سویرے ہی وہ میرے پاس آ گیا اور بولا......

"بابو تم جلدی ناشتہ کر کے باہر چلے جاؤ اِدھر ایک بہت خطرناک آدمی آ گیا ہے وہ جب بھی آتا ہے کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرتا ہے، بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"وہ کون ہے اور کدھر سے آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آسام کی پہاڑیوں سے اتر کر آتا ہے ایک منٹ میں آدمی کو مار کر غائب کر دیتا ہے بہت ظالم جادوگر ہے ہم اس کو روک نہیں سکتا کیا کرے۔" وہ بولا......

میں نے کہا۔ "میرے بارے میں تم فکر نہ کرو میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ارے بابو ایسا نہیں کرنے کا ہے تم اس کو نہیں جانتا۔" وہ جلدی سے بولا......

"نقصان ہوگا تو میرا ہوگا میں تم سے شکایت نہیں کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں اپنی جگہ میں لڑائی جھگڑا پسند نہیں کرتا۔ ایک دو ٹیم ایسا ہوا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑا دوسرا لوگ مارا گیا سرکار بھی اس کا کچھ نہیں کیا۔ اس لئے بولتا ہے۔" مالک نے کہا۔

"میں لڑائی نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

مالک نے ہاتھ سر پر مارا اور بولا۔ "ایک اور سر پھرا آ گیا ضرور آج کچھ ہونے والا ہے۔"

اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد پتہ چل گیا کہ کوئی آیا ہے کیونکہ میرے کمرے کے باہر زور زور کی آوازیں آ رہی تھیں مالک کسی سے بات کر رہا تھا۔

میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا مالک کے ساتھ ایک لمبے قد کا کالا آدمی کھڑا تھا اس کے بدن پر صرف ایک کالی دھوتی تھی اور ہاتھوں میں ایک ڈنڈا تھا یہ نہ معلوم کس درخت کا تھا کہ ایک انچ جگہ بھی سیدھی نہیں تھی اس کے اوپری کنارے پر بھی کالے کپڑے کی دھجیاں بندھی ہوئی تھیں اس کالے کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔

میں نے مالک سے کہا۔ "کیا شور مچا رکھا ہے؟ آہستہ بات کرو میری نیند خراب ہوگئی۔"

مالک کچھ نہ بولا وہ کالا میری طرف آیا اور بولا۔

"تیری نیند خراب ہوگئی ہے کہ تجھے ہمیشہ کو سلا دوں۔"

"تو اپنا پر بچے تو کرا دے۔" میں نے کہا۔

"میں کالا بندو ہوں تو نے میرا نام نہیں سنا کیا۔" وہ

اکڑ کر بولا......

''نہیں میری بدنصیبی ہے کہ نہیں سنا یہ تو بتاؤ کالا بندو تم کرتے کیا ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں وہ کرتا ہوں جو کوئی نہیں کر پاتا۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ تو ایسا کوئی مشکل نہیں میں بھی کر سکتا ہوں تم کوئی انوکھا کام بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''مجھ سے متھا نہ لڑا میں مہا کالی کا داس ہوں۔ ایک منٹ میں تیری راکھ یہاں پڑی ہوگی۔''

''ارے ایسا نہ کرنا مگر تو کرے گا کس طرح یہ تو بتا۔'' میں نے پوچھا۔

''اچھا دیکھنا چاہتا ہے نہیں مانے گا تیری موت ہی سر پر آ گئی ہے تو پھر لے۔'' اور وہ منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا میں نے ایک چیونٹے کا تصور کیا اور اس کا منتر پورا ہونے سے پہلے میں اس کی نظروں سے غائب تھا مگر تھا اس کے قریب ہی اس کا منتر ادھورا رہ گیا وہ حیرت سے بولا۔

''اتنی جلدی بھاگ گیا۔'' میں دیکھ رہا تھا اس نے اپنے کسی بیر کو کہا۔ ''دیکھو تو کہاں گیا ہے؟'' وہ وہیں کھڑا رہا۔

اس کا بیر چلا گیا اور پھر اس نے واپس آ کر اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

کالا بندو ایک دم غصے میں آ گیا اور بولا۔ ''دیکھتا ہوں کہاں جائے گا۔''

میں اس کے ساتھ تھا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا میں بھی اندر چلا گیا اس نے اپنے تھیلے سے ایک انسانی کھوپڑی نکالی۔ اس کے دونوں طرف ایک ایک اگربتی لگائی سر کے اوپر ایک چراغ رکھ دیا اور پالتی مار کر اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھنے لگا کچھ ہی دیر میں کھوپڑی کی آنکھیں جہاں تھیں وہاں پر روشنی نظر آنے لگی اس نے یہ دیکھ کر کہا۔ ''میں تیرا غلام بتا وہ کون ہے اور کہاں الوپ ہو گیا اس کو سامنے کر؟''

کھوپڑی سے کچھ دیر آواز نہ آئی تو اس نے پھر پوچھا۔ اور چند منٹ کے بعد بہت باریک آواز آئی۔ ''میں نے چاروں دشاؤں میں دیکھ لیا کہیں نہیں ہے۔''

''چاروں دشاؤں میں نہیں تو پھر کہاں چلا گیا؟''

''وہ تیرے بہت قریب لگتا ہے پر تو اس پر ہرگز ہرگز ہاتھ نہ ڈالنا۔'' آواز آئی۔

وہ بولا۔ ''کیوں وہ مجھے جل دے گیا میں ہاتھ نہ ڈالوں کیا، گرو تم سے بڑھ کر ہے مجھے بتاؤ تو۔''

''لگتا ہے اس کے پاس کچھ انوکھی شکتی ہے اس شکتی کے بارے میں نہ میں جانتا ہوں اور نہ تجھے پتہ ہے تیرے سارے بیر اس کے قریب نہیں جائیں گے اگر گئے تو ان کی شکتی خطرے میں پڑ جائے گی تو بھی ہوشیار ہو جا اس کی دشمنی تیرے حق میں اچھی نہیں ہوگی اور میں بھی کچھ تیری مدد نہیں کر سکوں گا اب میں جاتا ہوں۔'' اور روشن آنکھیں اندھیری ہو گئیں جلتا چراغ خود بہ خود بجھ گیا۔ اور میں اپنی اصلی حالت میں نمودار ہو گیا۔ کالے بندو کی نظر مجھ پڑی تو چونک کر بولا......

''تو کہاں تھا مجھے تو تیری فکر تھی؟''

''تیرے گرو نے تجھ پر سے ہاتھ اٹھا لیا تو تجھے میری فکر ہو گئی۔ یہ چالبازی میرے ساتھ مت کر، میں نے تیری اور تیرے گرو کی ساری بات سنی ہے کیونکہ میں تیرے پاس ہی تھا دور نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

''تو کون ہے یہ تو بتا دے میں تیرے خلاف کچھ نہیں کروں گا؟'' کالے بندو بولا......

''اس لئے نہیں کرے گا کہ کر نہیں سکتا۔'' میں نے کہا۔

''مانتا ہوں ایسا ہی ہے مگر تو یہ تو جانتا ہوگا کہ ہماری دنیا کے بھی کچھ اصول قاعدے ہیں آسام کے علاقے میں اور یہاں کے پہاڑوں اور جنگلات میں میرا حکم چلتا ہے میری حکومت ہے اگر تو اس علاقے کے لئے آیا ہے تو میں تیری بڑائی مان کر چلا جاتا ہوں پھر کبھی آسام نہیں آؤں گا۔'' کالے بندو کی اکڑ ختم ہو گئی تھی۔

''نہیں میں اس لئے نہیں آیا ہوں مگر تیرے ظلم کے بارے میں، میں نے بہت سنا ہے اگر تو یہ کرے گا تو پھر

تیرا گزارہ آسام تو کیا پورے بھارت میں نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں مہا کالی کا بھگت ہوں مجھے تو وہی سب کرنا ہے جس کے کرنے سے کالی خوش ہوتی ہے۔" کالے بندو نے کہا۔

"تو پھر تو آسام سے دور چلا جا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو اس وقت حکم دینے کی حالت میں ہے میں چلا جاتا ہوں۔"

اور کالے بندو نے آسام چھوڑ دیا مگر جاتے جاتے کہہ گیا۔ "کبھی نہ کبھی میں تیری حقیقت جان جاؤں گا اور پھر تیرا میرا سامنا ہوگا۔"

میں نے سرائے کے مالک کو بتادیا کہ "کالا بندو جادوگر آسام سے چلا گیا ہے۔" اس نے یہ سن کر بڑی خوشی منائی اور ہر ایک کو دن بھر بتاتا رہا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نے میری خاطر مدارت زیادہ کرنا شروع کر دی۔

میرا ارتکاز جاری تھا اور میری شہرت بڑھ رہی تھی یہی بات میں پسند نہیں کرتا تھا میں نے آسام چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور پھر آگرے آگیا۔ رمضانی کی دکان پر۔

رمضانی مجھے دیکھ کر بے ساختہ میری طرف بڑھا اور بولا...... "باباجی آپ آگئے آپ تو اچانک ہی چلے گئے تھے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے تو بتادیا تھا کہ میرا آنا جانا اس طرح ہوتا ہے۔"

"میں نے آپ کی امانت سنبھال کر رکھی ہے۔" رمضانی بولا......

"کون سی امانت؟" میں نے پوچھا۔

"آپ ایک بڑی رقم بھول گئے تھے کمرے میں۔" رمضانی بولا......

"تم بھول گئے میں نے کہا تھا وہ تمہاری ہے۔" میں نے کہا۔

"باباجی میں نے ایسا کیا کام کیا ہے کہ اتنی بڑی رقم مجھے مل جائے۔" رمضانی بولا......

"کام چھوٹا بڑا پسند کی بنیاد پر ہوتا ہے تیرا کام اور خدمت کرنے کا انداز من کو بھایا ہے اسی لئے پھر لوٹ کر تیرے پاس آئے ہیں وہ سب تیرا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے لئے تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ پھر آپ کی خدمت کروں۔" رمضانی نے کہا۔

"تیرے شہر کی بڑی تعریف سنی ہے دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں کسی آدمی کا انتظام کردوں گا آپ کو سیر کرادے گا۔" رمضانی نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود گھوموں گا۔" میں نے کہا۔

میں پھر رمضانی کی اٹاری میں آگیا۔ اور دوسرے دن شہنشاہ اکبر کے مزار پر چلا گیا۔ شہر سے مغرب کی جانب دس میل پر لب سڑک عظیم الشان عمارت ہے اس کا دروازہ ہی بہت شان شوکت والا اور بہت اونچا ہے اندر داخل ہونے کے لئے لال پتھروں کی سڑک ہے اور اس سڑک کے آخری سرے پر مزار ہے سڑک کے دونوں طرف باغ ہے دائیں طرف کے باغ میں بے شمار بندر ہوتے ہیں اور بائیں طرف لنگور رہتے ہیں یہ جانور اپنے اپنے علاقے میں رہتے ہیں بندر لنگور کے علاقے میں نہیں جاتے اور لنگور بندروں سے دور رہتے ہیں۔ اس بڑے دروازے کے علاوہ بھی صرف عمارت کی خوب صورتی کو بیلنس کرنے کے لئے تین دروازے اور بھی بنائے گئے ہیں مگر آمد و رفت صرف ایک سامنے والے دروازے سے ہوتی ہے ان سب دروازوں پر محلات بنے ہوئے ہیں بھول بھلیاں بنی ہوئی ہیں باغ میں قدیم زمانے کے تناور درخت کھڑے ہیں مالی ان میں پانی دیتے رہتے ہیں۔ عام دنوں میں یہاں پر زیادہ رش نہیں ہوتا عام طور سے سناٹا پڑا رہتا ہے۔

میں مزار کی بلڈنگ تک گیا مگر مزار کے اندر نہیں گیا اور بائیں طرف کے دروازے کی طرف چلا گیا۔

ہر طرف سناٹا تھا اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں میں ان سیڑھیوں پر چڑھتا گیا، تعجب مجھے یہ تھا کہ ان سیڑھیوں پر ذرا سا میل مٹی نہیں تھا ہر طرف بہت زیادہ خاموشی تھی میں سب سے اوپری منزل پر جا کر باہر کا نظارہ کرنے لگا دور دور ہرے ہرے کھیت نظر آ رہے تھے اور ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔

بڑا سکون تھا اس مقام پر صفائی ستھرائی بھی تھی۔

میں ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اور پھر مجھے اپنے سبق کا خیال آ گیا اس سے بہتر جگہ کون سی ہو سکتی تھی میں نے آسن جمایا اور ارتکاز میں چلا گیا۔ اتنی پر سکون جگہ اور میرا ارتکاز لمبا ہو گیا اور چالیس دن کے بعد میں نے آنکھ کھول دی دن کا وقت تھا سب کچھ ویسا ہی تھا۔

فرق صرف یہ تھا کہ میرے سامنے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا اس کی بڑی لمبی داڑھی ہوا میں لہرا رہی تھی چہرہ سرخ سفید تھا اور چہرے پر ناراضگی کے آثار تھے۔

وہ سفید ریش بولا۔ ''تو کون ہے بندۂ خدا؟''

میں نے کہا۔ ''میں انسان ہوں۔ تم کون ہو؟''

''میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں۔'' سفید ریش نے جواب دیا۔

''مجھ سے کیا چاہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

تو نے یہ نہیں سوچا کہ یہاں پر اور مخلوق بھی ہو گی ان کے بچے بھی ہوں گے میں چالیس دن سے تیرے قریب ہوں کسی کو تیرے قریب نہیں آنے دیا اگر میں یہاں نہ ہوتا تو تجھے بچے زمین پر پھینک دیتے۔'' سفید ریش بولا......

''تم اور تمہارے سب مل کر بھی ایسا نہ کر پاتے۔'' میں نے کہا۔

''تجھے اپنی طاقت پر لگتا ہے بڑا ناز ہے مگر یاد رکھ ہر سیر کو سوا سیر مل جاتا ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''میں نے سکون کی خاطر یہاں پر قیام کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہاں پر ہماری آبادی ہے ہم کسی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتے تم نے ہمارے گھر میں بلا اجازت قیام کر لیا پھر بھی برداشت کر لیا اب تم جاؤ'' بوڑھا غصے سے بولا......

''اور اگر میں انکار کروں تو۔'' میں نے کہا۔ اور میری زبان سے یہ نکلا ہی تھا کہ کئی جوان ہاتھوں نے مجھے جکڑ لیا۔

رولوکا کی کوشش تھی کہ جلد از جلد ڈائری کے صفحات ختم ہو جائیں اور اس طرح شمشیر یا شیر سنگھ کی مدد ہو جائے، لیکن اب اچانک درمیان میں بلرام کی روح آ گئی تھی جو کہ پتا نہیں کیا چاہتی تھی۔ بہر حال رولوکا کی سوچ اپنی جگہ تھی کہ اچانک کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

☆☆☆

چند ساعت بعد دوبارہ کمرہ روشن ہو گیا۔ رولوکا اپنی جگہ موجود نہیں تھا، اور وہ ڈائری جو وہ پڑھ رہا تھا میز پر موجود تھی۔

کمرہ خالی دیکھ کر ایک کرخت بھاری آواز سنائی دی۔ ''مورکھ پھر بھاگ گیا، میں دیکھتا ہوں کہ بھاگ کر کہاں تک جاتا ہے، اب میں اسے کسی بھی حال میں نہیں چھوڑوں گا۔ ارے مورکھ اگر تجھ میں شکتی ہے، اور تیرے بڑے تیری سہایتا کرتے ہیں تو میں انہیں بھی چیلنج کرتا ہوں کہ وہ بھی آ کر مجھ سے مقابلہ کریں، مورکھ تو کم ہمت ہے بزدل ہے جو تو دم دبا کر بھاگ جاتا ہے، ارے دیکھ میں بلوان شکتی کا مالک ہوں، ارے میری تو خواہش تھی کہ تو مجھ سے صلح صفائی کر کے اس علاقے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاتا، مگر اب تو چاہے گا بھی تو میں تجھ سے صلح نہیں کروں گا کیونکہ پچھلی مرتبہ تو نے میرے کئی شکتی شالی بیروں کا صفایا کر دیا، میرے بہت سارے کالی شکتیوں کے بیر مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے ختم ہو گئے، تو نے چھل سے انہیں مار دیا، اور مجھے دھوکا دیا۔ میں اپنے اس پورے علاقے میں تیری پہچان تک مٹا کر رکھ دوں گا۔

مورکھ دیکھ! میرے ساتھ کالی شکتیوں کی کتنی بڑی فوج ہے کالی شکتیوں کی اتنی بڑی فوج آج تک کسی نے

نہ دیکھی ہوگی میں نے علاقے کے چپے چپے پر پہرہ لگا دیا ہے تا کہ تجھے بھاگنے نہ دیا جائے، میں تجھ سے اور تیرے بڑوں سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آ یا پھر اپنے بڑوں کو لے آ تا کہ وہ میرا سامنا کر سکیں، میں ہزاروں سال سے ہوں اور رہوں گا، میں نے ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں میں جیون بتایا، اور دنیاوی جیون کو تیاگ کر بھی دیوی دیوتاؤں اور بڑے بڑے کالی شکتی کے گروں کی خدمت کی ہے۔

میرے پاس مہا شکتی ہے، میں کالی کا سیوک تھا اور ہوں، کالی ماتا کی آشیر واد میرے ساتھ ہے، جادو کی دنیا کا کوئی بھی بڑا ہیر میرے سامنے میری مرضی کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکتا، بلکہ میں تو اس طاقت کا مالک ہوں کہ میرے علاقے سے ہوا بھی میری اچھا کے بنا آگے نہیں جا سکتی۔

مورکھ! اب بھی وقت ہے میرے سامنے آ جا، میرے سامنے جھک جا، میری اطاعت قبول کر لے، مجھے شکتی شالی مان لے، نہیں تو، تو پچھتائے گا، تو ماس بھرا انسان ہے، میں تجھے دنیا میں رہنے کے لئے اور وقت دے دوں گا، اور اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو تیری آتما بھی پچھتائے گی، تیری آتما کو بھی پوری دنیا اور دنیا سے الگ سورگ میں بھی جگہ نہیں ملے گی، تیری آتما پل پل لحہ لحہ کسی جگہ ٹھہر نہیں سکے گی۔ ارے مورکھ میری بات مان لے! خود کو اور دنیا سے جانے کے بعد اپنی آتما کے لئے تو شانتی ڈھونڈھ لے۔ ارے تو چوہا بن کر کہاں چھپ گیا ہے؟ تجھے کسی بھی پل میں چین نصیب نہیں ہوگا، مجھے تجھ پر دیا آ رہی ہے، میرے من میں تیرے لئے امن کا نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے کہ تو بھی شکتی دان ہے، میری بات مان لے نہیں تو اپنے ساتھ تو اپنے بڑوں کو بھی مروائے گا، تو اپنی دنیا میں ذلیل ہو جائے گا، تیری آتما کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا، تو جہاں بھی ہے آواز دے میں تیرے پاس آ جاتا ہوں، دیکھ مجھ سے اب چھل نہیں کرنا، ورنہ بہت پچھتائے گا، میرا نام بلرام ہے اور کوئی بھی کالی شکتی والا بلرام سے بچ نہیں سکتا، سن لے میرا نام بلرام ہے۔'' اور پھر آواز بند ہو گئی تو ایک دوسری آواز سنائی دی جو کہ رولوکا کی تھی۔

''بلرام! تو شکتی شالی نہیں، ارے بزدل تو اپنے آپ کو کالی شکتیوں کا مہان سمجھتا ہے، تو نے اپنے آپ پر کبھی غور کیا ہے، ارے جتنے بھی بیوقوف اور احمق ہوتے ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ایک پاگل پوری دنیا کے لوگوں کو پاگل سمجھتا ہے اور میری نظر میں تو بھی پاگل ہی ہے، تیرے پاس جو شکتی ہے وہ کسی طرح مکمل نہیں، ارے دنیا میں بڑے بڑے بلوان شکتی آئے مالک بنے اور پھر ان لوگوں نے اس شکتی سے غلط کام لینا شروع کر دیا، کمزوروں پر حکم چلانا شروع کر دیا، ناحق لوگوں کو تکلیف دینے لگے، اپنے سے کمزوروں کی ناک میں دم کر دیا، وہ طاقت حاصل کرنے کے بعد مغرور ہو گئے، طاقت پر گھمنڈ کرنے لگے۔

ارے بے عقل آتما! دنیا بنانے والے کی ذات سب سے بڑی ہے، اس کے پاس ہی ساری طاقتیں ہیں کوئی اس کی طاقت سے مقابلہ نہیں کر سکتا، دنیا میں کوئی چاہے ناری طاقت ہو یا نوری طاقت کا مالک ہوتا ہے، اور اس کے بعد جب وہ مخلوق خدا کو نقصان پہنچانے لگتا ہے تو اذیت و تکلیف اٹھانے والوں کی نظریں اپنے پیدا کرنے والے اور دونوں جہانوں کے مالک پر ٹک جاتی ہیں، لوگ دنیا بنانے والے جو کہ سارے جہانوں کا مالک ہے اور اس کی طاقت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، لوگ گڑ گڑا کر اس ذات سے دعا کرتے ہیں اور پھر وہ ذات اذیت دینے والے مغرور و گھمنڈی کو مواقع دیتی ہے کہ وہ راہ راست پر آ جائے، یہ کالی شکتیوں یا نادیدہ قوتوں پر ہی موقوف نہیں بلکہ دنیا پر راج کرنے والے بڑے بڑے مہان طاقت کے راجا مہاراجا، بادشاہ، یہاں تک کہ پوری دنیا پر راج کرنے والے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اس دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔

جن لوگوں نے مخلوق خدا کو ناحق پریشان کیا، اپنی

طاقت کے بل بوتے پر پیدا کرنے والے کو بھول بیٹھے، وہ بھول بیٹھے کہ طاقت دینے والا اوپر موجود ہے، وہ طاقت اس لئے دیتا ہے کہ طاقتور اپنی طاقت سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، کمزوروں کی مدد کرے بے سہاروں کو سہارا دے، گرتوں کو آگے بڑھ کر تھام لے، آج دنیا میں موجود لوگ دنیا سے جانے والوں کے متعلق دو سوچ رکھتے ہیں ایک منفی اور دوسری مثبت۔

منفی سوچ ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو کہ اپنی طاقت سے لوگوں کو نقصان پہنچانا، کمزوروں کا جینا دوبھر کر دینا، ایسے لوگوں کے لئے لوگ غلط زبان استعمال کرتے ہیں، مرنے کے بعد بھی لوگ ایسے لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے لوگ بددعائیں کرتے ہیں۔

مثبت سوچ کے حامل افراد، جانے والے اچھے لوگوں کے لئے خوش اخلاقی سے دعائیں دیتے ہیں۔ دین و دنیا کے مالک سے ان کی روح کے لئے خیر چاہتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے اپنی طاقت سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، لوگوں کی دکھ تکلیف کا احساس کیا، اپنی ذات سے مخلوق خدا کو اذیت نہیں پہنچائی۔

ارے بلرام! اب تو خود بتا کہ تو کتنی شکتی کا مالک ہے، تو اپنے آپ کو مہان شکتی کا بلوان کہتا ہے، اپنے عقل کے اندھے!! تجھے خود کو شکتی شالی کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے، تو اپنے ساتھ بیروں کا لشکر لے کر آیا ہے، تو مقابلہ کے لئے میرے بڑوں کو بلا رہا ہے، ارے تو مجھ سے پہلے نمٹ لے، تو خود اپنی بہادری اور اندھی طاقت کا اندازہ لگا لے، تیرا کہنا ہے کہ تو دنیا کے چاروں سمت کا پتا لگا لیتا ہے، تو پاتال تک کی خبر رکھتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تو صرف عقل کا اندھا ہے۔ ارے بے وقوف میں تیرے قریب ہوں۔ اور تو میرا پتہ نہیں کر سکتا!!

بہرحال تو نے میرے بڑوں کو چیلنج کیا ہے، میں تیرا اعلان جنگ کا چیلنج قبول کرتا ہوں، اب تو سمجھ لے کہ تیرا وقت ختم ہونے کو ہے تیرا خاتمہ یقینی ہے، تیرا بچنا اب مشکل ہے، کیونکہ تو نے میرے بڑوں کا نام لیا ہے۔''

''مورکھ میں تو تیرے ساتھ نرمی برت رہا تھا، تو جو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے تو سن لے میں تیری زبان گدی سے کھینچ نکالوں گا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تو کہاں چھپتا ہے، تو نے میری باتیں نہ مان کر اپنے لئے موت قبول کر رہا ہے تو یہ تیری اپنی مرضی ہے، میں تجھے پاتال سے بھی باہر نکال لوں گا۔ اب تو دیکھ میری طاقت۔''

بلرام کی آواز بند ہوگئی۔ رولوکا اپنی جگہ بدستور روپوشی کی حالت میں تھا۔ بلرام نے بیروں میں سے ایک بہت ہی طاقتور بیر کا انتخاب کیا اور اپنے پاس بلا کر بولا۔ ''شنکرانیہ! مجھے تیری طاقت کا اندازہ ہے، تو نے میرے حکم سے بڑے بڑے میرے نافرمانوں کو نیست و نابود کیا ہے، کالی شکتی کی دنیا میں تیرا کوئی مد مقابل نہیں، میں نے برسوں محنت اور جاپ کر کے تجھ پر قابو پایا ہے، تو عام لوگوں کے بس کا نہیں، دیکھ ایک عام ملیچھ نے میری طاقت کو للکارا ہے، میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اس ادنیٰ جوہے کو فوراً میرے سامنے زندہ یا مردہ حاضر کر۔''

''گرو! آپ چنتا نہ کریں، میں پلک جھپکتے ہی آپ کے دشمن کو زندہ آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دیتا ہوں، مجھے آگیا دیجئے۔'' یہ کہتے ہی شنکرانیہ دھوئیں میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا۔ شنکرانیہ واقعی بہت طاقتور بیر تھا۔ سب سے پہلے اس نے اردگرد کے علاقوں کو چھان مارا تا کہ رولوکا پر ہاتھ ڈال سکے، لیکن رولوکا اس کی طاقت یا حصار میں نہیں آیا۔

اس کے بعد وہ شمال کی جانب پرواز کر گیا مگر اس سمت سے بھی اسے ناکامی ہوئی، پھر وہ جنوب کی سمت بڑھ گیا مگر وہاں بھی ناکامی اس کے حصے میں آئی، اس طرح وہ مشرق اور مغرب کو بھی چھان کر مایوس ہو گیا۔

جھلاہٹ سے شنکرانیہ کا برا حال تھا، غصہ سے اس کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں، اس نے چند ساعت اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر آنکھیں کھول کر مسکرانے لگا، اس کے بعد آناً فاناً غائب ہو کر پورے پاتال میں

ٹھوکریں کھانے لگا، مگر افسوس صد افسوس کہ "رولوکا کو ڈھونڈ نہ سکا۔"

غصہ، سراسیمگی اور شرمندگی سے اس کا برا حال تھا۔ وہ بلرام کے غضب سے واقف تھا، وہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس ناکامی پر کرو یقینا میرا خاتمہ کر دے گا، اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ بلرام سے فرار حاصل کر سکے، لہذا تھکا ہارا، سر جھکائے بلرام کے سامنے باادب ہاتھ باندھ کر حاضر ہو گیا۔

شنکرانیہ کی جھکی ہوئی نظریں دیکھ کر بلرام سمجھ گیا کہ شنکرانیہ ناکام واپس آیا ہے۔

بلرام کی کرخت بھاری بھرکم آواز گونجی۔ "شنکرانیہ تیری جھکی ہوئی گردن اور نظریں بتا رہی ہیں کہ تو ناکام واپس آیا ہے۔ مجھے تیری شکتی پر فخر تھا، اب تیری ناکامی کی سزا ہے تیرا خاتمہ!! اب میں خود اپنے تئیں کوشش کرتا ہوں۔"

بلرام کی نظروں اور اس کے تمام بیروں کی نظروں سے رولوکا روپوشی کی حالت میں رہا۔ یکے بعد دیگرے اس کے ہزاروں بیروں نے رولوکا کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر سب کے سب ناکام و نامراد واپس آ گئے۔ وہ سب رولوکا کو دنیا کے کونے کونے میں ڈھونڈتے رہے مگر رولوکا شہر سے باہر مضافات میں موجود تھا۔

اتنی دیر میں رولوکا نے آناً فاناً اپنے استاد کی روح سے اور اپنے تمام بڑوں سے رابطہ کر لیا تھا۔ اس نے اس علاقے کے اچھے شریف اور خدا ترس جنات ہستیوں سے بھی رابطہ کر لیا تھا، اور سب کو بتا دیا تھا کہ بلرام کی نیت کیا ہے۔

رولوکا کے استاد کی روح اور دیگر بڑوں نے رولوکا کو تسلی دی اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔ رولوکا کے استاد کی روح کی آواز آئی۔

"میرے پیارے شاگرد، میں نے تمہیں روحانیت کے معاملے میں ناقابل تسخیر بنا دیا ہے، تم اپنی محنت سے روحانیت کے میدان میں اپنا مدِ مقابل نہیں رکھتے، بدی اور کالی شکتی کے معاملے میں، لیکن کبھی بھی نیک اور نوری طاقتوں سے نہیں ٹکرانا۔ تمہیں جتنی بھی طاقت اور نادیدہ قوتوں کی ضرورت پڑے گی سب تمہارے لئے حاضر ہوں گی۔"

جنات ہستیوں نے بھی رولوکا کو یقین دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد کے لئے حاضر ہیں۔ "اگر آپ کہو تو اس بلرام چوہے کو اٹھا کر کالی شکتیوں کی دنیا میں آج اور آنے والے وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبرت کا مقام بنا دیں، اس کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ تمام ناری قوتیں سوچ سوچ کر تھرا اٹھیں، اگر آپ بولیں تو میں اپنے قبیلہ اور دیگر اپنے تمام جاننے والے قبیلوں کے جوانوں کو لے کر آپ کے پاس آ جاؤں۔" جناتوں کے سردار نے کہا۔

رولوکا نے یہ باتیں سن کر سردار کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔ "محترم آپ کی بہت مہربانی کہ آپ نے عزت افزائی کی، دراصل میں بلرام کو دکھانا چاہتا ہوں کہ تیری کالی طاقتیں نوری طاقتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں، میں اپنی طاقتوں سے بلرام کا مقابلہ کروں گا، اور اگر ضرورت پڑی تو میں ضرور آپ لوگوں کو تکلیف دوں گا، بس میرے لئے دعا ضرور کیجئے گا۔"

اُدھر بلرام کی حالت ندامت، غصہ اور شرمندگی کے باعث ناقابلِ دید تھی، ایک تو اس کی شکل بڑی بھیانک تھی، غصہ سے مزید سیاہ پڑ چکی تھی اور انگارہ برساتی سرخ آنکھیں غضب ڈھا رہی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ مسلتے ہوئے بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اپنی جگہ وہ کھڑا نہیں رہ پا رہا تھا بلکہ چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ اس کی نظریں بہت ہی کرب کی حالت میں متلاشی تھیں، کبھی اوپر دیکھتا کبھی زمین پر اس کی نظریں گڑ جاتیں یا پھر اپنے سر کو اِدھر اُدھر ہلاتے ہوئے دور فضاؤں میں گھورنے لگتا۔

اس کے قریب عجیب الخلقت شکل والے بیر کھڑے تھے، سب کی نظریں اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں،

بیروں کی حالت سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے موت ان کے سامنے کھڑی ہے اور کسی بھی لمحہ وہ موت سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

اچانک بلرام نے اپنی گردن اوپر کو اٹھا کر فضا میں بہت غور سے کچھ دیکھنے لگا کہ چند ساعت بعد آسمان کی وسعتوں میں دل دہلا دینے والی بجلی کڑکی، چونکہ رات کا وقت اور پھر سونے پر سہاگہ کہ اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں۔

اماوس کی راتیں وہ ہوتی ہیں کہ آسمان پر چاند بالکل چھپ جاتا ہے۔ یعنی ہر مہینہ کی آخری تین راتیں ہوتی ہیں، لہٰذا آسمان پر چاند نہ ہونے کی وجہ سے سارا علاقہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے، ہر سو ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہ دینے والا اندھیرا مسلط ہو جاتا ہے۔

چونکہ ہر سو اندھیرا مسلط تھا، آسمان سے زمین تک ہر شے اندھیرے کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی لہٰذا جب اچانک آسمان پر بجلی کڑکی تو بجلی کی دل دہلاتی آواز اور روشنی مضبوط سے مضبوط دل والے کو بھی دہلا گئی۔ اگر اس وقت اس جگہ انسان ہوتے تو یقیناً اس بھیانک منظر اور آواز کے پیشِ نظر یقیناً کئی لوگوں کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔

اچانک بلرام کی آواز گونجی۔ ''نابکارو! تم سب اسی جگہ میری واپسی تک میرا انتظار کرو، اب میں خود اس پاپی کو پکڑ کر لاتا ہوں، میں دیکھتا وہ کہاں چھپ گیا ہے۔ میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ ظاہری اور پوشیدہ دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا، کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ اسے وہ اذیت ناک اور کربناک سزا میں نے تجویز کی ہے کہ آئندہ جنم جنم میں بھی کوئی میرے سامنے دم نہیں مار سکتا، آنے والے اور موجودہ وقت میں ہر کوئی میرے نام سے سہم کر رہ جائے گا، سن لو! کالی شکتیوں کے باسی یہ میرا وعدہ ہے کہ آج میں اس پاپی ملیچھ کے لئے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دوں گا، اس پاپی کو عبرت کا نشان بنا کر رکھ دوں گا، اس کے ساتھ ساتھ اس کے حمایتیوں کو بھی ناقابلِ فراموش ذلت کی موت سے ہم کنار کر دوں گا۔

اب میں جاتا ہوں اور اسے لے کر فوراً آتا ہوں، تم سب اپنی اپنی جگہ میرا انتظار کرو۔''

دیکھتے ہی دیکھتے جہاں بلرام کھڑا تھا اس جگہ سفید رنگ کا دھواں اٹھنے لگا اور پھر چند ساعت میں وہ دھواں ہوا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا۔

اس جگہ سے غائب ہو کر بلرام نے پورا علاقہ چھان مارا تاکہ رولوکا کو پکڑ سکے، جب رولوکا ارد گرد نہیں ملا تو غصہ سے بھپھرا، ایک ایک کونا چھانتا رہا مگر رولوکا کو بھانپ نہ سکا، آسمان کی وسعتوں میں ڈھونڈتا رہا، زمین کے اندر پاتال تک گھوم گیا، بلکہ دنیا کے چاروں سمت مشرق و مغرب شمال اور جنوب تک دیکھ لیا مگر بلرام کو، رولوکا نہیں ملا۔

آخر تھک ہار کر بلرام اپنی جگہ واپس آ گیا، جس جگہ سے وہ غائب ہوا تھا اس جگہ اچانک دھوئیں کا مرغولہ اٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھواں ایک وجود اختیار کر گیا، وہ وجود بلرام کا تھا۔

بلرام کی حالت دیدنی تھی، مایوسی اور ناکامی کی حالت میں وہ زخمی ناگ کی طرح پھنکار رہا تھا، اس کی تنی ہوئی گردن میں خم پڑ گیا تھا لیکن زبان کی تندی ابھی بھی قائم تھی۔

''ملیچھ پاپی رولوکا! کان کھول کر میری بات سن لے! تیری موت ہر حالت میں میرے ہاتھوں آنی ہے، میں تجھے کتے کی موت ماروں گا، تیری موت بھی یقینی ہے۔ تو ابھی میرے سامنے آ، اگر تجھ میں ہمت ہے تو ایک بار صرف اپنی جھلک مجھے دکھا دے پھر میں سمجھوں گا کہ تو واقعی بلوان ہے، خیر میں تجھے چھوڑوں گا نہیں دیکھ میری فوج بیروں کی شکل میں موجود ہے، اگر تو نے میرا اعلان جنگ قبول کر لیا ہے تو میرے سامنے آ......'' بلرام کی بپھری ہوئی گھر گھراتی آواز بند ہو گئی۔

اتنے میں رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''بلرام تو کتنا بہادر ہے، تو کتنی طاقتوں کا مالک ہے، دیکھ تیرے بیر بھی

دل میں تیرا مذاق اڑا رہا ہے ہیں کیونکہ تو نے مجھے دنیا کے کونے کونے بلکہ آسمان کی وسعتوں اور پاتال تک میں دیکھ لیا‘ مگر میری بو بھی نہیں پاسکا، اے بےعقل کے اندھے!! میں تیرے قریب موجود ہوں، تیری تمام حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں بلکہ تیرے ایک ایک بیر پر میری نظر ہے، اس وقت تیری گردن جھکی ہوئی ہے، انگارہ آنکھیں چندھیا گئی ہیں، تیرے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا گرج موجود ہے، تیرا جسم اوپر سے ننگا ہے اور تو ایک بوسیدہ لنگوٹی میں کھڑا ہے۔ کیا میں صحیح نہیں کہہ رہا، اب تو اندازہ لگا کہ میں تجھ سے کتنی دوری پر ہوں اور میری نظریں تجھے بخوبی دیکھ رہی ہیں، تیری طاقت میرے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے، بہر حال میں تیرا اعلان جنگ قبول کرتا ہوں، اگر تو خود اپنا اور اپنے پیروں کی تباہی چاہتا ہے تو پھر ایسا ہی سہی، لیکن میرا تجھے مشورہ ہے کہ اپنی خیر منا، غصہ چھوڑ دے، اور اپنی راہ لے، جہاں سے آیا ہے وہاں چلا جا، نہیں تو پھر وقت کا انتظار کر۔

یا اگر تو اب بھی لڑنے کا خواہش مند ہے تو لڑائی کی پہل کر اور دیکھ لے ہماری طاقت کا کرشمہ، تیرا وجود ختم ہو کر رہ جائے گا۔“

اچانک بلرام نے خون خوار نظروں سے اوپر دیکھا اور الٹے ہاتھ کے اشارے سے دائرہ بنا تا رہا یعنی اپنا الٹا ہاتھ تیزی سے گھوماتا رہا کہ اسی اثناء میں زور کی ہوا چلنے لگی۔

ہوا نے فوراً سے پیشتر آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ اور پھر پلک جھپکتے ہی اس آندھی نے بھنور کی شکل اختیار کر لی، ہوا کی رفتار اتنی کہ خدا کی پناہ! ہوا میں مٹی اور ذرات بلکہ بڑے سے بڑے پتھر تنکے کی طرح اڑنے لگے، پیڑ پودے اکھڑ اکھڑ کر انجانی سمت کی جانب رواں دواں تھے، بڑے سے بڑا درخت بھی اپنی جگہ سے اکھڑ کر غائب ہو جاتا۔

آندھی میں ایک عجیب طرح کی ڈراؤنی گونجدار آواز جو کہ کان پھاڑ دینے اور دل کو دہلاتی ہوئی تھی۔ اگر وہ آندھی عام حالت اور عام زندگی میں ہوتی تو اس علاقے کا نام ونشان مٹ جاتا، کوئی یہ شناخت نہیں کر سکتا کہ یہاں پر پہلے بھی کوئی سرسبز آبادی تھی۔ انسانی ذہن نے کسی بھی دور میں ایسی خوفناک اور بھیانک آندھی کا تصور تک نہیں کیا ہوگا اور نہ کر سکتا ہے۔

سارا علاقہ تہہ و بالا ہوتا رہا، اس کے بعد دوسرا تہلکہ خیز منظر کڑکتی ہوئی بجلی نے پوری کر دی، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز سے بجلی اپنا رنگ دکھاتی تو سارا علاقہ چندھیا جاتا اور پھر بجلی کڑکنے کا سلسلہ متواتر رونما ہونے لگا۔ قیامت سے بھی بڑھ کر بھیانک اور خطرناک منظر تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آسمانی بجلی نے خوفناک شکل اختیار کر لی، ہر طرف نگاہ پڑتے ہی کڑکتی ہوئی بجلی زمین بوس ہونے لگی جیسے پر بجلی کڑک دار آواز کے ساتھ گر رہی ہو۔ وہ منظر بہت ہی دل خراش اور خوفناک تھا۔

سونے پر سہاگہ اس کے بعد یہ ہوا کہ بجلی گرنے کے بعد اس جگہ مہیب شعلے بھڑک اٹھتے اور یہ سلسلہ بھی متواتر ہونے لگا۔ بجلی گرنے کی جگہ اس جگہ بار بار بجلی گرتی اور شعلے پر شعلے بھڑکنے لگتے، وہ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

اس جگہ یا قرب و جوار میں اگر انسان ہوتے تو کب کے نیست و نابود ہو چکے ہوتے۔ خاکستر ہو کر خاک میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔

چونکہ یہ نادیدہ اور کالی شکتیوں کے بیروں کا حربہ تھا لہٰذا عام نظروں سے اوجھل تھا۔ یہ تمام حربہ ناری قوتوں کی جانب سے تھا مگر ابھی تک نوری قوتوں کی طرف سے کوئی بھی جوابی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔

اچانک پورے علاقے میں بارش کی پھوار پڑنے لگی۔ پھوار کے پڑتے ہی بجلی غائب ہو گئی، بھڑکتے ہوئے اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں نے دم توڑ دیا۔ تمام شعلے اچانک نیچے کو بیٹھتے چلے گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایسے ہو گئے کہ جیسے

زمین میں سما گئے ہوں۔

گھپ گھٹا ٹوپ اندھیرا، اب بھرپورے علاقے پر مسلط ہو چکا تھا۔ اب خاموشی اور اندھیرے کا راج قائم ہو چکا تھا۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ "بے وقوف بلرام تو نے اپنے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر لئے۔ تو اپنی بھرپور طاقت آزما چکا، تو نے اپنے بس سے بڑھ کر کوشش کر لی مگر میری بو بھی نہ پا سکا، ارے مجھ تک پہنچنا تو دور کی بات ہے میرا پتہ لگانا بھی تیرے بس سے باہر ہے۔ تو نے میری معمولی طاقت دیکھ لی کہ تیری کڑکتی بجلی اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کا کیا حشر ہوا۔ چند ساعت میں سب کچھ ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

بلرام دیکھ اب بھی وقت ہے تو اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجا، ورنہ تیرا وجود بھی باقی نہیں رہے گا، تیرے سامنے یہ تیرے غلام بیروں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفایا ہو جائے گا، ان کے ساتھ ساتھ تو بھی نیست و نابود ہو جائیگا، میری بات مان لے اور اپنی جگہ پر چلا جا، اپنے آپ سے غرض رکھ، اپنی فکر کر دوسروں کی فکر چھوڑ دے، تو اس سنسار میں بلوان شکتی نہیں رکھتا بلکہ تجھ سے بھی بڑے بڑے شکتی شالی پڑے ہیں۔ اور اچھے دل دماغ کے شکتی وان دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ اپنی دنیا میں مگن رہ کر مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔"

اچانک بلرام کی گرجدار آواز گونجی۔ "تو اپنی زندگی کی چند سانسیں لے لے، ارے میں نہیں بلکہ تو پچھتائے گا، تیرا حشر دیکھ کر نادیدہ اور پوشیدہ دنیا کے باسی دانتوں تلے اپنی انگلیاں داب لیں گے، تو زیادہ دیر تک شانتی میں نہیں رہے گا، ارے یہ تو میرا ایک ادنیٰ سا وار خالی گیا ہے، ابھی میرے پاس اتنے وار ہیں کہ تو تصور بھی نہیں کر سکتا، میں نے اپنے گرو سے رابطہ کر لیا ہے، میرے مہان گرو کی آشیرواد اور مدد اب پہنچنے والی ہے، تیری زندگی کا سمے اب بہت کم رہ گیا ہے۔"

بلرام اپنے گرو سے رابطہ پر رابطہ کرتا رہا، پکے بعد کئی بیروں کو گرو کے پاس بھیجا مگر تمام رابطے اور تمام بیر مایوس لوٹے، انہوں نے بلرام سے کہا۔ "گرو، آپ کے گرو اپنے استھان پر موجود نہیں ہیں، زمین و آسمان بلکہ پاتال میں بھی ان کی آتما نہیں رہی ہے۔"

بلرام یہ سن کر گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ "ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ گرو میرے رابطے میں نہ آئے ہوں۔ اس سے ایسا کیا ہو گیا ہے کہ گرو کی آتما کا کہیں پتہ نہیں، خیر گرو سے رابطہ ہو نہ ہو، میں کسی بھی صورت اس ملیچھ رولوکا کو چھوڑوں گا نہیں۔"

اتنے میں رولوکا کی آواز سنائی دی تو بلرام چونک پڑا۔ رولوکا بولا "بلرام میں تو تیرے دل کی بھی بات جانتا ہوں، تو نے اپنے گرو سے رابطہ کیا، کسی غلط کام کے لئے، اپنی بے جا ضد کے لئے، اپنی طاقت کا استعمال بے مقصد کام میں کر رہا ہے، تو فائدے کے بجائے نقصان کے لئے کمر کس رہا ہے، تیرے ساتھ ساتھ تیرے بے چارے بیر بھی مارے جائیں گے، تیرے گرو بہت اچھے ہیں، وہ اچھے برے کی تمیز رکھتے ہیں، نفع نقصان کو سمجھتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تو اپنی بے کار ضد کی وجہ سے اپنا نقصان کرنے والا ہے، اگر تو حق پر ہوتا، فائدے کے لئے کوشش کر رہا ہوتا تو یقیناً تیرے گرو تجھ سے رابطے میں رہتے، تیرے گرو نے تیرے رابطوں اور ہرکاروں سے خود کو پوشیدہ کر لیا، اب تو خود سمجھ لے کہ اب تیرا کیا حشر ہونے والا ہے، میری بات مان لے اور ضد چھوڑ دے، تو میرا بال تک بانکا نہیں کر سکتا، کیونکہ میں حق پر ہوں، میں مصیبت زدوں کی مصیبت، دکھ درد تکلیف کا حل نکال کر دکھی لوگوں کو خوشیاں دیتا ہوں۔

کبھی کبھی آتمائیں بھی میری بات مان کر اپنی ضد چھوڑ دیتی ہیں، اور خوشی و شانتی کی راہ پر چل کر پرلوک سدھار جاتی ہیں، کبھی میں نے ناحق کسی کے ساتھ برا نہیں کیا، میری حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، میں نے تجھے سمجھایا، اب آگے تیری مرضی، میں صرف اپنے بچاؤ کی تدبیر کروں گا،

اور مجھے یقین ہے کہ تو نقصان میں رہے گا، اب بھی وقت ہے خوب سوچ سمجھ لے، اپنے ساتھ ساتھ تو میرا بھی وقت ضائع کر رہا ہے، نہیں تو پھر......" رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

یہ سن کر بلرام جیسے طیش میں آ گیا اور بولا۔ "پاگل! تو اپنی کمزوری کے سبب مجھے سمجھانے کی باتیں کر رہا ہے، تو کچھ بھی کر لے میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، گرو نے میرے رابطوں کا جواب نہیں دیا، کوئی بات نہیں میں اس قابل ہوں کہ تیرا اور تیرے کارندوں کا حشر نشر کر دوں گا، اگر تجھ میں ہمت ہے تو اب میرے حملے کو روک اور اپنی خیر منا۔"

یہ سن کر رولوکا بولا۔ "چل تو اپنی خواہش پوری کر لے، میں تیرے بہت قریب تیرے سامنے موجود ہوں۔"

اتنے میں بلرام نے اپنے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا تو اس کے ہاتھ کی انگلیوں سے شعلے نکلتے ہوئے آگے بڑھے لیکن سامنے کچھ دور جا کر ایسے ہو گئے جیسے کہ آگے جانے کا راستہ نہ ہو بلکہ اس جگہ کوئی رکاوٹ موجود ہو۔

بلرام کے ہاتھوں کی انگلیوں سے شعلوں کی برسات شروع ہو چکی تھی، مگر شعلے کسی بھی صورت آگے کو بڑھ نہیں رہے تھے، اس کے بعد شعلوں میں جیسے بجلیاں کڑکنے لگیں مگر اس پر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔

یہ ناکامی دیکھ کر بلرام نے زور کی ایک چنگھاڑ ماری تو چشم زدن میں عجیب الخلقت شکل کی لاتعداد مخلوق اپنے اپنے ہاتھوں میں عجیب عجیب طرح کے ہتھیار لئے آندھی اور طوفان کی طرح آگے کو بڑھی، ان کی رفتار بہت تیز تھی کہ پھر آناً فاناً وہ آگے کو بڑھتی ہوئی کسی نادیدہ رکاوٹ سے ٹکرا گئیں۔

رکاوٹ سے ٹکراتے ہی، وہ عجیب الخلقت مخلوق شعلوں میں گھر گئیں، ان کے جسم شعلوں کی لپیٹ میں تھے، اب ان کی چیخ و پکار پورے ماحول کو لرزا رہی تھی، ہر طرف شعلے ہی شعلے نظر آ رہے تھے، سامنے سے وہ پیچھے کو پلٹیں تو جو پیچھے تھیں وہ بھی شعلوں کی لپیٹ میں آ گئیں۔

خوفناک اور بھیانک منظر دل کو دہلا رہا تھا، بے شمار عجیب الخلقت مخلوق بلکہ وہ تمام بیر آگ سے جھلس رہے تھے، گرتے پڑتے اور بھاگتے ہوئے وہ سب ناقابلِ فراموش حالات سے دوچار ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا آخر کار وہ سارے بیر جل کر خاکستر ہو گئے۔ تو اچانک پھر بلرام کی چنگھاڑ سنائی دی تو جیسے پوری فضا لرز کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے پتھروں کی زبردست بارش شروع ہو گئی۔ پتھر اتنے بڑے بڑے تھے کہ خدا کی پناہ۔

بڑے بڑے پتھر اولے کی مانند برس رہے تھے۔

اتنے بڑے بڑے پتھر تھے کہ وہ جہاں بھی گرتے کئی فٹ گہرے گڑھے پڑ جاتے۔ پتھروں کی بارش اس طرح ہو رہی تھی کہ انسانی تصور سے باہر۔ مگر سارے پتھر ایک حدود سے باہر نہیں پڑ رہے تھے۔

رکاوٹ جو سامنے تھی اپنی جگہ موجود تھی، اس سے ٹکرانے والے بڑے بڑے پتھر اگر اس سے ٹکراتے تو وہ پتھر پاش پاش ہو کر بہت دور تک بکھر جاتے بلکہ کچھ پتھر تو ایسے تھے کہ اس نادیدہ رکاوٹ سے ٹکراتے ہی ریزہ ریزہ ہو کر کنکری کی شکل اختیار کر کے دور دور تک پھیل جاتے۔ تھوڑی دیر تک پتھروں کی بارش ہونے کے بعد، پتھروں کی بارش رک گئی۔

بلرام اپنے وار کو ناکام ہوتا دیکھ کر زخمی شیر کی طرح غرا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رولوکا کی لگائی ہوئی رکاوٹ کا توڑ کر سکے۔ اس کے بیر تابڑ توڑ ختم ہو رہے تھے۔ وہ جو پتھر برس رہے تھے دراصل وہ بھی پوشیدہ طور پر بلرام کے بیر تھے جو کہ بلرام کی ہٹ دھرمی اور ضد کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔ وہ بیر چونکہ اس کے غلام تھے اور جاپ کئے ہوئے حصار میں جکڑے ہوئے تھے لہٰذا ان کی مرضی اور خواہش کوئی تو تھی نہیں وہ اپنے ہٹ دھرم آقا پر قربان ہو رہے تھے۔

گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک عجیب طرح کی

سیٹی نما آواز پوری فضا کو دہلا گئی، اس کے بعد اَن گنت جگنو نمودار ہوئے، ان کی تعداد اتنی تھی کہ انسانی آنکھ صرف دیکھ سکتی تھی مگر شمار کے معاملے میں انسانی تصور سے ہٹ کر سارے جگنو بڑی تیز رفتاری سے آگے کو بڑھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس رکاوٹ سے اس طرح ٹکرائے کہ جیسے ایٹم بم گرادیئے گئے ہوں۔ اور حقیقت میں وہ آوازیں ایسی ہی تھیں کہ جیسے ایک ساتھ اَن گنت بم گرائے گئے ہوں۔

پورا ماحول، پوری فضا بلکہ پاتال تک دہل کر رہ گیا، اردگرد کی ساری زمین میں جیسے زلزلہ آگیا تھا، ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی پوری زمین کو پکڑ کر زور زور سے ہلا رہا ہو۔

چند ساعت بعد ایک اور خوفناک منظر رونما ہوا۔ وہ سارے اَن گنت جگنو نما پیر شعلوں کی لپیٹ میں آگئے، ہر طرف چیخ و پکار، آہ و بکا اور دلدوز کربناک سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا، ہر طرف ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دہکتا ہوا دریا، یا پھر پگھلا ہوا آتش فشاں ابل پڑا ہو۔

اس جگہ اب کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ کافی دیر تک کوئی آواز سنائی نہ دی بلرام خاموش تھا۔ رولوکا خاموش تھا۔ موت کا سناٹا سارے علاقے پر مسلط ہوگیا تھا۔

اچانک آگ کی ایک لمبی لکیر اٹھی اور ایک طرف کو لہراتی ہوئی آگے بڑھنے لگی پھر وہ لکیر زمین پر گول دائرے کی شکل اختیار کر گئی۔ اس دائرے کا حجم کافی بڑا تھا۔ چند ساعت بعد آگ کا دائرہ سکڑنا شروع ہوگیا، دائرے کے سکڑنے کی رفتار بہت کم تھی۔

رولوکا کی آواز گونجی۔ ”بلرام تیرا ہر وار ناکام ہوگیا۔ تیری ساری کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں، تو بلوان شکتی کا مالک تھا، تو نے اپنے اَن گنت پیر مروا دیئے، اگر پھر بھی تیری تسلی نہیں ہوئی تو اب بھی اپنی خوشی پوری کرلے مگر نہیں! اب تیرا وقت پورا ہوگیا، میں بھی اپنا وقت تیرے لئے ضائع نہیں کرسکتا، اگر تو خود کو بچا سکتا ہے تو بچالے۔“ رولوکا خاموش ہوگیا۔

آگ کا دائرہ اب پھر سے سکڑنا شروع ہوگیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ کا دائرہ بالکل سکڑ گیا تو ایک زبردست شعلہ بھڑکا اور بلرام کا پورا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔

بلرام کی فلک شگاف دلدوز چیخیں پوری فضا کو لرزانے لگیں وہ آگ کے حصار میں جکڑ چکا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر ہاتھ پیر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بلرام جل کر خاکستر ہوگیا۔ اس کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا تھا۔ وہ خود کو کالی شکتیوں کا سردار سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگا تھا لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔

نوری اور ناری طاقتوں کا فیصلہ ہوگیا تھا۔ بدی کا ہرکارہ، اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

بلرام کا انجام دیکھ کر رولوکا بولا۔ ”ضدی ہٹ دھرم بلرام تو نے میری بات نہ مان کر اپنا وجود کھو بیٹھا، ارے تو میرا مقابلہ نہ کرسکا، تو میرے بڑوں کا کیا مقابلہ کرتا، تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گیا، پھر بھی میں نے تجھے سمجھایا مگر تو نے میری باتوں پر غور نہ کیا اور اپنا وجود گنوا بیٹھا۔“

بلرام اور بلرام کے تمام پیروں کا صفایا ہوگیا تو رولوکا نے حکیم وقار کے مطب کی طرف رخ کیا اور فوراً مطب کے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ کمرے کی لائٹ ابھی تک جل رہی تھی۔ چند گھڑی بعد ہی پو پھٹنے والی تھی۔ رولوکا نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ کم بخت بلرام سے سکون ملا۔

روزانہ کے مطابق صبح، وقت مقررہ پر رولوکا مطب میں آگیا۔ حکیم وقار پہلے سے مطب کی کرسی پر براجمان تھے۔ رولوکا کو دیکھ کر مسکرائے، اس کے بعد دونوں نے مصافحہ کیا۔

حکیم وقار بولے۔ ”اور سناؤ رات کیسی گزری؟ ارے ہاں یاد آیا، رات بھر تمہارے کمرے کی لائٹ جلتی

رہی، لگتا ہے رات کچھ زیادہ ہی مصروف رہے۔ تہجد اور فجر کے بعد بھی میں نے دیکھا تو کمرے کی لائٹ بدستور جل رہی تھی جبکہ تم تو لائٹ بجھا کر سوتے ہو۔"

"حکیم صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل میں شیر علی یا شیر سنگھ کے کیس کی اسٹڈی کر رہا ہوں۔ درمیان میں ایک ہندی کالی دنیا کی روح آ کر ٹپک گئی، اس کا کہنا تھا کہ تو نے جادو اور کالی دنیا کے بے شمار نہان شکتیوں کے مالک جادوگروں اور لاتعداد بیروں کا صفایا کر دیا لہٰذا میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، تیرا صفایا کر کے ہی رہوں گا، اگر تو اپنے بڑوں کو بھی لاتا ہے تو لے آ، تیرے ساتھ ساتھ ان کا بھی وجود اس سنسار سے ختم کر دوں گا۔

حکیم صاحب میں نے تو اسے بہت سمجھایا مگر وہ بہت ہٹ دھرم تھا کسی طرح مان کے نہ دیا، یہاں تک کہ اس کے کئی وار خالی گئے، اس کے بعد بھی میں نے چاہا کہ وہ میری بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی راہ چلا جائے۔ اسے اپنی طاقت پر بہت زعم تھا اپنے ساتھ ساتھ اس نے اپنے ان گنت بیروں کو مروایا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا وجود بھی گنوا بیٹھا۔ میری قطعی خواہش نہیں تھی کہ اس کا اور اس کے بیروں کا صفایا ہو جائے، اس کی ضد نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔

رات میں اچانک وہ آن ٹپکا، وہ کافی شور شرابہ کرتا لہٰذا میں نے سوچا کہ شہری حدود سے نکل کر مضافات میں اس کا سامنا کیا جائے، تو وہ اس سرعت سے آیا تھا کہ میں کمرے کی لائٹ کو جلتا ہوا چھوڑ کر نکل گیا۔ کم بخت نے بہت سارے جان لیوا وار کئے، اگر ذرا سی بھی مجھ سے چوک ہو جاتی تو آج میں آپ کے سامنے موجود نہ ہوتا۔ آپ کی دعائیں میرے کام آئیں اور پھر میرے استاد کی محنت کہ میں آپ کے سامنے بخیر و عافیت موجود ہوں۔ میری خواہش ہے کہ جلد از جلد شیر علی یا شیر سنگھ کا کیس نمٹ جائے، اور اسی لئے اس کی لائی ہوئی ڈائری کا مطالعہ کر رہا ہوں، بس آپ ہر وقت میرے لئے دعا کیا کریں۔"

حکیم وقار نے مسکرا کر رولوکا کا ہاتھ پکڑا اور بولے۔ "میں تو ہر روز تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ بدی پر نیکی غالب آتی ہے، تم ہمیشہ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ بہر حال اپنا خیال رکھا کرو۔"

اتنے میں ایک مریض آ گیا تو رولوکا اور حکیم وقار اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

دوسری آنے والی شب میں تمام کام سے فراغت کے بعد ڈائری کا مطالعہ رولوکا نے شروع کیا۔ ڈائری میں درج تھا۔

میں نے نیولے کا تصور کیا اور پھسل کر ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور دوڑتا ہوا باغ میں آ کر نیم کا درخت بن گیا، وہ لوگ بہت تیزی سے میرے پیچھے آئے مگر مجھے تلاش نہ کر سکے، میں ان کے سامنے تھا۔ میرے لئے یہ نئی بات تھی کہ میں ان کو دیکھ سکتا تھا اور ان کی نظروں سے میں پوشیدہ تھا ان کی زبان بھی میری سمجھ میں آ رہی تھی حالانکہ وہ اردو ہندی میں بات نہیں کر رہے تھے بوڑھا جوان کے ساتھ تھا۔ وہ بولا......

"انسان تو وہ ہرگز نہیں تھا تم سب کی گرفت سے وہ جس قدر تیزی سے نکلا ہے اور اس نے روپ بدلہ ہے وہ حیرت کی بات ہے۔"

ایک نوجوان آگے بڑھا اور بولا......"ماموں اس کو پکڑنا تو ہوگا۔"

دوسرا جوان بولا...... "وہ کہیں گیا نہیں ہے اس کو تلاش کرتے ہیں۔"

اور کچھ دروازے پر اور کچھ باغ میں پھیل گئے۔ دروازے پر سرکاری پہرے داروں کو ان کی آمد کی کچھ خبر نہیں تھی۔ ساری رات میری تلاش ہوتی رہی میں ان کے سامنے ہی رہا اکثر تو میرے سائے میں ہی آ گئے تھے۔

سکندرہ (اکبر کے مزار کو مقامی لوگ سکندرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں) کی عمارت کے چاروں طرف بڑی اونچی فصیل ہے یہ فصیل اتنی موٹی ہے کہ اس پر بیٹھ کر گاؤں کے لڑکے آم درختوں سے توڑ کر کھاتے ہیں۔ دائیں اور بائیں جو دو دروازے محض عمارت کی خوب صورتی کے لئے بنائے گئے ہیں ان کے اوپر محلات بنے ہوئے ہیں ان محلات میں ایک زمانے سے کوئی نہیں گیا۔

اکبر کے مزار پر آنے والے درمیانی عمارت پر سے ہی جاتے ہیں اور باغ کی سیر کرتے ہیں بندروں اور لنگوروں کو کھلاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اس عمارت کا بھی مین گیٹ بڑا اونچا اور سرخ پتھروں کا ہے اس کے کناروں پر قرآنی آیات پتھر تراش کر نقش کی گئی ہیں جو کہ اب تک موجود ہیں اس دروازے کے اوپر بھی بڑی عمارتیں ہیں بھول بھلیاں بڑی خطرناک ہیں نیا آدمی ان میں گم ہو جاتا ہے اور خود سے واپس نہیں آ پاتا۔

میں نے دیکھا کہ رات ہوتے ہی مین گیٹ بند کر دیا گیا۔ ملازمین سب گیٹ کے باہر چلے گئے۔

بندر درختوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور لنگور بھی ان درختوں پر چھپ گئے مگر عورتیں اور بچے محلات سے اتر کر نیچے آ گئے۔ ان میں جوان عورتیں بھی تھیں اور عمر رسیدہ بھی نظر آ رہی تھیں۔ مردوں کا بھی یہی حال تھا میدان میں فصیل کے کنارے دریاں ڈال دی گئیں اور سب ان پر آ کر بیٹھ گئے پھر ایک بڑی خوب صورت نوجوان لڑکی کو لا کر بٹھا دیا گیا اس کے قریب اس کی ہم عمر لڑکیاں جمع ہو گئیں اور اس کو چھیڑنے لگیں اور زور زور سے ان کی ہنسی کی آواز آنے لگی۔ بوڑھی عورتیں ان کے قریب نہ آئیں مرد کنارے پر کھڑے تھے اور بوڑھے ان سے بھی دور تھے۔

میری سمجھ میں صرف اتنا آیا کہ کوئی محفل ہے اور شاید اس لڑکی کی شادی ہو رہی ہے۔ رات تین بجے تک سلسلہ جاری رہا پھر سب کو آگرہ کی مشہور مٹھائی پیش کی گئی اور محفل ختم ہو گئی کچھ ہی دیر میں جہاں پر سینکڑوں عورتیں بچے تھے اندھیرے میں ڈوب گیا بوڑھے جوان سب چلے گئے۔ اب میرا یہاں کیا کام تھا میرا ان سے کچھ لینا دینا نہیں تھا میں اپنی اصل شکل میں آیا اور دلی کا ارادہ کیا، علی الصبح میں اجمیری دروازے پر کھڑا تھا۔

دروازے پر ایک حلوائی گرم گرم پوریاں تل رہا تھا اور ایک پیتل کے تھال میں جمع کر رہا تھا مجھے دیکھ کر بولا...... "کیا بات ہے مہاراج بھوک لگی ہے؟"

میرے منہ سے نکلا "لگی تو ہے۔"

وہ بولا۔ "تو کھالو، کھانے کے بعد پوجا پاٹ کر لینا، بھوک میں بھگوان کی مورتی بھی مکمل نظر نہیں آتی ہے۔" اور زور سے ہنس پڑا۔

"میں نہیں کھاؤں گا، تو پیسے مانگے گا۔" میں نے بھی مذاق کیا۔

"سویرے کا دھندہ ہے میرا اور میں ساری رات اس دھندے کی تیاری میں لگاتا ہوں۔ گھر والی الگ کام کرتی ہے مگر تم سے کیا لینا دینا انسان کو کچھ تو دین دار ہونا چاہئے تم کھالو۔"

میں اس کی بینچ پر بیٹھ گیا اس نے چار گرم گرم پوریاں میرے سامنے رکھ دیں آلو کی بھجیا اور اچار بھی رکھ دیا، پانی کا لوٹا بھی بھر کر رکھا اور بولا۔ "کھاؤ مہاراج کم ہو تو اور لے لینا۔" میں نے وہ پوریاں کھا لیں تو وہ بولا۔ "اور دوں؟"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور پانی پینے لگا۔ ابھی کوئی گاہک نہیں آیا تھا اور پوریاں تھال میں کافی جمع تھیں اس نے چولہے کی آگ کی لکڑیاں آگے کھینچ کر آنچ کم کی اور میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ "تم اکیلے کام کرتے ہو تمہاری اولاد نہیں ہے کوئی......"

"اولاد کہاں مہاراج؟" وہ اداسی سے بولا......

"کیوں کیا عورت بانجھ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مہاراج بانجھ تو نہیں ہے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئی تھیں مگر دو دو سال کے ہو کر مر گئیں۔ اچھے

بھلے بچے کھیلتے کودتے میری آنکھوں کے سامنے چلے گیے......" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تو نے کچھ اس کا پتہ کیا کہ کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

جہاں تک میرا بس تھا میں نے کیا مگر پتہ نہیں چلا۔" وہ بولا......

"تیرا گھر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نزدیک ہی ہے۔" وہ بولا......

"تو دکان کب بند کرتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"دو بجے تک میرا کام ہے اس کے بعد میں گھر چلا جاتا ہوں۔" وہ بولا

"تیرا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام لکھی چند ہے مگر صرف نام ہی ہے لاکھ تو کیا میں نے تو ہزار روپے بھی ایک ساتھ کبھی نہیں دیکھے۔" وہ بولا

مجھے ہنسی آ گئی۔ "تو بڑا نادان ہے ارے روپیہ کیا ہے تیرا دل تو لکھی چند ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں مہاراج میرے پاس ہو تو میں نہ جانے کتنوں کے کام آؤں پتہ نہیں کیا کروں۔"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا ایک ہزار روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ "اب نہ کہنا کہ ہزار نہیں دیکھے۔"

لکھی چند نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔"

"مگر تیری تمنا تو تھی، تو نے مجھے ناشتا کرایا یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

تو غریب کب ہے تیرے پاس تو وہ خزانہ ہے جو دنیا کے ہزاروں لاکھوں کے پاس نہیں ہے کبھی اس بات پر افسوس نہ کرنا کہ تیری جیب خالی ہے۔ خالی جیب تو بھر ہی جاتی ہے کبھی نہ کبھی، دل کو خالی ہرگز نہ کرنا تیرا دل بھرا ہوا ہے مگر نہ کر تیرا آنگن بھی بھر جائے گا۔"

وہ خوشی سے بولا۔ "جے مہاراج"

میں نے کہا "میں دوپہر کو آؤں گا تیرے گھر چلوں گا۔"

"میں تیار ہوں گا مہاراج۔" وہ بولا

اور میں بازار میں نکل گیا۔ دلی والے اکثر گھروں پر ناشتا نہیں بناتے۔ ہندو پوری کچوری اور مسلمان نہاری نان خرید کر گھر لے جاتے ہیں چائے کے شوقین چائے گھر پر بناتے ہیں۔ یہ علاقہ متوسط درجے کے لوگوں کا ہے۔ میں ایک پان کی دکان پر کھڑا ہو گیا ذرا دیر کے بعد وہ بولا...... "کیا بات ہے بھائی میاں کس کی تلاش ہے؟"

"میں نے کہا۔ "تمہاری ہی تلاش تھی۔"

وہ تڑپ کے بولا...... "اچھا گلوری کی طلب ہوگی بھائی میاں ابھی بنائے دیتے ہیں اور ایسی بنا دیں گے کہ بس پوری دلی چھوڑ کے اجمیری گیٹ دوڑے آؤ ہمارا نام ججو پنواڑی ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تو ججو پنواڑی بناؤ تو دیکھیں تمہاری کاری گری۔"

"یہ خوب کہی ابھی لو۔" اور اس نے ایک بڑا سا پان کا بیڑا بنایا اس پر لونگ لگائی اور پھر چاندی کا ورق چڑھا کر بڑے قاعدے سے پیش کر دیا۔

میں نے منہ میں رکھ لیا اور کہا۔ "اگر میں کہوں کہ اس بیڑے کے پیسے میرے پاس نہیں تو تم کیا کہو گے۔"

"ارے ہم کیا کہیں گے کہنے والے تو پہلے ہی کہہ گئے ہیں۔" وہ بولا۔

"کیا کہہ گئے ہیں!" میں نے پوچھا۔

"جس کی جیب خالی ہوتی ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ جیب خالی ہے اس کا چہرہ چغلی کھا دیتا ہے۔"

"بھائی میاں ہم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی تو نہیں پیا مگر دلی کے گھاٹ کا تو خوب پیا ہے۔ ہمارا نام تو آپ کو پتہ ہی ہے۔" وہ بولا

"آدمی تم دلچسپ ہو۔" میں نے کہا۔

"ارے صاب کہاں، ایک زمانہ تھا جب ہوا کرتے

تھے۔اب تو کھرچن رہ گئی ہے۔'' وہ بولا۔

''دلی والے کہتے ہیں سارا مزا کھرچن میں ہی ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر بھائی میاں تم مجھے دلی کے تو لگتے نہیں ہو۔'' وہ بولا۔

''میں دلی کا ہوں بھی نہیں تیرا ایک پان ادھار رہا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بھائی میاں ادھار کا کام کھوٹا ہے میں نہ ادھار دیتا ہوں نہ لیتا ہوں اس لئے تم کو وہ گلوری میری طرف سے تحفہ، کہو تو اور بنادوں۔'' پنواڑی بولا۔

''نہیں میں پان نہیں کھاتا بس شوق میں کھالیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''بس پھر اب نہ کھانا آدمی پہلی غلطی شوق میں کرتا ہے اور پھر وہ شوق روگ بن جاتا ہے۔ تم خود سمجھ دار ہو مجھ بیچارہ کیا بتائے گا۔'' وہ بولا۔

''اشاروں میں بات خوب کرتے ہو صاف صاف کہو۔'' میں نے کہا۔

''صاف کیا کہوں اتنا بڑا منہ نہیں ہے میرا۔'' وہ بولا۔

میں آگے بڑھا تو وہ بولا۔ ''معاف کر دینا میں کچھ زیادہ بول گیا ہوں۔'' میں آگے بڑھ گیا۔ اور دو بجے تک بازار میں بلاوجہ پھرتا رہا۔

دو بجے میں حلوائی لکھی چند کی دکان پر تھا وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دکان بند کی اور بولا۔

''آؤ مہاراج'' اور ہم دونوں بازار سے ہوتے ہوئے ایک محلے میں آگئے اور ایک دو منزلہ مکان کے سامنے وہ کھڑا ہو گیا بولا۔ ''یہی ہے میرا مکان، میرا کیا ہے پرکھوں کی نشانی ہے۔''

''آجاؤ اندر آجاؤ۔'' اس نے دروازہ کھول دیا۔

میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اندر سے یہ مکان بہت بڑا تھا آنگن اس کے تین طرف کمرے بنے تھے اور درمیان میں ایک تخت پڑا تھا اس پر گاؤ تکیہ اور سفید چاندنی پڑی تھی گھر صاف ستھرا تھا، ہر طرف سناٹا تھا۔ کمروں کے دروازے بند تھے وہ بولا۔ ''آپ بیٹھو مہاراج میں کچھ آپ کی خدمت کا پربند کرتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''کچھ نہ کرنا میں جس کام سے آیا ہوں وہ مجھے کرنے دو اپنی گھر والی کو بلاؤ۔''

''ابھی بلاتا ہوں۔'' اس نے وہیں سے آواز دی۔ ''گوندی ذرا نیچے تو آ دیکھ کون آیا ہے۔''

''ابھی آئی۔'' کی آواز آئی اور ایک جوان عورت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔ ''اب جا!'' اس نے حیرت سے پہلے مجھے پھر لکھی چند کو دیکھا اور چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''لکھی چند تیرا کام ہو جائے گا مجھے دو چار روز اسی جگہ رہنا ہوگا میں ذرا اندازہ تو کروں کہ اس گھر میں کون کون رہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''رہتا تو میں ہی ہوں مہاراج اور کون رہے گا؟'' وہ بولا

''تو میری بات نہیں سمجھ سکا، میں یہاں پر ہوں میرے کھانے پینے کی فکر ہرگز نہ کرنا اور اگر میں تجھ سے بات نہ کروں تیری گھر والی سے بات نہ کروں تو خود سے بھی بات نہ کرنا میں جس حالت میں رہوں رہنے دینا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے مہاراج ہم لوگ تو اوپر ہی رہتے ہیں۔'' وہ بولا۔

رات ہوتے ہی میں اپنے دھیان میں گم ہو گیا۔ میری آنکھ کھلی تو دن کا وقت تھا میں تخت پر تھا اور تخت اوپر سے نظر آتا تھا لکھی چند دوڑ کر میرے پاس آ گیا بولا۔

''مہاراج میں تو چنتا میں پڑ گیا تھا آج آٹھ روز کے بعد آپ نے آنکھ کھولی ہے۔''

''میری چنتا نہ کر لکھی چند میں جلدی اٹھ گیا ہوں۔''

''میں کھانے کا پربند کرتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''تو کہتا ہے تو کھالوں گا۔ ضرورت تو مجھے نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

"منش بھوکا تو نہیں رہ سکتا۔" وہ بولا۔

رات ہوگئی میں نے ایک چھپکلی کی شکل اختیار کرلی اور دیوار کے کونے میں چپک گیا۔ کچھ ہی دیر میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک عورت ریشمی غرارہ اور ریشمی کرتا پہن کر باہر آگئی وہ نوجوان عورت تھی تخت پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ایک مرد اس کے قریب آکر بیٹھ گیا اور بولا...... "وہ کہاں مرگیا آج؟"

عورت بولی۔ "میں نے کہہ دیا ہے اب وہ نظر نہ آئے اندر پڑے پڑے میں تو مرجاؤں گی۔"

"ارے تو کیا میں نے اس کو بلایا ہے۔" مرد بولا۔

"نہیں بلایا تھا تو بھگا دیتے۔" عورت بولی۔

"ارے وہ بڑا بھاری تھا میں نے کئی دفعہ اٹھا کر پھینکنا چاہا مگر زمین نے اس کو جیسے پکڑ لیا تھا۔" مرد بولا۔

عورت نے ناک منہ بگاڑ کر کہا۔ "اب میں نے اس کو دیکھا تو میں خود آجاؤں گی اس کے سامنے پھر تم نہ کہنا کہ یہ کیا کیا؟" عورت بولی۔

"ارے تیری ضرورت نہیں پڑے گی میں کرلوں گا سب کچھ......" مرد بولا۔

"اور سن......" عورت بولی۔ "اب پھر گوندی پیٹ سے ہے۔"

"ارے تو ہونے دے کردیں گے۔ اس کا بھی بندوبست ارے یہ گھر تو تیرا ہے تیرا ہی رہے گا فکر کیوں کرے ہے۔" مرد نے یہ کہہ کر زوردار قہقہہ لگایا۔

"زیادہ نہ اتراؤ تم سے وہ سادھو سا آدمی تو اٹھا نہیں۔" عورت بولی۔

"یہ تو تو نے ٹھیک کہا مجھے ایسا معلوم پڑے تھا جیسے اس کی جڑیں زمین میں اتر گئی تھیں۔" مرد بولا۔

"ارے کیا باؤلے پن کی باتیں کرے ہے آدمی کی جڑیں کب ہیں کہ زمین میں اتر جائیں۔" عورت بولی۔

"پتہ نہیں پر لگتا ایسا ہی تھا۔" مرد بولا۔

"آپ آئے تو دونوں مل کر زور لگائیں گے۔" عورت نے کہا۔

"نہیں ایسا نہ کرنا اگر وہ تم کو دیکھ پایا تو میں تم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔" مرد نے کہا۔

"کیوں کیا وہ مجھے نگل جائے گا۔" عورت نے کہا۔

"ارے انسان کا کیا بھروسہ اور تو، تو ہے ہی تر نوالہ۔" مرد بولا

"یہ تیرا خیال ہے میں تر نوالہ نہیں ہوں گلے کی ہڈی ہوں پھنس گئی تو کام تمام......" وہ بولی۔

"یہ بات بھی تیری ٹھیک ہے میرے گلے میں پھنسی پڑی ہے۔" مرد ہنس کر بولا...... اور دونوں کمرے کے اندر چلے گئے۔

میں پھر تخت پر آگیا اور چیونٹیوں سے رابطہ کیا اور سب کو اس کمرے میں روانہ کردیا۔ پورا کمرہ سرخ اور کالی چیونٹیوں سے بھر گیا۔ میں بھی ان سب کے ساتھ کمرے کے اندر تھا۔ چیونٹیوں نے کارروائی شروع کردی وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے عورت بولی۔ "یہ کیا ہے؟ ارے کچھ کرو......"

"میں کیا کروں دو چار ہیں جو کچھ کروں۔" مرد بولا۔

"یہ اتنی ساری آ کہاں سے گئیں۔" عورت نے کہا۔

"ارے مجھے کیا پتہ۔" مرد جھنجھلا کر بولا۔

"اچھا دوسرے کمرے میں چلو......" عورت نے کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں گئے یہاں پر بھی وہی حال تھا وہ سارے کمروں میں دوڑتے رہے مگر ان کو جگہ نہ ملی۔ وہ تخت پر آگئے۔ میں بھی ان کے قریب تھا اور ان کو دیکھ سکتا تھا مگر وہ مجھ سے غافل تھے۔

پھر میں ان کے سامنے اپنی اصل شکل میں نمودار ہوگیا۔ دونوں چونک پڑے۔

میں نے کہا۔ "تمہارا کھیل ختم ہوا تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ تم دونوں کو کسی کنوئیں میں قید کردیا جائے مگر میں تم کو یہ رعایت دے رہا ہوں کہ تم صرف اس مکان سے اتنی دور چلے جاؤ کہ آنے کا خیال بھی دوبارہ تم کو نہ آئے۔ یاد رکھو یہ چیونٹیاں تم کو کہاں بھی

سکتی تھیں مگر تم کو کسی نے کاٹا بھی نہیں ہے اور انسانوں کو اتنا کمزور بھی خیال نہ کرنا اب تم جاؤ......'' میں نے کہا۔

مرد بولا۔''آ جا نیک بخت چلتے ہیں اب ہمارا یہاں رہنا مشکل ہے۔''

عورت بولی۔''تم تو ہو ہی بزدل ذرا ہمت نہیں پکڑی اور بکری کی طرح چل دیئے۔''

''جس انسان کی جڑیں ہوں وہ بہت بھاری ہوتا ہے تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔'' مرد بولا۔

میں نے عورت کو کہا۔''تو اپنی حسرت پوری کر لے مگر اس کے بعد کسی رعایت کی امید مت رکھنا میں بھی مرد ہوں۔''

اس کا مرد بولا۔''معاف کر دو سادھو یہ نادان ہے اس کی نظر کمزور ہے زیادہ دور نظر نہیں آتا۔ ہم جا رہے ہیں۔'' اور وہ عورت کا ہاتھ پکڑ کر چلا گیا۔ اور میں تخت پر لیٹ کر سو گیا۔

سویرے لکھی چند نے ناشتا لا کر مجھے اٹھا دیا اور بولا''مہاراج ناشتا حاضر ہے۔''

میں نے منہ دھویا اور ناشتا کرنے لگا...... ناشتے کے بعد میں نے کہا۔''تیری عورت امید سے ہے۔''

وہ بولا۔''ہاں مہاراج ہے تو......''

''تیرے گھر کی بلا چلی گئی اب تو بے فکر ہو جا تیرے بچوں کو اب کوئی نہیں مارے گا۔''

لکھی چند نے خوشی میں بیوی کو آواز دی۔''گوندی ارے ذرا سن تو......''

گوندی اس کے پاس آ گئی تو وہ بولا۔''مہاراج کے چرن چھو لے اب تیرے بچوں کو کوئی نہیں مارے گا۔''

گوندی نے جھک کر میرے پیر چھوئے اور بولی۔''کچھ دن خدمت کا موقع تو دو مہاراج۔''

میں نے کہا۔''ہم تو بہتے پانی ہیں ہمارا ایک ٹھکانا نہیں ہے۔''

لکھی چند بولا۔''دلی آؤ تو درشن تو کراؤ گے۔''

''کیا پتہ کب آئیں اور نہ بھی آئیں ہمارے بارے میں ہم کو خود پتہ نہیں ہے۔''

اور میں گھر سے باہر آ گیا۔ دلی ایک بڑا شہر ہے بھانت بھانت کے لوگ اور بھانت بھانت کی زبانیں یہاں پر بولی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں پر سات قسم کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہزاروں سال سے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے نہ معلوم کتنے بادشاہ اس کی مٹی میں دفن ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن کو قبر کے لئے بھی زمین نہیں ملی۔ اس سرزمین کا کونا کونا خون سے رنگا ہوا ہے کتنے قتل عام اس زمین پر ہوئے، کتنے بے گناہ یہاں قتل ہوئے صرف اقتدار کی کرسی کی خاطر میں دلی سے نکل گیا اور بے ارادہ چل پڑا یہ ایک کچی سڑک تھی اگر ارادے سے چلتا تو میرے لئے منزل پر پہنچنا مشکل نہ تھا۔ مگر میں بے ارادہ اس کچی سڑک پر چلا جا رہا تھا، کبھی کبھی کوئی بیل گاڑی میرے قریب سے گزر جاتی تھی۔

شام ہونے کو تھی اور دور دور آبادی نہیں تھی ایک بیل گاڑی میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ گاڑی بان اتر کر میرے قریب آ گیا اور بولا۔''کہاں جاؤ گے سادھو جی؟''

میں نے اس دیہاتی پر نظر ڈالی اور کہا۔''پتہ نہیں''

''ارے واہ جا رہے ہو اور پتہ نا ہی کہ کہاں جاؤ گے؟'' وہ بولا

''ہاں ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر آؤ میرے ساتھ چلو وہیں پر جل پانی کرو اور آرام بھی کرنا۔'' وہ بولا۔

میں اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا اور بولا۔''یہ تو کیا لے جا رہا ہے؟''

''ارے سادھو جی یہ گنے ہیں میرا کولہو ہے پیل کر اس کا رس بناؤں گا اور پھر اس کا گڑ بنا کر بیچ دوں گا۔ تم نے کبھی گڑ کھایا ہے میرا گڑ دور دور مشہور ہے ایسا بڑھیا گڑ بنائے ہوں کہ جو کھائے کھاتا ہی چلا جائے۔'' وہ بولا۔

''تو اکیلا ہی یہ کام کرتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

میں اور میری گھروالی دونوں کرتے ہیں مل کر۔" وہ بولا۔

گاؤں کی بتیاں نظر آنے لگیں تو وہ بولا۔ "یہی ہے میرا گاؤں۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" میں نے پوچھا۔

"جگن پورہ اس کا نام ہے بڑا پرانا گاؤں ہے میری بھی تھوڑی سی زمین ہے بس اتنی کہ جورو ہی کر لیتی ہے میں تو گنا لاکر گڑ بناتا ہوں کچھ تو کرنا ہے نا سادھو جی ورنہ گزارہ کیسے ہوگا۔" وہ بولا۔

"تیرے بچے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"ارے کہاں گونا ہوئے چھ مہینے تو ہوئے ہیں ابھی تو کوئی آثار نظر نہیں آتے۔" وہ بولا۔

گاڑی ایک کچے گھر کے سامنے رک گئی۔ وہ اتر کر بولا۔ "آجاؤ تم بھی......" اور پھر آواز لگائی۔ "اری او پدمنی کہاں ہے تو دیکھ تیرے دوار کون آیا ہے؟"

ایک نہایت صحت مند اور جوان عورت باہر آگئی اور بولی۔ "کون ہے؟"

وہ بولا۔ "ذرا دیکھ تو کیسے دھرماتما کو لایا ہوں۔" وہ بولا۔

پدمنی بولی۔ "تیری تو عادت ہے گوکل رام یہ کوئی نئی بات نہ ہے۔"

"ارے بھاگوان ان سادھو سنتوں کی خدمت کرو تو فائدہ ہی ہے نقصان تو کہیں سے نہیں ہوتا۔ آؤ سادھو جی اندر پدھارو تم برا مت ماننا یہ عورت ذات سسری کیا جانے۔" وہ بولا۔

"گوکل رام تم میں اور تمہاری جورو میں بڑا انتر ہے۔" میں نے کہا۔

"نا ہی کوئی زیادہ نہیں، بس اس کی عادت ہے کہ جو چیز مجھے اچھی لگی کہ اس میں خرابی اس کو نظر آگئی۔ ویسے کام بڑے لگن سے کرے ہے۔" وہ بولا۔

گوکل رام ایک سیدھا سا گاؤں کا آدمی اس کے سوچنے کے انداز اور عمل کی حد بھی محدود مگر پدمنی اس سے کچھ آگے تھی۔ دائرہ کار تو اس کا بھی زیادہ نہیں تھا، مگر گوکل رام سے آگے کی چیز تھی وہ۔ اس کی جوانی اور رحمت بھی گوکل سے بڑھ کر تھی باجرے کی روٹی اور اس پر اصلی گھی اور ساگ گرم گرم دودھ مجھے اچھا لگا۔ میرے لئے صحن میں کھاٹ ڈال دی اور وہ دونوں اندر سونے چلے گئے۔ گاؤں کے لوگ بہت جلدی سوتے ہیں اور سویرے جلدی اٹھ کر کام پر لگ جاتے ہیں۔ میں جاگ رہا تھا دو بجے گوکل رام کمرے سے باہر آگیا اور بیل لے کر کولہو پر چلا گیا۔ اس کو اب رس نکالنا تھا تاکہ دن میں کڑاؤ چڑھا کر اس کا گڑھ بنائے اس کے جانے کے دس منٹ بعد پدمنی بھی باہر آگئی میں لیٹا تھا وہ میرے قریب آگئی اتنے قریب کہ اس کے جوان جسم کی سوندی خوشبو میری ناک میں آنے لگی میں سوتا پڑا رہا۔ اس نے اطمینان کرنے کے بعد دروازہ کھولا اور باہر چلی گئی۔ میں نے ایک چوہے کا روپ دھارا اور اس کے تعاقب میں چلا وہ بڑی نڈر عورت تھی اندھیری رات میں بے خوف کھیتوں کی طرف چلی جارہی تھی اس نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا اس کی رفتار اندھیری رات میں حیرت انگیز تیز تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس راستے پر روز آتی ہے۔

کھیت کے کنارے ایک جھونپڑی پڑی تھی وہ اس کے اندر چلی گئی میں بھی اندر جا کر اس کے بہت قریب بیٹھ گیا۔ ایک کھاٹ پڑی تھی اس پر ایک آدمی بیٹھا تھا اس کی بھی داڑھی تھی جسم فربہ تھا اور آنکھوں میں چمک تھی وہ بولا۔ "آج پھر دیر کردی۔"

"کیا کروں گرو وہ حرامی آج ایک کسی سادھو کو لے آیا وہ پڑا ہے آنگن میں اور گوکل کولہو پر ہے بڑا موقع نکال کر آئی ہوں۔"

"ارے اس سادھو کی ایسی کی تیسی کاہے لایا ہے وہ......" گرو بولا۔

"مجھے کیا خبر بس لے آیا ہے پتہ نہیں شک ہوا ہے اس کو کہ نہیں۔" پدمنی بولی۔

"ارے شک تو کیا کرے گا تیری خاطر تو ہم

سب کچھ کریں گے۔"

عورت اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی اور ان دونوں کے درمیان میں آ گیا۔ میرا روپ ایک کالے سانپ کا تھا دونوں چونک کر دور ہو گئے۔ عورت تو مارے ڈر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے کھڑا ہوتے ہی میرا روپ بدلا اور میں ایک بھیڑیے کے روپ میں گرو پر حملہ آور ہو گیا۔ اور گرو اچانک حملے سے اس قدر گھبرایا کہ کھیتوں میں بھاگ گیا۔ اور پھر کئی بھیڑیے اس کو دوڑاتے ہوئے دور لے گئے۔

میں واپس جھونپڑی میں آ گیا۔ پدمنی خوف زدہ ہرنی کی طرح ایک طرف کھڑی تھی میں اصل روپ میں اس کے سامنے تھا میں نے کہا۔ "تیرا عاشق تو بھاگ گیا اب کیا کرے گی؟"

وہ خاموش کھڑی تھی میری موجودگی اس کے لئے حیران کن تھی میں نے پھر کہا۔

"تیرا انتخاب درست نہیں تھا تو نے پتی سے بے وفائی بھی کی تو وہ بھی بیکار گئی۔"

"میں کیا کرتی، گوکل تو زاہد ہو ہے، بس بیل ہے بیل۔" وہ بولی۔

"وہ بیل تو ہے مگر تو کاہے نہیں ہے۔ تیرے اندر تو پارہ بھرا ہے مجھے پتہ ہے تو گونے سے پہلے بھی سوچ کرتی رہی ہے۔" میں نے اندھیرے میں تیر مارا۔

"تجھے کیسے پتہ ہوا سادھو۔" وہ بولی۔

میرا تیر نشانے پر لگ گیا تھا میں نے کہا۔ "یہ مت پوچھ بات سچ ہے تو بول۔" میں نے کہا۔

اس نے گردن جھکا دی میں اس کے قریب چلا گیا۔ وہ کھڑی رہی میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھاٹ پر بٹھا دیا اور پھر سویرے تک وہ میرے ساتھ کھاٹ پر رہی۔

سویرے وہ چلی گئی۔ اور میں اپنی صحن کی کھاٹ پر آ گیا۔

گوکل کولہو پر تھا وہ ناشتہ بنا کر لے آئی بولی۔ "تم وہ نہیں جو نظر آتے ہو۔"

"تو کیا خاص بات دیکھ لی کہ یہ کہہ رہی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تم پورے مرد ہو اب جاؤ گے تو نہیں۔" وہ بولی۔

"میں کسی ایک جگہ ایک عورت کا پابند نہیں ہوں۔ میں بہتا دریا ہوں۔" میں نے کہا۔

"پھر میں کیا کروں گی؟" وہ اٹھلا کر بولی۔

"گوکل تیرا پورا کرے گا تو اس کی وفادار رہنا وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

وہ اداس چہرہ لئے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد گوکل ناشتا کرنے کو آ گیا بولا۔

"سادھو جی ناشتا کر لیا۔"

میں نے کہا۔ "ہاں خوب کر لیا اور تو بھی کر لے رے۔" پھر میں نے اس کے کان میں ایک بات کہی اور زور سے کہا۔ "میری بات یاد رکھنا میں آج چلا جاؤں گا۔"

☆☆☆☆

مراد آباد ایک شہر ہے جہاں برتنوں کی صنعت ہے ہزاروں کاریگر یہ کام کرتے ہیں اور نقشین برتن پورے بھارت میں جاتے ہیں اس صنعت کو چلانے والے سب ہی کاریگر مسلمان ہیں مگر ان کو خریدنے والے اور پھر پورے ہندوستان میں پھیلانے والے ہندو ہیں ایک طرح سے یہ کہا جائے کہ جو محنت کر رہا ہے وہ مزدور ہی رہتا ہے اور جو فروخت کرتا ہے سیٹھ کہلاتا ہے دنیا کا عجیب دستور ہے مگر یہی ہوتا آ رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا، مزدور کا بچہ مزدور بنے گا اور سیٹھ کا بچہ سیٹھ کہلائے گا۔

میرے سامنے ایک درگاہ ہے میں درگاہوں سے دور رہتا ہوں گرو کی بھی تاکید ہے کہ ان سے دور رہوں۔ دور سے میں دیکھتا ہوں لوگ اندر جا رہے ہیں باہر آ رہے ہیں ان کے سروں پر ٹوپیاں ہیں یا رومال باندھے ہوئے ہیں عورتیں بھی اور بچے بھی اسی عقیدت سے آ رہے ہیں۔ میں ان کے اور قریب چلا جاتا ہوں۔

ایک شخص درگاہ سے واپس آتا ہے اور سیدھا میری طرف ہی آتا ہے۔ اور میرے سامنے کھڑا ہو جاتا

ہے۔ اس کا چہرہ بڑا رعب دار ہے وہ مجھے اشارہ کرتا ہے مزار سے دور ہونے کا۔ ”میں پوچھتا ہوں تم مجھے دور کیوں کر رہے ہو؟“

وہ کہتا ہے۔ ”خود پر غور کر سوال مت کر۔“

میں درگاہ سے دور چلا جاتا ہوں۔ اس کا حکم مان لیتا ہوں۔ اپنی شکتی کا استعمال نہیں کرتا اب میں ایک بڑے کارخانے کے سامنے کھڑا ہوں۔ میرا حلیہ سادھوں والا ہے۔ میرے جسم پر صرف ایک صدری اور پاجامہ ہے یا شاید وہ پتلون ہو۔ میری جیب میں نوٹ رکھے ہیں دروازہ کھلتا ہے اور ایک موٹر میں سے ایک آدمی باہر آتا ہے میں اس کی موٹر کے سامنے ہوں۔ موٹر کھڑی ہو جاتی ہے آدمی اتر کر میرے پاس آتا ہے۔

”کیوں سادھو کیوں راستہ روکا ہے؟“ وہ سفید پوش آدمی کہتا ہے۔

”میں پوچھتا ہوں یہ فیکٹری تیری ہے۔“

”ہاں میری ہے۔“ وہ جواب دیتا ہے۔

”مگر کب تک تیری رہے گی اس پر بربادی کے بادل چھا رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”نہیں مہاراج ایسا مت کہو۔“ وہ گھبرا کر کہتا ہے۔

”جو ہونے والا ہے صاف نظر آ رہا ہے۔ تیرے اپنے تیرے نہیں ہیں۔“ میں نے کہا۔

”آؤ اندر آ جاؤ۔“ وہ میرے قریب آ کر بولا۔

میں اس کے ساتھ اندر چلا جاتا ہوں۔ اندر بڑی فیکٹری تھی بہت کاریگر کام کر رہے تھے۔ اس کا دفتر بہت شاندار تھا مجھے وہ وہاں پر لے جا کر بٹھاتا ہے اور کہتا ہے۔ ”کا سیوا کروں مہاراج؟“

”میری سیوا کرنے سے تو بچ تو نہیں جائے گا۔“ میں نے کہا۔

”تم ہی اپائے کرو گے مہاراج۔“ وہ بولا۔

”تو نے یہ فیکٹری کس طرح لی ہے مجھے پتہ ہے بول سچ کیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”میں تم کو سچ بتا دوں تو میری مدد کرو گے۔“ وہ بولا۔

”شرطیں مت لگا حقیقت بتا۔“ میں نے کہا۔

”میرا پارٹنر میرا بہنوئی تھا اس کا پیسہ اور میری زمین میرا حصہ تھا اس میں وہی اس کو چلاتا تھا مگر وہ مر گیا اور میں نے قبضہ کر لیا۔“ وہ بولا۔

”مر گیا کہ تو نے اس کو مروا دیا۔ یہ نہیں بتاتا۔“ میں نے کہا۔

”یہ اندر کی بات ہے آہستہ بولیں میں آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔“ اور وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔

میں نے وہاں پر نہا کر نیا لباس بدلا اور اب میں سادھو نہیں تھا ایک فیشن ایبل آدمی تھا اس سیٹھ کا نام پرنام سنگھ تھا وہ بھنڈا کا رہنے والا سکھ تھا مگر اس کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی، اس کی بیوی ماشی تھی پتہ نہیں پورا نام کیا تھا مگر سب ماشی کہتے تھے جوان تھی اور صرف ایک لڑکی کی ماں تھی۔ وہ بڑی طرح دار عورت تھی جسمانی لحاظ سے تندرست تھی اور اس کا قد بھی مردانہ تھا وہ اپنے پتی پر پوری طرح حاوی تھی اس کے راز بھی جانتی تھی۔

میرے لئے وہ بہت نرم چارہ تھی میں نے بہت جلد اس چارے کو نگل لیا تھا۔ پرنام سنگھ اس سے دبتا تھا اور اب دبانے والا میں اور آ گیا تھا۔ اس کی پریشانیاں بڑھ گئی تھیں میں فیکٹری میں اس کے ساتھ جاتا تھا اور اس کے ساتھ رہتا تھا۔

پرنام مجھ سے جان چھڑانے کو راستہ تلاش کر رہا تھا۔ ماشی خوش تھی پرنام سے وہ خوش نہیں تھی میری شکتی اور جسمانی نوعیت ہی دوسری تھی میرا مقابلہ پرنام کہاں کر سکتا تھا۔

ایک دن ایک بڑا پہنچا ہوا کوئی آدمی اس کے ساتھ آ گیا۔ وہ سیدھا میرے پاس ہی آیا ایک نظر اس نے میری طرف دیکھا اور میرے پیروں میں بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا ”معاف کر دو گرو۔“

اتنے میں پرنام بھی اندر آ گیا اور یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ پلٹ کر واپس جانے لگا تو میں

نے کہا۔

''کھلونوں سے کھیلنے کی تیری عادت نہیں گئی۔ اس غریب کو پکڑ لایا وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ سامنے آ گیا نہ آیا ہوتا تو تیرے ساتھ یہ بھی گیا ہوتا، مراد آباد میں تجھے کوئی نہیں ملا کہ تو نے پٹنہ سے اس کو بلوالیا۔''

پرنام ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''معاف کردو گرو غلطی ہوگئی۔''

''ارے بے وقوف ہم نہ تیری فیکٹری کے موتی ہیں نہ تیری دولت کے ہم نے جو لینا تھا وہ تو ہم نے لے لیا ہے اور تجھے اس کا اندازہ بھی ہو گیا ہوشاید مگر یاد رکھ اڑنے کی کوشش مت کرنا۔'' مگر پرنام باز نہ آیا کوشش پر کوشش کرتا رہا۔

1 میں اور آگے بڑھ گیا مراد آباد سے نکل گیا۔ میرے پاس دنیا کی اتنی بڑی شکتی تھی اور میں در بدر پھر رہا تھا جون پور میں میرا قیام ہوا مگر چند دن کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ جگہ میرے لئے کم ہے اور آگے چلا چلتا گیا اور احمد آباد میں رک گیا۔ یہ ایک کاروباری شہر ہے گجراتی زبان بولی جاتی ہے اور بڑے بڑے سیٹھ یہاں پر رہتے ہیں، کپڑے کی ملیں ہیں اور ان کے مالکان یہاں پر رہتے ہیں۔

میں ایک بڑھیا کے ہوٹل میں رک گیا وہاں پر رہ کر میں نے خود کو تبدیل کیا اپنا حلیہ کاروباری لوگوں سا بنایا اور ایک بہت بڑی فیکٹری کے اندر چلا گیا اور مالک سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

اس فیکٹری کا مالک ہری چرن لوہیا ایک گجراتی میمن تھا وہ ایک طویل قامت آدمی تھا مگر قد سے ذرا کم اس کی چوڑائی تھی یوں اس کا قد اس کی چوڑائی میں چھپ گیا تھا نہایت بدزبان آدمی تھا اور ہاتھ چھٹ بھی تھا اس کا چہرہ بہت بڑا تھا اور ہر وقت غصے میں لگتا تھا۔

میں نے اس کے دفتر کے باہر بیٹھے کلرک سے کہا۔ ''مجھے سیٹھ سے ملنا ہے۔''

اس نے اوپر کو گردن بھی نہیں اٹھائی اور بولا۔ ''نہیں ملیں گا ابھی جاؤ۔''

میں نے اس کی گردن پکڑ کر اوپر اٹھائی اور کہا۔ ''ابھی ملنا ہے جا کر بول اس کو۔''

''ارے بابا میں بولا نا وہ ضروری کام میں ہے ہم اس کو بولنے جائیں گا وہ ہم کو پھاڑ ڈالے گا۔ ابھی تم معاف کرو پھر آ جانا۔'' وہ بولا

''میں تیرے باپ کا نوکر ہوں کہ پھر آ جاؤں گا۔ ابھی جا کر بول نہیں بولتا تو جاتا ہوں اندر۔'' میں نے کہا۔

''ارے بھائی ایسا نہ کرنا ہم مارا جائیں گا۔ تم سیٹھ کو نہیں جانتا اس کا ایک چھاٹ آدمی کا بھیجا باہر کر دیتا ہے وہ جن ہے آدمی کدھر ہے۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''اچھا تو پھر میں اس جن کو دیکھتا ہوں۔'' اور میں سیٹھ کے کمرے کے اندر چلا گیا۔

اس کا ضروری کام یہ تھا کہ اس کی گود میں ایک دبلی پتلی نازک سی لڑکی بیٹھی تھی اور اس کو انار کے دانے کھلا رہی تھی پہلے اس انار کھلانے والی کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ کود کر اس کی گود سے اتر گئی۔ اب اس دیوہیکل آدمی نے مجھے دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اس کے کھڑا ہوتے ہی ان کی ٹیبل پر پتھر کا پیپر ویٹ اس کے ماتھے پر زور سے لگا اور وہ ہائے کہہ کر پھر کرسی پر گر پڑا اس نے صاف دیکھا تھا کہ میں نے اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں کی تھی ہاتھ تک نہیں ہلایا تھا۔ اس کی گواہ وہ لڑکی بھی تھی۔

میں نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔ ''تو بہت بڑا پہلوان ہے بہت بڑا بدمعاش ہے اور بہت بڑا سیٹھ ہے کسی کو اپنے آگے کچھ نہیں سمجھتا اندر عیش کرتا ہے اور کہتا ہے کام کر رہا ہے۔''

''تم کون ہے، اور ہمارا مرضی جو کچھ کرے۔'' وہ بولا۔

میں نے انار دلنہ کو اشارہ کیا اور کہا۔ ''اس کو ٹھنڈا پانی پلا دے اس کے ہوش ٹھکانے پر نہیں ہیں۔''

اس نے جگ سے پانی بھرا اور سیٹھ لوہیا کو پیش کر دیا۔ اس نے پانی پی لیا۔

اس انار دانہ کو میں نے کہا۔ ''اب تو باہر جا تو نے جو اندر دیکھا ہے اس کو بھول جا کسی کو اندر نہ آنے دینا۔''
وہ فوراً باہر چلی گئی اس کے چہرے پر حیرت تھی اور ماتھے پر پسینہ نظر آتا تھا۔
اس کے جانے کے بعد میں نے اس ہاتھی نما انسان کو دیکھا اس کے ماتھے پر گول لٹو ابھر آیا تھا چہرے پر پسینہ تھا اور غصے سے اس کے نتھنے پھول پچک رہے تھے وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو کر کے بیٹھا تھا اور بار بار اس کی نظریں اس پتھر کے پیپر ویٹ پر جاتی تھیں۔ جس کی ایک ہی چوٹ نے اس کا دماغ ہلا دیا تھا۔ ''ذرا خود کو کنٹرول کر گینڈے کی اولاد۔'' میں نے کہا۔
وہ کرسی پر اپنی جگہ ہلا مگر پھر پہلو بدل کر رہ گیا۔
''تو خود کو کیا سمجھتا ہے تیرے پاس جو طاقت ہے اتنا بڑا تیرا جسم ہے دولت ہے یہ مل تیرا ہے تو سب کو مارتا ہے ان پر ظلم بھی کرتا ہوگا تو نے کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ کوئی تیرا بھی باپ تیرے سر پر آ جائے گا تو پھر کیا کرے گا۔''
''ارے تو کون ہے، تیرا میرا کیا جھگڑا ہے میں تیرا کیا بگاڑا ہے یہ تو بول۔''
''میرا تو نے نہیں بگاڑا یہ ٹھیک ہے مگر تیرا وقت ختم ہوا ابھی تو چھٹی کر اور بن باس لے لے ابھی تیری جگہ میں انار کھاؤں گا!!'' میں نے کہا۔
''ارے پن کیوں چلا جاؤں بن باس کیوں لے لوں میں نے یہ مل کھڑا کیا ہوں تیرے کو پتہ ہے میں کتنی محنت کیا ہوں۔'' وہ بولا۔
''ہاں بڑی محنت کی ہے باپ کو زہر دیا ہے بھائی کو قتل کیا ہے سب کا مال ہڑپ کیا ہے تو نے بہت محنت کیا ہے۔'' میں نے کہا تو اس کے چہرے کا بلب بجھ گیا۔
اندھیرے میں، میں نے ایک تیر اور مارا۔ ''چار مزدور لیڈر اور ایک بڑے پرانے کیشیئر کو بوائیلر میں ڈالا ہے پھر جا کر فیکٹری پر تیرا پورا کنٹرول ہوا ہے اب تو کسی کو گردن اٹھانے ہی نہیں دیتا۔''
سیٹھ ہری چرن لوہیا کی پوری ہوا نکل گئی اور اس نے گردن ڈال دی اور بڑی مشکل سے بولا۔ ''ارے پن تم کون ہے تیرے کو یہ سب کیسا پتہ ہے تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے کچھ کیا ہے؟''
''تیرے خلاف فیکٹری کے درخت پودے گواہی دیں گے یہ پیپر ویٹ گواہی دے گا۔'' اور آگے میں چلا گیا اور بولا۔ ''مرنے والوں کی آتمائیں گواہی دیں گی۔ تجھے نہیں پتہ کہ تو کس کے سامنے ہے۔'' میں نے رعب سے کہا۔
اس نے ہمت پکڑی اور بولا۔ ''میرے کو ڈراتا ہے، پیڑ کیا گواہی دیں گا اور یہ پتھر کیا بولے گا میرے کو چریا بناتا ہے۔'' وہ بولا۔
میں کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''آ جا میرے ساتھ......''
''کدھر جائیں گا۔'' وہ بولا۔
''تو نے بوائیلر میں پانچ آدمیوں کو جلایا ہے نا ادھر چل اور دیکھ تیرے خلاف کتنی گواہی میرے پاس ہے۔'' میں نے دروازہ کھول دیا۔
وہ بولا۔ ''ادھر کچھ نہیں ملیں گا کاہے کو کھوٹی کرتا ہے اپنا ٹیم۔'' وہ بولا۔
میں نے کہا۔ ''آتا ہے کہ پیپر ویٹ کو تکلیف دوں۔''
وہ اس طرح کھڑا ہوا جیسے سیٹ پر بہت بڑا اسپرنگ لگا ہوا تھا۔
''چل بوائیلر کی طرف......'' میں نے کہا۔
وہ ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے چلا میں اس کے سامنے نظر ہی نہیں آتا تھا سارے ڈیپارٹمنٹ کے بعد بوائیلر روم تھا اس کی بھٹی میں کوئلہ چلتا تھا۔ بوائیلر کے سامنے ایک پیپل کا پرانا درخت کھڑا تھا اس کے پتے آپس میں ٹکرا رہے اور آواز ایسی آ رہی تھی جیسے بہت لوگ تالیاں بجا رہے ہوں۔ میں نے درخت سے پوچھا ''تو کب سے ہے؟'' وہ بولا ''اس مل کے بننے سے پہلے سے ہوں۔''
''تو پھر تو نے تو پورا تماشا ضرور دیکھا ہوگا۔'' میں

نے کہا۔

''بہت تماشے دیکھے ہیں یہ جو تیرے ساتھ ہے یہ انسان کہاں ہے یہ تو درندہ ہے اس کے نزدیک صرف دولت اور سونے کی قدر ہے اس نے اپنوں کو مارا ہے اس نے نہ معلوم کتنے مزدوروں کو بھٹی میں ڈالا ہے اس کے خلاف آواز اٹھانے والا کبھی زندہ نہیں رہا۔'' درخت بولا۔

میں نے اس گینڈے نما آدمی کو کہا۔ ''بھٹی کب سے جل رہی ہے تجھے اندازہ ہے۔'' وہ بولا۔ بھٹی کبھی ٹھنڈی نہیں ہوئی اس میں ہزاروں من پتھر کا کوئلہ ڈالا جاتا ہے یہ کام خود بخود ہوتا ہے اگر یہ ایسا نہ ہو تو بوائیلر ٹھنڈا ہو جائے گا اور اندر اسٹیم نہیں جائے گی۔''

''اچھا ایسا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر یہ تو بجھ گیا۔'' اور اچانک بوائیلر کا دھواں بند ہو گیا۔ اس پر ڈیوٹی دینے والا حیرت سے شور کرتا باہر آیا سیٹھ کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر اور پھول گئے وہ بولا۔ ''بند ہو گیا، بند ہو گیا۔''

''ابے کیا بند ہوا ہے۔'' لوہیا بولا۔

''بھٹی کا آگ ٹھنڈا ہو گیا ایک دم۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

''تو سو گیا ہو گا مال آنا بند ہوا اور کوئلہ ٹھنڈا ہو گیا حرام خور اب بولتا ٹھنڈا ہو گیا تیرے کو اندر ڈال کر بھٹی گرم کروں گا۔'' ہری چرن لوہیا کی کھوپڑی گھوم گئی وہ بھول گیا کہ اس کو وہاں کیوں لایا گیا ہے۔

میں نے اس کو یاد دلایا۔ ''او چھوٹی ذات کا ہاتھی ہوش میں ہے یا نہیں۔''

اس نے پلٹ کر گردن میری طرف کی اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا چہرے پر پورے جلال کے آثار تھے۔ اس کے دماغ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا انسان غصے کے عالم میں کتنا بد صورت ہو جاتا ہے، اس نے زمین پر ایک دو دفعہ پیر ہلائے جیسے لڑا کو بھینسا زمین پر کھر مارتا ہے گردن جھکاتا ہے اور حملہ کر دیتا ہے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔

وہ برق رفتاری سے میری طرف بڑھا مگر اس سے بھی زیادہ تیزی سے پیپل کا درخت میرے اور اس کے درمیان آ گیا اس کی ٹکر پیپل کے درخت کو لگی اور دماغ کے سارے روشن دان کھل گئے۔ اس نے حیرت سے درخت کو دیکھا اور بولا۔ ''یہ کدھر سے آ گیا۔ یہ تو ادھر تھا۔'' وہ تعجب سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''تیرے دماغ میں اب تک میری کوئی بات گئی نہیں ہے، یہ درخت تیرے پیٹ میں بھی جا سکتا ہے۔''

وہ وہیں پر زمین پر بیٹھ گیا بولا۔ ''مل بند ہو جائیں گا بوائیلر چالو کرنے کا ہے۔''

''مل کا بوائیلر تو چالو ہو جائے گا پہلے تیرا بوائیلر مجھے دیکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں مان لیا تو جو بولا سب ٹھیک ہے میں پاپی ہوں اپی بول کیا بولتا۔'' وہ بولا۔

''تیرے اندر کے پاپ کو باہر لانا ہے تجھے اپنے پاپ کا اعلان کرنا ہے نہیں کرے گا، تو یہ درخت تیرے پیٹ میں اتار دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے پن یہ اتنا بڑا اجھاڑ اندر کیسا جائیں گا۔'' وہ بولا۔

میں نے درخت کو اشارہ کیا اور وہ گملے میں لگے پودے جتنا ہو گیا میں نے کہا۔ ''اب یہ تیرے پیٹ میں جائے گا۔'' وہ درخت کو چھوٹا بنتے دیکھ رہا تھا حیرت سے بولا۔ ''بس ایسا نہ کرنا میں قبول کرتا ہوں، سب کچھ قبول کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دے میں ادوشی ہوں۔'' وہ بولا۔

''ہر دوشی کو سزا ملتی ہے تجھے بھی ملے گی بول سزا منظور ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے سزا منظور ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تو پھر تیری سزا یہ ہے کہ تو اسی بھٹی کے سامنے بھٹی کو روشن رکھے گا۔ کہیں اور نہیں جائے گا یہیں پر ڈیوٹی ہے تیری روٹی یہیں پر آ جائے گی۔ تو کہیں نہیں جائے گا پوری ڈیوٹی کرے گا اور اگر ڈیوٹی پر کمی ہو گی تو سزا ملے گی اور وہ سزا یہ پیپل کا درخت تجھے دے گا، اس کو تو بے جان

مت سمجھنا یہ سب دیکھ سکتا ہے سمجھ سکتا ہے پہلے اس کو دخل اندازی کرنے کا حکم نہیں تھا مگر اب ہے میں کل آؤں گا۔"

اور میں اس مل پر قبضہ کر کے سیٹھ بن گیا۔ لوہیا سیٹھ عبرت کا نشان بنا ہوا تھا۔ اور انار دانے میں کھار ہا تھا۔ میرے قانون دوسرے تھے میرے طریقے الگ تھے۔ میں نے دولت کمانے کو مل نہیں لیا تھا جو پہلے نہیں تھا وہ اب اس مل کے ورکر کو مل رہا تھا۔ اور میں انار انگور کھار ہا تھا۔ اور اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔

کئی سال گزر گئے مگر... کہا ہے کہ ہر عروج کو زوال ہے مجھے بھی احمد آباد سے بھاگنا پڑا درگاہ کا وہی آدمی میری تلاش میں احمد آباد آ گیا تھا اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں درخت بن کر اس کی نظروں سے دور ہوا تھا۔ مگر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا تھا۔ "تو کب تک چھپے گا ایک نہ ایک دن تجھے میرا سامنا کرنا ہے اور جس دن سامنا ہوا اس دن تیری کینچلی اتار دوں گا۔"

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ مجھ پر اس کا اتنا رعب کیوں ہو گیا تھا میں اس سے مقابلے کی کیوں نہیں سوچتا تھا اس سے دور ہونے کی کوشش کرتا تھا وہ کون تھا اس کے پاس کون سی طاقت تھی؟

میرے پاس دنیا کا انوکھا ہنر تھا انوکھی طاقت تھی اس کے پاس کیا تھا وہ جادوگر نہیں لگتا تھا۔ جادوگر درگاہ میں کیوں جائے گا وہ کچھ اور ہی ہے دنیا میں ہزاروں قسم کی طاقتیں اپنا اپنا کام کر رہی ہیں ایک سے بڑھ کر ایک ہے میں سب کے اوپر تو نہیں ہوں، ہاں سب سے الگ ضرور ہوں مگر کیا پتہ یہ درگاہ بھی سب سے الگ ہو وہ میرے تعاقب میں کیوں ہے یہ سوچنا ہے؟

اس دفعہ مجھے اپنی شکتی کے بل پر سفر کرنا پڑا میں بمبئی کے ایک بازار میں کھڑا تھا، میرے جسم پر اچھا لباس تھا اور جیب نوٹوں سے بھری تھی۔

ایک آدمی میرے قریب آ گیا اور بولا "بولو سیٹھ کیا مانگتا ہے؟"

میں نے اس پر نظر ڈالی اور سمجھ گیا کہ یہ سڑک ماسٹر ہے، بھولے بھٹکوں کو لوٹنا اس کا کام ہے میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم کون ہے، کیا ادھر کا ٹھیکیدار ہے؟"

"جو بولو اپن کا کام خدمت کرنا ہے تم جدھر بولو پہنچا دیں گا جو کام بولو کر دیں گا اپن تو پن کا کام کرتا ہے۔ کیا کرے دوسرا کام اپن کو اچھا ہی نہیں لگتا ہے۔" وہ بولا۔

"اور موقع ملتے ہی جیب سے چاقو سات گراری والا نکال کے پن کا کام کر دیتا ہے۔"

"بات سن او خدائی فوجدار یہ زمین پر پتھر پڑا ہے تیرے کو نظر آتا ہے یہ تیرے گراری کے چاقو سے زیادہ خطرناک ہے میرے ساتھ پھڈے بازی کرے گا تو تیرا بہت برا ہو گا۔" میں نے کہا۔

"ارے گرو سب کے ساتھ پھڈے بازی کون کرتا ہے تم تو ہمارا دوست ہے بولو کیا خدمت ہے؟"

"تیرا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نام تو کمال الدین ہے پر سب کمالو بولتا ہے۔" وہ بولا۔

"اور کمالو تم کرتا کیا ہے؟"

"آتے جاتے مسافروں کی خدمت اپن کا کام ہے۔" وہ بولا۔

"روز کا کیا کماتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوائی روزی ہے سیٹھ اپن کا کوئی اچھا پھندا لگ گیا تو مہینہ بھر کا راشن آ گیا نہیں تو فٹ پاتھ پر چل چل کر چپل گھسا اور کھولی میں پڑ کر سو گیا۔"

میں نے ایک نوٹ سو کا نکالا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا۔ "میرے ساتھ پھڈے بازی بھی مت کرنا، تو میرا نوکر ہے اب تو مجھے کسی اچھے ہوٹل میں لے کر چل۔" میں نے کہا۔

"برو بر سیٹھ ہمارا دیہاڑی لگا اب پھڈے بازی کیسا ہوں گا آؤ میرے ساتھ۔"

اور پھر وہ ایک ہوٹل میں مجھے لے گیا۔ میں نے

وہاں کرائے پر کمرہ لے لیا اور کمرے میں کمالو کے ساتھ آ گیا میں نے بستر پر اس کے سامنے اپنی جیب الٹ دی بہت سے نوٹ بستر پر بکھر گئے میں کمالو کو دیکھ رہا تھا اس کی نگاہیں نوٹوں پر تھیں۔ میں نے کہا۔ ''تو ادھر رک میں نہا کر آتا ہوں۔'' نوٹ بستر پر چھوڑ کر میں غسل خانے میں چلا گیا کمرے کا دروازہ بند تھا اور اکیلا کمالو کمرے میں تھا اور اس کے سامنے ہزاروں روپے بستر پر پڑے تھے کمالو تو ایسی آسامی کی تلاش میں ہی رہتا تھا اور مجھ سے بڑھ کر کون بے وقوف ہوگا جو چور کتیا کو جلیبی کی رکھوالی پر رکھ گیا تھا۔ کمالو نے سارے نوٹ اپنی جیبوں میں ڈالے اور دروازے کی طرف چلا اور پھر اس کو کھولنے لگا مگر دروازہ نہ کھلا پھر وہ کھڑکی پر آیا مگر کھڑکی بھی بند تھی وہ پھر دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا مگر دروازہ ذرا نہ ہلا اب اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے جتنا آسان یہ کام سمجھ لیا تھا وہ تو بڑا مشکل ہو گیا۔ میں غسل خانے میں اطمینان سے نہاتا رہا مجھے پتہ تھا میرے جانے کے بعد کیا ہوگا مگر دروازہ ولکڑی کا تھا میں نے اس کو حکم دیا تھا کہ کوئی اندر سے باہر نہیں جائے گا۔ میں نے نہا کر تولیہ جسم پر لپیٹا اور باہر آ گیا۔

کمالو کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کی ہوشیاری اور چالاکی ناک کے راستے نکل گئی تھی میں اس کے قریب گیا اور کہا۔ ''ہوتا ہے کبھی کبھی آدمی مچھلی کے شکار کو کانٹے میں چارہ لگا کر پانی میں ڈالتا ہے اور مچھلی کے بجائے سانپ آ جاتا ہے۔ ہوتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے مگر میں نے تو کہہ دیا تھا تجھے ہوشیار کر دیا تھا کہ پھندے بازی میرے ساتھ نہ کرنا بری تیری عادت تو پھندے بازی کی پڑی ہے تو باز نہیں آیا اور خود اپنے پھندے میں پھنس گیا۔ تو نے ذرا نہیں سوچا کہ تیرے سامنے ہزاروں روپے ڈال کر میں کتنی آسانی سے چلا گیا جبکہ مجھے پتہ تھا کہ تو کون ہے تیرا دھندا کیا ہے تیرا کردار کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں گرو بہت بڑا مسٹیک ہو گیا۔ پر یہ دروازہ کھلا کیوں نہیں میرا بھیجا میں یہ بات اب تک نہیں آیا؟'' وہ حیرت سے بولا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''دروازہ تو کھلا پڑا ہے دیکھو کھول کر......''

اس نے دوڑ کر دروازے کو کھولا دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''ارے یہ ابی کھلتا ہے۔'' وہ بولا

''زیادہ اپنے چھوٹے سے دماغ کو پریشان نہ کر اور جا کر چائے لے آ۔ اور ہاں تیری جیب میں سب روپے پڑے ہیں پھر پھندے بازی نہ کرنا اگر اب کے کرے گا تو بہت برا تیرے ساتھ ہوگا چل جا......'' میں نے کہا۔

میری نگاہیں پھر اس پر تھیں اس اس نے چائے کا آرڈر دیا کاؤنٹر پر آیا دروازے کی طرف گیا پھر واپس آیا پھر دروازے پر گیا اور پھر سیدھا سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گیا۔ اور سب نوٹ نکال کر بستر پر ڈال دیئے اور بولا ۔''یہ بہت بری چیز ہے آدمی کو گھن چکر بنا ڈالتی ہے۔''

میرا چائے لے کر آ گیا، میں نے کہا۔ ''چائے پی لے دماغ ٹھکانے پر آ جائے گا۔''

''میرے کبھی زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ نوا نوا خیال میرے کو آتا ہے میرے کو کچھ نہیں دو صرف یہ بتا دو گرو کہ تم کون ہو کیا ہو پتہ تو پڑے؟'' وہ بولا۔

''تیری طرح کا انسان ہوں تو کس چکر میں پڑا ہے تو پہلا آدمی اس شہر کا ہے جس سے میرا پالا پڑا ہے اسی لئے میں تیرے ساتھ بڑی رعایت کر رہا ہوں اور تو اگر میرے ساتھ ٹھیک رہا تو تیرا فائدہ بھی کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میری توبہ ہے گرو میں کسی کے ساتھ اب کچھ نہیں کروں گا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تو میرا ملازم ہوا تیرے کو وہ کرنا ہے جو میں تجھ کو کہوں گا۔ تیرا پہلا کام یہ ہے کہ اس شہر کے سب

سے بڑے آدمی سے میری ملاقات کرا بڑا آدمی وہ ہو جس کے پاس بڑی دولت ہوں ہو کاروبار ہو سمجھ گیا کہ نہیں۔" میں نے کہا۔

"سمجھ تو گیا مگر پر میں تو ایک بد نام کنگلا آدمی ہوں ان لوگ کے تو میں دروازے پر جاؤں تو چوکیدار لوگ اندر ہی نہیں جانے دیں گا۔"

"اور اگر تو موٹر میں سوٹ پہن کر جائے تو......" میں نے کہا۔

"تو وہ لوگ سلوٹ کریں گا۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے دو چار دن کے بعد تیرے پاس یہ سب ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ابھی میں کیا کروں؟" وہ بولا۔

"تیرے کو خرچ کے لئے جتنے روپوں کی ضرورت ہے لے جا اور دو دن کے بعد آنا۔"

رات کو میں بازار میں نکل آیا۔ ایک بہت بڑی عمارت پر بڑا خوب صورت بورڈ لگا تھا "یو پی بینک۔" میں اس کے سامنے سے گزر گیا اور کمرے میں آ گیا۔

رات کے بارہ بجے میں نے بینک کے اندر کا تصور کیا اور میں بینک کے اندر تھا۔ ایک بہت بڑا لاکر میرے سامنے تھا اس لاکر میں تین چابی لگانے کے سوراخ تھے، میں نے ایک سوراخ پر نظر کی اور چابی کا تصور کیا، چابی جہاں بھی میں وہاں پر تھا، میں نے چابی اٹھائی اور بینک آ گیا، ایک چابی سے ایک تالا کھل گیا پھر دوسری چابی اس طرح حاصل کر لی اور تیسری بھی، کام ہو گیا اور کام کے بعد چابی اس کے مقام پر پہنچا دی۔

☆☆☆

لاکر کھل گیا۔ لاکر میں کروڑوں روپے پڑے تھے اور بہت سے کاغذات بھی تھے۔ مگر میں نے اپنی ضرورت کے مطابق چند لاکھ روپے لئے، لاکر کو اسی طرح بند کر دیا اور ہوٹل آ گیا۔ ایک دن گزر گیا کچھ پتہ نہ چلا۔

دوسرے دن اخبارات نے ڈاکہ اور چوری کی خبر لگائی کہ لاکر سے دس لاکھ کی رقم غائب پائی گئی، لاکر چابی سے کھولا گیا اور بند کیا گیا، تین مختلف آدمیوں کے پاس لاکر کی چابی تھی، ان تینوں کو پولیس نے پکڑ لیا۔ میرے پاس صرف ساڑھے چار لاکھ روپے تھے اور پولیس کو دس لاکھ بتائے گئے تھے۔ اس کا مطلب ہوا کہ اندر بھی چور موجود تھا۔

اخبارات نے نئی نئی کہانیاں بیان کیں، پولیس نے اپنے نمبر بڑھانے کو اور بھی آدمیوں کو گرفتار کیا، مگر ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ لاکر کو کھولنے کے بعد صرف دس لاکھ روپے ہی کیوں نکالے گئے جبکہ دس بھی نہیں نکالے تھے اور ساڑھے پانچ لاکھ روپے کون لے گیا تھا؟

دو دن کے بعد کمالا آ گیا۔ میں نے کہا۔ "کاروں کے شوروم جہاں ہیں وہاں چل۔" اس نے ایک ٹیکسی پکڑی اور کاروں کی مارکیٹ میں پہنچا دیا، وہاں میں نے ایک لیٹ کار پسند کی اور خرید لی، اس کے بعد کمالا کے لئے نئے سوٹ خریدے اور بھی بہت سا سامان خرید لیا، اپنے لئے بھی کچھ نئے کپڑے خرید لئے اور ہوٹل آ کر میں نے منیجر کو کہا۔

"ایک کمرہ میرے سیکریٹری کے لئے بھی چاہئے۔" اور کمالا بھی میرے پاس آ گیا۔ اب کمالا کا حلیہ بدل گیا تھا، اس کے جسم پر اچھے کپڑے اور گاڑی اس کے پاس تھی، کمالا کو اب روٹی کی فکر نہیں تھی۔

ایک دن وہ بمبئی کی سڑکوں پر کار لے کر بلا وجہ ہی پھرتا رہا۔ میں نے اس کو منع نہیں کیا اس کے حجاب کے پردے کو بھی دور کرنا ضروری تھا ایک دن وہ تفریحی مقامات پر چلا گیا۔ اس طرح آٹھ روز گزر گئے اب اس کی بول چال میں نمایاں فرق تھا۔

میں نے کہا۔ "اب تیرا کام شروع ہوتا ہے کسی بڑی پارٹی سے میری ملاقات کا بندوبست کر مگر ایک دن رک، کل سویرے یو پی بینک چلنا ہے۔"

دوسرے دن میں یو پی بینک کے منیجر کے کمرے میں بیٹھا تھا۔

میں نے منیجر سے کہا۔" کچھ دن پہلے آپ کے بینک میں چوری ہوئی تھی، چور دس لاکھ روپے لے گیا تھا اخبارات میں یہی فگر آیا تھا اخبارات کے مطابق لاکر چابی سے کھولا گیا تھا اور اس کی تین چابیاں تھیں جو کہ الگ الگ آدمیوں کے پاس ہوتی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چور نے صرف دس لاکھ ہی کیوں لئے۔ کیا چور وہ تینوں ہیں مگر ایک چور اور بھی ہے وہ بڑا چور ہے جو کہ ساڑھے پانچ لاکھ بغیر کسی محنت کے ڈکار گیا۔"

منیجر بولا۔" وہ کون ہے؟ میری معلومات میں اضافہ کریں۔"

چور نے صرف ساڑھے چار لاکھ روپے لاکر سے نکالے تھے۔

" مگر جب صبح چوری کا پتہ چلا اور پڑتال ہوئی تو بڑے چور نے فگر دس لاکھ بتایا اور ساڑھے پانچ لاکھ اس کی جیب میں چلے گئے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کون ہے؟"

منیجر حیرت سے میری باتیں سن رہا تھا اب تک کی تحقیقات میں یہ سب نہیں تھا۔

یہ نئی کہانی اس کے سامنے آئی تھی اس کے دماغ میں یہ بات اندر نہیں جا رہی تھی وہ بولا۔" آپ نے نئی باتیں کیں ہیں میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں اور جو کچھ آپ نے کہا ہے اس سے تو آپ پر بھی شبہ جاتا ہے۔"

" آپ مجھ پر شبہ کریں بلکہ یقین کریں کہ میں نے صرف ساڑھے چار لاکھ ہی نکالے تھے کیوں کہ مجھے اتنے کی ہی ضرورت تھی میں بینک کو دیوالیہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

منیجر کا حیرت کے مارے منہ کھلا تھا کیونکہ یہ کیسا چور ہے؟ جو کتنی آسانی سے قبول کر رہا ہے اور ذرا بھی اس کے چہرے پر ڈر و خوف نہیں ہے اس کی زندگی کا یہ انوکھا کردار تھا۔

" آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی سنگینی کا آپ کو احساس ہے۔" وہ بولا......

" اگر احساس نہ ہوتا تو پھر بتانے کی ضرورت کیا تھی آپ کو اس بڑے چور کی فکر کرنا چاہئے جس نے مجھ سے زیادہ رقم اڑائی ہے اور وہ پارسا بنا ہوا ہے، چور کو پولیس تلاش کر رہی ہے ان تینوں بے گناہوں پر آفت آئی ہوئی ہے اور گناہ گار موج کر رہا ہے۔ میں نے یہ کام کس طرح کیا اس کی تفصیل میں نہیں بتاؤں گا مگر میرا یہ وعدہ ہے کہ ساڑھے چار لاکھ روپے بینک کو واپس ضرور کردوں گا۔ میرے بارے میں آپ اگر کسی کو بتائیں گے تو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ آپ اندر کے چور کو پکڑیں۔ باہر کا چور آپ کے سامنے خود آ گیا ہے مگر آپ کا ادھار آپ کو بمعہ سود کے ادا ہوگا۔" میں نے کہا۔

" میں آپ کے کردار کو کہاں فٹ کروں؟ میں نے زندگی میں پہلی بار یہ سنا ہے کہ چور، چوری کی رقم واپس کرے اور بمعہ سود کے واپس کرے۔" وہ بولا......

" ابھی بہت کچھ باقی ہے، میں آپ سے پھر ملوں گا اگر آپ نے میری شخصیت کو آشکار نہ کیا تو......"

میں کھڑا ہو گیا اور سکون سے باہر آ گیا، کمالا گاڑی میں موجود تھا۔

☆......☆......☆

گوپی چند میرے سامنے تھا۔ یہ گوپی چند گروپ کا چیئرمین تھا اور سینکڑوں قسم کے اس کے کاروبار تھے۔ ہر بڑے شہر میں دفاتر تھے اور ہزاروں لوگ کام کرتے تھے" میں معروف آدمی ہوں آپ کو میں نے پندرہ منٹ کا وقت دیا ہے بتائیں کیا بات ہے؟" گوپی چند نے پوچھا۔

" مگر آپ کو میرے ساتھ دن بھر رہنا ہے اگر آپ نے میرا کہا نہ مانا تو آپ کسی بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔

" کیسی بات کرتے ہو، تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" وہ بولا......

" میرا نام شیر سنگھ ہے میں تمہاری طرح ہی آدمی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھ سے ملاقات کرنے کی وجہ بتاؤ؟" وہ رعب سے بولا......

"تم کو اطلاع دینا تھی کہ تمہاری سیمنٹ فیکٹری کا بوائیلر بلاسٹ ہونے والا ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم نے کیا کہا؟ دوبارہ کہو......"

"میں صرف ایک دفعہ کہتا ہوں میں نے کہہ دیا اور تم نے سن لیا ہے۔" میں بولا......

"مگر کیوں بلاسٹ ہوگا؟" وہ تعجب سے بولا......

"تم نے اس ایک فیکٹری سے کئی فیکٹریاں کھڑی کر لی ہیں اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور سنو! اس بلاسٹ میں کئی لوگ مریں گے جن کے مرنے کے کیس تمہارے خلاف بنیں گے کیونکہ تم نے بوائیلر پر کسی منیجر کو نہیں رکھا ہے ایک ڈمی نام تم نے کھاتے میں ضرور لکھا ہے۔"

"تم یہ سب کس طرح جانتے ہو؟" وہ بولا......

"میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری بیوی روز کس کے ساتھ رہتی ہے تم دولت جمع کرنے میں لگے ہو اور وہ خرچ کرنے میں۔" میں نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"تم نے مجھے ڈرا دیا ہے تم بتاؤ میں اس آنے والی مصیبت سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟ تم اتنا کچھ جانتے ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو گے۔" وہ بولا......

"جانتا ہوں مگر بتاؤں گا نہیں۔" میں نے کہا......

"میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔" وہ بولا......

"تم نے کسی ورکر کی رحم کی درخواست پر غور کیا ہے کسی کی پروا کی ہے تم نے صرف اپنی طرف دیکھا تم چیئرمین کس طرح بنے ہو، تم نے کس کس کو مار مار کر گرایا ہے۔ اب تمہارا وقت خراب آ رہا ہے تم کو ایک ایک بات کا حساب دینا ہے۔" میں نے کہا......

"تم کون ہو میرے دوست بھگوان کے لئے کچھ تو بتاؤ؟" وہ بولا......

"میں نے کہا نا کہ میں آدمی ہوں۔" میں نے کہا......

"تم کیا چاہتے ہو بولو؟" گوپی چند نے پوچھا۔

سیمنٹ فیکٹری تو اڑنے والی ہے اس کو بچانے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ تم اس کو فروخت کر دو میں خریدنے کو تیار ہوں بولو کیا لو گے؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا تم گپتا کے آدمی ہو اس کا ہی اس فیکٹری پر دانت تھا اس نے مجھے ڈرانے کے لئے یہ ڈرامہ کیا ہے مگر اس بے وقوف آدمی گپتا سے کہہ دینا کہ وہ اسے کبھی نہیں ملے گی۔" وہ بولا......

"میں کسی گپتا کو نہیں جانتا، تو خود بے وقوف ہے، تو نے اپنے کمرے کی خوبصورتی کے لئے اس میں یہ بیل رکھی ہے اگر یہ بیل تیری پھانسی کا پھندا بن جائے تو......" میں نے پوچھا۔

"کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے تیرا وقت ختم ہوا تو اب جا۔" وہ بولا

میں نے بیل کی طرف دیکھا اور بیل گملے میں لمبی ہونے لگی اور اس کی کرسی کے اوپر چڑھ کر اس کی گردن تک آ گئی۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں جاتا ہوں یہ بیل کو دیکھ تو نے لگائی تھی تیرے گلے کا پھندا بن رہی ہے۔" میں کھڑا ہو گیا میرے کھڑا ہوتے ہی اس نے گردن پر ہاتھ مارا مگر بیل اس کی گردن پر آ چکی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ چیخ کر بولا۔ "مجھے اس بیل سے بچاؤ بھگوان کے لئے کچھ کرو۔" بیل اس کے گلے میں لپٹ چکی تھی مگر پھندا سخت نہیں ہوا تھا میں نے کہا۔ "دنیا کا کوئی آدمی نہیں بتا سکتا کہ تیری موت کیسے ہوگی؟" میں نے کہا......

"میں مرنا نہیں چاہتا۔" وہ بولا......

"سیمنٹ فیکٹری کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا......

"وہ تیری ہوئی۔" وہ بے صبری سے بولا......

"سوچ لے کوئی چالاکی کرے گا تو، تو اس طرح مرے گا کہ کسی کو یقین نہیں آئے گا۔" میں نے کہا۔

"فیکٹری تیری، میں کوئی چالاکی نہیں کروں گا۔" وہ بولا......

میں نے بنّل کو دیکھا، بنّل کا پھندا کھل گیا اور وہ پھر سکڑ کر گملے کے اندر چلی گئی۔ اس نے حیرت سے اس ننھی سی بنّل کو دیکھا اور بولا۔ "یہ کیا تھا یہ اتنی بڑی کیسے ہوگئی؟" میں نے کہا۔ "جس طرح سیمنٹ فیکٹری کا بوائلر بلاسٹ ہونے والا تھا۔"

"تم مجھے بہت بڑے جادوگر لگتے ہو میں نے تم سے وعدہ کیا ہے آج سے تم اس فیکٹری کے مالک ہو، کہو تو کاغذی کارروائی کرادوں۔" وہ بولا......

"وہ تو کرانا ہی ہوگی۔" میں نے کہا......

"ٹھیک ہے کل وکیل کو کیس دے دیتا ہوں۔" وہ بولا...... "اب تم میرے ساتھ چلو۔" میں نے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ بولا......

"سیمنٹ فیکٹری میں چل کر اعلان کردو کہ تم نے یہ فیکٹری مجھے فروخت کردی ہے، میں اس کا مالک ہوں۔ تم کو یہ کام آج ہی کرنا ہے۔" میں نے کہا......

"ٹھیک ہے آؤ میرے ساتھ......" وہ بولا......

"میں اس کی گاڑی میں ہی سیمنٹ فیکٹری روانہ ہوا فیکٹری شہر سے باہر تھی ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد فیکٹری کے اندر تھے اس نے جاتے ہی افسران کی ایک ہنگامی میٹنگ بلائی اور میرا تعارف کرانے کے بعد اعلان کردیا کہ وہ اب اس فیکٹری کا مالک نہیں ہے نوٹس لگادیا جائے اور مارکیٹ میں بھی خطوط روانہ کردیئے جائیں، قانونی طریقہ پورا کیا جائے۔"

دوسرے دن یہ خبر پورے کاروباری حلقوں میں پھیل چکی تھی، سب ہی حیران تھے۔ گوپی چند نے آخر اتنی فائدہ دینے والی فیکٹری کیوں فروخت کردی؟ گپتا حیران رہ گیا۔

سیمنٹ فیکٹری کا دفتر الگ کردیا گیا۔ آدمی تبدیل نہیں کیے فیکٹری میں بھی کسی کو نہیں چھیڑا گیا ہر کام پہلے کی طرح ہوتا رہا البتہ کمالا پھر سے کمال الدین بن گیا۔ اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئیں ایک شاندار بنگلہ خریدا گیا اور اس میں عیش وآرام کا ہر سامان مہیا کردیا گیا۔ کمالا کی ایک ڈیوٹی یہ بھی ہوگئی کہ میرے لئے رات کو کسی ناری کا بندوبست کرے۔ شیر کو جب انسان کے خون کی عادت پڑ جائے تو پھر وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا یہی حال میرا تھا۔

وعدے کے مطابق بینک کو ساڑھے چار لاکھ روپے میں نے ادا کردیئے۔

منیجر حیران ہو کر بولا......

"میری آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ تین چابیوں سے کھلنے والا تالا کس طرح کھولا گیا اور بند کردیا گیا؟ پولیس آج تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔"

"تم آدمی سمجھ دار ہو، تم نے اس کیس میں میرا نام نہیں لیا اور اگر میرا نام لے بھی لیتے تو میرے لئے کچھ فرق پڑنے والا نہیں تھا ہاں تمہارے لئے اور زیادہ مشکلات پیدا ہو جاتیں۔" میں نے کہا......

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے آپ کی بات کا یقین ہی نہیں تھا دوسرے کون خود سے قبول کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ میرے اور پولیس کے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت بھی نہیں تھا۔ مگر اب مجھے پورا یقین آگیا ہے کہ واردات آپ نے ہی کی تھی مگر ایسا ایماندار چور میں نے کیا، کسی نے نہیں دیکھا ہوگا جو وعدے کے مطابق چوری کی کل رقم واپس بھی کردے۔" منیجر بولا......

"آپ نے اندر کے چور کا پتہ چلا لیا؟" میں نے پوچھا......

"ہاں اس کا پتہ چل گیا وہ جیل میں ہے اس پر ہی پورے دس لاکھ کا الزام آگیا ہے۔ مگر وہ بھی نہیں بتا سکا کہ لاکر کس طرح کھلا تھا؟" منیجر بولا......

"لاکر کے بارے میں وہ کیا بتائے گا؟" میں

نے کہا......

"آپ نے یہ روپے واپس کر کے مجھے چکر میں ڈال دیا ہے کیس تو پورے دس لاکھ کا بن چکا ہے کہ چوری ہوئے پولیس میں بھی ریکارڈ ہے بینک نے بھی اس کو ایڈجسٹ کر لیا ہے اب یہ روپے میں کس کھاتے میں جمع کروں گا، ان کو ظاہر کرتا ہوں تو میں بھی شک کی نظر سے دیکھا جاؤں گا اور اگر نہ ظاہر کروں تو یہ روپے میرے لئے سانپ بن جائیں، آپ ایسا کریں یہ روپے واپس لے لیں، میں آپ کی ایمانداری کا قائل ہو گیا ہوں میں نے آپ کا ذکر پہلے بھی نہیں کیا تھا اور اب بھی نہیں کروں گا۔" منیجر بولا......

"آپ آدمی ایماندار ہیں آپ ان کو رکھیں آپ کسی چکر میں نہ پڑیں۔" میں نے کہا......

"میں نے زندگی میں کبھی ایک روپیہ بھی بے ایمانی یا حرام کا نہیں کھایا اور نہ اپنی اولاد کو کھلایا ہے یہ روپے میرے لئے ناسور بن جائیں گے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے یہ واردات کیوں کی جو آدمی سیمنٹ فیکٹری خرید سکتا ہے اس کو آخر ایسا کام کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ میرا دماغ آپ کے متعلق جتنا سوچتا ہے الجھتا جاتا ہے۔" منیجر تعجب سے بولا......

"میرے بارے میں نہ سوچیں تو اچھا ہے۔" میں نے کہا......

"آپ کو پتہ ہے انسان کے اندر ایک چیز ہوتی ہے اس کا نام تجسس ہے انسان خود کو جس سوچ پر مرکوز کرتا ہے وہ سوچ تجسس بن جاتی ہے اور انسان نہ چاہتے ہوئے بھی وہی بات سوچتا ہے۔ میں بھی آخر انسان ہوں آپ کے بارے میں کیوں نہ سوچوں گا جبکہ آپ کا کردار میرے لئے باعث حیرت ہے میری جگہ اگر کوئی اور بھی ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی ہوتا۔" منیجر بولا......

"یہ دنیا حیرت انگیز ہے یہاں پر وہ کچھ ہے جس کے بارے میں مکمل کسی نے سنا بھی نہیں ہوگا۔ ابھی میں آپ کے سامنے ہوں اور ابھی نہیں ہوں۔" اور میں اپنی سیٹ پر گلاب کا پودا بن گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے اب ایک آدمی نہیں بلکہ ایک گلاب کا پودا پڑا تھا۔

منیجر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کا چہرہ حیرت سے پیلا پڑ گیا ڈر و خوف اس کے چہرے پر صاف نظر آنے لگا شاید وہ بے ہوش ہونے والا تھا کہ میں پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا اور میری آواز نے اس کو چونکا دیا۔

"پریشان ہو گئے ناں، میں نا کہتا تھا کہ یہ دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے آپ کو جتنا کام دیا گیا ہے وہ کرتے رہیں میں کون ہوں؟ میری وجہ سے خود پریشان نہ ہوں۔" میں نے کہا......

"آپ کہاں چلے گئے تھے اور آپ کی سیٹ پر گلاب کا پودا تھا۔" وہ حیرت سے بولا......

"یہ بہت لمبی بات ہے میں آپ کو کیا بتاؤں، آپ میرے متعلق جتنا جان گئے ہیں اس سے اندازے قائم کر لیں مگر صرف میرے بارے میں کسی سے ذکر نہ کریں۔ اور رہی روپوں کی بات تو وہ اپنی گھر والی کو تحفہ دے دیں، میں دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر پورا پورا عمل کریں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

منیجر نے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور میں واپس ہوا۔

☆......☆......☆

گپتا ایک ضدی آدمی تھا کروڑوں کا مالک تھا مگر پھر بھی اس کے لالچ کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا گوپی چند اس کے برابری کا آدمی تھا مگر گپتا اس پر بھاری پڑتا تھا کیونکہ وہ شرافت نام کی کسی چیز سے واقف نہیں تھا وہ جس فیکٹری پر نظر گاڑ دیتا تھا اس کو ہر حالت میں حاصل کرتا تھا۔ اس کے پاس باقاعدہ ایک فوج تھی ایک شعبہ تھا وہ اچھی چلتی صنعت کو بھی خراب کروا دیتا تھا۔ اس کے غنڈے بڑے سے بڑا جرم کرتے تھے سرپرستی ان کی تھی مگر اس کا نام کہیں پر نہیں آتا تھا۔

وہ اپنے دفتر میں بیٹھا تھا اس کے سامنے دو آدمی بیٹھے تھے گپتا کے چہرے پر غصہ تھا۔ ''میں کہتا ہوں تم لوگ مر گئے تھے کیا؟ یہ اندر ہی اندر سودا ہو گیا اور ایک باہر سے آنے والے نے وہ سونے کی کان خرید لی۔ اپن کو وہ ہر حالت میں مانگتا ہے سن لیا تم نے اس چھوکرے کو فیکٹری سے باہر کرنے کا ہے ایسا کرنے کا ہے کہ وہ جیسے سے تڑی پار ہو جائے۔'' گپتا بولا......

ایک بولا ''سیٹھ ابی تم نے آرڈر دے دیا ہے تم فکرمت کرو سب بندوبست ہو جائے گا۔''

''دیکھو ساجن تیرے کو جو مانگتا ہے میں دوں گا تو اس کو ادھر سے دوڑا دے۔'' گپتا بولا......

''ارے سیٹھ ایسا دوڑاؤں گا کہ آج باجو بھی نظر نہیں آئے گا۔'' ساجن بولا......

''اور تو ریاض کیا کریں گا۔'' گپتا دوسرے سے بولا......

''اپن تو جان ہتھیلی پہ لے کر پھرتا ہے بولو صاف کر دوں۔'' ریاض بولا......

''اس کا ضرورت ابی نہیں ہے، خالی اس سے ٹیکنڈ لینا ہے، اپنا آدمی اندر کوئی ہے کہ نہیں اگر نہیں ہے تو چار اندر ڈالو۔'' گپتا نے کہا......

''ایک بات بولوں سیٹھ آپ مانو گے۔'' ساجن بولا......

''ہاں بول کبھی کبھی بے عقل بھی عقل کی بات کر جاتا ہے۔'' گپتا بولا......

''برو بر بولا سیٹھ میرے کو بولتا یہ ہے کہ پہلے ہم کو اس آدمی کا ناپ تول کرنا مانگتا ہے۔''

''تو کر لے ناپ تول اور وزن، کون منع کیا ہے۔'' گپتا بولا......

''ہم اپنی طرف سے کریں گا تم بھی اپنے طور پر کرو اس کے ساتھ تھوڑا دوستی کروں کیا۔'' وہ بولا......

''تیری بات اندر جاتی ہے میں بولا تھا نا کہ کبھی کبھی آدمی عقل کی بات کر جاتا ہے۔''

''ہاں سیٹھ آپ برو بر بولا۔'' ریاض نے ہنس کر کہا......

ساجن چڑ گیا بولا۔ ''ابی تو اپنی چونچ بند کر سیٹھ بولے تو بولے تو کیوں بولتا ہے؟''

''اچھا اب جاؤ اور اپنا اپنا کام کرو، میں بھی کچھ کرتا ہوں۔''

میں اپنے دفتر میں تھا کہ گپتا کا فون آ گیا۔ وہ بولا۔ ''کیسا ہے سیٹھ؟'' میں نے پہلی دفعہ اس کی آواز سنی تھی بولا۔ ''جیسا پہلے تھا۔''

''اور پہلے کیسا تھا؟'' وہ بولا......

''جیسا اب ہوں۔'' میں نے جواب دیا......

''میں گپتا ہوں۔'' وہ بولا......

میں نے جواب دیا۔ ''میرے لئے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میں گپتا انڈسٹری کا اکلوتا مالک ہوں تم نے پہچان لیا۔'' وہ بولا......

''نام سنا ہے کوئی چند نے بتایا تھا آپ بھی سیمنٹ فیکٹری میں دلچسپی رکھتے تھے۔'' میں نے کہا......

''اور اب بھی رکھتا ہوں۔'' گپتا بولا......

''مگر میرا ارادہ ابھی فروخت کرنے کا نہیں ہے۔'' میں نے کہا......

''تو میں کب کہتا ہوں تم فروخت کرو۔'' گپتا بولا

''فون کرنے کی وجہ بتاؤ گے۔'' میں نے کہا......

''ارے یار ذرا گپ شپ کرنا ہے، تم اور ہم دونوں ایک ہی لائن میں ٹھہرے ہیں، آؤ کبھی ملاقات کرو میرے ساتھ چائے پیو شام، جس دن آ جاؤ تمہارے۔'' گپتا بولا......

''میں اپنے کام خود کرتا ہوں دوسروں کے ہاتھوں پر بھروسا نہیں کرتا، جہاں تک ملنے کی بات ہے تو وہ جب کہ چائے کم پیتا ہوں تم کو ملنا ہے تو دفتر آ جاؤ اور ملاقات کر لو۔'' میں نے جواب دیا......

''اچھا بھیڑو ایسا ہی ٹھیک ہے۔ میں کل آتا ہوں۔'' گپتا بولا......

''ضرور آؤ میں بیٹھا ہوں۔'' میں نے کہا......

دوسرے روز گپتا آ گیا اس کے ساتھ ریاض بھی تھا۔

''آؤ گپتا سیٹھ کیسے ہو؟'' میں نے پوچھا......

''اچھا ہوں تو یہاں پر ہوں۔'' گپتا بولا......

''مگر تم اپنے ساتھ ایک باڈی گارڈ کیوں لائے ہو۔'' میں نے پوچھا......

''میرا باڈی گارڈ نہیں ہے یہ میرا دوست ہے۔'' گپتا بولا......

''تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔ مگر یہ سچ نہیں ہے۔'' میں نے کہا......

''میں نے جو کہا ہے تو تم مان لو میں گپتا ہوں۔'' وہ بولا......

''میں شیر سنگھ ہوں گپتا، میں کسی کا ادھار نہیں رکھتا۔ میری بات یاد رکھنا۔'' میں نے کہا......

''میں تم سے لڑنے نہیں دوستی کرنے آیا ہوں۔'' گپتا بولا......

''دوستی کرنے آنے والے ہتھیار لے کر نہیں آتے گپتا جی۔'' میں نے کہا......

''ہتھیار کون لایا ہے؟'' ارے یہ تو تم کو پتہ ہے ہم لوگوں کے کتنے دشمن ہوتے ہیں اس خاطر رکھنا ہی پڑتا ہے، تم تو خود اسی لائن کے آدمی ہو سمجھ گئے ہو گے۔'' وہ بولا......

''میں کس لائن کا ہوں تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مگر میری ایک بات ضرور یاد رکھنا میں بمبئی کا نہیں ہوں تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے میرے بارے میں تم کو پتہ کرنا ہو گا کہ میں کیا ہوں پھر کوئی حرکت میرے خلاف کرنا۔ میں آدمی کو چھوٹ دیتا ہوں مگر ایک حد تک......'' میں نے کہا......

''سیٹھ گپتا کو دھمکا رہے ہو۔'' ریاض نفرت سے بولا......

''میرے ٹیبل پر پیپر ویٹ رکھا تھا میں نے صرف اس کی طرف دیکھا اور وہ اڑ کر ریاض کے ماتھے پر اتنی زور سے لگا کہ وہ پلٹ کر گر گیا۔ پیپر ویٹ پھر اپنی جگہ آ گیا۔ یہ سب گپتا کے سامنے ہوا پیپر ویٹ کی طرف میرا ہاتھ نہیں بڑھا تھا، میں اپنی جگہ گپتا کے سامنے ساکت بیٹھا تھا۔

گپتا نے حیرت سے کہا۔ ''یہ پیپر ویٹ کیا جادو کا ہے؟''

''یہ تمہارے سر پر بھی آ سکتا تھا مگر میں نے کہا نا کہ میں موقع دیتا ہوں۔ یہ تیرا چمچا ہوا قاتل مر بھی سکتا تھا مگر میں نے اس کو بھی ڈھیل دی ہے۔ میری طرف نظر اٹھانے والے زمین پر نہیں رہتے تیرے ارادے اور منصوبے مجھے پتہ ہیں اب کے میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو کون ہے یہ تو بتا؟'' گپتا اپنی اصلیت پر آ گیا۔

''میں تیرا باپ ہوں باپ کا ادب کر تمیز سے بات کر، تو میرے دفتر میں ہے اس لئے بچا ہوا ہے تو نے جو غنڈے پالے ہیں وہ سب تیرے خلاف ہیں وہی تیرا ناس مار دیں گے تو نے دیکھ لیا کہ میرے اشارے پر پتھر چلتے ہیں وہ تو پھر انسان ہیں تو اب جا اور اپنی اس سوغات کو چھوڑ جا کیونکہ اب یہ تیرے لئے بے کار ہے یہ ہوش میں آتے ہی تیرے خلاف تیری قلعی اتارے گا میرے پاس رہے گا تو میں اس کو ٹھیک کر لوں گا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

گپتا نے چند منٹ غور کیا اور کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''ٹھیک ہے بھیڑو ابھی جاتا ہوں۔''

اور وہ ریاض کو چھوڑ کر چلا گیا اس کے جاتے ہی ریاض ہوش میں آ گیا اور بولا۔

''میں کدھر ہوں؟'' میں نے جواب نہیں دیا گھنٹی بجائی اور کمالے کو طلب کیا۔

کمالا اندر آ گیا اور ریاض کو دیکھ کر بولا......''یہ تو گپتا کے ساتھ آیا تھا۔''

''مگر وہ اپنی امانت چھوڑ گیا۔ ابھی تم اس کو لے کر جاؤ اور کسی کام پر لگا دو یہ کسی گپتا کو نہیں جانتا۔''

پھر میں نے ریاض سے پوچھا۔''تو گپتا کو جانتا ہے۔'' وہ حیرت سے بولا۔''کون گپتا؟''

''دیکھا یہ کسی کو نہیں جانتا یہ تم کو جانتا ہے بس۔'' میں نے کہا۔

کمالا کچھ کچھ مجھے سمجھ گیا تھا اس نے گردن ہلائی اور ریاض کو لے کر چلا گیا۔

میں جانتا تھا کہ گپتا کے دماغ میں جو کیڑا ہے وہ ابھی زندہ ہے وہ مجھ کو چین سے ہرگز نہیں بیٹھنے دیگا۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔ میں نے اس کی ایک ٹیکسٹائل فیکٹری کا دھیان کیا اور میں اس کے اندر تھا۔ بہت بڑی فیکٹری تھی پورا مکمل یونٹ تھا جو روم سے روئی اندر جاتی تھی اور اندر ہی اندر سب پروسس سے ہو کر کپڑا تیار ہو کر پیک ہو جاتا تھا۔ ہزاروں کے حساب سے ورکرز کام کرتے تھے۔

میں اندر ہر ڈیپارٹمنٹ میں گیا اور پھر روئی کے گوداموں کی طرف نکل گیا۔ ایک بہت بڑا گودام روئی کی گانٹھوں سے بھرا ہوا تھا اور باہر تک روئی کی گانٹھیں بکھری ہوئی تھیں یہ ایک کھلا میدان تھا اس میدان میں کانٹے دار جھاڑیاں بھی اگی ہوئی تھیں۔

''تم گانٹھوں کے اندر کیوں نہیں ہو۔'' میں نے جھاڑیوں سے پوچھا۔

وہ میری آواز سن کر جھومنے لگیں اور خوش ہو کر بولیں۔''آج کتنا اچھا دن ہے کہ کوئی انسان ہم سے بات کر رہا ہے۔'' میں نے پھر کہا۔''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''حکم کرو ہم سب روئی میں چلے جائیں گے۔'' جواب ملا......

میرا حکم ہے ہر گانٹھ میں اور مل کے ہر کھاتے میں تم کو جانا ہے یہ تم کو نکالیں گے مگر نہیں نکلنا ہے۔ تم سارے درختوں کو یہی حکم ہے یہاں پر صرف درختوں کا راج ہونا چاہئے۔'' میں نے یہ کہا اور واپس آ گیا۔

دوسرے دن رپورٹ ملی کہ رات میں اس قدر جھاڑیاں مل میں پیدا ہو گئیں کہ ورکرز کا راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ جھاڑیوں میں کانٹے بڑے ہو گئے اور وہ کانٹے اس قدر زہریلے تھے کہ جس کو لگتے وہ گھنٹوں اس کی جلن میں تڑپتا رہتا۔ دوسرے دن اخبارات میں یہ خبر آ گئی اخبار نے کہا کہ ورکرز بھاگ رہے ہیں جھاڑیوں کو جس قدر کاٹا جا رہا ہے یہ اتنی ہی بڑھتی جا رہی ہیں اب تو در و دیوار بھی اس سے خالی نہیں رہی دفتر اور تمام جگہوں پر اتنی تیزی سے درخت پیدا ہو رہے ہیں کہ دنیا حیران ہے کام بند ہو چکا ہے لاکھوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور فیکٹری برباد ہو گئی ہے مل کے مالک گپتا سیٹھ کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک ہفتہ بعد یہ خبر آئی کہ گپتا سیٹھ نے ایک جادوگر کو بلایا ہے اس کا خیال ہے یہ ضرور کسی نے جادو کیا ہے میں نے فیکٹری کا دھیان کیا اور میں اس کے اندر تھا۔

میں ایک بہت بڑے برگد کے درخت کی شکل میں گیٹ پر ہی کھڑا تھا۔

اس نے گیٹ کے اندر آتے ہی میری طرف دیکھا اور بولا۔''یہ درخت پہلے نہیں تھا اتنا بڑا درخت اتنی جلدی سادھو مہاراج آپ دیکھ رہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' گپتا بولا

''سب دیکھ رہا ہوں سمجھ رہا ہوں۔ پرنتو اب تیری چنتا کے دن ختم ہوئے۔'' سادھو جو کہ جسم سے ننگا تھا اس کے ہاتھ میں ترشول تھا اس نے ترشول کو اپنے چاروں طرف گھمایا اور بولا۔

''بڑا کام ہے وقت لگے گا۔''

کتنا وقت لو گے مہاراج......'' گپتا نے پوچھا......

''یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے میں کیا بتاؤں اور

ں اگر میرے بس سے باہر ہوا تو نہیں کروں گا۔ ہماری
ی حد ہے ہم اس سے آگے نہیں جاتے اگر تیری سمجھ میں
ت آ گئی ہے تو ٹھیک، نہیں تو ہم واپس چلے جاتے ہیں
'میں سمجھ گیا تھا کہ سادھو جان چھڑانے کی کر رہا ہے۔
گپتا بولا۔"نہیں مہاراج تم کام کرو میں نے
ت دیا۔"
"ٹھیک ہے تو جا اور سن! میں جاؤں گا تو تجھے پتہ
بل جائے گا۔" سادھو بولا......
"کام کر کے جاؤ گے تو مہاراج آپ کو سونے
یں تول دوں گا۔" گپتا بولا......
"ارے ہم سونے کا کا کریں گے تیری خاطر
گئے ہیں۔" سادھو بولا......
"گپتا گاڑی میں بیٹھا اور چلا گیا سادھو درخت
کے سائے میں تھا پھر درخت کی جگہ میں کھڑا تھا۔ سادھو
نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔" وہ درخت
کیا ہوا تو کون ہے؟"
"میں ہی درخت ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
ارے کا ہم کو نرا گدھا جانے ہے کہتا ہے میں ہی
رخت ہوں۔" وہ بولا......
"تو پھر تو بتا وہ برگد کا درخت کہاں گیا؟" میں
نے پوچھا......
"کر لیں گے یہ بھی پتہ مرا کیوں جا رہا ہے ہم کا
ہے کو آئے ہیں۔" سادھو بولا۔
"دیکھ سادھو میں نے کہا یہ کام تیرے بس کا نہیں
ہے تیری میری لڑائی بھی نہیں ہے۔ اگر تو درمیان میں
ئے گا تو اپنی جھولی خالی کر لے گا تیرے پاس جو تھوڑا
بہت ہے وہ بھی برباد ہو جائے گا۔ اس لئے میری رائے
ہے کہ تو اپنی پونجی سنبھال اور خاموشی سے چلا جا ابھی تو
رخت اگ رہے ہیں اگر پہاڑ زمین کے باہر آ گئے تو پھر
کیا ہو گا تیرے دائرے سے باہر ہے یہ سب، میری بات
ان لے ورنہ تو کوشش کر لے۔" میں نے یہ کہا اور ایک
یونٹے کی شکل اختیار کر گیا اس کی نظروں کے سامنے یہ

ہوا اس نے ایک منتر پڑھا اور ہوا میں پھونک ماری، ہوا
میں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایک نہایت بدشکل بدہیبت
سایہ نمودار ہوا اور وہ بولا۔"بول کیا کرنا ہے۔"
سادھو بولا۔"اس کو تلاش کر جو ابھی یہاں پر کھڑا
تھا میں رینگ کر ایک مٹی میں بنے سوراخ میں چلا گیا اور
اس کا بیر پوری فیکٹری میں پھرتا رہا اور پھر اس نے اپنی
ناکامی کا اعلان کر دیا۔ سادھو نے اس کو دو چار کراری
گالیاں سنائیں اور وہ چلا گیا۔
اس کے بعد اس کے کئی بیر کئی شکلوں میں آئے
مگر کچھ نہ ہوا، میں اس کے قریب اس کی حالت دیکھتا رہا
اور پھر ایک بہت چھوٹی سی چڑیا اڑتی ہوئی اور اس کے
گنجے سر پر چونچ مار کر چلی گئی پھر دوسری آئی اور اس کے
گنجے سر پر چونچ مار کر چلی گئی پھر اور چڑیاں آتی رہیں اس
کا پورا سر لہولہان ہو گیا وہ ہر طرف بھاگا مگر خود کو نہ بچا سکا
اور پھر گر گیا، میں اس کے سامنے نمودار ہو گیا اور بولا......
"تیرے بڑے بڑے بیر مجھ تک نہ آ سکے اور میری
کمزور چڑیا تیرے سر پر آ گئیں۔ تو نے دیکھی اپنی شکتی
میں نے تو تجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تیرے دائرے سے
باہر کی بات ہے مگر تو نہ مانا اور بلاوجہ زخمی ہوا اور سن اب
تیرے وہ سارے بیر تیرے نہیں رہے ان چڑیاؤں نے
ان کو بھی گنجا کر دیا ہے۔ بول اب کیا ارادہ ہے؟" میں
نے پوچھا......
"تیری شکتی اپرم پار ہے میں غلطی پر تھا میں
بھروسے پر مارا گیا ہوں مجھے معاف کر دے میں اب
تیرے سامنے نہیں آؤں گا۔" سادھو بولا......
میں نے سادھو کو جانے دیا۔
میں نے گپتا کے پاس کا ارادہ کیا اور میں اس کے
دفتر میں اس کے سامنے تھا۔
وہ چونک پڑا۔ میں نے کہا۔"حیرت مت کر گیا
تیرا سادھو بھاگ گیا۔"
"ہوں تو یہ تیرا کام تھا تو نے میری اتنی بڑھیا ل
کا ناس مار دیا تجھے کیا ملا تھا۔"

"کچھ نہیں ملا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر تو نے میرا نقصان کا ہے کیا۔" وہ تھرتھراتی آواز میں بولا۔

"تو نے میری سیمنٹ فیکٹری میں اپنے آدمی لگائے تیرے بدمعاشوں نے بہت کچھ کرنا چاہا تھا مگر کچھ نہ ہوا سب کو ننگا کر کے بھگایا تھا اب تیرا قرض تو مجھ پر تھا ادا تو کرنا ہی تھا۔ تو میں نے ادا کر دیا اب وہاں پر گھنا جنگل کھڑا ہے۔ ہر مشین ایک درخت ہے۔ اس فیکٹری ایریا میں اتنے سانپ اور بچھو ہیں کہ آدمی اندر نہیں جاسکتا۔ تو نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں نے اس کا جواب دیا ہے۔ میں نے خود سے تو کچھ نہیں کیا۔" میں نے کہا......

"تو آخر ہے کیا بلا؟" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"میں بہت بڑی بلا ہوں۔ مجھ سے دور رہنا نہیں تو تیری ہر فیکٹری میں ایسی ایسی نرالی بلائیں آئیں گی کہ تو نے ان کے بارے میں سنا بھی نہیں ہوگا۔ تیرے سر پر بھی نیم کا پیڑ اگ سکتا ہے۔ تیرے پیٹ میں سانپ کے انڈے پیدا ہو جائیں گے۔ ڈر اس وقت سے جو تجھ پر آنے والا ہے تیری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے بھول جا اور اس ٹیکسٹائل فیکٹری کو میرے حوالے کر دے تیرے تو کسی کام کی رہی نہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے وہ فیکٹری تجھے دی اب تو میرا پیچھا چھوڑ دے۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"تو میرا دھیان چھوڑ دے گا تو میں بھی تجھے بھول جاؤں گا فیکٹری کے کاغذات کب دے رہا ہے۔" میں نے اٹھ کر پوچھا۔

"کل کارروائی کرادوں گا۔" وہ کم زور آواز میں بولا۔

میں پھر اپنے دفتر میں آ گیا۔ کمالا دفتر میں موجود تھا۔ میں نے کمالا سے کہا۔ "کل گپتا، گپتا ٹیکسٹائل کے کاغذات لائے گا چیک کرا لینا وہ مل بھی خریدلی ہے۔" کمالا نے حیرت سے کہا۔ "گپتا اور مل بیچ دے عقل میں نہیں آ رہا ہے۔"

میں نے جو کہا وہی سچ ہے تو جانتا ہے میں وہ کرتا ہوں جو کوئی نہیں کرتا۔"

"ہاں گرو یہ بات تو ہے۔" کمالا بولا۔

"گپتا اس وقت پھنسا ہوا ہے مگر اس کا اندر صاف نہیں ہے، اس میں میرے خلاف اب بھی کیچڑ بھری ہے، وہ آگے بھی باز نہیں آئے گا ابھی اس کا مکمل بندوبست کرنا باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"گرو جو کرنا ہے وہ کرلو وہ ایسا سانپ ہے جو مر کر بھی پھن اٹھا لیتا ہے۔" کمالا بولا......

"میں اس سانپ کا پھن ہی کچل دیتا ہوں۔" میں نے کہا......

"مگر پہلے مل کے کاغذات پر اس کو دستخط تو کر لینے دو، دو چار دن کی مہلت تو ضروری ہے۔" کمالا بولا......

"ٹھیک ہے ایک ہفتہ کی مہلت دی۔" میں نے کہا......

دوسرے دن گپتا وکیل کے ساتھ آ گیا اور سب کام مکمل کر دیا۔ پھر بولا...... "اب تو میرے سر پر کوئی جھاڑ نہیں اگے گا، میری کوئی غلطی ہے تو معاف کر دو۔"

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وکیل سے پوچھا......

"یہ رجسٹری وغیرہ کب تک ہو جائے گی۔"

"ایک مہینہ تو لگے گا سیٹھ، سرکاری کام میں دیر تو لگتی ہے۔" وکیل نے جواب دیا......

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے سب کام تین دن میں ہونا ہے بولو کرتے ہو۔" میں نے پوچھا......

"ہے تو مشکل مگر بیک ڈیٹ میں ہو جائے گا اس کے لئے خرچ بہت ہوگا کیونکہ دفتر والے صرف ایک زبان جانتے ہیں اور وہ زبان روپے کی ہے۔" وکیل بولا......

"گپتا صاحب ہیں نا موجود، کہو گپتا خرچ کرو گے، پیٹ میں سانپ تو پیدا نہیں ہوں گے صرف کچھ رقم

خرچ ہوگی۔" میں نے گپتا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

گپتا جلدی سے بولا۔"روپے کی چنتا نہ کرو تین دن کے بجائے دو دن میں کراؤ تو انعام بھی دوں گا، فیس الگ۔"

"دیکھو گپتا جی کا کتنا بڑا دل ہے۔" میں نے کہا......

"اب آپ فکر نہ کرو اور دس ہزار ایڈوانس دلواؤ، کل ہی رجسٹری کراتا ہوں۔" وکیل بولا......

اور گپتا ٹیکسٹائل میرا ہوگیا۔ کاغذات ملتے ہی میں مل میں گیا میرے ساتھ کمالا بھی تھا۔ میں نے کمالا سے کہا۔"انسان کو زبان اس لئے دی گئی ہے کہ آپس میں بات کرے مگر یہی زبان جوتے بھی کھلوا دیتی ہے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بھی بنا دیتی ہے، بات ہے اس کے استعمال کی جو سمجھ جاتے ہیں وہ لوگ کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ یہ زبان رازوں کو کھول بھی دیتی ہے جو نہیں کہنا ہے اس کو بھی کہہ دیتی ہے انسان کو اتنا با اختیار ضرور ہونا چاہئے کہ وہ اس پر کنٹرول رکھ سکے جو اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کرتا وہ سخت بے وقوف آدمی ہوتا ہے تم میرے ساتھ بہت دنوں سے ہو میرے نزدیک اتنے دن کوئی نہیں رہا تم نے اب تک جو دیکھا وہ بہت کم ہے میرے بارے میں تمہارے سارے اندازے غلط ہیں اس لئے میرے بارے میں اندازے ہرگز نہ لگانا۔

آج تم جو دیکھو گے اس کو بھی یاد نہیں رکھو گے رازوں کو چھپانے والے فائدے میں رہتے ہیں۔ میں نے جو کہا وہ تمہاری سمجھ میں آگیا ہے۔" میں نے بات ختم کی۔

"ہاں گرو بروبر آگیا ہے اس میں جو دیکھیں گا ادھر ہی بھول جائے گا۔" کمالا بولا۔

"چل پھر ٹھیک ہے۔" میں دفتر کی طرف چلا دفتر خالی پڑا تھا اندر پودے اور گھاس پھوس اگ رہے تھے۔ دروازہ کمالے نے بڑا زور لگا کر کھولا۔ میں اندر چلا گیا۔ کمالا بھی اندر آگیا۔

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔"میرے سامنے کوئی نہیں تھا مگر میری بات بڑے غور سے سنی جارہی تھی۔

"اب بس! تم سب نے اپنا کام پورا کر دیا تم نے میرا حکم مانا اس کا شکریہ۔"

ایک آم کے درخت نے پوچھا۔"تو اب ہم جائیں۔"

میں نے کہا۔"جہاں سے آئے ہو وہیں پر چلے جاؤ۔"

ایک گھنٹہ نہیں لگا اور دفتر میں ایک پودا نہیں رہا۔ گھاس تک غائب ہوگئی۔ اب دفتر کی ہر چیز نظر آرہی تھی میز کرسیاں الماریاں سب کچھ موجود تھا ان میں رکھا سامان بھی اپنی جگہ پر تھا ایک بھی چیز غائب یا خراب نہیں ہوئی تھی۔ کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو سب چلے گئے۔

یہ سب کمالے کے سامنے ہوا۔ کمالا حیرت کی تصویر بنا یہ سب دیکھتا رہا۔ اس کی زندگی کا یہ انوکھا نرالا تماشا تھا گیٹ اور اس کے اطراف کی زمین بھی صاف ہوگئی۔ اب میں مل کے اندر چلا اور پورے درخت خوشی سے جھومنے لگے میں نے ان کا بھی شکریہ کیا اور ان کو بھی واپس روانہ کر دیا گودام میں روئی بھری تھی وہاں پر کوئی درخت پودا نہیں تھا اور سارے حشرات الارض جا چکے تھے سارے ورکرز تو بھاگ چکے تھے اسٹاف کے لوگ بھی نا امید ہوگئے تھے۔ صرف گیٹ پر چار چوکیدار ضرور موجود تھے میں نے کمالے کو کہا۔

"گیٹ پر بڑا بڑا بورڈ لگا دو ورکرز اور اسٹاف کے لوگ اپنی ڈیوٹیوں پر آجائیں مل دوبارہ اسٹارٹ ہو رہی ہے۔ اخبار میں بھی ایڈ لگا دو بڑا بڑا۔"

میں واپس آگیا اور کمالا اپنے کام میں لگ گیا۔

دوسرے دن سے ہی ورکر آنے لگے ان کے افسران بھی آتے گئے مشنری کی جانچ پڑتال ہونے لگی الیکٹرک کے نظام کو بحال کر دیا گیا۔ منیجر اور اکاؤنٹ کے لوگ بھی اپنی اپنی جگہ آگئے۔

اور ایک ماہ کے اندر اندر پھر سے مل میں کام

اسٹارٹ ہوگیا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ سب کیسے ہوا اتنی گندا اتنے درخت کیسے صاف ہوئے ان کا کچرا کہاں چلا گیا سب نے اپنے اپنے اندازے لگائے مگر حقیقت صرف ایک شخص جانتا تھا اور وہ تھا کمال الدین مگر اس کی زبان پر تالے پڑے تھے اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ گپتا نے اتنی آسانی سے یہ مل شیر سنگھ کے ہاتھ کیوں فروخت کردی اس کے بدلے اس کو کیا ملا۔ سارے درخت پودے کہاں چلے گئے؟ شیر سنگھ کی شخصیت کے بارے میں اس کے سارے اندازے غلط ہوگئے۔ تین ماہ کے بعد مل پوری طرح پروڈکشن پر آ گیا۔ روئی کے سودے میں خود کرتا تھا اور اکثر میرے گودام پورے سال کی ضرورت کے مطابق بھرے ہوتے تھے۔ میرے اسٹاف کے سب لوگ محنت سے کام کرتے تھے۔ کمالے نے کچھ ایسا چکر چلایا تھا کہ سب ایماندار ہوگئے تھے۔ گپتا کے خاص آدمی بھی ان میں شامل تھے، میرا شمار شہر کی معزز شخصیات میں ہونے لگا تھا۔ بڑی بڑی تقریبات کے دعوت نامے میرے نام آتے تھے میں ان میں شرکت بھی کرتا تھا۔

سیٹھ شوکت بریلی والے کی دعوت ولیمہ ان کے محل نما بنگلے میں تھی سینکڑوں شرفا اور بمبئی کی مشہور ہستیاں اس میں شریک تھیں، میں رات نو بجے پہنچا دروازے پر شوکت سیٹھ خود موجود تھے۔

آگے بڑھ کر بولے۔ ''آؤ سیٹھ کیا حال ہیں؟''

میں نے مبارک باد دی اور کہا۔ ''بس ٹھیک ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں۔''

''سولہ آنے ٹھیک ہیں۔ تم نے تو کمال کر دیا گپتا سیٹھ کی مل خرید لی دوسرے میں نے سنا تھا اس کی تو حالت بہت خراب تھی تم نے پھر سے اسٹارٹ بھی کردی آدمی تم کمال کے ہو۔''

''میرا ایک ملازم ہے اس کا نام کمال الدین ہے، میرا نام شیر سنگھ ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ زور سے ہنس پڑے۔ ''خوب بہت خوب بات کو خوب موڑتے ہو ارے بھئی میں تم سے یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم یہ بتاؤ تم نے کون سا نسخہ استعمال کیا تھا۔'' وہ بولے۔

''میں نے کہا نا کہ یہ سب کمال الدین نے کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''بھئی اس کمال کو مجھے ادھار دے دو۔'' شوکت بولے۔

''کوئی بات نہیں دے دیں گے شوکت صاحب کیا کام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کھنڈیلا میں میری ایک فیکٹری ہے فرنیچر بنانے کی مگر کبھی فائدے میں نہیں گئی۔'' وہ بولے۔

''کھانے کے بعد بات کریں گے۔'' میں نے کہا......

''ارے میں بھی کیسا آدمی ہوں کیا سوچو گے دعوت میں بلایا اور کاروبار کرنے لگا۔'' شوکت نے کہا....

''تو کیا ہوا۔ عادت سی ہوگئی ہے اب تو ''

میں نے جواب دیا....

''آیئے آپ کو بٹھاؤں۔'' وہ میرے ساتھ ہی لان میں آ گئے جہاں پر کرسیاں اور صوفے پڑے تھے لوگ ان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عورتوں کی بھی خوب بہار تھی میرے سامنے ایک عورت بیٹھی تھی میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی کچھ عورتیں ہوتی ہیں جن کو مسکرانا آتا ہے ان کی مسکراہٹ مرد کے دل کے تاروں کو چھن سے چھیڑ دیتی ہے۔ مگر وہ حسین تھی، میری زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین عورت آ چکی تھی۔ مگر میں یہ کہوں کہ میں نے اتنی حسین عورت زندگی میں نہیں دیکھی تھی تو غلط نہ ہوگا۔

اس کا رنگ دودھیا تھا مگر اس میں ذرا سا گلابی رنگ ملا ہوا تھا۔ اس کے بال سیاہ گھٹاؤں کی طرح اس کے چہرے کو اپنے ہالے میں لئے ہوئے تھے۔

بڑی بڑی شربتی آنکھیں جن میں ایک بے نام سی بے چینی نظر آتی تھی۔ اس کے حسن جمال نے مجھ پر جادو سا کر دیا تھا میں نے مسکراہٹ کا جواب مسکرا کر دیا اور وہ اٹھ کر میرے قریب کی کرسی پر آ گئی۔ عورت بھی قدرت

نے کیا چیز بنائی ہے، یہ مرد کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ بڑے بڑوں کو فرہاد، رانجھا اور مجنوں بنا دیتی ہے۔ میرا دل کہتا تھا اس کو لے کر کسی تنہائی کے گوشے میں چلا جاؤں جہاں پر کوئی نہ ہو۔

اس کی آواز میرے کان میں آئی۔ ''کہاں کھو گئے سیٹھ جی۔''

میں چونک پڑا اس کی آواز بھی ایسی تھی جیسے دو گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ کچھ عورتیں بڑی اچھی نظر آتی ہیں دور اور قریب سب طرح آدمی ان کو گوارہ کر لیتا ہے مگر آواز سننا نہیں چاہتا۔

اس کی آواز اس کے سراپے کی طرح خوب صورت تھی میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ایسا بہت کم دیکھا ہے۔''

''کیسا بہت کم دیکھا ہے پورا جملہ تو بولیں۔'' وہ بولی.....

''کہ آدمی جیسا ہو ویسی ہی اس کی آواز بھی ہو تم تو ہو ہی قیامت اس پر آواز ڈبل قیامت بناتی ہے۔''

''آپ باتیں اچھی کرتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی اس کی ہنسی نے اور آفت ڈھا دی۔

''میرے بارے میں شاید آپ کچھ جانتی ہوں، مگر میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ پہلے کچھ تعارف تو کراؤ۔''

وہ زور سے ہنس پڑی۔ ''مرد بڑا بے صبرا ہوتا ہے اتنی جلدی کیا ہے۔''

''جانتی ہو پھر بھی امتحان لے رہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تو دینا ہوتا ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔

وہ میرے شوق کو ہوا دے رہی تھی میں پتہ نہیں اپنی اس وقت کی کیفیت کی من وعن عکاسی کر سکوں گا کہ نہیں وہ مسکرا رہی تھی اور میری نظر اس کے خوب صورت سراپے اور سڈول بدن پر پھسلنے لگیں وہ میری کیفیت سے مزے لے رہی تھی۔ میں نے اس کے جسم کے تمام حصوں کی تلاشی لے لی وہ مسکراتی رہی میری نظروں کے تعاقب میں اس نے مجھے روکا نہیں وہ اور کھل کر بیٹھ گئی۔

''اگر تم خود کو پردے میں رکھنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے انسان کا اعتبار قائم ہونے میں وقت تو لگتا ہے۔'' میں نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

اس کے انداز میں ذرا سی ہچکچاہٹ اور زبان میں خفیف سی لکنت بھی نہیں آئی وہ بولی...... ''جو پردے میں ہے اگر وہ وہیں پر رہے تو کیا برا ہے۔ میں کون ہوں یہ ضروری ہے کہ میں کیا ہوں ضروری ہے میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔'' وہ بولی.....

''ضروری یہ ہے کہ تم کیا ہو میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔'' میں نے کہا.....

''ایک دم سارے انکشافات نہ ہوں پردہ آہستہ آہستہ اٹھایا جائے کچھ تجسس کچھ شوق قائم رہے تو مزا زندگی کا دوبالا ہوتا ہے آپ کیا کہتے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''کسی حد تک درست ہے مگر اتنی دیر سے ہم باتیں کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کے نام تک سے محروم ہیں۔ کم از کم آدمی کو اتنا تو کنجوس نہیں ہونا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

وہ زور سے ہنس پڑی بولی۔ ''میرا نام چاندنی ہے، میں رائے بہادر چنگی لال کی بیوی ہوں۔''

''واہ رائے بہادر صاحب خوش نصیب ہو تم۔'' میں نے کہا.....

''آپ نے کس کو یہ کہا، رائے بہادر تو مر چکے ہیں۔'' وہ بولی.....

میں نے پھر کہا۔ ''ٹھیک کہا رائے بہادر تم نے کہ مر گئے زندہ ہوتے تو بیوی پر مر جاتے۔''

وہ حیرت سے بولی۔ ''کیا مُردوں سے باتیں کر رہے ہو؟''

''اپنی خوش نصیبی پر ذرا خوش ہو رہا تھا۔ رائے

بہادر زندہ ہوتے تو میں اس چاندنی کی کومل روشنی میں کہاں بیٹھ پاتا۔'' میں نے جواب دیا......

کھانا شروع ہوگیا تھا ہم دونوں کھڑے ہو گئے میں نے اپنا کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہا۔''اگر دل کرے تو فون کرنا اور اگر نہ کرے تو میری حالت پر غور کرنا......شاید تم کو رحم آ جائے '' میں نے کہا۔ وہ مسکرانے لگی اس کی مسکراہٹ میں عورت کی فتح مندی اور مرد کو لبھانے کے سارے آثار تھے۔ وہ اندر سے خوش تھی اس کے سارے ہتھیاروں نے مجھ پر خوب وار کیے تھے اور میں زخمی ہو گیا تھا۔

پارٹی ختم ہوگئی مسز رائے بہادر چنگی لال اپنی بڑی سی گاڑی میں چلی گئی۔ اور میں بھی واپس آ گیا۔ عورت تو عورت ہی ہوتی اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہر عورت ایک جیسی ہی ہے مگر بانکپن، انداز گفتگو اور مسکراہٹ مرد کو لبھاتی ہے وہ ان ہی چیزوں کا دیوانہ ہوتا ہے ہوشیار اور اپنے ہنر سے واقف عورت ان ہی ہتھیاروں سے مرد کو باندھ لیتی ہے اور بڑے بڑے شہنشاہ اور پرہیز گار ان کے چکروں میں پھنس جاتے ہیں۔

دو دن گزر گئے میری بے چینی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ چاندنی کا فون نہیں آیا۔

تیسرے دن میں نے کمالے کو بلایا وہ آیا تو میں نے کہا۔

''تم رائے بہادر چنگی لال مرحوم کو جانتے ہو۔''

''گرو زندوں سے فرصت نہیں ملتی مردوں سے کیا واقفیت کروں۔'' وہ بولا......

''تم نے اس کا نام تو سنا ہوگا۔'' میں نے کہا......

''اس کا تو نہیں سنا گرو اس کی بہادری کا ضرور سنا ہے۔'' کمالا بولا۔

''کیا سنا ہے اس کے بارے میں......'' میں نے پوچھا......

''سنا ہے کہ بڑی ظالم شے ہے مردوں کو الو بنانے کی ماہر ہے رائے بہادر تو پتہ نہیں کون تھا رائے بہادر کیا کرتا تھا کسی کو پتہ نہیں کب مرا یہ بھی پتہ نہیں؟ بڑی مشہور چیز ہے بمبئی کے ہر بڑے آدمی سے اس کے تعلقات ہیں بڑی شان سے رہتی ہے اور لاکھوں کا کاروبار بھی کرتی ہے اس کے پاس بڑی بڑی فلمی ہیروئن آتی ہیں اور ان سے اس کی بڑی دوستی ہے۔''

کمالے نے پوری رپورٹ دی۔

''اس کا مطلب ہوا دھندے والی عورت ہے مگر ہے بڑی زوردار۔'' میں نے کہا......

''گرو وہ نظر آتی ہے اس کی عمر چالیس کے قریب ہے میں نے ایک دفعہ دیکھا ہے مگر سنا ہے دن بدن وہ جو ان ہوتی جا رہی ہے۔'' کمالا بولا......

''میری اس کی ملاقات پارٹی میں ہوئی تھی مجھے اچھی لگی تھی۔'' میں نے کہا......

''گرو وہ سب کو اچھی لگتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اچھی بھی ہے ہڈی میں گودا زیادہ نہیں ہے گودے کی جگہ ہوا بھری ہے ہوا کا کیا ہے نکل بھی جاتی ہے۔'' کمالے نے بتایا۔

''مگر میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا......

''گرو ایک بات بولوں آپ برا تو نہیں مانو گے۔'' کمالا بولا......

''بول دے زبان پر آئی بات کو روکنا بھی ٹھیک نہیں ہے مروڑ ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا......

''اس عورت کا دھیان چھوڑ دو وہ عورت کانچ کے شوروم میں رکھنے والی چیز ہے۔ قابل استعمال نہیں ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جو مرد اس کے قریب جاتا ہے وہ کچھ دن کا مہمان ہوتا ہے پتہ نہیں یہ بات کہاں تک درست ہے مگر دو تین واقعات تو مجھے بھی پتہ ہیں۔'' کمالا بولا......

''ارے بے وقوف مجھے تو ایسی ہی عورت کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔

''گرو میں نہیں چاہتا کہ آپ پر کوئی آفت آئے

سوچ لیں۔'' وہ بولا۔
'' تجھے پتہ ہے میں خود ایک آفت ہوں کچھ کچھ تو جانتا بھی ہے پھر ایسی بات کرتا ہے۔'' میں نے کہا......
'' آپ کی مرضی میں نے اس کا ٹھکانا دیکھا ہے میں کل صبح جاتا ہوں۔'' وہ بولا۔
دوسرے دن کمالا چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ'' وہ کہتی ہے میں کسی شیر سنگھ کو نہیں جانتی میرے در پر تو روزانہ جانے کتنے شیر سنگھ آتے ہیں۔'' بس گرو اس نے بڑی بے عزتی کر کے بھگا دیا، میں نے کہا تھا نا کہ بڑی خرانٹ عورت ہے۔'' کمالا بولا...
''بس کمالے تیرا کام ختم اب میرا کام شروع......''
میں نے بڑی مشکل سے دن گزارہ رات کھانے کے بعد چاندنی کے گھر کا ارادہ کیا اور میں اس کے کمرے میں تھا وہ کمرے میں اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ ایک جوان عورت اور بھی تھی آج چاندنی مجھے اتنی حسین اور طرح دار نظر نہیں آئی شاید اس لئے کہ اس دن وہ خاص تیاری سے آئی تھی۔
دروازہ اندر سے بند تھا کسی کے آنے کا سوال نہیں تھا مگر میں کمرے کے اندر موجود تھا پہلے چاندنی کی نظر مجھ پر پڑی وہ چونک کر کھڑی ہوگئی۔ پھر دوسری عورت بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے پرسکون انداز میں کہا۔''حیران مت ہو! میرا نام شیر سنگھ ہے میں ہر جگہ اس طرح پہنچ جاتا ہوں تو مجھے نہیں جانتی تیرے ہاتھ بہت لمبے ہیں، تو نے میرے آدمی کی بے عزتی کر دی تجھے کس چیز پر ناز ہے، بتا کیا ہے؟ تیرے پاس نہ جوانی ہے نہ دولت تیری اپنی ہے، دوسروں کی کمائی پر غرور کرتی ہے'' وہ میری بات کاٹ کر بولی۔
''بس کر تو نے کر لی تقریر، تیرے جیسے نہ جانے کتنے میرے دروازے پر روز آتے ہیں۔ میں کس کس کو یاد رکھوں گی، تیرا نوکر کب آیا مجھے کیا پتہ اور تو بلا اجازت میرے کمرے میں کس طرح آ گیا۔ اب آ گیا ہے تو جائے گا کس طرح تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟''
''اور تو بھی نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟ تیری یہ دوست جو قریب کھڑی ہے تو اس پر بھروسہ نہ کرنا یہ تیری مدد نہیں کرے گی دیکھ میں جاتا ہوں۔'' اور میں فوراً ایک لال بیگ کی شکل اختیار کر گیا۔ اور وہیں چھپ گیا۔ وہ حیرت سے بولی'' جانکی کیا ہوا یہ چلا گیا۔''
''ہاں شاید ڈر گیا۔'' جانکی بولی۔
''مگر اندر کس طرح آیا کیا تو نے بندش نہیں کی تھی۔'' چاندنی بولی۔
''کی تھی مگر شاید وہ اس بندش کا توڑ جانتا تھا۔'' جانکی نے بتایا۔
''اب کچھ کر ایسا نہ ہو یہ مصیبت بن جائے۔'' چاندنی نے کہا۔
''وہ تو میں کروں گی مگر یہ تو کچھ اور ہی چیز نظر آتا ہے۔'' جانکی کے لہجے میں ڈر شامل تھا۔
''ارے تو کیا تو ڈر رہی ہے۔'' چاندنی بولی......
''گرو نے کہا ہے ہر کام کرنے سے پہلے سامنے والے کے بارے میں اندازے لگاؤ غور کرو ناپ تول کرو پھر سامنا کرو ذرا سی بھول چوک زندگی بھر کا پچھتاوا بن جاتی ہے میں ابھی کچھ نہیں کروں گی پہلے مجھے اندازہ کرنے دے تیری وجہ سے میں ماری جاؤں میں ایسا نہیں کروں گی۔'' جانکی بولی ....
''تو میرا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔'' چاندنی بولی......
''تیرا ساتھ نہیں چھوڑ رہی اپنی جان بچا رہی ہوں۔ جو شخص بند کمرے میں آ جائے میرے بیر اس کو نہ روک سکے اور پھر ایک دم غائب ہو جائے اتنا بڑا میرا علم نہیں ہے کہ میں اس کا سامنا کروں میں جا رہی ہوں۔'' اور جانکی دروازہ کھول کر چلی گئی دروازہ پھر بند ہو گیا اور اس کے سامنے میں پھر کھڑا تھا چاندنی نے دیکھا اور حیرت سے بولی۔''تو گیا نہیں تھا۔''
''ہاں میں یہیں پر کھڑا تھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ اس عورت پر بھروسہ نہ کرنا۔ بھاگ گئی نا آخر، اب بول تو کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

"میرے بارے میں پوچھتا ہے، تو بتا تو کون ہے؟" وہ بولی.....

"اپنے بارے میں، میں اگر بتاؤں بھی تو تیری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" میں نے کہا.....

"زیادہ نہ بول میں وہ ہوں جس کی تمنا لوگ کرتے ہیں۔ سالوں میرے لئے پہاڑوں میں تپسیا کرتے ہیں اور میں پھر بھی ان کو حاصل نہیں ہوتی، تپسیا کرنے والے میری شکل دیکھنے کو ترستے ہیں میرے بارے میں کیا پوچھتا ہے؟" چاندنی بولی.....

"اور تو جانکی جیسی بودی عورت کا سہارہ لیتی ہے۔" میں نے کہا.....

"یہ وقت وقت کی بات ہے بعض دفعہ ان سہاروں پر بھی بھروسا کرنا پڑتا ہے جن کے بارے میں پتہ ہوتا ہے کہ یہ پائیدار نہیں ہیں۔" چاندنی بولی۔

"تجھ پر کیا وقت پڑ گیا ہے کہ کمزور رسی کو پکڑ رہی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں ابھی مجھ پر کچھ برا وقت ہے۔" وہ بولی.....

"بتادے شاید میں تیرا سہارہ بن جاؤں۔" میں نے دانہ ڈالا.....

"یہ ہوسکتا ہے مگر میں تجھ پر بھروسا کرلوں اور تو ہی مجھے ہتھیا کر بیٹھ جائے پھر.....؟" چاندنی نے کہا۔

"اچھا چل میں تجھے تیرے حال پر چھوڑ دوں گا۔" میں نے کہا.....

"یہ تیرا وعدہ ہے۔" وہ مٹک کر بولی۔

"میں اور تو جس دنیا کے ہیں وہاں پر وعدے کی بڑی اہمیت ہے تو جانتی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں بہت اہمیت ہے۔" وہ بولی.....

"میں تجھے آزاد کردوں گا مگر تجھے بھی وعدہ کرنا ہوگا کہ تو میرے خلاف کچھ نہیں کرے گی۔" میں نے کہا.....

"میرا وعدہ ہے میں کبھی تیرے خلاف کچھ نہیں کروں گی۔" چاندنی نے وعدہ کیا.....

"اب بتا تو کون ہے؟" میں نے پوچھا.....

میں پراسرار دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت کا ئی ہوں مجھ سے بڑی دو اور ہیں میری عمر ستانوے سال ہو چکی ہے میں بیس سال کی عمر سے دنیا میں ہوں میری شکتی میرے پاس ابھی پوری نہیں ہے صرف انسانوں میں زندگی گزارنے بھر کی شکتی میرے پاس ہے میں اب تک کنواری ہوں یہ بھاری شرط میرے ساتھ ہے میں مردوں میں صرف ان کے دل کو لبھانے اور ترسانے تک بیٹھتی ہوں اس کے آگے میرے لئے بندش ہے اگر یہ بندش کسی طرح ٹوٹ جائے تو میری سزا بڑھ سکتی ہے۔

"میں تین سال کے بعد سو سال کی ہو جاؤں گی اور پھر میں اپنے ہر فعل میں آزاد ہوں اگر اب میں ذرا سی غلطی کر جاؤں تو مجھے پھر سو سال اپنی شکتی حاصل کرنے کے لئے اسی دنیا میں رہنا ہوگا۔" وہ بولی۔

"مگر تو نے تو شادی بھی کی۔" میں نے کہا۔

"ہاں کی تھی میری جگہ جانکی میرا پارٹ ادا کرتی تھی مگر اس نے پوری طرح یہ کام نہیں کیا اور میرے آدمی کو شک ہوگیا کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے اس نے ایک پنڈت کو میرے پیچھے لگا دیا اور مجھے وہ کرنا پڑا جو میں کرنا نہیں چاہتی، مجھے پنڈت اور پتی دونوں کو مارنا پڑا۔" چاندنی بولی.....

"اس کا مطلب ہوا تو ابھی جوان نہیں ہوئی ہے۔"

"تیری دنیا میں جوانی اور بڑھاپے کا جو تصور ہے وہ ہماری دنیا میں نہیں ہے۔ ہم سب نہ بوڑھے ہوتے ہیں اور نہ مرتے ہیں۔" چاندنی بولی۔

"تو جوان ہونے کے بعد میرا مطلب ہے سو سال کی ہونے کے بعد کیا کیا کرسکے گی۔" میں نے پوچھا.....

"میں ہر وہ کام کرسکتی ہوں جو کوئی نہ کرسکے۔" وہ بولی.....

"تو انسانوں کو فائدہ دیتی ہے، نقصان کرتی ہے۔" میں نے پوچھا.....

"میں جس کے کاندھے پر بیٹھ جاؤں اس کو اپنی مرضی پر چلاتی ہوں اور اس کو مالا مال کر دیتی ہوں۔ سو سال کے بعد میری خوراک انسانی خون ہے میرا غلام میرے لیئے یہ انتظام کرتا ہے میں جس کے کاندھے پر ہوں وہ میرا غلام ہوتا ہے اور دنیا اس کی غلام ہوتی ہے۔" وہ بولی.....

"اس طرح تو دنیا کے آدمی ختم ہو جائیں گے۔ تو سب کو کھا جائے گی۔" میں نے کہا.....

"مجھے ہر روز خوراک کی ضرورت نہیں ہوتی چالیس روز کے بعد مجھے بھوک لگتی ہے۔" وہ بولی.....

"تیرے تین سال شکتی حاصل کرنے میں باقی ہیں تین سال کے بعد تو اس دنیا کے لئے مصیبت بننے والی ہے میں اتنا اچھا آدمی نہیں ہوں مگر انسانوں کو تیری خوراک بنانا پھر بھی نہیں چاہوں گا میں نے وعدہ کیا تھا کہ تجھے آزاد کر دوں گا، تو آزاد ہے تو نے وعدہ کیا تھا کہ میرے خلاف کچھ نہیں کرے گی، تجھے یاد ہے وعدہ۔" میں نے پوچھا.....

"ہاں یاد ہے۔" وہ بولی.....

"اب تجھے ایک وعدہ اور کرنا ہوگا۔" میں نے کہا.....

"اب کون سا وعدہ؟" وہ بے صبری سے بولی.....

"تین سال کے بعد انسانوں کے خون کو خوراک نہیں بنائے گی۔" میں نے کہا.....

"وہ تو مجھے انسانوں میں رہنے کے لئے ضروری ہوگا۔" وہ بولی.....

"تجھے اس دنیا سے جانا ہوگا اپنی دنیا میں اور اگر تو نہیں جائے گی تو میں تجھے کسی پہاڑ کے غار میں قید کر دوں گا تیرے اوپر لاکھوں ٹن وزن لاد دوں گا۔" میں نے کہا.....

"تو جانتا ہے میں اکیلی نہیں ہوں میری دو بہنیں اور بھی ہیں ان کے پاس پوری شکتی ہے! وہ اس پہاڑ کو اٹھا کر دور پھینک دیں گی میں آزاد ہو جاؤں گی۔" وہ بولی.....

"یہ تیرا خیال غلط ہے اور اگر تجھے پورا یقین ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے تو پھر یاد رکھ تجھے تین سال اور شکتی حاصل کرنے کو اسی دھرتی پر گزارنے ہیں اور اگر تجھ سے غلطی ہو جائے تو پھر سو سال اور انتظار کرے گی۔ رہی تیری تھوڑی سی شکتی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تیرا خواب پورا ہو جاتا مگر تو غلطی کر گئی، تو نے میرے متعلق اندازے غلط لگائے۔ تیری معمولی شکتی تیرا ساتھ نہ دے سکی اور جا تُو ڈر کر بھاگ گئی۔" میں نے کہا.....

"تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔" وہ بولی.....

"نہیں دھوکا نہیں کیا ہے، میں وعدہ پر قائم ہوں۔" میں نے کہا.....

"میں وعدہ کرتی ہوں تین سال کے بعد بھی میں تیری غلام رہوں گی۔" وہ بولی.....

"تیری شکتی کی مجھے ضرورت نہیں ہے تو جس کی دوست ہوگی اس کی زندگی تیری غلام ہوگی، میں آزاد فضاؤں میں رہنے والا آدمی ہوں، تیری جیسی نہ جانے کتنی میری غلام ہیں، مجھے تیری ضرورت نہیں ہے تو اس شہر سے باہر جانے کی کوشش مت کرنا اس شہر میں درخت بھی ہیں اور پہاڑ بھی اور ہر قسم کے جانور بھی پھرتے ہیں، وہ سب تجھ پر نگاہ رکھیں گے اگر ذرا سی بھی عقل تیرے پاس ہے تو سمجھ جا کہ میں کون ہوں؟ تو میری حکومت میں قید ہے اور غور کر لے اچھی طرح، تیرے پاس تین سال ہیں واپس اپنی دنیا میں جائے گی کہ قید ہوگی یا مزید سو سال انتظار کرے گی میرے لئے تینوں کام آسان ہیں۔"

چاندنی نے حیرت سے میری باتیں سنیں اس کا چہرہ فق تھا اس کے وہم وگمان سے بڑھ کر یہ باتیں تھیں، میں نے گھر کا تصور کیا اور واپس آ گیا۔

میں تصور میں گرو کو لایا۔ گرو کا چہرہ نظر نہ آیا مگر احساس ضرور ہوا کہ گرو میری بات سن رہے ہیں، میں

نے پوچھا۔ ''گرد کا کئی کون ہے؟'' گرد کی آواز نہیں آئی دماغ میں سنائی دیا۔

''کا کئی زمین کی آفت ہے دس ہزار سال پہلے بھی یہ دنیا میں آئی تھی مگر اس کو ایک قلندر نے قید کر دیا تھا مگر یہ ختم کب ہوتی ہے یہ پھر دنیا میں آ گئی ہے، اس نے اپنے بارے میں پوری بات نہیں بتائی۔ یہ ہر وہ کام کرتی ہے جس سے انسان ختم ہو جائیں۔ لڑائی کرانا حکومتوں میں جنگ کرانا خطرناک جنگ کے سامان بنانے کی ترکیبیں بتانا۔ یہ بھائی کو بھائی سے لڑاتی ہے عورتوں کو بے حیائی کی طرف لے جاتی ہے اس کا وجود دنیا کے لئے زہر ہے یہ دنیا میں حیرت انگیز پراسرار ناقابل یقین حالات پیدا کرتی ہے کہ لوگ حیرت سے کچھ مر جاتے ہیں اور کچھ کو یہ ختم کرتی ہے اس کا وجود دنیا اور اس میں رہنے والوں کے لئے سخت خطرناک ہے یہ اور اس کی بہنیں شیاطین کے ایک ٹولے کی نمائندگی کرتی ہیں اس ٹولے کا مشن دنیا کو انسانوں سے خالی کرانے کا ہے۔''

میری آنکھیں کھل گئیں تصوراتی آواز بند ہو گئی۔

میں رات کو اس کے کمرے میں تھا۔ وہ جاگ نہیں رہی تھی مگر اس کی آنکھیں کھلی تھیں اس کے جسمانی ہر عضو موجود تھا مگر سانس نہیں آ رہی تھی میں نے اس کے جسم پر ہاتھ رکھا وہ گرم تھا۔ زندگی کی گرمی موجود تھی میں نے ایک بڑی مضبوط بیل کا تصور کیا وہ لہراتی کھڑکی سے اندر آ گئی اور اس کی ٹانگیں اس بیل کی گرفت میں آ گئیں۔ مگر وہ ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

میں نے کہا۔ ''پڑی رہ تجھے سو سال اور انتظار کرنا ہے۔''

اس نے پوری طاقت پیر چھڑانے پر لگا دی اور تنگ کر بولی۔ ''میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے تین سال کے بعد میں تیری غلام ہوں جو دل کرے میرے ساتھ کرنا۔''

''اور تو دنیا کو ختم کرنے کے کام کرنے میں مگن رہے مگر میں تجھے اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گا کہ تو آگے قدم بڑھائے، میں شیر سنگھ ہوں تو نے میرا نام سنا ہوتا تو اس شہر سے بھاگ جاتی مگر دس ہزار سال کے بعد دوبارہ آنے والی کو پھر ایک سر پھرا مل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔۔۔۔۔

''میں وہ نہیں ہوں میں پہلی بار دنیا میں آئی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔۔۔۔

''تیرے پاس جھوٹ فریب کے سوا کیا ہے میں سب جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔۔۔۔۔

''مجھے معاف کر دے میں تیری غلام ہوں۔'' وہ بولی۔۔۔۔

''کا کئی تو وہ ہے جو دس ہزار سال پہلے آئی تھی اور تو نے ہزاروں انسانوں کو ختم کیا تھا پھر کسی قلندر نے تجھے دنیا سے دوڑا دیا تھا اب بول یہ ٹھیک ہے کہ غلط ہے؟''

''یہ ٹھیک ہے، تو یاد رکھ میں پھر آؤں گی، آتی رہوں گی، تو کب تک روکے گا۔'' وہ بولی۔

''کوئی نہ کوئی روکنے والا تجھے ضرور ملے گا۔'' میں نے کہا۔۔۔۔۔

اور میں نے اس کا کنوار پن اس سے چھین لیا اس کی حالت بہت خراب ہو گئی مگر میں نے پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا اور اس کو سو سال کے لئے باندھ دیا۔

☆......☆......☆

میرا ایک جگہ ٹھہرنا مشکل تھا۔ ویسے بھی میں کوئی آوارہ گردی نہیں کرتا تھا۔ میرے من میں ایک مقصد تھا جس کی وجہ سے میں سرگرداں تھا۔ اور وہ مقصد تھا کہ میں اپنی والدہ کا سراغ پا جاؤں مگر ابھی تک اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا۔

میں جس جگہ جاتا اپنی شکتی کی وجہ سے پلک جھپکتے جا سکتا تھا مگر میں ایسا کرتا نہیں تھا۔ پیدل چلنا یا پھر کسی سواری سے کسی بھی جگہ جانا اچھا لگتا تھا کیونکہ سفر کے دوران قسم قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا، طرح طرح کے سر پھرے، خود غرض اور پریشان حال لوگوں سے بھی زیادہ تر وہ لوگ ہوتے تھے جو کسی نہ کسی طرح اپنی

پریشانیوں میں گھرے ہوتے تھے، چاہے وہ پریشانی کسی طرح کی بھی ہو۔

اس دنیا میں زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جنہیں کوئی نہ کوئی پریشانی ضرور ہے اور جسے اگر پریشانی نہیں وہ مجنونانہ دماغ رکھتا ہے۔ میں مہان شکتی کا مالک ہوتے ہوئے بھی کم زور تھا اور اتنا کم زور خود کو سمجھتا تھا کہ جس کا جواب میرے من میں نہیں تھا۔

میری ماں کا کھوج نہ لگنا یہ میرے لئے انتہائی کرب ناک تھا اور اس اذیت نے مجھے ہلکان کر کے رکھ دیا تھا لیکن میں بھی یہ عہد کر چکا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے یعنی میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے، میں حال سے بے حال کیوں نہ ہو جاؤں ماں والی گتھی ضرور سلجھا کر رہوں گا۔

صبح سویرے، جانے والی ٹرین میں سما گیا۔ ڈبہ میں زیادہ لوگ نہ تھے چند لوگ بیٹھے اونگھ رہے تھے میں بھی ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا منزل کا تعین کئے بغیر چند منٹ بعد گاڑی کی سیٹی سنائی دی اور پھر گاڑی آگے کو رینگتے رینگتے اپنی اصل اسپیڈ پر آ گئی۔

گاڑی چلتی رہی رکتی رہی۔ جب کسی اسٹیشن پر گاڑی رکتی تو چند لوگ چڑھ جاتے اور چند لوگ اتر جاتے مگر میں اپنی جگہ بدستور آنکھیں بند کئے گیان میں ڈوبا بیٹھا تھا۔

صبح سے دوپہر، شام اور پھر رات آ گئی۔ گاڑی چلتی جا رہی تھی مجھے اپنا کوئی سدھ بدھ نہ تھا۔ رات کا نجانے کونسا پہر تھا کہ ٹکٹ چیکر آ گیا۔ ''سادھو جی ٹکٹ دکھائیں۔''

میں دنیا مافیہا سے بے خبر کسی سے کیا لینا دینا۔ ''سادھو مہاراج ٹکٹ دکھائیں۔''

چیکر کی آواز تیز سے تیز تر تھی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ٹکٹ چیکر گلا پھاڑ کر چیخا۔ ''سادھو جی ٹکٹ دیں۔''

ٹکٹ چیکر کی آواز اتنی تیز تھی کہ میں ہڑبڑا کر چونک گیا، میری آنکھیں سرخ قہر آلود تھیں جسے دیکھ کر ٹکٹ چیکر سہم گیا۔

''سادھو مہاراج ٹکٹ دکھا دیں، میں کب سے آپ کے سامنے کھڑا ٹکٹ، ٹکٹ کر رہا ہوں۔''

''ارے چیکر تجھے بھی الجھن ہے ٹکٹ کی کتنے ٹکٹ درکار ہیں۔'' میری بات سن کر ٹکٹ چیکر اچنبھے میں پڑ گیا اور بولا۔

''مہاراج آپ کا ٹکٹ چاہئے، میری بھی تو ڈیوٹی ہے، سرکار ٹکٹ چیک کرنے کے لئے تنخواہ دیتی ہے۔ آپ کی کرپا ہو گی ٹکٹ دکھا دیں۔''

ڈبے میں بیٹھے سارے لوگ میری طرف متوجہ تھے اور بہت غور سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے سوچا..... ''ٹکٹ چیکر صحیح بول رہا ہے۔''

میرے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور میں نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور جب میرا ہاتھ باہر نکلا تو میری مٹھی میں مٹھی بھر ٹکٹ موجود تھے۔

میں نے سارے ٹکٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے جسے دیکھ کر ٹکٹ چیکر چکرا گیا اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور ڈبے میں موجود سارے لوگ ٹکٹ چیکر کو حیران دیکھ رہے تھے۔

''ارے بھائی تو حیران کیوں ہو رہا ہے؟ جتنے ٹکٹ تجھے چاہیں انہیں چیک کر لے، میں نے تو ڈبے میں موجود تمام لوگوں کے ٹکٹ تیرے ہاتھ پر رکھ دیئے ہیں۔'' میری بات سن کر ٹکٹ چیکر میرے چرنوں میں بیٹھ گیا اور بولا۔ ''مہاراج معاف کر دیں، مہاراج مجھے معاف کر دیں، مجھ سے بھول ہو گئی کہ میں نے آپ کو دھیان گیان سے بیاکل کر دیا۔''

ٹکٹ چیکر میرے چرن چھوڑنے پر کسی صورت تیار نہیں تھا۔ ڈبے میں موجود اور بھی لوگ میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تھے اور مجھ سے بنتی کر رہے تھے۔

''مہاراج چیکر کو معاف کر دیں، آپ تو مہان شکتی والے ہیں، اس نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ٹکٹ چیکر کے سر پر رکھ

کر بولا'' ارے چیکر میں تجھ سے ناراض نہیں ،تو بھی اپنی جگہ مجبور ہے، یہ تیری ڈیوٹی ہے اور اسی کام کے تو سرکار تجھے تنخواہ دیتی ہے، چل اٹھ اور آگے بڑھ کر اپنا کام انجام دے بھگوان کا تجھ پر دیا ہو، بھگوان تیری اچھا پوری کرے، اب چل ہنس دے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ تو خوشی خوشی میرے سامنے سے جارہا ہے۔'' میری باتیں سن کر ٹکٹ چیکر مسکرانے لگا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ایک مرتبہ پھر معافی مانگی اور آگے کو بڑھ گیا۔

ٹکٹ چیکر تو چلا گیا مگر ڈبے میں موجود لوگوں نے مجھے حصار کی صورت میں گھیر لیا کئی لوگ تو میرے چرنوں میں بیٹھ کر میرے چرن پکڑ لئے اور مہاراج ۔مہاراج!! کی گردان شروع کردی۔

تھوڑی دیر تو میں دیکھتا رہا پھر میں نے سوچا۔'' یہ لوگ تو میری جان کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔'' میں نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔'' آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔ رات کا سمے ہے خود آرام کریں اور مجھے بھی آرام کرنے دیں۔'' مگر لوگ کہاں ماننے والے تھے، جب میں نے دیکھا کہ لوگ میرے قریب سے ہٹنے کو تیار نہیں تو میں نے ذرا ڈپٹ کر کہا تو وہ لوگ سہم گئے اور پھر مجھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔

سویرا ہونے والا تھا ہر طرف دودھیا روشنی سر ابھار رہی تھی ڈبے میں موجود سارے لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے میں نے سوچا اب جو بھی اگلا اسٹیشن آئے گا، اس اسٹیشن پر اترنا زیادہ مناسب رہے گا اور اس طرح لوگوں سے میری جان چھوٹ جائے گی۔

اگلا اسٹیشن آیا تو گاڑی رک گئی اور میں گاڑی سے اتر گیا اسٹیشن پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی پورا اسٹیشن سنسان پڑا تھا۔ گاڑی سے بھی کوئی پندرہ بیس لوگ اترے تھے۔ میں اسٹیشن سے باہر آیا تو کئی گھوڑا گاڑی والے شور مچا رہے تھے'' فلاں جگہ فلاں جگہ۔''

میں ذرا قریب پہنچا تو ایک کوچوان بولا۔'' مہاراج شانتی پور'' کوچوان کی بات سن کر میرے من میں آیا کہ چلو آج شانتی پور بھی دیکھ لیتے ہیں اور پتہ کرتے ہیں کہ اس جگہ کتنی شانتی ہے۔

یکہ والے سے میں نے کہا'' چل بھئی شانتی پور بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' میں یکہ میں بیٹھ گیا۔ میرے برابر میں ایک اور بھی شخص بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک کوچوان آوازیں لگاتا رہا تاکہ دو چار اور بھی لوگ اس کے یکہ میں بیٹھ جائیں مگر ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور آیا نہیں تو کوچوان اپنے گھوڑے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا......

'' چل بھئی رستم آج قسمت میں اتنا ہی ہے۔''

کوچوان بہت ہنس مکھ اور دل والا لگا کیونکہ وہ اپنے گھوڑے سے طرح طرح کی باتیں کرتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ گھوڑا اس کی باتیں سن اور سمجھ رہا ہے۔ ڈھائی تین گھنٹے کے بعد شانتی پور آ گیا تو ایک جگہ یکہ رک گیا۔

میرے پاس بیٹھا ہوا شخص بولا..... '' مہاراج شانتی پور آ گیا، آپ کس کے پاس جائیں گے، میں بھی یہیں پر اتروں گا اگر کسی کا نام بتائیں تو میں آپ کو اس کے گھر تک پہنچا دوں، یا پھر کسی اور جگہ جانا چاہتے ہیں تو اس جگہ پہنچا دوں۔'' وہ شخص بہت اپنائیت سے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا......

میں اس کی بات سن کر بولا۔'' بھلے مانس شانتی پور میں میرا کوئی نہیں، میں تو کوچوان کی آواز سن کر آ گیا کہ میں بھی تو دیکھوں کہ شانتی پور کیسی جگہ ہے اور یہاں شانتی کس قدر ہے۔ میں سیلانی آدمی ہوں جدھر منہ اٹھا ادھر ہی چلا جاتا ہوں۔ تم بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟''

میری بات سن کر وہ بولا......'' مہاراج میرا نام کلپنت ہے اور میں شانتی پور میں رہتا ہوں، ایک چھوٹا سا پریوار ہے، کھیتی باڑی کرتا ہوں، میرے ساتھ میری پتنی رہتی ہے، شادی کو چار سال بیت گئے مگر ابھی تک اولاد سے محروم ہوں، چار سال میں کوئی بچہ نہیں ہوا، میں بھگوان سے مایوس نہیں ہوا۔'' وہ شخص یعنی کلپنت بڑے

دکھ بھرے الفاظ میں بولا......

میں نے کہا......" گنپت بھگوان کی اچھا کے آگے ہر مانس مجبور ہے، بھگوان سب کی سنتا ہے بھگوان تمہاری بھی اچھا پوری کرے گا۔"

گنپت بولا......" مہاراج میری اچھا ہے کہ آپ میرے گھر چلیں اور سیوا کا موقع دیں ہو سکتا ہے آپ کی سیوا کر کے ہماری منوکامنا ہی پوری ہو جائے، میں اب آپ کو کہیں اور نہیں جانے دوں گا۔ آپ کو میرے گھر چلنا ہوگا۔"

گنپت سے میں بولا......" چلو تمہاری بات مان لیتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ میری وجہ سے تیری پتنی ناراض ہو جائے کہ تو کس کو پکڑ لایا۔"

میری مرضی دیکھ کر گنپت بہت خوش ہوا۔ ہم دونوں چلتے ہوئے ایک مکان کے سامنے ٹھہر گئے۔ گنپت نے دروازے کی کنڈی بجائی تو چند منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ دروازے میں داخل ہو گیا تو پیچھے مڑ کر بولا۔" مہاراج آپ اندر آ جائیں۔"

گنپت کی آواز سن کر میں اندر داخل ہو گیا تو دیکھا سامنے ایک جوان عورت نین نقش کی بہت خوب صورت کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر گنپت بولا......" مہاراج یہ میری پتنی گنگا ہے۔" اور پھر وہ اپنی پتنی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔" گنگا یہ بڑے مہان شکتی شالی مہاراج ہیں، میں گاڑی کے ڈبے میں ان کا بہت بڑا چمتکار دیکھ چکا ہوں، ان کے چرن چھوؤ۔"

گنگا کی ابلتی ہوئی جوانی اپنی مثال آپ تھی، درمیانہ قد، مستی بھری غزالی آنکھیں جسے دیکھ کر مرد اپنے حواس کھو بیٹھے۔ لال ساڑی اور پیٹ سے اونچا چھوٹا سا بلاؤز بار بار پکار کر کہہ رہا تھا کہ بھرپور نظر مجھ پر ڈالو......

میری بھرپور نظریں گنگا کو اپنے حصار میں لے چکی تھیں۔

گنگا میرے چرن چھونے کے لئے فوراً جھکی تو میں جلدی سے اس کے دونوں بازو پکڑ کر جھکنے نہیں دیا بلکہ اوپر کو اٹھا لیا۔ اس کے بازو میں نے ذرا زور سے پکڑے تھے تا کہ اسے کچھ احساس ہو، جب وہ اوپر کو اٹھی تو مجھے گھور کر دیکھا تو میں جھٹ بول پڑا......" گنگا تیری منوکامنائیں ضرور پوری ہوں گی، تو خوشیوں سے نہال ہو جائے گی، تیرا آنگن بھی چڑیوں کے چہچہانے سے گونجے گا، میں بھگوان سے پراتھنا کروں گا۔"

" مہاراج میں خوش ہونا چاہتی ہوں، میرا بھی بڑا پریوار ہو، میرا آنگن سونا سونا لگتا ہے، میں آپ کی سیوا کروں گی، آپ جیسوں کی بھگوان سنتا ہے۔" گنگا بولی......

" ارے گنگا تو باتیں ہی کرے گی کہ مہاراج کے لئے جل پانی کا پربند کر جلدی سے......" گنپت بولا......

" آپ مہاراج کو پیڑ تلے کھاٹ پر بٹھاؤ میں جلدی سے جل پانی کا بندوبست کرتی ہوں۔" یہ بول کر گنگا سامنے والے کمرے میں چلی گئی۔

بادام کے پیڑ تلے دو کھاٹ پڑی تھیں ایک پر گنپت نے مجھے بٹھا دیا۔ بادام کا پیڑ بہت ہی سایہ دار تھا، ایسے پیڑوں کی خاصیت ہوتی ہے کہ ان کے پتے بڑے اور چوڑے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے درخت کے نیچے سایہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر میں گنگا نے جھٹ پٹ کھانے پینے کا بندوبست کر دیا۔ مکئی کی گرم گرم روٹیاں ساگ اچار اور ساتھ ہی ٹھنڈی لسی بھی تھی۔ یہ چیزیں کھا کر واقعی مزہ آ گیا، میں نے کہا...... " گنپت تیری پتنی کے ہاتھ میں بہت سواد ہے، اور ایسا سواد بہت کم ناریوں میں ہوتا ہے۔"

" میری باتیں سن کر گنگا مسکرانے لگی اور بولی ...

" مہاراج آپ کو میرے ہاتھ کی بنی چیزیں پسند آئیں، میں آئندہ بھی کوشش کروں گی کہ مزے مزے کے کھانے بنا کر کھلاؤں......"

" گنگا میں کھانے کا زیادہ لوبھی نہیں ہوں اور جب میں گیان دھیان میں لگ جاتا ہوں تو مجھے کھانے

پینے کی قطعی ضرورت نہیں پڑتی، اور ایسے سے مجھے کھانے پینے کے لئے چھیڑنا نہیں۔" میں نے کہا تو دونوں پتی پتنی نے ہاں میں گردن ہلا دی۔

گپت نے کہا......" مہاراج اگر آپ برا نہ مانیں تو میری ایک بالکل نئی دھوتی پڑی ہے، آپ نہا دھو کر دھوتی پہن لیں اور ایک سلوکا بھی نیا پڑا ہے۔"

"گپت چل تیری اچھا ہے تو میں نہا دھو کر تیری دھوتی پہن لیتا ہوں، تو بھی خوش ہو جا۔" میں نے کہا......

تھوڑی دیر میں، میں نہا دھو کر فارغ ہو گیا تو گپت نے ایک کمرے میں میرے لئے چار پائی بچھا دی اور اس پر صاف ستھری دری اور سفید چادر بچھا کر بولا ......" مہاراج اب آپ آرام کریں میں گائے بیلوں کو چارہ ڈال کر آتا ہوں۔" جس چیز کی بھی ضرورت ہو آپ گنگا کو آواز دے ڈالنا۔" یہ کہہ کر وہ ہاتھ جوڑتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا اور جاتے جاتے گنگا کو آواز دے گیا۔" ارے گنگا میں گائے بیلوں کو چارہ ڈالنے جا رہا ہوں، تو مہاراج کا پورا پورا خیال رکھنا۔"

" اچھا جی! آپ چنتا نہ کریں، میں مہاراج کی سیوا میں کوئی کمی نہ چھوڑوں گی۔ آپ جائیں میں دروازے کی کنڈی لگا لیتی ہوں۔" یہ آوازیں میرے کانوں میں آئیں۔

میں چار پائی پر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ دونوں پتی پتنی کے بارے میں سوچنے لگا کہ " یہ دونوں بہت ملنسار اور دل کے سادے ہیں، میں ان کی خوشیاں واپس لانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ تھوڑی دیر بعد میرے دائیں پاؤں پر کسی کے ہاتھ کا وزن محسوس ہوا، کوئی میرا پاؤں دبانے لگا تھا۔ میں نے جھٹ آنکھیں کھول کر دیکھا تو گنگا بیٹھی ہوئی میرا پاؤں دبا رہی تھی۔

" ارے گنگا یہ تو کیا کر رہی ہے، تیرے یہ ہاتھ پاؤں دبانے کے لئے نہیں بلکہ یہ تو سر پر رکھنے کے قابل ہیں، تیری سندرتا نے میرے من میں جوت جگا دی ہے، تیری اچھا ضرور پوری ہوگی۔" میں نے اس کو پکڑ لیا اور اٹھ کر چار پائی پر بیٹھ گیا۔ پہلی نظر میں مجھے گنگا بہت چنچل اور دل والی لگی تھی، ایک ایسی ناری جو لوگوں میں فوراً گھل مل جائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اور قریب کر لیا اور گردن پر دباؤ ڈالا تو وہ میری گود میں اپنا سر رکھ کر سسک پڑی۔

اس کا کسا ہوا ٹھوس جسم جو کہ اس وقت تپنے لگا تھا اور بے باکی سے جب کوئی ناری کسی مرد کے جسم سے لگ کر بیٹھ جائے تو مرد کے جسم میں سنسناہٹ دوڑنے لگتی ہے اور یہی حال میرا بھی تھا۔ خیر میں نے اپنے آپ پر قابو رکھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔" گنگا تیرا جیون خوشیوں سے بھر جائے گا، تو بھی سر اٹھا کر گاؤں میں پھرے گی، تجھے کوئی بانجھ نہیں بولے گا، یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے، تو میری خوشی کا خیال رکھنا۔"

" مہاراج مجھے نہال کر دیں، میں بچوں کی آواز سننے کے لئے بیاکل ہو گئی ہوں، میری اچھا ہے کہ میرے سونے آنگن میں بچے کھیلیں، یہ میری خوشی ہے، میں اپنا تن من آپ پر نچھاور کر دوں گی۔" گنگا جذبات سے مغلوب ہو کر بولتی گئی۔

" گنگا سمے کا انتظار کر، تیری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔" یہاں تک سن کر اس نے اپنا سر میرے کندھے سے لگا دیا اور پھر وہ جذبات کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگی، جب میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس کی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو چکے تھے، وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تھی، اس کی دونوں آنکھیں کھل جاتیں اور پھر فوراً جھپک پڑتیں، اس کی دور سے آتی ہوئی آواز ابھری " مہاراج ..... میں بے بس...."

تھوڑی دیر بعد جب وہ چار پائی پر سے اٹھی تو اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک عود آئی تھی، اس نے مجھے گھور کر بڑی اپنائیت سے دیکھا اور پھر اٹھلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

رات کا کھانا کھا کر میں اپنی چار پائی پر لیٹ گیا اور جب دونوں پتی پتنی اپنے کمرے میں چلے گئے تو میں اٹھا اور نیچے زمین پر ایک چھوٹی چٹائی بچھا کر اپنے دھیان گیان میں لگ گیا۔ ویسے مجھے کھانے پینے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں رہتی تھی مگر ان دونوں پتی پتنی کی خوشی کے لئے میں نے رات کا کھانا کھا لیا تھا۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا کہ اچانک ایک خوفناک اور کربناک آواز پورے ماحول کو لرزا گئی۔ آواز تھی کسی ناری کی اور برابر والے کمرے سے آئی تھی۔ آواز سن کر میرا دھیان بٹ گیا اور میں نے اپنی موندی ہوئی آنکھیں کھول دیں۔

”گنگا..... گنگا..... کیا ہوا؟ ہوش کر..... گنگا کیا ہوا؟“ گپت کی گھبرائی ہوئی روہانسی آواز سنائی دی۔

یہ آواز سن کر میں فوراً اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اسی وقت گپت بھی اپنے کمرے سے نکل رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی بولا..... ”مہاراج پتہ نہیں گنگا کو کیا ہو گیا ہے؟ نیند میں چیخ کر اٹھی اور اب بے ہوش ہے۔ آپ چل کر دیکھ لیں آپ کی کرپا ہو گی۔“

”گپت گھبراؤ نہیں، چلو دیکھتے ہیں۔“ یہ کہہ کر میں کمرے میں گیا تو دیکھا کہ گنگا بے سدھ پڑی تھی، آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی خوف ناک انداز میں کھلی پڑی تھیں۔ کمرے میں لالٹین کی روشنی پورے کمرے کو روشن کر رہی تھی۔

دونوں پتی پتنی فرشی بستر پر سوتے تھے کیونکہ گنگا کمرے کے فرش پر بچھے بستر پر پڑی تھی، میں گنگا کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نبض پر انگلی رکھ دی، نبض کی رفتار بہت تیز تھی۔ میں نے گپت سے کہا۔ ”گھبراؤ نہیں یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ یہ بول کر میں نے اپنا دھیان اوپر کو لگایا تو مجھے کچھ اور ہی نظر آیا، مجھے معلوم ہو گیا کہ گنگا پر کسی ہوائی چیز کا اثر ہے۔

”گپت ایک اپلا سلگا کر لاؤ، اور ساتھ ہی چار پانچ لال مرچ بھی لانا۔“ میں نے گپت سے کہا تو گپت فوراً اٹھ کر چلا گیا، اور میں گنگا کو بغور دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

”مہاراج لیجئے۔“ گپت کی آواز سن کر میں چونکا اور اس کے ہاتھ سے سلگا ہوا اپلا اور مرچ لے کر سامنے رکھ کر بیٹھ گیا، اور منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھنے لگا، منتر پڑھ کر مرچ پر پھونک ماری اور ان مرچوں کو اپلے کی آگ پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں جب مرچوں سے دھواں نکلنے لگا تو میں نے اپلے کی آگ گنگا کی ناک کے قریب کر دی، دھوئیں پر ہلکے ہلکے پھونک مارنے لگا تا کہ دھواں گنگا کی ناک میں جانے لگے۔

چند ساعت ہی گزرے ہوں گے کہ اچانک گنگا نے جھٹ اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ”اوئے تو کون ہے؟“ گنگا کی بھاری غضب ناک آواز سنائی دی۔ چلا جا یہاں سے نہیں تو تیرا حشر نشر کر دوں گا..... چلا جا یہاں سے.....“

میں نے کچھ کہا نہیں بلکہ مرچوں کا دھواں برابر اس کی ناک کے قریب رکھا۔ ”او چلا جا یہاں سے اور یہ دھواں مجھ سے دور کر دے، اس دھوئیں سے مجھے کشٹ ہو رہا ہے، میں بولتا ہوں یہ دھواں فوراً یہاں سے ہٹا نہیں تو میں تیرا منکا توڑ کر رکھ دوں گا۔“ گنگا کے منہ سے آواز نکلی۔

”تو یہ بتا کہ تو کون ہے؟ اور یہاں کیوں آیا ہے؟ اور اس پر اپنا اثر کیوں رکھا ہے؟ جلدی بتا نہیں تو میں تیرا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔“ لیکن میں نے اپلے پر پڑے ہوئے مرچوں کا دھواں گنگا کی ناک کے قریب ہی رکھا۔ اور پھر میں نے اپنی آنکھیں گنگا کی آنکھوں میں مرکوز کر دیں پھر مجھے لگا کہ میری آنکھوں سے سرخ شعاعیں نکل کر گنگا کی آنکھوں میں گھستی جا رہی ہیں، چند ساعت بعد گنگا چیخنے لگی۔ ”مجھے چھوڑ دے، میں جا رہا ہوں، ارے مجھے چھوڑ دے، میں ہار گیا، میں جل رہا ہوں، مجھے بخش دے دے، مجھے راستہ دے میں چلا جاؤں..... اوہ!! مجھے چھوڑ دے.....

ارے، اب بس کر نہیں تو میں جل جاؤں گا۔"

میں نے کہا۔"تو گنگا کے وجود سے الگ ہو جا...... نہیں تو......"

پھر میں گنپت سے بولا۔"گنپت تم گنگا کے قریب بیٹھ جاؤ اور جب میں بولوں تو گنگا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لینا۔"

پھر میں نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور بولا۔"چل تو باہر آ...... اور الٹے ہاتھ کی طرف کھڑا ہو جا، تیرے راستے بند ہیں بغیر میری مرضی کے تو باہر نہیں جا سکتا۔" میں نے دیکھا کہ گنگا کے جسم سے ہلکا سا دھواں نکلنا شروع ہوا، اور وہ دھواں الٹے ہاتھ کی طرف جمع ہونا شروع ہو گیا تو میں نے گنپت کو اشارہ کیا کہ وہ گنگا کو پکڑ لے۔

وہ دھواں جو ایک جگہ جمع ہو رہا تھا، ایک وجود دھار چکا تھا۔ اسے دیکھ کر میں بولا......"اب تو یہ بتا کہ یہاں تک کیسے پہنچا؟ اور گنگا پر اثر انداز کیوں ہوا؟ تو بھٹکا ہوا ہے یا پھر تجھے کسی نے بھیجا ہے، ٹھیک ٹھیک بتا ورنہ تجھے یہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔" میری آواز غضب ناک طریقے سے نکل رہی تھی۔ گنگا اور گنپت دونوں اس منظر کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے......"جلدی بتا! ورنہ......" میں نے کہا......

☆☆☆

"مجھے پنڈت نارائن نے بھیجا ہے، میں کئی سال سے اس گنگا کے ساتھ ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ اس کا سنتان نہ ہونے دوں، جب بھی سنتان کا آثار پیدا ہوتا ہے تو میں فوراً اسے ختم کر دیتا ہوں، پنڈت نارائن بہت خطرناک منش ہے۔ رات کی تاریکی میں کالی شکتیوں سے کام لیتا ہے اور دن کے اجالے میں دھرماتما بنا رہتا ہے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں اور مجبور ہیں اگر اس کا حکم نہ مانیں تو اپنے بیروں پر ظلم کرتا ہے، اب جو آپ کا حکم اور آپ کو یہ بھی کرنا ہے کہ مجھے اس سے بچا کر مجھے آزاد کر دیں، میں آپ سے بنتی کرتا ہوں۔" اس وجود کی آواز سنائی دی۔

"ٹھیک ہے میں تجھ پر دیا کر سکتا ہوں اس شرط پر کہ تو کبھی بھی گنگا یا گنگا کی نسل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا اور نہ ہی کبھی ان کے متعلق سوچے گا، اگر اس پر راضی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تیرا وجود ختم کر دیتا ہوں، بتا کیا چاہتا ہے؟ بول! جلدی بول!"

میری بات سن کر وہ سہم گیا اور بولا۔"یہ میرا وعدہ ہے کہ میں کسی بھی جنم میں اس خاندان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔"

اس کی باتیں سن کر میں منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔"جا اب تو آزاد ہے، میں نے پنڈت نارائن سے بھی تجھے آزادی دلا دی تو پنڈت نارائن کے قریب بھی نہیں جانا۔" وہ فوراً سے پیشتر چشم زدن میں کمرے سے غائب ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے گنپت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"گنپت تمہیں اور تمہاری پتنی کو مبارک ہو، اس موذی مرض سے تم لوگوں کی جان چھوٹ گئی اور گنگا کی گود بھر جائے گی۔ تمہارے آنگن میں اب بچے کھیلیں گے۔"

گنپت بولا۔"مہاراج آپ کی کرپا ہے۔" اور گنگا نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر لگایا اور بولی۔"مہاراج آپ کی کرپا سے میرے بھاگ کھل جائیں گے، ورنہ میں ابھاگن اسی طرح کڑھتی کڑھتی ایک دن چیتا میں جل جاتی۔"

"اور ہاں تم لوگ اس بات کا سختی سے خیال رکھنا کہ ان باتوں کی کسی کو بھنک بھی نہ پڑے اور کسی بھی وقت پر اور کہیں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کرنا، یہ میری تاکید ہے ورنہ پچھتاؤ گے، اور میں پنڈت نارائن سے بھی نمٹ لوں گا۔" میں نے کہا۔

دونوں پتی پتنی نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ بھول کر بھی اپنی زندگی میں کسی اور سے اس بات کا تذکرہ نہیں کریں گے۔

صبح کی پو پھوٹنے والی تھی۔ گنپت بولا۔ ''مہاراج میں تو جارہا ہوں، کھیتوں میں پانی لگانا ہے، آپ آرام کریں، گنگا مہاراج کی سیوا میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہئے اور مہاراج کو گرم گرم پراٹھے سے ناشتا ضرور کرادینا۔'' یہ بول کر گنپت چلا گیا تو گنگا اٹھی اور باہر کے دروازے کی کنڈی لگا کر دوبارہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''مہاراج میں جتنا بھی آپ کی سیوا کروں وہ کم ہے، مجھ ابھاگن کو آپ نے پارس بنادیا، میں آپ کی سیوا کرنا چاہتی ہوں اور اگر آپ کہیں تو میں اپنا تن من سب آپ پر نچھاور کردوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے دونوں کندھوں پر رکھ لئے۔

میں گنگا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا، اس کی آنکھوں میں جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آیا، چند ساعت بعد وہ بولی۔ ''اس وقت میرا پورا وجود ہلکا محسوس ہورہا ہے، میرے اندر ایک نئی خوشی جنم لے چکی ہے اور اس خوشی کا اظہار میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی، اس وقت سے پہلے ہر وقت میرا جسم بھاری بھاری رہتا تھا، ایسا لگتا کہ میرے سر اور کندھوں پر بہت بڑا وزن پڑا ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ سمٹتی ہوئی میرے اتنا قریب ہوگئی کہ ہم دونوں کی سانسیں آپس میں ٹکرانے لگیں۔

میں اپنے آپ پر قابو رکھنے میں کمزور پڑتا گیا، میرا پورا جسم سنسنانے لگا اور پھر میرے پورے وجود میں کرنٹ سا ابھر گیا جس سے میں سرتاپاؤں جسمانی تپش سے تپنے لگا۔ وہ میرے قریب سے قریب تر ہوتی گئی اور پھر میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کے لئے خود کو آزاد چھوڑ دیا۔ ہم دونوں دنیا مافیہا سے بے خبر ہوگئے۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے پوچھا۔ ''گنگا تیرا پتی گنپت کب تک آئے گا۔'' تو وہ بولی۔ ''مہاراج وہ گیارہ بجے سے پہلے نہیں آئے گا، آج میں نہال ہوگئی، اب یہ جیون آپ کا ہے، یہ کھیتی آپ کی ہے، آپ کی نظر کرم سے یہ لہلہاتی رہے گی، مہاراج مجھے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائیے گا، ورنہ میرے جیون کا اجالا اندھیرے میں دب جائے گا۔''

''گنگا چل میں تیری خوشی میں خوش ہوں، میں تیری اچھا پوری ہونے تک تیرے پاس رہوں گا یہ میرا وعدہ ہے، میں اپنی منزل کی تلاش میں ہوں، میری منزل مجھے مل نہیں رہی ہے، مجھے اپنی منزل کو تلاش کرنا ہے، ابھی بہت دن پڑے ہیں تو چنتا نہ کر، کھا پی خوش رہ اور وقت پر نظر رکھ، میرے گیان دھیان میں دخل نہ دینا، میں تیرا ہر طرح خیال رکھوں گا۔'' میری باتیں سن کر وہ چہک گئی اور پھر بھرپور طریقے سے میرے سینے سے لگ گئی۔

میں اشنان کرنے کے بعد جاکر اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹ گیا اور حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ میرے ذہن میں یہ بات مضبوطی سے بیٹھ گئی تھی کہ اب پنڈت نارائن ضرور مجھے تلاش کرے گا اور میرے قریب آئے گا کیونکہ اس کا مقرر کیا ہوا ہیرا اب اس کے قبضے میں نہیں تھا اور اس کی پکڑ سے بہت دور جاچکا تھا۔

دن کے قریب گیارہ بجے گنپت کھیتوں کو پانی لگا کر آگیا۔ میں اپنے کمرے میں آرام کررہا تھا۔ میرے پاس آیا اور چرن چھونے لگا تو میں نے کہا۔ ''ارے گنپت یہ تو کیا کررہا ہے جو ہوگیا اسے بھول جا، میں تیرے پاس ہوں کسی بات کی چنتا مت کر کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے یہاں رہنے پر تو یا تیری پتنی تکلیف محسوس کریں، تم لوگ مجھ سے گھبرا جاؤ اور پھر پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگو۔ اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھے بتادینا، میں سیلانی آدمی ہوں، میں کسی بھی ایک جگہ مستقل ٹک کر بیٹھتا نہیں۔''

میری باتیں سن کر گنپت کی آنکھوں میں نمی آگئی، وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''پربھو ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو آپ معاف کردینا، ہم تو آپ کو اپنے سر پر بیٹھا کر رکھیں گے، بس آپ کی نظر ہم پر رہنی چاہئے۔''

میں نے کہا۔ ''گنپت تو فکر نہ کر بالکل شانت ہو جا، دل لگا کر اپنا کام کر اور وقت پر نظر رکھ، میرے کام اور گیان دھیان میں دخل نہ دینا، اگر میں کھانا چاہوں تو

کھالوں گا اور اگر اپنے کمرے میں بیٹھا گیان میں لگ جاؤں تو مجھے چھیڑنا نہیں، بس اور کچھ نہیں، تم اپنا کام کرو اور میں اپنا کام۔'' یہ سن کر گپت چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گنگا ناشتا لے کر آ گئی اور بولی۔'' مہاراج ناشتا کر لیں، میں نے دل سے بنایا ہے اور اس میں میری چاہت بھی شامل ہے۔''

میں نے کہا۔'' چل تیری خوشی ہے تو اس میں، میں بھی خوش ہوں۔'' گرم گرم پراٹھے جو کہ اصلی گھی میں چپڑے ہوئے تھے اور ساتھ میں چولائی کا ساگ بہت مزیدار تھا، میں نے پیٹ بھر کر ناشتا کیا۔ تھوڑی دیر بعد گپت بھی آ گیا اور اپنی زندگی کی بیتی ہوئی باتیں کرنے لگا۔

گپت کے کئی کھیت تھے، بیلوں کی ایک جوڑی اور دو گائیں تھیں۔ دو گائیں ایسی تھیں کہ دونوں کا وقت آگے پیچھے تھا جس سے دونوں اپنے اپنے وقت پر آگے پیچھے بچہ دیتی تھیں اور اس طرح سارا سال دودھ دہی گھر کا ملتا تھا۔ زیادہ مقدار میں دودھ ہوتا تھا جسے وہ فروخت کرتا تھا۔ دونوں میاں بیوی بہت محنتی تھے اور دل لگا کر اپنا ہر کام کرتے تھے۔

یہ تو میں جان گیا تھا کہ پنڈت نارائن کس شکتی کا مالک تھا، اپنی ہار اور بے عزتی پر چین سے بیٹھنے والا نہیں تھا بلکہ اس کوشش میں لگ گیا تھا کہ مجھ پر کاری وار کس طرح کرے۔

شام کا وقت ہونے والا تھا کہ باہر دروازے کی کنڈی کسی نے کھٹکھٹائی۔ گپت نے جا کر دروازہ کھولا سامنے پنڈت نارائن کھڑا تھا۔ جسے دیکھ کر گپت بولا۔ ''پنڈت جی! آپ! آپ نے کیوں کشٹ کیا، مجھے کسی سے بلوا لیا ہوتا، میرے لائق...'' اور بات ادھوری رہ گئی کیونکہ پنڈت بول پڑا تھا۔

''گپت دو دن ہو گئے، سویرے تم دونوں پتی پتنی پوجا میں حاضر نہیں ہوئے، تو مجھے چنتا ہوئی کہ روز آنے والا کیوں نہیں آیا، اور یہ تو تمہیں پتہ ہے کہ میں سارے گاؤں والوں کی خبر رکھتا ہوں۔ شانتی پور میں شانتی رکھنے میں ہم تمام گاؤں والوں کا کام ہے، ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے، ارے گپت آج کیا بات ہے کہ تو مجھے گھر میں آنے کو نہیں کہہ رہا ہے، اس سے پہلے تو ایسا کبھی نہ ہوا، آج تو روکھا پن دکھا رہا ہے، چل ہٹ...... میں اندر آتا ہوں...... مجھے گنگا کی بھی خیریت معلوم کرنی ہے۔'' پنڈت نارائن اندر آ گیا۔ میں بادام کے پیڑ تلے چارپائی پر بیٹھا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی بھرپور طریقے سے چونک گیا۔

میری بھی نظر جب پنڈت پر پڑی تو میں تاڑ گیا کہ پنڈت کتنے پانی میں ہے۔ ہم دونوں کی نظریں آپس میں ملیں تو فوراً ہی شکتی کی ذہنی جنگ شروع ہو گئی۔ پنڈت بولا۔'' گپت یہ بھلے مانس کون ہیں؟ میں نے آج سے پہلے کبھی انہیں تمہارے گھر میں بلکہ شانتی پور میں نہیں دیکھا، ان کا پریچے تو کرا دے۔''

پنڈت کی باتیں سن کر گپت بولا۔'' پنڈت جی! یہ میرے جاننے والے مہاراج ہیں، بہت انتریامی ہیں، کل ہی میرے گھر پدھارے ہیں۔'' پنڈت اور گپت کی باتیں میں سنتا رہا اور خاموش رہا۔ پھر پنڈت میرے قریب آیا اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنے لگا، اور بولا۔'' مہاراج میں مندر کا جدی پشتی پنڈت ہوں، ہو سکے تو مندر میں آ کر اپنے درشن دیجئے گا، میں آپ کا آرام سے انتظار کروں گا، پوجا کے وقت میں چونکہ مصروف رہتا ہوں، اس کا ذرا خیال رکھئے گا۔''

پنڈت کی باتیں سن کر میں بولا۔'' پنڈت جی چنتا نہ کریں میں آپ کی اچھا ضرور پوری کروں گا، اور جب آؤں گا تو مندر میں کوئی بھی نہیں ہوگا، صرف ہم دونوں ہوں گے تا کہ ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کریں گے کہ آپ نے شانتی پور کے لوگوں کو کتنی شانتی پہنچائی ہے، کیوں ٹھیک ہے ناں۔''

میری باتیں سن کر پنڈت نے مجھے گھور کر دیکھا اور الٹے پاؤں پلٹ گیا۔ بولتے ہوئے کہ'' میں معافی

جاہتا ہوں اچانک مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا۔"

پنڈت کے جانے کے بعد گنپت مجھ سے گاؤں اور گاؤں والوں کی باتیں کرتا رہا۔ میں اپنی شکتی سے شانتی پور اور پنڈت کی پوری کتھا جان چکا تھا۔ پنڈت بہت ہی کالے کرتوت کرنے والا تھا، بہت ہی تعصب پسند تھا۔ جادو ٹونے اور منتروں میں بہت آگے تھا۔ گاؤں میں کوئی بھی شادی ہو کر عورت آتی یا شادی کے بعد گاؤں میں رہتی، اس عورت کے پیچھے پڑ جاتا، اس عورت کو اپنی طرف راغب کرتا، اور جب وہ عورت اسے گھاس نہیں ڈالتی تو، پریشانی اور ستانے کے سارے ہتھکنڈے استعمال کرتا، اسکے گھر والوں کو کھیت کھلیان، روزی روزگار، کھیتی باڑی کے جانور بلکہ اتنے اوچھے حرکت کرتا کہ اس عورت کو بھی کبھار جادو منتر سے بانجھ کر کے چھوڑ دیتا صرف اپنی ہوس مٹانے کے لئے۔

شادی شدہ نئی نویلی جب ہر طرح سے پریشان ہو جاتی، اسے بانجھ ہونے کے طعنے ملنے لگتے اور کبھی کبھی تو سسرال والے ایسی عورت کو طلاق بھی دلوا دیتے یہ کہہ کر کہ "یہ تو بانجھ ہے، اور اس کا کوئی علاج نہیں۔"

کوئی مجبور، حالات سے تنگ آ کر جب اسے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو وہ پکے پھل کی طرح پنڈت کی جھولی میں گر پڑتی اور پھر پنڈت اس عورت کی عزت تار تار کر دیتا، وہ عورت پنڈت کے اشاروں پر چلنے لگتی تو پھر پنڈت اس عورت اور اس کے خاندان والوں پر سے اپنا منتر جنتر ختم کر دیتا، اس طرح پنڈت کی واہ واہ ہو جاتی اور لوگ پنڈت کے چمتکار کے قائل ہو جاتے، کہ پنڈت جی نے چمتکار کر دیا، ہم پر سے جادو ٹونے کا اثر ختم کر دیا اور ہماری زندگی کو خوشیوں کا گہوارہ بنا دیا۔

میں نے پنڈت کی حرکات اور ظلم و زیادتی کے بارے میں بہت غور کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ پنڈت شانتی پور والوں کے لئے عذاب بن گیا ہے اور اب لوگوں کو اس عذاب سے چھٹکارا ملنا چاہئے کیونکہ پنڈت عورتوں کی عزت اور سکھ چین کا دشمن بن گیا ہے، لہذا اب پنڈت کا کریا کرم ہو جانا چاہئے۔ اور پھر میں وقت کا انتظار کرنے لگا۔

اچانک چند دن بعد گنپت کے پڑوس میں ایک جوان لڑکی سخت بیمار ہو گئی تو وہ لڑکی اول فول بکنے لگی یعنی یہ کہ اس لڑکی پر ایک بھٹکی ہوئی آتما سوار ہو گئی۔ وہ آتما بہت ضدی اور طاقتور تھی۔

گھر والے پنڈت کو بلا کر لے آئے اور پھر پنڈت کی جو درگت اس آتما نے بنائی کہ پنڈت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس جگہ موجود سارے لوگ ششدر رہ گئے پنڈت کو دیکھ کر کہ پنڈت اس قدر شکتی شالی ہوتے ہوئے اس بھٹکی ہوئی آتما سے پیچھا چھڑا کر کیوں بھاگ گیا؟

ادھر لڑکی پر سوار آتما نے اودھم مچا رکھا تھا۔ سارے گھر والے اور پاس پڑوس کے لوگ دانتوں تلے انگلیاں دابے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور حیرانی و پریشانی سے چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے کہ "اب کیا ہوگا؟ کسے بلایا جائے کہ اس بدآتما سے جان چھوٹے۔"

گنپت چونکہ اپنے گھر میں اپنی پتنی کا حال دیکھ چکا تھا اس لئے اس کے ذہن میں، میں موجود تھا۔ وہ بھاگم بھاگ گھر میں آیا اور گنگا سے مشورہ کیا کہ "پنڈت تو جان چھڑا کر بھاگ گیا، اگر مہاراج برا نہ منائیں تو ان سے بات کی جائے لیکن میری تو ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ میں مہاراج سے بات کروں، اور یہ بات تم مہاراج سے کرو کہ مہاراج چل کر راگنی کو دیکھ لیں۔"

گنگا میرے پاس آئی اور میرے قریب بیٹھ کر بولی۔ "مہاراج ایک بات ہے مگر میں ڈر رہی ہوں کہ کہیں آپ برا نہ منائیں، میری ہمت نہیں ہو رہی ہے آپ سے کہتے ہوئے۔"

"گنگا تو مجھ سے ہر بات بے دھڑک کر سکتی ہے، تیری خوشی کے لئے میں تیری ہر بات مان سکتا ہوں، اور

تجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، ارے تو کہے تو میں دنیا کی ساری دولت تیرے قدموں میں ڈال دوں کیا بولنا چاہتی ہے، جلدی سے بول دے۔"

"مہاراج پاس والے گھر میں ایک خاندان رہتا ہے ان کی ایک لڑکی راگنی ہے جو کہ بہت سندر ہے، کل رات کسی آتما کی چپیٹ میں آ گئی ہے، وہ آتما اس پر سوار ہوگئی ہے، پنڈت آیا تھا لیکن اس آتما نے اسے ڈرا دھمکا کر بھگا دیا ہے، گپت بھی بول رہا ہے کہ مہاراج چل کر راگنی کو دیکھ لیں، مہاراج آپ چلئے ناں، میری خاطر۔"

"گنگا کے بولنے کا انداز والہانہ تھا اور ویسے بھی میں گنگا کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ میں نے کہا۔

"گنگا تیری بات میں کیسے ٹال سکتا ہوں، چل تیری پڑوسن کو دیکھ لیتے ہیں۔"

گپت اور گنگا کے ساتھ میں اس لڑکی راگنی کو دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ جب میں اس کے سامنے پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی وہ مردانہ آواز میں غضب ناک طریقے سے غرائی۔ "اوئے! تو کیوں آ گیا، فوراً یہاں سے چلا جا ورنہ تیری گردن توڑ کر رکھ دوں گا، ایک پنڈت آیا تھا، پاپی بھاگ گیا، اور اگر نہیں جاتا تو میں اس کا منکا توڑ دیتا، چلا جا یہاں سے، اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو..... فوراً چلا جا ورنہ..... میں اسے نہیں چھوڑوں گا، یہ مجھے اچھی لگی میں یہاں سے گزر رہا تھا اور یہ چھت پر بال کھولے چاندنی میں مستی کے انداز میں لہرا لہرا کر ٹہل رہی تھی، مجھے اچھی لگی، میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، میں کسی بھی صورت اسے نہیں چھوڑوں گا، تو چلا جا نہیں تو تیرا اکلیان کر دوں گا۔"

اس کی باتیں سن کر میں نے کہا۔ "مورکھ اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو جلدی سے بھاگ جا، میں نہیں چاہتا کہ میں تیرا کریا کرم کر دوں، تو مجھے پنڈت نارائن نہیں سمجھنا، اس میں تیری اچھائی ہے کہ تو اس ناری کی جان چھوڑ دے اور اپنی راہ لے، جہاں جانا چاہتا ہے چلا جا، اس میں تیری بھلائی ہے۔"

میری باتیں سن کر راگنی بپھرے ہوئے انداز میں کھڑی ہوگئی، اس کی آنکھیں جیسے شعلہ اگل رہی تھیں، دانت پیستے ہوئے میری طرف بڑھی، اور پھر اس کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں، اور وہ چنگاریاں میری طرف جیسے ہی بڑھیں تو میں نے اپنا ہاتھ اٹھا کر ان چنگاریوں کی طرف کر دیا تو وہ چنگاریاں پلک جھپکتے ہی واپس اس کی طرف پلٹ پڑیں۔

چنگاریاں واپس جا کر اس کی آنکھوں میں سما گئیں۔ ان چنگاریوں کا آنکھوں میں سمانا تھا کہ غضب ہوگیا۔ راگنی بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ "ارے مجھے معاف کر دے میں جا رہا ہوں، مجھے چھوڑ دے، میں اب کبھی اس طرف سے گزروں گا بھی نہیں، ہائے میں مر گیا، ارے مجھے جانے دے، میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں، میں اب آئندہ اس طرف آؤں گا بھی نہیں، مجھے چھوڑ دے، مجھے جانے دے، میں اس ناری کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا، اوہ! ارے مجھے چھوڑ دے، ارے مجھے جانے دے، میں جانا چاہتا ہوں، مجھ پر دیا کر، میں تیری شکتی کو پرنام کرتا ہوں، تو بلوان شکتی شالی ہے، مجھ پر دیا کر۔"

میں فوراً بولا۔ "تیرا اب سنسار میں رہنا ٹھیک نہیں، تو یہاں سے چلا جائے گا مگر اور لوگوں کو کشٹ دے گا، کیوں کہ اس ناری پر سوار ہو کر تجھے کسی ٹھکانے کا پتہ لگ گیا ہے، تو اب منش سے دور نہیں رہ سکتا، تو آئے دن کسی نہ کسی کو پریشان کرے گا، اور پریشان کرنے والے لوگ زیادہ عرصہ سنسار میں مزے نہیں کرتے، اب تیرا وقت پورا ہوا۔" اور اس کے ساتھ ہی راگنی کی آنکھوں سے ڈھیر سارا دھواں نکل کر ایک طرف جما ہوگیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے آگ کی صورت اختیار کر لی اور سیکنڈ میں سارا دھواں ختم ہوگیا۔

میں نے کہا۔ "اس پاپی آتما کا کھیل ختم ہوگیا، یہ آتما جل کر ختم ہوگئی۔" یہ سننا تھا کہ اس جگہ موجود لوگوں نے میرے چرن چھونا شروع کر دیئے، اور نعرہ لگایا۔

”مہاراج کی جے ہو، مہاراج نے چمتکار کر دیا۔“

میں نے لوگوں سے کہا۔ ”آپ لوگ شانت ہو جائیں، گھبرائیں نہیں، اب میں چلتا ہوں، رانی ٹھیک ہوگئی اور یہ ہمیشہ ٹھیک رہے گی، رانی آئندہ تم خیال رکھنا، شام کے بعد ویسے بھی بال کھول کر چھت پر ٹہلنا، کنواری ناریوں کے لئے ٹھیک نہیں، بھگوان آپ لوگوں پر کرپا کرے، اب میں چلتا ہوں۔“ یہ بول کر میں واپس گنپت کے گھر میں آ گیا۔

اس دن سے پورے شانتی پور میں میرے نام کا ڈنکا بجنے لگا، صبح شام لوگوں کا گنپت کے گھر پر تانتا بندھ گیا، مندر میں پنڈت نارائن کے پاس لوگوں کا جانا بہت کم ہوگیا تھا، لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے پنڈت کے پاس جانا چھوڑ دیا، صرف وہی لوگ مندر جاتے جو کہ دیوی پر پھول اور پرشاد چڑھاتے۔ ادھر پنڈت کا چین سکون برباد ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ مجھے اٹھوا کر آگ میں ڈلوا دیتا، مگر پھر بھی رات کی تاریکی میں مجھ پر کالی شکتیوں اور بیروں کے ذریعے وار کرانے شروع کر دیئے تھے۔

پنڈت کے کالے کرتوتوں کا اظہار لوگوں نے بر ملا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب گاؤں کے ٹھاکر کا مزاج بھی پنڈت کی طرف سے بدلنے لگا تھا، لیکن کوئی کھل کر پنڈت کے سامنے نہیں آتا تھا۔ اب کوئی ایسی رات نہیں گزرتی تھی کہ پنڈت مجھ پر اپنی کالی شکتیوں سے حملہ نہیں کراتا تھا۔ طرح طرح کے حملے مجھ پر ہوتے، اور پھر میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ”یہ پنڈت کہیں گنپت اور گنگا پر کوئی کاری ضرب نہ لگا دے، اور میں گنگا کے بارے میں کافی فکر مند تھا کہ وہ پاپی کسی نہ کسی دن گنگا پر ضرور کوئی حملہ کرے گا۔“ یہ سوچ کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں پنڈت کو نہیں چھوڑوں گا۔

گاؤں میں لوگ اکثر اپنی ضرورتوں کے لئے رات کے وقت کھیت میں جاتے ہیں، اور رفع حاجت سے فارغ ہوتے ہیں۔ ایک رات پنڈت بھی اس ضرورت کے تحت کھیت میں گیا تو، میں نے سوچا کہ یہ موقع اچھا ہے، اب پنڈت کو ختم ہو جانا چاہئے تاکہ یہ لوگوں کو اب کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا بیٹھا، پہاڑ کی طرف دھیان کیا تو چشم زدن میں پتھر کا ایک بڑا وزنی ٹکڑا اڑتا ہوا آیا اور پنڈت پر گر گیا، پتھر اتنا بڑا تھا کہ فوراً پنڈت کا کچومر نکل گیا۔ دن کے اجالے میں لوگوں نے دیکھا پنڈت کی لاش کچلی پڑی تھی پتھر کے نیچے۔ ہر شخص حیران تھا کہ اتنا بڑا پتھر آخر پنڈت پر گرا کیسے جبکہ قریب میں کوئی بھی ایسا پتھر موجود نہیں تھا، خیر لوگ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے۔ ”برے کا برا انجام ہوتا ہے۔“

پنڈت کے بعد ایک اور شخص کو مندر کا پجاری بنا دیا گیا۔ وہ شخص واقعی بہت شریف اور نیک تھا۔ ٹھاکر نے اس کے متعلق مجھ سے بھی مشورہ کیا تو میں نے بھی اس کے لئے حامی بھر دی۔ ویسے تو ٹھاکر اور گاؤں والوں کی مرضی تھی کہ میں مندر کی پوجا پاٹ سنبھال لوں اور مندر کا پجاری بن کر ہمیشہ کے لئے شانتی پور میں رہ جاؤں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، میرا ایک جگہ ٹھہرنا ممکن نہیں تھا اور ویسے بھی میرا مقصد اور تھا، میری منزل دور تھی اور اس منزل کو پانے کے لئے میں شہر شہر سرگرداں تھا۔

گنپت کی کھیتیاں لہلہا رہی تھیں، مال مویشی میں اضافہ ہو رہا تھا، گاؤں والے اپنی خوشی سے جو کچھ بھی دان کرتے وہ سب بھی گنپت ہی کا ہوتا تھا، بہر حال گنگا مجھ سے خوش تھی اور میں گنگا سے خوش تھا، گنگا رات دن میری سیوا کرتی، وہ وقت بھی آیا کہ گنگا کے دو جڑواں بچے ہوئے۔

دوسرے سال ایک لڑکا اور پیدا ہوا، اس طرح اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ گنگا کا پریوار پورا ہو گیا۔ میرے جانے کا بھی وقت پورا ہو گیا تھا۔ گنگا بلکنے لگی گنپت کی آنکھیں نم تھیں اور گاؤں والے روہانسی تھے مگر مجھے آگے جانا تھا، بس میں ایک دن اپنی منزل کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

کا کئی ایک عام عورت ہوگئی تھی اس میں صرف اتنی شکتی رہ گئی تھی کہ اس پر گزرتا وقت اثر نہیں کرتا تھا وہ جوان تھی حسین تھی اس کا سراپا دلوں کو گرماتا تھا آنکھوں میں ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ مگر اس کو حاصل کرنا قطعی ممکن نہیں تھا وہ بڑے بڑوں سے تعلقات رکھتی تھی، رات رات بھر لوگوں کے ساتھ شراب پیتی تھی مگر اس کو نشہ نہیں ہوتا تھا ضرورت سے زیادہ اس کے قریب کوئی نہیں آسکتا تھا کئی سر پھروں نے کوشش کی مگر ان کو کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ وہ صرف میری رکھیل تھی آزاد رہنے والی حسین تتلی ڈال ڈال اور پھول پھول پر منڈلانے والی رنگین پروں کی خوبصورت تتلی کسی انسان سے نہیں مل سکتی تھی، ترسانے اور لبھانے کے ہزاروں گر اس کو آتے تھے مگر میرے ایک اشارے پر وہ ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ بچے جوان ہوگئے جوان بڑھاپے کی طرف قدم بڑھا چکے اور بوڑھے ایک ایک کر کے چلے گئے۔ بیس سال گزر گئے وہ جیسی تھی ویسی ہی رہی اس نے ہر پانچ سال کے بعد اپنا ٹھکانا بدلا مگر بمبئی شہر سے باہر نہ جاسکی۔

میرا کاروبار پھیلتا گیا ملازمین بڑھتے گئے میں پورے ہندوستان میں گردش کرتا رہا، میں نے وہ کیا جو میرے سبق میں نہیں تھا، دولت اور عزت کے ساتھ میں نے ہر حسین چیز کو حاصل کرلیا۔

مگر میری سب سے بڑی آرزو پھر بھی پوری نہ ہوئی مجھے اندازہ تھا کہ میری ماں مر چکی ہوگی مگر مجھے اس کا پتہ نشان کچھ نہ ملا میری دنیا سے نرالی شکتی میرے معاملے میں یہاں پر کام نہ آئی میں نے اپنی ماں کو کہاں کہاں تلاش نہیں کیا، کس کس کا دروازہ نہیں بجایا۔ مگر ناکامی میرا مقدر بن گئی۔

بڑودہ گجرات کا ایک چھوٹا سا شہر ہے گجراتی زبان بولی جاتی ہے آبادی ہندوؤں کی زیادہ ہے میں بمبئی جاتے جاتے یہاں پر رک گیا تھا، میرا یہاں پر رکنے کا ارادہ نہیں تھا اور بے ارادہ ہی میں اس کے ایک بازار میں چلا جا رہا تھا۔ میرا لباس نہایت سادہ کرتا اور دھوتی تھا پاؤں میں کولہاپوری چپل تھی اور جیب میں دو تین سو روپے تھے۔ کہ اچانک ایک بھیڑ کا ریلہ سا آیا دو تین آدمی مجھ سے ٹکرائے اور ایک طرف دوڑتے چلے گئے جو آخر میں ٹکرایا تھا وہ بولا۔ ”باجو ہو کر چلونی کیسا اونٹ کا مافک بیچ میں چلتا ہے۔“

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ جوان اور جان دار آدمی تھا۔

اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ کئی دفعہ زور کا جھٹکا دیا پھر بولا۔

”ارے تم آدمی ہے کہ جن چھوڑو میں جاتا ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”چھوڑوں گا تو جائے گا نا۔“

”تو چھوڑ میرے کو جانے کا ہے۔“ وہ بے چینی سے بولا۔

”اپنا حصہ لینے جانا ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم کیا بولتا ہے میرے کو سمجھ نہیں آتا چھوڑ میرے کو۔“ اس نے پھر زور کا جھٹکا ہاتھ کو دیا۔

”تیری سمجھ اس وقت آئے گی جب تیرا بازو توڑ کر تیرے کاندھے پر رکھ دوں گا۔“ میں نے کہا۔

”ارے پن کیوں توڑیں گا۔“ وہ میرے سے بولا۔

”تیرے حصے میں زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ روپے آئیں گے تو ان کو دو روز میں خرچ کرے گا اور پھر کنگلا ہو جائے گا۔ ارے بے وقوف ایسا کام کر جو تجھے ہمیشہ فائدہ دے۔“ میں نے کہا۔

”تیرے کو سب پتہ ہے۔“ وہ حیرت سے بولا۔

”ہاں سب پتہ ہے تیری حالت بتا رہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”میرا ہاتھ چھوڑ دے تیری پکڑ بہت خطرناک ہے میری کلائی درد کرتی ہے میں بھاگوں گا نہیں۔“ وہ بولا۔

”بھاگ کر بھی دیکھ لے۔“ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

میرے ہاتھ چھوڑتے ہی وہ ایک طرف کو بہت تیزی سے دوڑ گیا اور پھر پتلی پتلی گلیوں میں غائب ہو گیا۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے اس کے قریب کا تصور کیا اور میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھی اس کے قریب تھے وہ مجھے دیکھ کر حیران ہو گیا اور بولا۔

"ارے تو آدمی ہے کہ بھوت؟"

اس کے ساتھی نے کہا۔ "کون رے تو تیرے کو کیا مانگتا ہے۔" میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اور میں بولا۔ "تو نے بھاگ کر دیکھ لیا تو پھر بھاگ میں پھر تیرے پاس ہوں گا۔" اور وہ واقعی بھاگ گیا۔ اس نے ایسا راستہ پکڑا جس پر نیا آدمی جا ہی نہیں سکتا یہ راستہ پتلی پتلی گلیوں اور لوگوں کے گھروں کے اندر سے تھا وہ گزر گیا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔ میں نے پھر تصور کیا اور اس کے دروازے پر تھا۔

دروازہ اس نے ہی کھولا اور مجھے دیکھ کر حیرت کے مارے زمین پر بیٹھ گیا۔ "میں ہار گیا میرے باپ میں ہار گیا میرے کو آج تک کوئی مائی کا لال پکڑ نہیں سکا میرے کو سب ریل بولتے ہیں پن آج ہار گیا۔"

"تیرے کو پتہ ہے دنیا میں سیر کو سوا سیر ملتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم ٹھیک بولا۔" اس نے کہا۔

"تیرا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام جلو ہے۔" وہ بولا۔

"اور کرتا کیا ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"پھندے بازی اور کیا کریں گا۔" وہ بولا۔

"تیرے کو معلوم ہے، پھندا دوسروں کے لیے لگانے والا اکثر خود بھی پھندے میں پھنس جاتا ہے۔"

"ارے میرے باپ، میں پھنس تو گیا ہوں۔" وہ بولا۔

"تیری شادی ہو گئی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ارے کدھر کون میرے پھندے باز کو اپنی چھوکری دیں گا اپن نے تو بائیڑی کا خیال ہی نکال دیا ہے۔ بس ایسا ہی زندگی گزرے گا۔" وہ بولا

"تو مسلمان ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ارے خالی نام کا ہے باقی اپنے پاس اور کیا ہے۔" وہ بولا۔

"میرے کو ایک عورت کا تلاش ہے بول میری مدد کرے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ادھر بڑودہ میں ہے تو ٹھیک ہے تیری مدد کریں گا۔" جلو نے کہا۔

"وہ عورت میری ماں ہے اب اگر زندہ ہوگی تو بہت بوڑھی ہوگی، وہ زندہ ہو، اس کی امید تو نہیں ہے اگر مرگئی ہے تو اس کی قبر ہی مل جائے۔" میں نے کہا۔

"تو ایسا کرتے ہیں قبرستان چلتے ہیں اگر مرگئی ہوگی تو اس کی قبر وہاں ہوگی اور شاید قبر پر کچھ لکھا ہو۔" وہ بولا۔

"مجھے اس کی امید نہیں ہے مگر جانے میں کیا حرج ہے آ چل میرے ساتھ۔" میں نے کہا۔

قبرستان زیادہ بڑا نہیں تھا کچی پکی قبریں بنی تھیں ہم دونوں ہر قبر پر گئے کچی قبروں پر تختی نہیں تھی اور کسی بھی قبر پر میری ماں کا نام نہیں تھا۔

دو تین گھنٹے پھرنے کے بعد میں قبرستان سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر وہ بولا۔ "اب کیا کرنے کا ہے۔"

"اب کچھ نہیں کرنے کا۔" میں نے کہا۔ "جا تو موج کر میں بمبئی جاتا ہوں۔"

"ارے سیٹھ تم بمبئی کا ہے۔" جلو بولا۔

"ہاں میں ادھر کا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میرے ادھر کچھ کام ملیں گا کیا۔" وہ بولا۔

"ادھر بھی پھندا کرے گا ادھر بہت بڑا پھندے باز ہے تو کیا کرے گا۔" میں نے کہا۔

"اپن تمہارا چاکری کرے گا پھندے بازی خلاص آپ کا کام کریں گا۔" وہ بولا۔

میں نے اپنا کارڈ اس کے حوالے کر دیا اور کہا۔

''تیرا میرا ساتھ نہیں ہو سکتا تو خود چل کر ادھر آ جا، ادھر کمال الدین ہوتا ہے اس کو یہ کارڈ دینا وہ تیرے کو کام دے دیگا۔''

میں آگے بڑھ گیا اور پھر بمبئی میرے لئے دور نہیں تھا۔

کمال الدین نے بتایا کہ ''چاندنی (کاکنی) نے کئی دفعہ فون کیا ہے کچھ ضروری کام اس کو ہے۔''

''میں نے کہا۔'' اس کو بتا دو میں آ گیا ہوں ضرورت ہے تو آ کر دفتر میں ملاقات کر لے۔''

چاندنی دوسرے دن صبح ہی صبح آ گئی میں بعد میں آیا۔

''تیرے کو کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے پوچھا۔

''میری بہن بمبئی آ گئی ہے وہ تیری تلاش میں ہے میں نہیں چاہتی کہ تیری اس سے مڈبھیڑ ہو، اس کا نام جاگنی ہے، یہ نام اس کا اس لئے ہے کہ وہ کبھی سوتی نہیں وہ بڑی ہوشیار اور طاقتور بیر ہے۔ اس کو قابو کرنے کو بھی چالیس رات مرگھٹ میں بیٹھ کر منتر پڑھنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی اس کو حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جو اس کو حاصل کرتا ہے وہ بہت طاقت کا مالک ہو جاتا ہے وہ خود سے کسی کے پاس نہیں جاتی میری طرح اس کی عمر کا اندازہ کسی کو نہیں ہے۔''

''بس کر۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں تجھے ہوشیار کر رہی ہوں تیری مدد کر رہی ہوں اور تو غصہ کر رہا ہے۔'' چاندنی بولی۔

''میری مدد مت کر اپنی بہن کی مدد کر۔'' میں نے کہا۔

''میں یہی تو نہیں کر سکتی اب تو سو سال کے لئے میرا پتی ہو گیا ہے۔ یہی ہمارا قانون ہے تو نے میری شکتی چھین لی سو سال کے لئے اپنے نام پر کر لیا جاگنی کو یہ بہت برا لگا ہے وہ تجھ سے انتقام لینے آئی ہے وہ بہت ضدی ہے تجھے ہوشیاری کی ضرورت ہے۔''

''اچھا تو اب جا میں جانوں اور وہ جانے۔'' میں نے کہا۔

کاکنی نے گردن جھکائی اور خاموشی سے چلی گئی۔

کاکنی کے بعد جاگنی آ گئی۔ ''اس کے بعد ایک اور آئے گی۔'' میں نے سوچا۔

دو روز گزر گئے کچھ نہ ہوا تیسرے دن ایک عورت اور مرد دفتر آئے، مرد نے کہا۔ ''میں رام دیال ورما ہوں یہ میری دھرم پتنی راگنی ہے۔'' میں نے راگنی کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''تم نے غلط نام بتایا ہے اس کا نام راگنی نہیں ہے اس کا نام جاگنی ہے اور یہ کاکنی کی بہن ہے۔'' یہ سن کر رام دیال کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''مجھے معاف کر دو اس نے مجھے یہی نام بتایا تھا اور یہاں تک آنے کا طریقہ نکالا تھا۔''

''میں نے کہا۔'' اس کی ضرورت کیا تھی تم سیدھی میرے پاس آ سکتی تھیں۔''

''تیری شکتی کو بھی دیکھنا تھا۔'' وہ بولی۔

اس کے جسم پر گلابی رنگ کی ساڑی تھی اور بہت ہی مختصر بلاؤز تھا آنکھیں بڑی بڑی اور چمکدار تھیں اس کے پورے جسمانی ہتھیار تیز تھے کسی بھی مرد کو لبھانے کے سارے ساز و سامان اس کے پاس تھے۔ میں نے رام دیال سے کہا۔ ''تیرا پارٹ ختم ہوا اب تو جا......'' وہ فوراً چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ بولی۔ ''تو نے میری بہن پر بڑا ظلم کیا ہے۔''

''اور وہ جو ظلم آدمیوں پر کر رہی تھی تو نے اس کا کچھ خیال کیا ہے۔''

''وہ میں کروں گی مجھے کون روکے گا اور سن تو کسی پھیر میں نہ رہنا میں کاکنی نہیں ہوں میں تجھے پاتال تک میں نہیں چھوڑوں گی۔''

میں زور سے ہنس پڑا ''کیسی باتیں کرتی ہے، نہ تا پا نہ تولا اور منہ میں جو آیا بک دیا شکتی والے اتنی کچی بات نہیں کرتے، جا تیاری کر، میرے بارے میں غور کر پھر

لڑائی میں مزا آئے گا میں دھوکے سے کسی پر وار نہیں کرتا۔"

"تجھے زیادہ ہی اپنی شکتی پر بھروسا ہے خیر میں جاتی ہوں پھر آؤں گی۔" اور وہ ہوا میں تحلیل ہوگئی۔

رات کا شاید آخری پہر تھا۔ میں سو رہا تھا کمرے میں کھڑکی کے پاس موتیا کا گملا رکھا تھا، اس نے مجھے جگادیا، میں نے پوچھا۔"کیا ہوا؟" تو وہ بولا۔"دشمن سر پر ہے۔"

میرا دشمن تو اس وقت جاگنی ہی تھی۔ میں نے فوراً ایک چیونٹی کی شکل اختیار کی اور بستر سے نیچے اتر گیا، بستر کے سامنے ایک بہت خوف ناک شکل کی عورت کھڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ لحہ بھر پہلے میں بستر پر تھا اب کہاں گیا؟

وہ کمرے سے باہر آگئی میں بھی اس کے ساتھ باہر آگیا۔ باہر کاگنی کھڑی تھی اس نے پوچھا"کام ہوا؟"

جاگنی بولی۔"نہیں پتہ نہیں کہاں چلا گیا؟"

"پتہ تو کر۔" کاگنی نے کہا۔

جاگنی نے کہا۔"نہیں پتہ چل رہا۔ لگتا ہے معاملہ اتنا آسان نہیں ہے تو جا میں دیکھتی ہوں اب بار بار تو آؤں گی نہیں آج کچھ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"میری بات غور سے سن اگر تیرے بس کا نہیں تو ہاتھ مت ڈال ایسا نہ ہو کہ تو بھی پھنس جائے میری طرح وہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے مجھے بھی اندازہ نہیں تھا بڑا سیدھا نظر آتا ہے مگر اس کے اندر کیا کیا ہے کسی کو نظر نہیں آتا، تو بھی پھنس نہ جائے اس لئے کہتی ہوں۔" کاگنی نے سمجھایا۔

"تیری بات میں نے سن لی اب تو جا۔" کاگنی چلی گئی۔

جاگنی نے کمرے کا پھر رخ کیا اور بولی۔"ڈر کے مارے چھپ گیا ہے مگر کب تک چھپے گا، میں تیرے سر پر موجود ہوں۔" اور وہ پھر باغ میں آگئی، میں اس کے ساتھ تھا وہ برگد کے درخت کے نیچے کھڑی تھی میں نے برگد کو اشارہ کیا برگد کی داڑھیاں بڑھنا شروع ہوئیں اور ایک داڑھ نے اس کے پیر باندھ دیئے اس نے ان کو چھڑانے کوشش کی تو جسم بھی قید ہوگیا۔

میں اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے غصے سے دانت بجائے اس کا چہرہ اور بھیانک ہوگیا جسم کی پوری طاقت اس نے خود کو آزاد کرانے میں لگائی مگر ناکام ہوئی پھر اس نے ماورائی شکتی کو آواز دی اور ایک بہت بڑا بیل نما آدمی جس کے سر پر دو موٹے موٹے سینگ تھے اس کا قد درخت جتنا لمبا تھا۔ برگد کے تنے کو پکڑ کر ہلانے لگا مگر ایک چمگادڑ اڑتی آئی اور اس کی آنکھ پر بیٹھ گئی پھر دوسری آئی وہ دوسری آنکھ پر آگئی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اس نے تنا چھوڑ کر ان کو پکڑنے کی کوشش کی مگر ہزاروں ننھی ننھی چمگادڑیں اس کے جسم پر لپٹ گئیں اس کی آنکھیں اور کان ناک سب بند ہوگئے۔ وہ بے چین ہوکر ایک طرف بھاگا اور غائب ہوگیا۔ درخت اپنی جگہ پر جاگنی کو پکڑے کھڑا تھا۔

"تیرا اتنا بڑا دوست! کتنی معمولی چمگادڑوں نے بھگا دیا۔ اور تو خود کو بڑی شکتی مان سمجھتی ہے تجھے ایک درخت نے پکڑ لیا ہے ابھی اس نے صرف پکڑا ہے کچھ دیر کے بعد یہ دبانا شروع کرے گا اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ تیرا وجود اس دنیا سے ختم ہوجائے گا۔"

"مجھ سے غلطی ہوگئی معاف کردے، میں نے ٹھیک اندازہ نہیں لگایا، میں تیری وفادار رہوں گی۔"

"تم تینوں جھوٹ اور فریب کی پیداوار ہو تم وفادار تو ہو ہی نہیں سکتیں تیری بہن کاگنی وہ آج تک میری وفادار نہیں ہے جبکہ میں نے اس کے ساتھ بڑی رعایت کردی ہے وہ آج بھی میری دشمن ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ تیرے ساتھ نہ ہوتی ایک طرف وہ مجھے یقین دلاتی ہے کہ وفادار ہے دوسری طرف تیری مدد کرتی ہے تو اس سے کم نہیں ہے زیادہ ہے، میں جانتا ہوں سورج کی کرن کا انتظار کر۔"

وہ ہائے ہائے کرکے مجھے روکتی رہی اور میں اندر آگیا۔ سورج نکلنے میں تھوڑا سا وقت تھا میں اندر آکر

باورچی خانے میں گیا ایک کپ چائے بنائی اور پی کر باہر کی طرف چلا سورج کی کرنیں باغ میں پھیلی ہوئی تھیں برگد کے درخت کی داڑھیوں میں بدبو آ رہی تھی ہزاروں سال پرانا گوشت تو بدبو ہی دے گا۔ میں نے مالی کو کہا تراش دے اور ان کو جلا دے برگد سے کہا۔ ''معاف کرنا دوست یہ بہت پرانی بیماری ہے اگر ایسا نہ کروں تو تم بیمار ہو جاؤ گے۔'' اور میں اندر آ گیا۔ اور پھر تیار ہو کر دفتر چلا گیا دوپہر کو میں کاگنی کے پاس تھا۔ میں نے جاتے ہی کہا۔ ''تو نے دوغلا پن نہیں چھوڑا۔''

اس کا بناوٹی حسین چہرہ پیلا پڑ گیا بڑی دیر میں اس کی آواز نکلی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تو جاگنی کے ساتھ تھی اس کو راستے بتا رہی تھی مگر اس ماورائی دنیا کی پراسرار شکتی تیری بہن کا وجود اس دھرتی سے ختم ہو گیا ہے تجھے بھی ختم کروں گا مگر ابھی نہیں ابھی ایک اور باقی ہے وہ ضرور آئے گی تو اس کی بھی مدد کرنا اس کو بھی میرے بارے میں بتانا اور پھر اس کا بھی حشر دیکھنا۔''

''تو مجھے کیوں پال رہا ہے مجھے بھی ختم کر دے میرے چاروں طرف پہرے ہیں میں ایسی زندگی کا کیا کروں۔'' وہ بولی۔

''عیش کر نئے نئے شکار پکڑ ان کے ساتھ راتیں گزار اب تو تجھے یہی کرنا ہے، ترسانے لبھانے کا زمانہ تو گزر گیا تو ایک عام عورت ہے وہی کھاتی ہے وہی پیتی ہے جو انسان کھاتے ہیں تجھ میں اب کچھ نہیں ہے تیرے اندر جو تھوڑا بہت تھا وہ بھی اب نہیں رہا۔''

''تو نے جاگنی کو ختم کر دیا؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''وہ اپنے غرور کی نذر ہو گئی تیری باری ابھی نہیں ہے تیرے پاس وقت ہے، انسانوں میں رہنے کے ڈھنگ تجھے پتہ ہیں، اوپر اڑنے کی کوشش نہ کرنا، تجھے پتہ ہے کہ تیرے اوپر کون ہے؟''

ایک سال گزر گیا۔ کاگنی کے بعد جاگنی اور مجھے سہاگنی کا انتظار تھا۔ جو کہ ان سب سے بڑی تھی اور سب سے زیادہ چالاک اور تجربہ کار تھی وہ کب سے تھی اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ اس کی شکتی کتنی تھی اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ میں پوری طرح تیار تھا ہر نئی عورت پر مجھے اس کا شبہ ہوتا تھا میں رات کو اپنے کمرے میں نہیں سوتا تھا میں کسی سانپ کے بل میں یا بھڑوں کے چھتے میں آرام کرتا تھا میرے ہزاروں روپ تھے میرا کہنا سب مانتے تھے میں ان میں ہوتا تھا تو وہ خوش ہوتے تھے میری حفاظت کرتے تھے ہر طرف کی خبر گیری کرتے تھے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا جادوگر اور ماورائی دنیا کی بڑی سے بڑی شکتی میرے بارے میں نہیں جان سکتی تھی کہ میں کہاں پر ہوں؟ یہی میری شکتی تھی وہ اچانک میرے سامنے آ گئی تھی۔ اس کا روپ بڑا حسین تھا چہرہ معصوم تھا اور جسم بڑا ملائم اور جسمانی اعضاء مناسب اور جاذب نظر تھے اس نے مجھے دعوت نظارہ دی چند منٹ وہ خاموش رہی پھر بڑی پیاری آواز میں بولی۔ ''آپ کے دیدار کو تو بڑا انتظار کرنا پڑتا ہے۔''

''آپ کو انتظار کیوں کرنا پڑا۔'' میں نے ہوشیار ہو کر سوال کیا۔

''میں بیکانیر سے آئی ہوں اور کچھ کاروبار کرنا چاہتی ہوں، سنا ہے آپ بگڑی فیکٹریوں کو بنانے کے ماہر ہیں میری بھی مدد کر دیں، میں بھی ایک فیکٹری لگانا چاہتی ہوں۔'' وہ مسکراتے مسکراتے بولی۔

''اس کے علاوہ بھی تو آپ نے میرے بارے میں معلومات کی ہوں گی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہی کہ آپ بڑے رنگین مزاج ہیں۔'' وہ بولی۔

''آپ جیسی حسین عورت کو پھر بھی مجھ سے ڈر نہیں لگا۔'' میں نے کہا۔

''زندگی کیا ہے عیش کرنے کو ہے اس کی رنگ برنگی ہواؤں میں اور کیا ہے پھر ڈرنا کیا۔'' وہ بولی۔

''مگر میں پرانی چیزوں کو پسند نہیں کرتا میں تازہ کھانا کھاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے میری طرف دیکھا نہیں غور سے ......'' وہ بولی۔
''ضرورت نہیں ہے میری ناک پرانے گوشت کی بودور سے پہچان لیتی ہے۔'' میں نے کہا۔
''آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں، میں آپ کو خوش کرنے آئی تھی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''میں نے کہا نا کہ میں کسی اور ٹائپ کا آدمی ہوں۔'' میں نے کہا۔
''خیر آپ میری مدد نہ کریں۔ میں پھر آؤں گی۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔
''اب کے آنے سے پہلے غور کر لینا اور ہاں اپنی بہن کا کنی سے ضرور ملاقات کرنا، وہ میرے بارے میں تیری معلومات میں بہت کچھ اضافہ کرے گی۔''
وہ چلی گئی میں اس کے آتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ سہاگنی تھی اس کے پاس دونوں بہنوں سے زیادہ تجربہ اور شکتی تھی، عیاری ,ومکاری میں بھی ان سے آگے تھی۔
پندرہ دن گزر گئے سہاگنی کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ پندرہ دن کے بعد ایک آدمی میرے پاس آیا۔ وہ بمبئی کا نہیں تھا پونا سے آیا تھا اور اس کا تعلق کسی بہت بڑے گروہ سے تھا اس نے آتے ہی کہا۔
''ہم پونا سے تیری کھوج میں آیا ہے تیرے کو پتہ ہے۔''
''تو نے بتایا ہے تو پتہ چلا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔
''میرا کام یہ ہے کہ میں آدمی کو قتل کرتا ہوں اس سے زمین خالی کراتا ہوں۔'' وہ بولا۔
''میں بھی یہی کرتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔
''یہ دیکھ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔'' اس نے ایک بھاری پسٹل دکھا کر کہا۔
''یہ کھلونے رکھ لے یہ تیرے کام نہیں آئے گا یہ بتا میرے کو مارنے کیوں آیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''میرا کام مارنا ہے اس کا میں پیسہ لیتا ہوں، میرے کو کیا پتہ کیوں مار رہا ہوں؟'' وہ رعب سے بولا۔
''تو غلطی کر رہا ہے جیسے آیا ہے چلا جا تیرے کو جس بھلا جوی نے بھیجا ہے اس کو بول یہ کام تو نہیں کرے گا۔''
''ارے پن کیوں نہیں کرے گا ہمارا تو کام ہے۔''
''تو پھر میں موجود ہوں مار دے۔'' میں نے کہا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں ایک لال بیگ بن کر کرسی سے اتر کر اس کے قدموں کے پاس آ گیا۔
اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اور بولا ۔''کدھر گیا کمال ہے کدھر گیا؟'' پھر اس نے کمرے کا کونا کونا دیکھ ڈالا دروازہ بند تھا بند ہی رہا وہ تنگ ہو کر باہر آ گیا، میں بھی اس کے ساتھ اور پھر درخت پر بھڑوں کی پیلی ڈار اس کی طرف آئی اور اس کے منہ پر لپٹ گئی ان کے زہریلے ڈنک اس کی کھال میں اترنے لگے اور وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگا، اس کی حالت بڑی غیر ہوگئی تھی، وہ بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔
بھڑیں پھر درخت پر اپنے چھتے پر چلی گئیں اور اس کو اسپتال پہنچایا گیا، بھڑوں کے ہزاروں ڈنک اس کی کھال میں لگے تھے اور اس کی حالت بہت خراب تھی بروقت علاج نے اس کی جان بچالی اور وہ ہوش میں آ گیا۔ میں اسپتال اس کے پاس گیا تو وہ بولا۔
''تو کون ہے گرو؟ میرے کو معاف کر دے بہت بڑا مسٹیک ہو گیا مجھ سے۔''
''ہرے نیلے نوٹ تیری جیب میں آئے اور تو نکل پڑا مارنے کو۔ تو کتنا بڑا گدھا ہے۔'' میں نے کہا۔
''بولا نا بہت غلطی ہو گیا'' وہ شرمندگی سے بولا۔
''اس غلطی کی سزا میں تو مر بھی سکتا تھا مگر میں نے تجھے موقع دیا ہے۔ اب بتا وہ کون تھی؟'' میں نے کہا۔
''میرے کو پتہ نہیں ہے استاد کو ملی تھی استاد نے میرے کو کام سونپا تھا۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا استاد بتاتا تھا بہت حسین عورت تھی سوکا نیر سے آئی تھی۔'' وہ بولا۔
''اب تو تا کام جائے گا تو تیرا استاد کیا بولے گا۔'' میں نے کہا۔

"میرے لئے اب ہر طرف موت ہے ناکامی تو استاد کو ذرا پسند نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"پھر تو کہاں جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"گرو تیرے چرنوں میں پڑے رہنے کا ہے اب تو۔" وہ بولا۔

"اگر تو آدمی کی طرح رہے گا تو تیرے واسطے کام دوں گا، یاد رکھنا بھڑیں ہر جگہ ہیں اور تیرے کو وہ جانتی بھی ہیں ذرا آڑا ٹیڑھا چلا کہ بس تیرا کام ہوا۔" میں نے کہا۔

"نہیں گرو تو جیسا بولے گا وہی کرے گا۔" وہ بولا۔

اور میں نے اس کو ایک فیکٹری میں پہنچا دیا۔

جہاں پر صرف میرا قانون چلتا تھا۔

سہاگنی ہوشیار تھی خود سامنے نہیں آرہی تھی قربانی کے بکرے بھیج رہی تھی مگر میں نے ایک کو بھی نہیں کاٹا میں جانتا تھا یہ سب ضرورت مند ہیں۔

اس کا ٹھکانا کھنڈیلا تھا اس کی پہاڑیاں اس کا مسکن تھیں، وہ میری آئیڈیل جگہ تھی میں خود کھنڈیلا چلا گیا۔

بمبئی عیاش دولت مندوں کا گڑھ تھا۔ یہاں حسن کے سودے عام تھے دولت کی ریل پیل تھی حسن و جوانی کے جلوے تھے میں بھی ایک عیاش مرد کے روپ میں یہاں پر نمودار ہوا تھا میرے حلئے میں ذرا تبدیلی تھی اور شکل بھی بمبئی والی نہیں تھی سر پر سنہری ٹوپی اور اچکن تھی دور سے میں کوئی بگڑا نواب نظر آتا تھا۔ میری چال میں لڑکھڑاہٹ مجھے نشے میں ظاہر کرتی تھی بہت سے بیرا گیر میرے اطراف نظر آتے تھے میں نے ایک ہوٹل میں کمرہ لے لیا مگر میرا سارا دن پہاڑوں پر چڑھتے اترتے گزرتا تھا۔

اس کا حلیہ بھی میرے جیسا تھا بولا۔ "تم کدھر سے آیا صاحب جی؟"

میں نے کہا۔ "گھر سے آیا ہوں تیرے کو میری کیا فکر ہے؟" میں نے کہا۔

"ارے آپ غصہ مت کرو میں تو خدمت کرنے کا ہے آپ حکم کرو جیسا بولو ایسا ایک دم فسٹ کلاس چیز حاضر کردوں اپن کا دھندہ ہی یہ ہے۔"

"اچھا تو پھر رات کو ایک دو کو لے کر آجا۔" میں نے کہا۔

اس نے میرا پتہ لیا اور چلا گیا اس کے ساتھ میں کبوتر بن کر چلا، وہ آبادی سے ہٹ کر ایک پرانے مکان میں چلا گیا، میں نے روپ بدلہ اور چوہا بن کر اس کے ساتھ رہا۔

وہ ایک بہت قدیم دروازے پر کھڑا تھا پھر دروازہ کھلا اور وہ اندر چلا گیا، میں بھی اس کے ساتھ تھا اندر سہاگنی موجود تھی اس نے پوچھا۔

"کیا خبر ہے جوالے؟" جوالے نے ترنت جواب دیا۔

"کانٹے پر مچھلی نے منہ مار دیا ہے مالکن۔"

سہاگنی نے پوچھا۔ "کب کا وقت دیا ہے اس نے؟"

"آج رات ہوٹل میں بلایا ہے۔ اب میرا کام ختم ہوا میرے کو چھٹی دو۔"

"تو نہیں جانتا میرے ساتھ کام کرنے والوں کو چھٹی کبھی نہیں ملتی تجھے ادھر ہی رہنا ہے جانے کا بولے گا تو کتے کی موت مارا جائے گا سن لیا تو نے۔" سہاگنی بولی۔

"میں نے تو آپ کی خدمت کی ہے کچھ لیا بھی نہیں پھر میرے کو ایسا آپ نے بولا۔" جوالے نے پوچھا۔

"زیادہ بات مت کر میرا یہ قانون ہے۔" وہ بولی۔

جوالے نے کوئی جواب نہیں دیا گردن جھکا کر باہر چلا گیا۔ میں بھی باہر آ گیا اور چاروں طرف نظریں دوڑائیں یہ بہت قدیم زمانے کا مکان تھا شاید غیر آباد بھی رہا تھا کسی انسان کے آباد ہونے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ تھے اور ہزاروں ٹن پتھر ان کے دامن میں بکھرا پڑا تھا، میں نے بڑے پہاڑ سے رابطہ کیا اور کہا۔ "میری بات سن

رہے ہو۔"

وہ اپنی گرج دار آواز کے ساتھ بولا۔"آج میری خواہش پوری ہوئی ہزاروں سال سے یہ خواہش تھی کہ کوئی انسان بات کرے میں خوش ہوں مجھے تیرے بارے میں پتہ تھا مگر میں اپنی جگہ کا پابند ہوں خود سے تجھے مخاطب کرنے کی جرأت مجھ میں نہیں تھی حکم کر میرے سردار۔"

"یہ تیرے قریب مکان ہے اس کو اس طرح ڈھانپ لے کہ اندر کسی کو پتہ نہ چلے۔" میں نے حکم دیا اور پھر پتھر اڑ اڑ کر آنے لگے مگر اس طرح گرے کہ ذرا آواز نہ ہوئی ایک منٹ میں وہ مکان ایک بہت بڑا ٹیلا بن گیا اس پر ہزاروں ٹن پتھر لد گئے شاید اس کے وزن سے وہ مکان گر ہی گیا ہوگا پھر میں نے کہا۔"اس کے اندر جو ہے وہ باہر نہ آنے پائے یہ تیری ڈیوٹی ہے۔" میں روانہ ہوا اور ہوٹل چلا آیا۔

دوسرے دن میں انتظار کرتا رہا مگر نہ جوالے آیا نہ سہاگنی آئی۔ میں واپس بمبئی روانہ ہوا اور سیدھا کاکی کے پاس چلا گیا اور بولا۔"تیری بہن سہاگنی زندہ دفن ہوگئی پہاڑ تلے۔"

وہ چونک کر بولی۔

"تو نے اس کی طاقت کا اندازہ غلط لگایا ہے وہ پھر نکل آئے گی۔"

"میں پھر دفن کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"تو اس وقت کب ہوگا تیری عمر اتنی کب ہے وہ تو ہزاروں سال سے ہے۔" وہ بولی۔

"میں نہ ہوا تو کیا ہوا میرے جیسا اور کوئی ہوگا۔" میں نے کہا۔

کاکی نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے کہا۔"تو بھی اب جانے کی بات کر، تیرا ٹھکانا یہ نہیں ہے۔"

"تو نے میری دو بہنوں کو ٹھکانے لگا دیا تیری شکتی نرالی ہے میں مانتی ہوں۔ مگر اے آدمی میں کاکی ہوں آکاش کے اس پار کی، تیرا برا وقت بھی آنے کو ہے اپنے اس وقت کو یاد رکھ میں اپنا اچھا برا وقت اس دنیا میں گزار دوں گی، تو غور سے سن لے۔ میں نے اس دنیا میں غلطی کی ہے تو نے میری عزت کو اس دنیا میں پامال کیا ہے، میں اس دنیا کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتی ہماری دنیا کی ریت ہے کہ جو سزا جہاں پر لاگو ہوتی ہے وہیں پر کاٹنی ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں تو سو سال کے بعد کیا کرے گی۔ اس لئے تیرا انسانوں میں رہنا، ٹھیک نہیں سمجھتا۔ تجھے ہر حالت میں جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری دنیا کے دروازے میرے لئے بند ہیں۔ تو نے میرے پر کاٹ دیئے، اب کہتا ہے میں جاؤں، بتا کہاں پر میرا ٹھکانا ہے؟" وہ بولی۔

"تو اپنے کسی وعدے پر قائم نہیں رہے گی میں جانتا ہوں اس لئے میں کہتا ہوں تجھے جانا ہوگا، انسانوں کی دنیا میں تیرا کام نہیں ہے تو انسانوں کو صرف نقصان پہنچائے گی۔" میں نے کہا۔

"زیادہ پارسائی کی باتیں مت کر تو نے خود کب انسانوں کو فائدہ دیا ہے۔ ہر کسی کی محنت کی کمائی پر اپنا قبضہ جما کر بیٹھا ہے ہر کسی کی عورت پر قبضہ کر لیتا ہے تو نے خود کو دیکھا ہے۔" وہ بولی۔

"تیری ہر بات اگر میں مان لوں تو بھی تیری گنجائش اس دنیا میں نہیں نکلتی کیونکہ تیرا مشن اس دنیا کے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے اب زیادہ بکواس نہ کر کل تک تو اگر خود سے نہیں گئی تو میں روانہ کر دوں گا صرف شہر نہیں بدلنا ہے تجھے دنیا کو چھوڑنا ہے تیرے پاس ابھی وہ طاقت ہے کہ تو واپس جا سکے۔"

میں واپس روانہ ہوا اس کی باتیں بڑی تلخ تھیں، میں نے دو فیکٹریاں حاصل کر لی تھیں۔ میرے نام پر چل رہی تھیں اس کا روپیہ میرے نام پر جمع ہو رہا تھا۔ میری کیا چیز تھی، دولت دوسروں کی، عورتیں دوسروں کی، صرف عیاشی میری تھی۔ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ اب تک اپنی ماں کی قبر تک تلاش نہ کر سکا۔ کس کام کی میری شکتی ہے

میں نے زندگی میں کیا حاصل کیا۔

کاکی کی باتیں میرے اندر تک چلی گئی تھیں۔

دوسرے ہی دن مل کے پرانے مالک گپتا جی آئے بڑے ڈرے ڈرے سے میں نے کہا۔

"گپتا جی میں جا رہا ہوں آپ کی فیکٹری میں نے لی تھی اس وقت ضرورت تھی اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ آج سے آپ ہی اس کے مالک ہو، میں کاغذ لکھ کر دے دیتا ہوں۔"

گپتا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا بولا ......"بات سمجھ نہیں آ رہی۔"

"بات صرف اتنی ہے کہ یہ فیکٹری آپ کی تھی پھر آپ کو دے رہا ہوں اس کے بدلے کچھ نہیں مانگتا کیونکہ آپ نے بھی کچھ نہیں لیا تھا۔ آپ نے ڈر کے یہ فیکٹری مجھے دی تھی میں بھی اسی طرح واپس کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"دوسری فیکٹری بھی آپ چلائیں مگر اس کے منافع پرانے مالکان کو ضرور ادا کریں، میں دونوں کا مالک آپ کو بناتا ہوں، آپ ایمانداری سے یہ کام کریں، میں واپس نہیں آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"آپ نے کس طرح یہ فیکٹری مجھ سے لی تھی وہ ایک بھیانک خواب تھا اور اس سے زیادہ بھیانک یہ ہے کہ آپ واپس کر رہے ہیں، مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا ہے۔" گپتا بولا۔

"انسان کی زندگی کیا ہے گپتا، تم نے اس پر غور نہیں کیا۔ ذرا غور کرو دنیا بھر کی پھندے بازی کرو، لوگوں کو لوٹو مکر و فریب سے دولت کے انبار لگاؤ اور پھر چتا میں جل جاؤ۔ کیا رہ گیا کیا ساتھ گیا، زندگی ایک بھیانک خواب ہے تم نے جو خواب دیکھا وہ دولت کا حصول تھا، میں نے جو خواب دیکھا وہ طاقت کا حصول تھا۔ دونوں کامیاب ہوئے، میرے لئے دولت کی اتنی اہمیت نہیں ہے میں ایک دن میں دس مل حاصل کر لوں۔ تم نے دیکھ بھی لیا مگر میری منزل یہ نہیں ہے۔ مجھے اور آگے جانا ہے۔

میری منزل پتہ نہیں کہاں ہے؟ میں غلط جگہ پر رک گیا تھا۔ تین دن کے بعد میں بمبئی میں نہیں ہوں گا۔"

اور میں کاکی کی طرف چلا اس کی ملازمہ نے بتایا کہ "وہ کل رات سے غائب ہے۔" میرے لئے اس نے پیغام چھوڑا تھا اس میں لکھا تھا کہ "میں واپس آؤں گی۔"

میں جب مایوسی کے عالم میں ہوتا ہوں تو مجھے بنارس یاد آ جاتا ہے۔ میری جائے پیدائش، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک بچہ ایک جھونپڑی میں پیدا ہوتا ہے جہاں پر دور دور پانی نہیں ہے۔ تھر کا ریگستان ہے دھوپ ہے گرمی ہے زندگی گزارنے کے وسائل نہیں ہیں۔ وہ بچہ وہیں پر کٹھن زندگی گزارتے گزارتے پرورش پاتا ہے اور پھر وہاں سے کسی بڑے شہر میں نکل جاتا ہے۔ یہاں پر وہ اچھی زندگی بسر کرتا ہے ہر وہ چیز اس کو مل جاتی ہے جس کی ضرورت انسان کو ہو سکتی ہے، مگر پھر بھی ایک وقت اس پر آتا ہے کہ وہ اپنی جنم بھومی یعنی جائے پیدائش کو یاد کرتا، اس جھونپڑی کو یاد کرتا، اس ماں کو یاد کرتا ہے جو میلوں دور سے اس کے لئے پانی لایا کرتی تھی اور وہ اپنی پر آسائش زندگی کو چھوڑ کر اس ریگستان میں ایک بار ضرور آتا ہے اور اگر نہیں آ پاتا تو اس کی یاد میں آہیں بھرتا رہتا ہے، یہ کیا ہے کیوں ہے؟ زمین کی کشش ہے کہ ہر آدمی کو اپنے بچپن کی گلیاں اور مکان یاد رہتے ہیں۔ اور وہ پلٹ کر وہیں پر ضرور آنا چاہتا ہے۔ میں بنارس کی گلیاں، وہ مکان اور مندر نہیں بھول سکتا تھا میرا وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ مگر وہ شہر مجھے اپنا اپنا سا لگتا تھا، وہاں کے لوگ اجنبی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ حالانکہ سب شکلیں میرے لئے نئی تھیں مگر پھر بھی میں ان کو دیکھتا تھا تو دل کو ٹھنڈک ہوتی تھی۔

میں اس مندر کے سامنے کھڑا تھا جس کے اندر میرے باپ کی ہنر مندی سب سے زیادہ تھی۔ میرا لباس دھوتی اور کرتا تھا، لوگ اندر آ رہے تھے جا رہے تھے میں اندر نہیں جا رہا تھا اس لئے کہ میں کسی پوجا کا قائل نہ تھا۔ کافی دیر کے بعد ایک بڑا موٹا پنڈت باہر آیا اس نے مجھے

دیکھا تو بولا۔

"بہت دیر سے کھڑا ہے، نہ اندر آتا ہے نہ پوجا کرتا ہے، ارے تو کون ہے کیا مندر میں چوری کرے گا؟"

"مندر میں کیا رکھا ہے کہ میں چوری کروں گا، ہاں تو ہی ایک چیز ہے بول تو تجھے چوری کرلوں۔" میں نے کہا۔

"ارے کیا بولتا ہے، میرا کیا اچار ڈالے گا۔" پنڈت بولا۔

"تیرا اچار بھی کوئی نہیں کھائے گا پھر میں اچار ڈال کر کیا کروں گا۔" میں نے مزا لینے کو چھیڑا تو پنڈت بھنا کر بولا۔ "چل ابھی ادھر سے نکل، نہیں تو بلاتا ہوں کسی کو......"

"تم کیوں نہیں کرتے یہ کام، کسی اور کو کیوں بلاتے ہو؟" میں نے کہا۔

"یہ میرا کام نہیں ہے اس کے واسطے الگ سے انتظام ہے۔" وہ بولا۔

"ایسا نہ کرنا پنڈت جی میں تو کچھ دیکھنے آیا تھا۔" میں نے کہا۔

"ارے ہم کو پتہ ہے دیکھتے دیکھتے تم لوگ کام کر جاتے ہو، اچھا ابھی جاؤ۔" وہ بولا۔

"پنڈت تم نے کسی نادر علی کا نام سنا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نادر علی۔" وہ چونک کر بولا۔ "ملیچھ کا مندر میں کیا کام۔"

"کام تو تھا، اس کے ہاتھ کی بنائی مورتیوں کو تم پوجتے ہو پھول چڑھاتے ہو پھر کہتے ہو اس کا کیا کام، ذرا ذہن پر زور ڈالو یاد آ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"یاد آ گیا وہ بہت بڑا فن کار تھا میری عمر کم تھی، وہ جب مندر آتا تھا مگر وہ تو مر گیا اس کی بیوی چلی گئی، سنا ہے اس کا ایک لڑکا بھی تھا اس کا پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا؟" پنڈت بولا۔

"میں اس کا لڑکا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا تو اس کا لڑکا ہے تو بھی باپ کا کام کرتا ہے۔" وہ بولا۔

"نہیں میں وہ کام نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر کیا کرتا ہے؟ تیرا باپ تو بڑا فن کار تھا۔" وہ بولا۔

"میں اپنے باپ کی ہنر مندی دیکھنے آیا ہوں تم مجھے وہ دکھا دو میں چلا جاؤں گا۔"

"وہ فن کار تھا اس ناطے مندروں میں آتا جاتا تھا تجھے کس ناطے مندر کے اندر لے جاؤں میں ایسا نہیں کرسکتا۔" پنڈت بولا۔

"دیکھو پنڈت تم مجھے اندر نہیں لے جاؤ گے تو اس مندر کا بہت نقصان ہو جائے گا۔ اور تم پر سارا الزام آئے گا۔ اس مندر کی ساری مورتیاں پتھر کی ہیں ان کو میرے باپ نے ایک شکل دی ہے وہ تمہارا کہنا نہیں مانیں گی سب اس سڑک پر آ جائیں گی۔" میں نے کہا۔

"ارے جا بڑا آیا ڈھونگی دس آدمی بھی کسی مورت کو نہیں ہلا سکتے۔" پنڈت تاؤ کھا گیا۔

"سوچ لے پنڈت آخری موقع دے رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ابے چل یہ دھونس کسی اور کو دینا۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولا۔

میں نے اس پتھر سے رابطہ کیا جس پر مورتی تھی، وہ مورتی گن پتی گنیش دیوتا کا مندر تھا اور بڑی مورتی گن پتی گنیش کی تھی پتھر بولا۔ "میں سن رہا ہوں سردار تیری بات۔"

میں نے کہا۔ "باہر آ جا مندر کے روڈ پر۔" وہ مورتی ایک بہت بڑا پتھر تھی اس کو ہلانا بھی ممکن نہیں تھا مگر وہ پتھر کی مورتی اپنی جگہ سے چل پڑی اور دروازہ توڑتی ہوئی سیڑھیاں توڑتی سڑک پر آ گئی پنڈت نے حیرت کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔

میں نے کہا۔ "دیکھ لیا پنڈت۔" سڑک پر بھیڑ

ہوگئی حیرت سے سب مندر کو اور اتنی بڑی مورتی خود بہ خود سڑک پر آ گئی، لوگ اس کو بھگوان کا چمتکار کہنے لگے۔

پنڈت کی حالت خراب تھی پورا مندر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ”پنڈت بول تو اس کے سارے رشتہ داروں کو سڑک پر کھڑا کردوں۔“

وہ ہاتھ جوڑ کر میرے آگے جھک گیا۔ بولا۔

”کچھ نہیں۔“

”تیری سمجھ میں میری بات نہیں آئی اور تو میرے سامنے جھک گیا۔ میں نے جو دیکھنا تھا دیکھ لیا......“ میں نے کہا۔ ”میں چاہ رہا ہوں یہ مورتیاں یہیں پر رہنے دوں یا اندر پہنچادوں۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”مہاراج بڑی بھول ہوگئی ہے معاف کردو اور گنیش جی روڈ پر رہیں یہ تو اچھی بات نہیں ہوگی یہ تو اپنے استھان پر ہی سجتے ہیں۔“

اور پھر ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ گنیش کی وہ بڑی مورتی خود بہ خود اپنے مقام پر چلی گئی۔ اور میں بھی اپنا مقام بدل کر ان سے بہت دور چلا گیا۔

پنڈت نے اس کو چمتکار گنیش جی کا بتایا اور مندر کی مرمت کے لئے روپے کی اپیل کردی، مندر میں دھن برسنے لگا، مرمت کا کام شروع کردیا گیا۔

اور میں نے بنارس چھوڑ دیا۔ میں بدری ناتھ چلا گیا۔ بدری ناتھ بھی ہندوؤں کی بڑی یاترا ہے یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ بڑے خطرناک اور پیچیدہ راستے مندروں میں جانے کو بنے ہیں۔ یہاں پر بڑی بڑی مورتیاں پتھروں کو تراش کر بنائی گئی ہیں اور بعض مندروں میں پہاڑوں کو تراش کر شکلیں ابھار دی ہیں۔ چٹان سے پتھر کو جدا نہیں کیا گیا۔ یہاں کا ماحول بھی دھارمک ہے، گھنٹیوں اور سنکھ کی آواز ہی آتی ہے، ہندو عورتوں اور مردوں کی ٹولیاں پہاڑوں پر چڑھتی اترتی نظر آتی رہتی ہیں۔ میرے کپڑے پھٹ چکے تھے جسم پر صرف ایک دھوتی رہ گئی تھی دھوتی میں جیب نہیں ہوتی، مجھے بھوک لگتی نہیں تھی اگر مل گیا تو کھالیا نہ ملا تو نہ کھایا۔

میں کسی مندر کے دروازے پر نہیں گیا۔ رات ہوگئی تو میں پہاڑ کے ایک کونے میں لیٹ گیا۔ رات کا کون سا پہر تھا پتہ نہیں میری آنکھ کھل گئی۔

میرے سامنے وہی درگاہی آدمی کھڑا تھا اس کا سفید لباس چاندنی رات میں چمک رہا تھا اس کے چہرے پر سفید داڑھی ہوا سے لہرا رہی تھی میں نے چولا بدلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ بولا۔

”بس ابھی رک، میری بات سن لے۔“ میں نے ارادہ بدل دیا۔

وہ بولا ”کب تک یہ کھیل رچائے گا، کب تک دوڑ لگائے گا، بھاگ کر کہاں جائے، اس پوری کائنات ایک کی ہے، اس سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ اپنا وزن بڑھا رہا ہے۔ تو سمجھتا ہے تیرے پاس بہت کچھ ہے، ارے تیرے اس بہت کچھ نے تجھے اب تک نہیں بتایا کہ تیری ماں کہاں ہے؟ اور دنیا کو رنگ برنگے تماشے دکھلا رہا ہے، کہیں پتھر بن رہا ہے، کہیں درخت بن رہا ہے، اس سے تجھے کیا ملنے والا ہے تو کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ دولت بھی تو نے لیکر دیکھ لی۔ عورت بھی تیری ہوگئی، جو گناہ تیرے نہیں تھے تو نے ان کو بھی اپنے نام کرلیا، بگڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، بنانے میں وقت لگتا ہے۔ طاقت کے نشے سے باہر آجا مصلحت اندیشی بھی کوئی چیز ہے، ہر طرف مت دیکھ، اپنی طرف دیکھ جواب تیرے اندر موجود ہے۔

میرا کام تجھے روکنا نہیں آگاہ کرنا ہے اگر روکنا ہوتا تو میں تجھے بہت پہلے روک چکا ہوتا۔“

”میری ماں کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پوچھ پتھروں سے، پوچھ درختوں سے، کیڑے مکوڑوں سے، یہ سب تو تیرے غلام ہیں۔“ وہ بولا۔

”کوئی نہیں بتلاتا میں نے کوشش کرلی ہے۔“ میں نے کہا۔

”تیری ودیا کیا کہتی ہے۔“ درگاہی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں کہتی۔“ میں نے لاچاری سے اعتراف کیا۔

''تو اور ہزار سال تپسیا کر کے پھر کوئی نیا کمال حاصل کر لے پھر بھی اس مقام پر کھڑا ہوگا۔ خدا کی ذات جہاں پر مضمر ہو وہاں پر اندھیروں کا گزر نہیں ہوتا روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی میں دور تک نظر آتا ہے، تنہائیاں نہیں ہوتیں تجلیات کا ساتھ ہوتا ہے تو نے سیدھا اور آسان راستہ چھوڑ کر مشکل راستہ اختیار کر لیا ہے تو پھر اس میں کسی کا کیا قصور ہے تو نے خود ہی کیا ہے اور تجھ کو خود ہی واپس بھی آنا ہے، تیری انگلی پکڑنے کوئی نہیں آئے گا، میرا کام تجھے آگاہی دینا تھا۔'' اور وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اور میرے اندر بے چینی چھوڑ گیا۔ میں کھڑا ہوگیا اور بے ارادہ ایک طرف چل دیا۔ وہ ایک دشوار پہاڑی راستہ تھا اور اوپر کی طرف جا رہا تھا چڑھائی پر کئی مندر بنے تھے۔ درگا کا مندر بہت بڑا اور پہاڑوں کو کاٹ کر بنایا گیا تھا، مندر میں پجاریوں کی بھیڑ تھی کیونکہ صبح ہو چکی تھی گھنٹیوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی پجاریوں کے اشلوک پڑھنے کی آوازیں گھنٹیوں کی آوازوں کے ساتھ شامل تھیں۔ میں نے ایک نظر مندر پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا، میرا من ٹھکانے پر نہیں تھا۔ مجھے اس وقت گرو کی یاد آئی میں چوٹی پر پہنچ گیا اور سب سے اونچی جگہ چڑھ کر بیٹھ گیا، گرو کی طرف دھیان لگا دیا مگر بہت کوشش کے باوجود گرو کی طرف سے ذرا اشارہ نہ ملا۔ میں سمجھ گیا کہ اب گرو کا وجود ختم ہو چکا ہے پھر میں نے اپنا سبق یاد کرنا شروع کر دیا، اس سے مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں درگا ہی کی گرفت سے دور ہوگیا اور پورے سال وہیں پر رہا۔

درگا کے مندر کے پجاریوں کو کسی نے بتا دیا کہ میں اکیلا اس خطرناک چوٹی پر بیٹھا ہوں وہ میرے اردگرد رہے مگر پاس کوئی نہ آیا۔

میری آنکھیں کھلتے ہی کچھ لوگ میری طرف بڑھے، ان میں بڑا پجاری بھی تھا اس نے جھک کر ڈنڈوت کیا اور گردن جھکا کر بولا ''مہاراج تپسیا پوری ہوگئی ہو تو سیوا کا موقع دیں۔''

میں کھڑا ہوگیا اور بولا ''تو کیا سیوا کرے گا بچہ۔''

''جو آپ حکم کرو گے وہی ہوگا مہاراج۔'' وہ بولا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تیرے بڑے تجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج کوئی ناراض نہیں ہوگا۔'' وہ بولا۔

''ہمارے وچار الگ ہیں۔ تو کسی چکر میں نہ پڑ جائے اس لئے مندر میں ہمارا جانا ٹھیک نہیں ہوگا، ہم پتھروں کے دوست ہیں ان میں ہی رہنے دے۔''

پنڈت نے حیرت سے میری طرف دیکھا شاید اس کو میں دیوانہ نظر آیا تھا۔

پجاری واپس چلا گیا، میں نے پہاڑی سے پوچھا۔

''اب کیا ہوگا؟ ذرا بتا تو۔''

پہاڑ بولا..... ''یہ پجاری چلا گیا ہے اس کے علاوہ ایک بڑا پجاری اور اندر ہے وہ تم پر وار کرے گا کیونکہ وہ جادوگر ہے، تام دیوی کا دیا جائے گا۔ مگر تو فکر نہ کر سردار ہمارے وار مجھ سے ٹکرائیں گے تیرے پاس آنا ان کو نصیب نہ ہوگا۔''

''اور اگر وہ برابر یہ حرکت کرتا رہا تو پھر۔'' میں نے پوچھا۔

''تو پھر یہ مندر اور اس میں ہر چیز میرے وزن سے دب جائے گی۔'' وہ بولا۔

رات ہوتے ہی ایک بہت بڑا پرندہ آسمان پر مجھے نظر آیا۔ مگر وہ پرندہ کب تھا وہ تو ایک ہیر تھا جس کے پروں کی آواز کسی جہاز کے انجن کی طرح تھی اس کا منہ بھیلیے کے منہ سے مشابہ تھا اور پنجے ایسے تھے جیسے اس نے ہر انگلی میں تلوار باندھ رکھی ہو۔ میرے اوپر آ رہا تھا مگر آ نہ سکا کیونکہ اس پر پتھروں کی بارش ہونے لگی پتھر وزنی تھے ہر پتھر نشانے پر آ رہا تھا اور وہ پرندہ ہوا میں لہرا رہا تھا اور پھر وہ زمین پر گر گیا اور پتھروں میں دفن ہوگیا۔

پھر رات بھر سکون رہا۔

سویرے وہی پجاری یہ دیکھنے آیا کہ میرا کیا حشر

ہوا؟ میں نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور کہا۔ ''دیکھ لے پنڈت میں اپنی جگہ پر ہوں کرنے والے کا ایک وار خالی گیا۔ اس کو کہہ دے اور وار کر لے میں موجود ہوں جاؤں گا نہیں۔''

پجاری خاموشی سے چلا گیا۔ اس طرح ہر رات کچھ نہ کچھ ہوا اور پندرہ راتیں گزر گئیں۔ اب مجھے مندر میں جانا تھا۔ اور اس کی خیریت پتہ کرنی تھی جو یہ سب کر رہا تھا۔

میں نے اندر کا تصور کیا اور میں مندر کے اندر تھا، چاروں طرف پہاڑ کی دیواریں تھیں اور وہاں پر ہی دیوی استھان کے ساتھ ہی ایک کمرے میں وہ موجود تھا۔ میں نے دروازہ نہیں کھلوایا مگر اندر چلا گیا وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا بولا...... ''آخر تو آ ہی گیا۔''

میں نے کہا۔ ''یہ بتا تیرا میرا کیا جھگڑا ہے کہ تو روز روز وار کر رہا ہے۔''

''میں کیا کروں دیوی کا حکم ہے۔'' وہ بولا۔

''دیوی نے یہ حکم خود دیا ہے یا کسی نے تجھ سے کہا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے پاگل دیوی کسی سے خود کچھ کہتی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تو یہ سمجھ لے کہ تجھ تک جس نے دیوی کا حکم پہنچایا ہے وہ تیرے ساتھ دھوکا کر رہا ہے وہ تجھے بلاوجہ استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایسا ہو نہیں سکتا۔'' وہ بولا۔

''دیکھ لے بھولے انسان۔''

''پندرہ راتیں تیری کالی شکتی کی گزر گئیں میرا کیا بگاڑ لیا، اگر تو بول تو اب میں کچھ کروں۔''

''تو بڑی مصیبت میں آنے والا ہے اتنا تو آج تک کوئی نہیں بولا۔'' پجاری نے کہا۔

''میں جانتا ہوں تو کرتا ہے اور نام دیوی کا لیتا ہے۔ دیکھ میری طرف اب دیوی کی مورتی باہر جا رہی ہے۔'' اور پجاری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے دیکھا کہ دیوی کی مورتی دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ مورتی سب سے اونچی چٹان پر گئی اور پھر نا معلوم گہرائیوں میں گر گئی۔ زمین پر گرنے تک کی آواز اوپر نہیں آئی۔ پجاری حیرت سے منہ کھولے اس ناقابل یقین منظر کو دیکھتا رہا اس کی زبان پر ہزار ہا سوالات تھے مگر آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا مگر جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ اور اس کے تمام مندر کے ساتھی حیرت کی تصویر بنے ہوئے پھر ان کی سمجھ میں کچھ آیا تو وہ سب میرے سامنے جھک گئے مجھے ان کی یہ حرکت سخت ناگوار لگی میں نے چیخ کر کہا۔ ''کھڑے ہو جاؤ تم کو صرف یہی کام آتا ہے کہ ہر نہ سمجھ آنے والی چیز کو سجدہ کرتے ہو۔ پر میں نے ،اس پجاری کو کہا۔'' کھڑا ہو جا۔

وہ میرے حکم پر کھڑا ہو گیا اس کے پیر کانپ رہے تھے اس کے سارے بڑے بیر پندرہ دن میں ٹھکانے لگ چکے تھے وہ کانپتی آواز میں بولا۔ ''معاف کر دو، میں بھروسے پر تھا، مجھے معاف کر دو۔''

''بیساکھیوں پر چلنے والوں کا انجام کب اچھا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں اب کوئی کام ایسا نہیں کروں گا کسی کو کسی کے کہنے پر کچھ نہیں کہوں گا۔ اپنی شکتی کا استعمال نہیں کروں گا۔'' وہ بولا۔

''تیری ساری باتیں جھوٹ ہیں تو وہی کرے گا جو تیرا دل چاہے گا۔ آج تیری رگ میرے ہاتھ میں ہے تو ایسی باتیں کر رہا ہے آئندہ بھی تیرا وجود دنیا کے لئے خطرناک ہوگا۔'' میرے اشارے پر اس پر ایک بھاری پتھر گر پڑا اور وہ اس پتھر کے ساتھ لڑھکتا ہوا نشیب کی گہری کھائی میں بے آواز چلا گیا۔

میں نے باقی پجاریوں کو کہا۔ ''میں جانتا ہوں میرے جانے کے بعد تم اور مورت حاصل کرو گے یا بناؤ گے اور اپنی دکان پر سجا لو گے کیونکہ تم نے صرف یہی سیکھا ہے یہی دیکھا ہے۔''

میں نے دلی کا تصور کیا اور کچھ دیر میں مہر لی

میں تھا۔ رات کافی گزر چکی تھی مگر دلی کے بازاروں میں آمدورفت جاری تھی دکانیں کھلی تھیں میرا حلیہ اچھا نہیں تھا چہرے پر بالوں کا گھنا جنگل تھا جسم پر کپڑے نام کی ایک لنگوٹی سی تھی۔ جسم پر میل مٹی کی تہیں چڑھ رہی تھیں میں ایک سڑک پر جا رہا تھا پتہ نہیں یہ کون سی سڑک تھی موٹر کاریں تیزی سے میرے قریب سے گزر رہی تھیں ایک موٹر سڑک کے کنارے کھڑی تھی اس کی بتیاں بند تھیں اندر بھی اندھیرا تھا۔ میں اس کے پاس سے گزرا تو آواز آئی

"اب چلو بہت دیر ہوگئی ہے۔" آواز عورت کی تھی۔

"تم روز روز کب آتی ہو، ابھی تو من بھرا نہیں۔" مرد کی آواز آئی۔

"تم کیا بلا ہو، تھکا دیا مجھے۔" عورت بولی۔

"وقت برباد نہ کرو" مرد بولا۔

پھر ان کی آواز نہ آئی، میں موٹر کے سامنے لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے بعد موٹر اسٹارٹ ہوئی اس کی ہیڈ لائٹ روشن ہوئیں تو ڈرائیور نے مجھے دیکھا۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے آیا اور بولا۔

"ارے کیا مرنا ہے، پرے ہو کر لیٹ جا گاڑی کے آگے سے۔" وہ بولا۔

"اکیلا اکیلا میوے کھا رہا تھا، ارے بے وقوف یہ تجھ کو بے وقوف بنا رہی ہے، تجھے پتہ نہیں یہ کون ہے؟ تو سمجھ رہا ہے کہ تو میوے کھا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے بڈھے ہٹ سامنے سے نہیں تو تیرے اوپر گاڑی چڑھا دوں گا۔" وہ تلملا کر بولا۔

"تو جسے نیک شریف لڑکی سمجھ کر پال رہا ہے وہ پیشہ ور عورت ہے اس نے تجھ جیسے اور بھی پال رکھے ہیں ذرا دھیان دے غور کر، میں یہاں پر ہوں آ جانا میرے پاس، اب جا ہٹ جاتے ہیں۔" میں فٹ پاتھ پر لیٹ گیا۔ وہ گاڑی میں گیا اور گاڑی روانہ ہوگئی۔ میرا تجربہ مجھے بہت ٹھیک ٹھیک اندازے کرا دیتا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ گاڑی والا پھر آ گیا۔ بولا! "تمہاری بات نے میرے من میں ہلچل مچا دی ہے میں تو اس سے شادی کرنے والا تھا۔"

"وہ بڑی فن کار عورت ہے، بدنی کرتب اس کو خوب آتے ہیں۔ تو ان ہی کرتبوں میں پھنس گیا ہے۔"

"تمہاری بات پر یقین کرنے کو دل کرتا بھی ہے اور نہیں بھی کرتا ہے کیا کروں؟" وہ بولا۔

"تم میری بات پر کیوں یقین کرتے ہو، نہ کرو مگر ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور تو کرو، اس کے کردار کے بارے میں، اس کے خاندان کے بارے میں پتہ تو کرو، میری بات سولہ آنے درست ہوگی، میں نے یہ کب کہا ہے، یہ تو دیوانے کی بڑبڑاہٹ ہے، تمہاری سمجھ میں آ جائے تو ٹھیک، سمجھ نہ آئے تو بھی ٹھیک" میں نے کہا۔ تو وہ بولا۔ "تم نے ٹھیک کہا بابا صرف شکل دیکھ کر اندازے لگانا عقل کے بھی خلاف ہے، میں اس کے بارے میں پتہ کروں گا۔ تم کو کہاں پاؤں گا؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام ترلوک چند ہے میرے پتا کا نام پرلوک چند ہے چاندنی چوک پر ہماری دکان، ہے سونے چاندی کا کاروبار ہم کرتے ہیں، آپ نے میری آنکھیں کھول دیں ہیں، میں آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔" وہ بولا۔

"ترلوک چند میں بہتا پانی ہوں۔ پتہ نہیں کب پھر چل پڑوں تو کسی دبدہ میں نہیں پڑنا اور نہ مجھے تلاش کرنا، چل میں تیرے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

ترلوک نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں ڈرائیور کی سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی ایک بنگلے کے دروازے پر رکی اور پھر اندر چلی گئی۔ پہلے وہ اترا پھر اس نے میرا دروازہ کھولا اور بولا۔ "آؤ بابا۔ میں تم کو کمرے تک پہنچا دوں۔"

کمرہ بڑا تھا اس میں ہر ضرورت کی چیز موجود تھی اس نے ایک دروازہ کھولا، وہ غسل خانہ تھا اور ہر قسم کے صابن تولئے موجود تھے خوشبو آ رہی تھی وہ بولا۔ "آپ غسل کر لو میں آپ کے لباس کا انتظام کرتا ہوں۔"

میں بھی نہانے کے بارے میں سوچ رہا تھا، کافی

دیر تک میں نہاتا رہا۔ نہانے کے بعد مجھے تازگی کا احساس ہوا مگر بالوں کا وزن تو تھا، میں نے سوچا سویرے یہ کام کروں گا۔ نہا کر میں نے تولئے سے اپنا جسم لپیٹا اور باہر آ گیا۔ ایک سفید پاجامہ اور کرتا موجود تھا۔ میں نے پاجامہ پہن لیا میرے ناپ کا تھا کرتا بھی فٹ تھا۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ایک ملازم ٹرالی پر کھانے کا سامان لئے اندر آیا اور میرے سامنے لگا کر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد ترلوک چند آ گیا بولا۔ "بابا رات زیادہ ہو گئی ہے ملازم بھی سو گئے ہیں بس یہی انتظام ہو سکا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تو اس کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تم نے محبت سے پیش کیا ہے تو کھاؤں گا ضرور، سویرے کسی نائی کا بندوبست کر دینا حجامت کرانا ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا کر دوں گا۔" وہ بولا۔

میں نے کہا۔ "اب تم جا کر آرام کرو، میں کھا لوں گا۔"

ترلوک سعادت مندی سے اٹھا اور چلا گیا، میں نے اس کے جانے کے بعد کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گیا، بستر نرم اور آرام دہ تھا، میری آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

"تین دن کے بعد ترلوک چند نے بتایا کہ "بابا میں نے ہر طرف سے اس کے بارے میں پتہ کرنے کوشش کی مگر کچھ پتہ نہیں چلتا صرف ایک آدمی سے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ امروہہ کی رہنے والی ہے اور اس کے تعلقات بھی بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تو ایسا کر اس کے گھر کے قریب مجھے پہنچا دے میں پتہ کرتا ہوں۔"

ترلوک نے مجھے ایک بڑے عالیشان مکان کے سامنے، مکان سے کچھ فاصلے پر اتار دیا اور وہ چلا گیا۔ میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا نئی آبادی تھی اور بڑے اچھے اچھے مکانات کھڑے تھے کچھ بن رہے تھے میں نے ایک پیڑ کی آڑلی اور چوہے کی شکل میں اس مکان میں داخل ہو گیا۔ مکان بہت بڑا تھا بہت کمرے تھے ہر کمرے کی آرائش بہت خوبصورت تھی اس سے اس کے مکینوں کی مالی حالت کا اندازہ ہوتا تھا میں ہر کمرے میں جھانکتا پھر رہا تھا دو تین ملازم نما عورتیں کام کرتی نظر آئی تھیں ابھی تک کسی مرد کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔

ایک بہت بڑے کمرے سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی میں اس کے اندر چلا گیا۔ کمرے میں صرف دو عورتیں تھیں دونوں صوفے پر بیٹھی تھیں، ایک ادھیڑ عمر تھی مگر آثار بتا رہے تھے کہ عمارت عظیم کبھی ہوگی، دوسری جوان عورت تھی دونوں کے جسم بڑے سڈول تھے، دونوں کے چہرے دمک رہے تھے۔

ادھیڑ عمر بولی۔ "ارے وہ تیرا سنار بھاگ گیا کیا؟"

"ارے اماں جائے گا کہاں، دلی میں ہے تو میری جیب میں ہے جب چاہوں پکڑ لوں گی۔" جوان بولی۔

"ارے شاہانہ تجھے اب تک عقل نہ آئی اگر تو اس کی گود میں نہ گرتی تو دیوانہ بنا رہتا۔ عورت کی کشش اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ مرد کو حاصل نہیں ہوتی تو نے ذرا کمزوری دکھا دی۔" وہ بولی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شاہانہ نے جواب دیا۔

"اماں امروہہ میں آپ نے جوانی گزاری ہے نوابوں کے اور دور تھے۔ مگر اب زمانہ بدل رہا ہے اب نواب نہیں رہے جتنی آسانی سے نواب اپنی دولت اڑاتے تھے کوئی نہیں اڑاتا، تم نے جو کمایا بڑی آسانی سے کمایا اب کمانا آسان نہیں ہے آج کا دولت مند اپنا پیسہ بڑی دیکھ بھال کر اور ٹھوک بجا کر خرچ کرتا ہے اس سنار کو تم آسان نہ لو جب تک اس نے اپنا مطلب حاصل نہ کر لیا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا۔ اب وہ مجھ سے شادی کے چکر میں ہے ادھر شرما صاحب پتھر والے بھی پر تول رہے ہیں۔" شاہانہ بولی۔

"یہ تو اچھی بات ہے اور بھی اگر دو چار ہوں تو اچھی بات ہے، ارے تیری ابھی تو عمر ہے کمانے کی دس سال بعد کون تیرے پاس آئے گا۔" اماں بولیں۔

"اور جو چوبے مہاراج تمہارے دیوانے ہوئے

پڑے۔" شاہانہ ہنس کر بولی
"میرے دیوانوں کی تو بات نہ کر، امروہہ میں بڑی بڑی پڑی تھیں مگر ان سب میں صرف میرا نام چلتا تھا۔ میری اماں کا چلن ایسا تھا کہ بڑے بڑے نواب ان کے در پر پڑے رہتے تھے اور میں ان کے قریب نہ جاتی تھی اماں کے اصولوں پر چل کر میں دلی آئی ہوں، یہاں کا چلن دوسرا ہے شرفاؤں میں رہنا ہے اور شرفاؤں کی طرح رہ کر دھندہ کرنا ہے جو گٹھڑی باندھ دی ہے اس کو نہیں کھولنا میری تاکید ہے۔"
"پر اماں کسی پرانے سے ملاقات تمہاری ہو گئی پھر۔" شاہانہ بولی۔
"میں صرف چوبے سے ملتی ہوں اس لئے کہ وہ دلی کا پرانا آدمی ہے وہ میرے بارے میں کیا جانے اور پھر آنکھ کا اندھا اور گانٹھ کا پورا بھی ہے میرا کیا لیتا ہے اس کا کھوکھا تو خالی ہے۔ بس شوقین ہے۔" اماں بولی۔
"ٹھیک ہے اماں اب میں جا رہی ہوں وہ کھاری باؤلی والا میرا انتظار کر رہا ہوگا۔" شاہانہ بولی۔
"برقعہ لے لیا کر دن میں۔" اماں بولی۔
"ہاں پتہ ہے اماں لے لوں گی۔" اور شاہانہ چلی گئی۔
ان دونوں کی بات چیت نے ساری بات مجھے سمجھا دی۔ میں خاموشی سے واپس آ گیا۔
اور ساری کہانی میں نے ترلوک چند کو سنا دی۔
ترلوک چند حیران رہ گیا بولا۔ "اتنی جلدی آپ نے یہ سب پتہ کر لیا۔"
"تیرے پتہ کرنے میں اور میرے پتہ کرنے میں بڑا فرق ہے، بول تو وہ خود اپنی زبان سے تجھے سنائے میں نے مسکرا کر کہا۔ یہ سن کر ترلوک اور حیران ہوا۔ "بولا ایسا ہو سکتا ہے؟"
"تو نے میری خدمت کی ہے تیرا اتنا سا کام بھی میں نہیں کر سکتا کیا۔" میں نے کہا۔
"اگر ایسا ہو جائے تو اس سے بڑھیا بات اور کیا ہو گی؟ اس نے اپنی پارسائی کا بڑا ڈھونگ رچایا تھا۔" ترلوک بولا۔
"تجھے بہت پہلے سمجھ لینا چاہئے تھا جو عورت آسانی سے مرد کی گرفت میں آ جائے اس پر اعتبار کرنا مرد کی نادانی ہوتی ہے تو نے بہت دن نادانی کی اور اپنی دولت اس پر اڑائی ہے مگر اب ایسا نہیں ہوگا وہ تیرے پاس آئے گی۔" میں نے کہا۔
رات کو میں اپنا کمرہ اندر سے بند کیا اور شاہانہ کے بنگلے کا تصور کیا۔ میں اسی بڑے کمرے میں تھا مگر کمرہ خالی تھا میں نے دروازہ کھولا باہر کوئی نہیں تھا میں آگے بڑھا ایک کمرے کی بتی جل رہی تھی میں نے چیونٹی کا روپ بدلہ اور اندر رینگ گیا۔ اندر ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا اور بہت بڑے پلنگ پر ایک عورت اور ایک بڑا موٹا مرد لیٹا تھا دونوں جاگ رہے تھے مگر خاموش تھے۔
چند منٹ کے بعد عورت بولی۔ "تم نے تھکا دیا چوبے۔"
چوبے خوش ہو کر بیٹھ گئے بولے۔ "ارے اب کا رکھا ہے تھکانے کو جوانی تم نے ہماری کہاں دیکھی۔"
"اچھا ہوا نہیں دیکھی۔" عورت بولی۔ "اور ہاں ہم نے تمہاری ضد پوری کر دی سویرے بیس ہزار نقد بھجوا دینا، میرے پاس کچھ نہیں ہے نوکروں کی تنخواہیں دینی ہیں اور گھر کا خرچ بھی ہے۔"
چوبے کروٹ بدل کر بولے۔ "لے لینا چنتا کیوں کرتی ہو سب کچھ تمہارا ہی ہے۔"
عورت مسکرائی اس نے اپنے سراپے پر نظر ڈالی اور خوش ہوئی۔ اٹھ کر آئینے کے سامنے گئی بالوں پر ہاتھ پھیرا اور خود سے بولی۔ "ماہ رخ تیرے عاشق آج بھی ہیں۔"
اب میرا وہاں پر رکنے کا کام نہیں تھا میں دوسرے کمرے کی طرف چلا یہ کمرہ شاہانہ کا تھا۔ وہ آرام دہ پلنگ پر بے خبر سو رہی تھی میں اپنی اصلی شکل میں آ گیا اور ایک جھٹکے سے اس کو اٹھا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی میری شکل دیکھ کر بولی۔ "تو کون ہے اندر کیسے آیا؟"
"ان سوالوں کے جواب دینا میرے لئے

ضروری نہیں ہیں۔ تو میرے سوالوں کے جواب دے، تو امروہہ کی ڈیرہ دار طوائف ہے؟" میں نے پوچھا۔
"تجھے اس سے کیا کہ میں کون ہوں؟" وہ بولی۔
"تو نے دلی کے شریفوں کو خوب الو بنایا ہے۔" میں نے کہا۔
"تو تیرا کیا جاتا ہے میرا کام جو ہے وہ تو مجھے کرنا ہے۔" وہ بولی۔
"تیری یہ بات وزن دار ہے مگر تجھے ترلوک کے سامنے جا کر اپنی اصلیت بتانی ہے۔" میں نے کہا۔
"وہ عقل مند ہے تو سمجھ جائے میں اپنا راستہ خود سے کیوں بند کروں۔" وہ بولی۔
"یہ تجھے کرنا ہوگا اگر نہیں کرے گی تو تو اس گھر میں قید رہے گی تیری اماں جو اس عمر میں ایک مرد کے ساتھ موجود ہے وہ بھی قید رہے گی۔" میں نے کہا۔
"ارے تو کون ہے خدائی فوجدار چل اپنا کام کر۔" وہ نفرت سے بولی۔ میں نے دروازہ کھولا اور بولا۔"یہ دروازے اور کھڑکیاں اب نہیں کھلیں گی میں جاتا ہوں۔"
اور دروازہ بند کر دیا لکڑی کا دروازہ بند ہو گیا۔
رات کو میں پھر اس کمرے میں تھا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس کے غرور کا شیشہ چور چور تھا۔ وہ نڈھال سی بولی۔"تو کون؟ یہ دروازے کیوں نہیں کھلتے؟" وہ بولی۔
"اس لئے نہیں کھلتے کہ میں نے ان کو منع کر دیا تھا میرے کہنے سے یہ کھلیں گے۔" میں نے اشارہ کیا اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ حیرت سے بولی۔"یہ جادو ہے۔"
"تیری جو سمجھ میں آئے وہ کہہ لے یہ بتا اب کیا ارادہ ہے ترلوک کے پاس جائے گی۔" میں نے پوچھا۔
"ان حالات میں میں اور کیا کر سکتی ہوں۔" وہ بولی۔
"سویرے آ جانا میں جاتا ہوں۔" میں واپس آ گیا۔
میں اور ترلوک ناشتہ کر رہے تھے کہ وہ آ گئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور میک اپ کا نشان نہ تھا صرف ایک دن کی سزا نے اس کا حلیہ درست کر دیا تھا۔

وہ بولی۔"مجھے معاف کر دو ترلوک میں نے تم کو اب تک دھوکا دیا، میں طوائف ہوں میں نے دلی آ کر اپنا طریقہ کار بدل لیا ہے۔"
میں نے کہا۔"اور تم نے جو روپیہ ترلوک سے اب تک وصول کیا ہے اس کا کیا حساب ہے۔"
"یہ کہیں گے تو واپس کر دوں گی۔" شاہانہ کے سارے بل نکل گئے تھے۔
"اس کے علاوہ یہ شرط بھی ہے کہ تم شریف بن کر شرفا کو دھوکا مت دو اپنی اصل شکل میں دھندہ کرو بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا مت بنو۔" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" وہ بولی۔
"یاد رکھنا تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرنا اگر اپنی بات سے پھرو گی تو دروازے پھر دیوانے ہو جائیں گے پھر تمہارا کہنا نہیں مانیں گے میں یہاں پر موجود ہوں۔" میں نے کہا۔
"ایسا نہیں ہوگا میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔" شاہانہ بولی۔
اس کے جانے کے بعد ترلوک نے پوچھا۔"یہ دروازے کا کیا چکر ہے؟"
"تم اس چکر میں نہ پھنسو ایسا کبھی ہو جاتا ہے کہ اپنی چیز بھی اپنی نہیں رہتی۔" میں نے کہا۔
"میری سمجھ میں تو اب تک آپ کی بہت سی باتیں نہیں آئی ہیں۔"
"نہ آئیں یہ تو اچھا ہے آگہی بڑی ظالم چیز ہے ہمیشہ مشکلات کا شکار زیادہ عقل مند ہوتے ہیں، کم عقلوں کی تو سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں پھر ان کو فکر بھی نہیں ہوتی۔ کم عقل سے میری مراد آگہی سے ہے۔" میں نے کہا۔
"آپ نے درست کہا انسان جہاں تک جانتا ہے وہیں تک رہے تو اچھا ہوتا ہے۔" ترلوک نے کہا۔
میں نے ترلوک کو مزید بہت ساری باتیں سمجھا دیں اور بولا۔"ترلوک میں کبھی بھی تمہارے پاس سے چلا جاؤں گا۔ میں اپنی منزل کے لئے سرگرداں ہوں۔"

"مہاراج! آپ کی کرپا ہوگی کہ آپ ہمارے پاس ہی رہ جائیں، نہیں تو آپ کی مرضی۔" ترلوک میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

اور پھر میں اسی رات ترلوک کی کوٹھی سے نکل کر انجانے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

میرا من بہت بیاکل تھا۔ گرو سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، میں اپنی منزل اور مقصد کے لئے سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ "انسانی آبادی سے کافی دور کچھ دن گذاروں" اس خیال کے آتے ہی میں نے ایک پہاڑی اور جنگل کے علاقے کا تصور کیا اور جب میں نے آنکھ کھولی تو میں اس پہاڑی علاقے میں موجود تھا، جنگل اتنا وسیع اور گھنا نہیں تھا۔ میں نے سوچا۔ "تھوڑی دور تک چہل قدمی کر لی جائے جس سے پتہ چلے کہ یہ علاقہ کیسا ہے۔ کہیں اس علاقے میں کوئی جنگلی درندہ تو موجود نہیں؟"

میں جنگل میں ایک طرف نکل گیا، کچھ دور جانے کے بعد مجھے ایک بہت ہی چھوٹا مندر نظر آیا، مندر بالکل اجاڑ نظر تھا۔ جھاڑ جھنکار سے پتہ چلتا تھا کہ اس مندر میں لوگوں کا آنا جانا نہیں۔ مندر بھولے ناتھ بھگوان کا تھا، بھولے ناتھ کا مجسمہ ایسا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس مجسمے کا دیکھ بھال ہوتا ہے یعنی بھولے ناتھ کی مورتی صاف ستری تھی اس پر مٹی یا گرد کا نشان نہ تھا۔ مورتی کے گلے میں لپٹا ہوا ناگ بھی جیسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

مندر کے سامنے تھوڑی دیر کھڑا رہنے کے بعد، میں آگے بڑھ گیا، اب مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں پر میں آرام سکون کے ساتھ گیان دھیان میں لگ جاؤں اور جان توڑ کوشش کروں کہ گرو سے رابطہ ہو جائے۔ میں بھاگ بھاگ کر تھک چکا تھا میں اپنی ساری شکتی آزما چکا تھا لیکن میری منزل میرے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ "گرو سے رابطہ ہونے پر میں گرو کے سامنے گڑگڑاؤں گا کہ گرو اب مجھ سے آگے بڑھنا دو بھر ہو رہا ہے، میں اپنا جسمانی وزن بھی اٹھانے سے قاصر ہوں، اگر مجھے میری منزل نہیں ملی تو کیوں نا میں اپنا جیون تیاگ دوں۔"

میں ایک چٹان کے قریب پہنچا، جگہ بہت اچھی تھی اور ایسی تھی کہ آدمی آرام وسکون سے چٹان کی چھوٹی سی جگہ جو کہ ایک غار نما تھی اس جگہ بیٹھ کر اپنے گیان دھیان میں مجھ جیسا آدمی رک سکتا تھا۔

میں چٹان کے قریب پہنچا تو مجھے ایک سانپ مردہ حالت میں نظر آیا، اس کے پورے جسم پر زخموں کے نشانات تھے، میں اس سانپ کے بہت قریب بیٹھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھنے میں سانپ اپنی رنگت کی وجہ سے پیارا لگا، سفید چاندی جیسی چمکتی جلد پر ہرے رنگ کے چھوٹے چھوٹے نشانات تھے۔ بہت غور سے جب میں نے دیکھا تو سانپ بالکل مردہ نہیں تھا بلکہ اس میں زندگی کی رمق ابھی باقی تھی۔

سانپ اس قدر زیادہ زخمی تھا کہ اس میں ہلنے جلنے تک کی بھی سکت نہیں تھی۔ میں تھوڑی دیر تک اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا کہ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ "کیوں نہ اس کے لئے کچھ کیا جائے اگر اس کی زندگی ابھی باقی ہے تو میری کوشش سے یہ تندرست ہو سکتا ہے۔" حالانکہ سانپ موذی جانور ہے جسے دیکھتے ہی لوگ خوف کھاتے ہیں اور جلدی سے کوشش کرتے ہیں کہ لاٹھی یا ڈنڈا اسے ماردیں۔

میں نے اس سانپ کو اٹھایا، آرام سے ایک جگہ رکھ دیا، میں اس کا علاج کس طرح کر سکتا تھا میں سوچ میں پڑ گیا کہ اچانک میرے من میں آیا۔ "کیوں نہ میں درختوں، پودوں اور جھاڑیوں کو آواز دے کر پوچھوں کہ اس سانپ کے زخم کس جڑی بوٹی سے ٹھیک ہو سکتے ہیں؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں کھڑا ہو گیا۔ میرا دل مضبوط تھا کہ تمام درخت اور پیڑ پودے میری بولی سمجھتے تھے اور میرے بلانے اور آواز دینے پر

جواب دیتے اور پلک جھپکتے ہی میرے حکم پر اپنی جگہ چھوڑ دیتے تھے لہذا کھڑے ہو کر میں نے آواز لگائی۔ "جڑی بوٹیوں اور پیڑ پودوں، ایک سانپ بہت زیادہ زخمی ہے اور مرنے کے قریب ہے اس کا علاج کرنا ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے اگر کوئی جڑی بوٹی میں اتنی شکتی ہے کہ اس کے استعمال سے اس کی جان بچ جائے تو آواز دے تاکہ اس سانپ کی جان بچائی جائے۔"

میری آواز سن کر ایک طرف سے آواز آئی۔ "میرا پھل اس سانپ میں توانائی بھر دے گا۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میرے پھولوں کا رس سانپ کے زخم بھر دے گا۔"

دونوں طرف سے آتی آوازوں کو سن کر میں فوراً اس طرف لپکا۔

ایک پودے پر لٹکے ہوئے چند پھل توڑے اور دوسرے پودے پر سے مٹھی بھر گیندوے رنگ کے پھول توڑے اور سانپ کے قریب آ گیا۔

اس کے بعد میں نے دو چکنے چکنے پتھر ڈھونڈ کر لایا اور پھولوں کو پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے مسلنا شروع کر دیا، چند منٹ میں ہی سارے پھول نرم نرم لیپ کی صورت اختیار کر گئے تو میں نے وہ لیپ سانپ کے زخموں پر لگا دیا۔ اس کے بعد ان چند پھلوں کو انگوٹھے اور انگلی سے مسلا تو اس میں سے رس نکلنے لگا تو وہ میں نے سانپ کا منہ کھول کر رس کو سانپ کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اور سانپ کو اسی جگہ پڑا رہنے دیا۔

تھوڑی دیر بعد شام کا اندھیرا ابھار نے لگا اور پھر رات کا اندھیرا پورے علاقے پر مسلط ہو گیا۔ میں گیان دھیان میں مصروف ہو گیا۔

صبح ہوئی اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے لپک کر سانپ کے قریب گیا تو دیکھا کہ سانپ کے جسم میں حرکت ہو رہی تھی یعنی اب سانپ کے جسم میں زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور مجھے پکا یقین ہو گیا کہ سانپ واقعی تندرست ہو جائے گا۔

میں اٹھا اور ان پودوں کے پاس چلا گیا۔ مزید پھل اور پھول توڑے اور لا کر اسی طرح لیپ بنا کر سارے زخموں پر لگائے اور پھر پھلوں کا رس سانپ کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اس طرح شام ہوئی رات ہوئی اور پھر صبح ہو گئی تیسرے دن میں نے دیکھا کہ حرکت کرتے ہوئے سانپ رینگ رہا تھا۔

سانپ کو پیٹ بھرنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان پھلوں کے رس میں اتنی توانائی موجود تھی کہ سانپ کو کسی اور چیز کے کھانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

چوتھے دن یعنی صبح کے وقت جب دھیان سے میری آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ سانپ اپنا پھن پھیلائے میرے سامنے موجود تھا۔ اور آگے پیچھے جھوم رہا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی اور میرے منہ سے نکلا۔

"سانپ پہلوان تمہیں نیا جیون مبارک ہو۔"

میری آواز سن کر سانپ جیسے خوشی سے اور جھومنے لگا۔

یہ دیکھ کر میں بولا۔ "اب تمہارے سارے زخم اچھے ہو گئے ہیں، اب تم آزاد ہو، میری اجازت ہے کہ جہاں جانا ہو جا سکتے ہو اور اگر اب بھی میری مدد کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔"

میری آواز سن کر سانپ نے اپنا پھن زمین پر رکھ دیا اور ایک طرف رینگ کر چلا گیا اور ایک جگہ آرام سکون سے گول چکر بنا کر بیٹھ رہا۔

ایک ہفتہ میں نے سانپ کے زخموں پر لیپ لگاتا رہا اور پھلوں کا رس اس کے منہ میں ٹپکاتا رہا سانپ میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں تھی، ورنہ موذی جانور سے بھلا بھلائی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ایسا لگتا کہ سانپ برسوں سے میرا شناسائی اور مطیع و فرمانبردار۔ ورنہ اس قسم کے جانور تو فوراً سے پیشتر جھاڑیوں میں جا کر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں، خیر میں ا

ہمدردی کا فرض نبھا رہا تھا۔

جب مجھے پکا یقین ہو گیا کہ سانپ اب ہر طرح سے تندرست اور صحت یاب ہو چکا ہے تو میں اپنے گیان دھیان کی چنتا کے لئے سوچنے لگا کہ میں دھیان گیان میں لگ کر اپنے گرو سے رابطہ کروں اور گرو کی ہدایت کے مطابق آگے قدم بڑھاؤں۔

سانپ آزادی سے میرے آگے پیچھے رہتا، بسا اوقات غار سے نکل کر باہر چلا جاتا اور گھنٹے دو گھنٹے میں واپس آ کر غار کے ایک کونے میں آرام سے بیٹھ جاتا۔

ایک رات میں اپنے گیان دھیان میں لگ گیا، سانپ کی تو اب مجھے کوئی فکر بھی نہیں کیونکہ اب وہ آزادانہ گھومنے کے لئے باہر چلا جاتا اور پھر واپس آ جاتا۔

میں اپنے گیان میں مصروف ہو گیا، بڑی کوشش اور تگ و دو کے بعد آخر گرو سے رابطہ ہو گیا۔

گرو نے کہا۔ ”شیر سنگھ اب تو اپرم شکتی کا مالک ہے جسے تو کئی بار آزما چکا ہے اب ہم دونوں کی راہیں جدا ہو چکی ہیں، اب تو اپنے ہر قول فعل کا مالک ہے، اب تجھے انگلی پکڑ کر نہیں چلایا جا سکتا، میں نے تجھے آخری ملاقات میں کہہ دیا تھا کہ میں تجھ سے بہت دور جا رہا ہوں مگر لگتا ہے اب بھی تجھ میں بچپنا ہے تو نے میرا دھیان کیا اور بڑی کوشش اور کشٹ اٹھا کر مجھے تیرے دھیان میں آنا پڑا، یہ میرا اب تجھ سے آخری حکم ہے کہ آئندہ اب کبھی میرے دھیان میں وقت ضائع نہ کرنا، کوشش کر تجھے تیری منزل مل جائے گی، ارے کوشش کرنے والوں کو تو ایشور مل جاتے ہیں، اس دنیا میں ایک سے ایک مہان شکتی شالی پڑا ہے، تو بھول کر بھی کسی کو اپنے سے ادنیٰ نہیں سمجھنا، اور یہ بھی تو آزما چکا ہے، ایک شخص نے تجھے پریشان کر دیا ہے، وہ جب بھی تیرے سامنے آتا ہے تو تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تجھ سے مہان شکتی شالی ہے، اب میں جا رہا ہوں، اب میرا تیرا اس جیون میں ملاقات نہیں ہوگی۔ بہرحال تو اپنی آخری خواہش کو پالے گا۔“

گرو کی باتیں سن کر میرے تن بدن میں اچانک بے چینی کی ایک ناقابل برداشت لہر اٹھی اور میں بلبلا اٹھا، اس کارن پٹ سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ گیان دھیان میں نہ جانے کئی مہینوں کا سمے بیت چکا تھا۔

سامنے کا منظر دیکھ کر میں بے حد حیران و پریشان ہو گیا کیونکہ میں نے دیکھا کہ میرے بہت قریب ایک بہت سندر لڑکی اپنی گردن جھکائے بیٹھی تھی۔

جلدی جلدی میری پلکیں کھلنے اور جھپکنے لگیں اور حیرانی کی بات تو تھی ہی کیونکہ اس جنگل ویران بیابان میں اتنی سندر ناری کا غار میں میرے سامنے گردن جھکا کر مورت کی مانند بے حس و حرکت بیٹھنا کیا معنی رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنے حواس پر قابو پایا اور بولا۔ ”لڑکی تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھی ہو؟“

میری آواز سن کر وہ لڑکی جھٹ سے میری طرف گہری نظر سے دیکھ کر کچھ بولی نہیں، ایسا لگتا تھا کہ اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”ہاں ہاں!! بولو تم کون ہو؟“ میں اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ”گھبراؤ نہیں اور نہ ہی خوف کھاؤ؟“

لڑکی نے پھر غور سے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ”مہاراج میں ...... میں“ اور پٹاپٹ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

لڑکی کو زار و قطار روتا دیکھ کر میں نے درمیان میں ٹوکا نہیں، میں نے سوچا اس طرح رونے سے اس کے دل کا غبار نکل جائے گا اور جب آنسو نکل جاتے ہیں تو آدمی شانت ہو جاتا ہے۔

تھوڑی دیر تک لڑکی روتی اور سسکتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ شانت ہو گئی۔

”لڑکی بلا خوف بتاؤ، ڈرو نہیں، تم دکھی لگتی ہو، تم کون ہو بتاؤ، اور تمہارے ساتھ کیا انیائے ہوا ہے؟“ میں بولا۔

لڑکی چند منٹ خاموش رہی پھر روتی ہوئی آواز

میں بولی۔ ''مہاراج میں وہی ابھاگن ہوں جسے آپ نے جیون دان کیا ہے۔''

''میں نے جیون دان کیا ہے، یہ تم کیا بول رہی ہو؟'' میں بولا۔

لڑکی ٹکٹکی باندھے میری طرف دیکھتی رہی اب اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی۔ وہ بولی۔ ''میں وہی ناگن ہوں جس کو آپ نے مردہ سمجھ کر اٹھا لائے اور پھر مجھ پر دیا کی، مجھے نیا جیون دیا۔''

''اچھا تو تم وہ ناگن ہو۔'' میں نے کہا۔

''جی مہاراج، میں ایک ناگن ہوں، اور میرے اندر جون بدلنے کی شکتی آگئی ہے، میں جب چاہوں اپنا جون بدل سکتی ہوں، لیکن میری مجبوری نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔''

''تم واقعی بہت دکھی ہو، تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو بیاکل کر دیا ہے۔'' میں بولا۔

''مہاراج! میں کہیں کی بھی نہیں رہی، میں لٹ چکی ہوں، برباد ہوگئی ہوں، اچھا ہوتا کہ آپ مجھے نیا جیون نہ دیتے، میں اب اس جیون کو لے کر کیا کر سکتی ہوں۔ میں پورے سنسار میں اکیلی رہ گئی ہوں۔''

''لڑکی جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا بھگوان ہوتا ہے، تم گھبراؤ نہیں، بھگوان تمہارے ساتھ انصاف کرے گا اور اگر کسی نے تم پر ظلم کیا ہے تو وہ ظالم بھی برباد ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج لیکن میں جینا نہیں چاہتی، میں اندر سے اتنا ٹوٹ چکی ہوں کہ بتا نہیں سکتی، اور ہوسکتا ہے کہ میں یہ جیون تیاگ دوں۔'' لڑکی کی آواز میں ابھی بھی کرب واذیت کی جھلک تھی۔

''لڑکی تمہارا نام کیا ہے، کوئی تو تمہارا نام تمہاری جاتی میں ہوگا؟''

''مہاراج جون بدلنے کی شکتی ملتے ہی مجھے میرا نام روپا پڑ گیا۔'' وہ بولی۔

''جس نے بھی یہ نام دیا بہت سندر نام دیا ہے۔ اچھا نام ہے۔'' میں نے کہا

''مہاراج اب اس نام میں اور مجھ میں کیا رکھا ہے، اب تو میرا جیون پل پل پہاڑ لگ رہا ہے، آپ نے اپنی خوشی سے مجھے جیون دان کیا، لیکن میری اب اچھا ہے کہ آپ میرا جیون واپس لے لیں، میں جینا نہیں چاہتی میں آتما کو خوشی سے گلے لگا لوں گی۔''

''روپا اس قدر نراش نہیں ہوتے، تمہاری اپنی ایک الگ دنیا ہے، روپ بدلنے والے ناگن اور ناگ اپنی دنیا کے راجا مانے جاتے ہیں، پوری سانپ جاتی ان کے آگے گردن جھکاتی ہے، تم اپنی دنیا میں خوش رہو گی۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج! میرا ساتھی ''ساجنا'' مر چکا ہے، میں اکیلی رہ گئی ہوں، میں اس سنسار میں اکیلی یہ پہاڑ جیسا جیون کیسے بتاؤں گی، میری دنیا اندھیر ہو چکی ہے، جب میرا جوڑا ہی نہیں رہا تو میں جی کر کیا کروں گی۔'' وہ یہ بول کر سسکنے لگی۔ پھر بولی۔ ''مہاراج! میرا ساتھی مجھے روپا بولتا تھا اور میں اسے ''ساجنا'' بولتی تھی۔

''روپا تمہارے ساتھ اتنا بڑا انیائے ہوا کیسے؟ اور کس نے کیا؟ تم کھل کر بتاؤ، ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جو انیائے کیا گیا ہے اس کا پراشچت ہو سکے۔'' میں نے کہا۔

میری بات سن کر چند منٹ روپا خاموش رہی، شاید وہ وقت کی کڑیاں اپنے دماغ میں جوڑ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک بہت ہی لمبا سانس کھینچا اور بولی۔

''مہاراج! جون شکتی ملنے کے بعد ہم دونوں جیون ساتھی اپنی دنیا میں بہت خوش تھے، ساری سانپ جاتی ہماری رعایا تھی، نئی نئی ہمیں شکتی ملی تھی ہم دونوں ہواؤں میں اڑتے پھرتے تھے، ہمیں رات دن کا ہوش نہ تھا، ہر وقت ہر لمحے خوش رہنا، ہمارے انگ انگ میں خوشی ناچتی تھی، سانپ جاتی میں کچھ ضدی اور بگڑے ہوئے بھی سانپ تھے، ایک دن ہم دونوں نے اعلان کیا کہ ''کل تک جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جاؤ، اب آئندہ

کسی بھی سانپ سے اپنی دنیا میں کوئی انیائے نہ ہو، کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، ہم سب کے قصور معاف کرتے ہیں لیکن کل سے کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائیگا، اور ایک بات کا خیال رہے کہ خواہ مخواہ کوئی بھی سانپ کسی منش کو نقصان نہ پہنچائے، منش کے قریب نہ جائے اور اگر کسی نے منش کو نقصان پہنچایا تو اس کی سزا موت ہوگی۔"

ہمارا اعلان سن کر سانپ جاتی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ہر طرف امن شانتی نظر آنے لگی، اور ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے میں مگن رہنے لگے۔

میں اور ساجنا نے اپنا روز کا ایک معمول بنایا کہ جنگل میں دیوتا بھولے ناتھ کا جو مندر ہے اور مندر میں دیوتا کی مورتی رکھی ہے اس کا ہر روز درشن کریں گے، اور پھر ہم دونوں نے بلاناغہ دیوتا بھولے ناتھ کا درشن کرنے مندر میں جانے لگے۔

مندر میں جاتے وقت اکثر میں انسانی روپ میں ہوتی اور ساجنا ناگ کے روپ میں ہی رہتا، میں تھوڑی دیر مندر میں بیٹھتی، اور ساجنا سانپ کے روپ میں میرے قریب رہتا، پھر میں اٹھ کر واپس آجاتی اور تھوڑی دور چلنے کے بعد جھاڑیوں میں روپ بدل کر سانپ بن جاتی۔

اس دن مندر میں آنے کے بعد میں دیوتا بھولے ناتھ کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ گئی، جس طرح میرا روز کا معمول تھا، ساجنا میرے ارد گرد تھا۔

اچانک مجھے اپنے پیچھے ساجنا کی زبردست پھنکار سنائی دی تو فوراً میں پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگی کیونکہ ساجنا کی جو پھنکار تھی وہ کسی زبردست خطرے کی نشاندہی تھی، اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ساجنا اتنے غضبناک طریقے سے پھنکارتا ہوا نظر آیا تھا۔

سامنے کا منظر بہت ہی اذیت ناک تھا، چار نوجوان کھڑے تھے، دو کے ہاتھ میں دو بڑے بڑے ڈنڈے تھے، ان دونوں نے اپنے ڈنڈے ساجنا پر تان رکھے تھے۔ میں بھونچکاں ہو کر ان لڑکوں کو دیکھنے لگی، ساجنا ان لڑکوں اور میرے درمیان میں ڈٹا ہوا تھا اور غصے سے غضبناک طریقے سے پھنکار رہا تھا۔

میں ششدر تھی، میں حواس باختہ تھی، یہ اتنی جلدی ہوا تھا کہ میں بھولے ناتھ کی مورتی کے پیچھے جا کر روپ بدلنا بھی بھول گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میرا کوئی اشارہ پاتے ہی ساجنا ایک طرف ہو کر جھاڑیوں میں رینگ جائے گا، اس کے بعد میں ان نوجوانوں سے کسی طریقے اور بہانے سے نمٹ کر جان چھڑا لوں گی۔

مگر ساجنا اپنی جگہ ڈٹا رہا کہ اچانک ان میں سے ایک نے آناً فاناً ڈنڈا ہوا میں لہرایا اور بجلی کی تیزی سے پلک جھپکتے ہی ساجنا پر وار کر دیا، ڈنڈے کا وار اس قدر زوردار تھا کہ ساجنا کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا، وہ اپنا بچاؤ کرتا، ڈنڈا ساجنا کے وجود پر پڑا، ساجنا نے میری نظروں کے سامنے دم دے دیا، پھر دوسرے لڑکے نے بھی اپنے ڈنڈے سے دوسرا وار کر دیا، اس کے وار سے ساجنا کا بھرکس نکل گیا۔

میں کچھ نہ کر سکی، میری نظریں جیسے پتھرا کر رہ گئی تھیں، میں سکتے کے عالم میں کاٹو تو میرے جسم میں لہو نہیں، میری نظریں ساجنا کے مردہ جسم پر ٹکی تھیں کہ اچانک ایک نوجوان آگے بڑھا اور میری کلائی پکڑ لی۔

جب اس نے کلائی پکڑی تو مجھے ہوش آیا اور میں چونک پڑی، اس کی گرفت میری کلائی پر زبردست تھی، وہ بولا۔ "جان من چلو دل خوش کرتے ہیں۔"

میں کلائی چھڑانے کے لئے مچلنے لگی، اتنے میں دوسرا آگے بڑھا اور اس نے میرا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا، اور پھر اس طرح ان چاروں نے مجھے دبوچ لیا۔ اور مندر کے سامنے سے مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے مندر کے پیچھے لے گئے۔ میری مزاحمت کمزور پڑ رہی تھی اور ان کی گرفت میرے وجود پر مضبوط ہو رہی تھی۔

مندر کے پیچھے لے جا کر مجھے زمین پر ڈال دیا، میری مزاحمت بڑھتی جا رہی تھی اور پھر میں جیسے آپے سے باہر ہو گئی، خونخوار بن گئی۔

میرا بپھرا ہوا انداز دیکھ کر وہ چاروں مشتعل ہو گئے اور اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے چکر میں درندہ بن گئے ۔ میں خود کو بچانے کے لئے ہر طرح کی کوشش کرنے لگی، انہوں نے مجھے جیسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا، کانٹے دار جھاڑیاں اور پودے میرے جسم کو زخمی کرنے لگے، انہوں نے بالکل مجھے کپڑے سے آزاد کر دیا تھا، میرے برائے نام کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔

جب انہوں نے دیکھ لیا کہ میں کسی طرح بھی ان کے قابو میں نہیں آ رہی تو ان میں سے دو نے چاقو نکال لیا، وہ دونوں بولے۔ ''سالی اب بھی قابو میں نہیں آئی تو اس کا کلیان کر دو۔''

انہوں نے میرے جسم کو چاقو سے زخمی کرنا شروع کر دیا، اب میرے پاس نہ وقت تھا اور نہ ہی کوئی اور بچاؤ کا طریقہ۔

میں نے پلک جھپکتے ہی اپنا روپ بدل لیا، میرا ناگن کا روپ دیکھتے ہی وہ چاروں دہل گئے ،اب ایک زخمی ناگن ان کے سامنے پھن کاڑھے موجود تھی ۔ مجھے ناگن کے روپ میں دیکھ کر، چاروں سرپٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔

چاروں کی شکل میرے دماغ میں تصویر بن کر چپک گئی ہے، وہ چاروں اگر پاتال میں بھی چلے گئے تو میں انہیں پہچان لوں گی۔

انہوں نے مجھے اتنا زخمی کر دیا تھا کہ میں چلنے سے بالکل بے بس تھی، مگر پھر بھی ایک جوش اور ہمت کے تحت گھنی جھاڑیوں میں رینگتی ہوئی اس جگہ تک پہنچ گئی، اور پھر میری ہمت جواب دے گئی، میں مرنے جوگ ہو گئی بلکہ عام لوگوں کی نظر میں، میں بالکل مردہ ہو چکی تھی، لیکن آپ نے مجھے نیا جیون دیا۔'' یہاں تک بول کر روپا پھر سسکنے لگی۔

روپا کو روتے دیکھ کر میں بولا۔''روپا ہمت نہ ہارو، ایشور پر بھروسہ رکھو، اب تم بتاؤ کہ تمہارے من میں کیا ہے؟''

روپا نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''مہاراج! مجھ ابھاگن کے من میں کچھ نہیں، میں تو سوچ رہی ہوں کہ ساجنا ختم ہو گیا تو میں جی کر کیا کروں گی؟''

''روپا تم پر واقعی بہت ظلم ہوا ہے، تمہارا جیون ساتھی مار دیا گیا، میری نظر میں وہ چاروں دوشی ہیں، ظالم ہیں، انہیں ان کے کیئے کی سزا ضرور ملنی چاہیئے، اور انہیں سزا تمہارے ہاتھوں ملنی چاہیئے، تو اس طرح تمہارے من کو شانتی ملے گی، تم ان چاروں سے بھرپور انتقام لو۔ جب تمہارا انتقام پورا ہو جائے گا تو تمہیں سکون ملے گا، تم اپنے ساجنا کا انتقام ضرور لو، اس طرح ساجنا کی آتما بھی خوش ہو گی۔'' میں نے کہا۔

ساجنا کی آتما کا سن کر وہ چونکی، اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور ایک عزم سے بولی۔''مہاراج! میں آپ کے مشورے پر اب ضرور عمل کروں گی، میں اپنے ساجنا کے لئے ان چاروں پاپیوں کو نرک میں پہنچا دوں گی، انہیں ایسی اذیت ناک موت سے دوچار کر دوں گی کہ ان کی آتما ہر جنم جنم میں تکلیف محسوس کرے گی۔ میں ان سے انتقام ضرور لوں گی، میں اپنے ساجنا کی آتما کو ضرور خوش کروں گی، میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی کہ دوسرے جنم میں بھی میرا ساتھ اپنے ساجنا کے ساتھ ہو۔''

''روپا تم آزاد ہو اپنی مرضی پر، ہمت کرو، اور ظالموں کو نرک میں پہنچا دو۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج! میرے اندر بجلی بھر گئی ہے انتقام کی، مجھے آگیا دیجئے کہ میں اس انتقام کو سرانجام دوں، آپ سے میری پرارتھنا ہے کہ جب تک میں اپنا انتقام ان چاروں ظالموں سے نہ لے لوں، آپ میرے قریب رہیں، میری سہائتا کریں، آپ میرے سامنے ہوں گے تو میری ہمت جوان رہے گی، مجھ میں طاقت رہے گی، آپ کی باتیں میرا حوصلہ بڑھائیں گی، مہاراج میری اس بنتی کو قبول کر لیں، ایک مجبور، بے کس، بے سہارا کی التجا ہے۔'' روپا نے کہا۔

روپا کی باتیں سن کر میں سوچنے لگا اور پھر بولا۔ "ٹھیک ہے روپا، میں تیرے قریب رہوں گا، میں اس جگہ یا پھر بستی کے مندر میں ملوں گا، اپنا کام ہوشیاری سے کرنا، جذبات میں نہیں آنا، ٹھنڈے دماغ سے اپنا پروگرام بنانا، موقع محل دیکھ کر اور خاص طور پر رات یا دن کے اجاڑ جگہ پر اس کام کو انجام دینا، کیونکہ کسی بھیڑ میں کوئی ایسا بھی مل سکتا ہے جو تیرا پیچھا کر کے یا تیرے سامنے آ کر تیرا نقصان کر بیٹھے، اور مجھ سے ملنے کے لئے بھی ہوشیاری سے کام لینا۔"

شام کا وقت ہو چلا تھا۔ میرے سامنے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا، اس کے بعد وہ زمین پر لیٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے انسانی روپ بدل کر ناگن کا روپ دھار لیا، اس کے بعد مجھے دیکھتے ہوئے غار سے باہر رینگتی ہوئی چلی گئی۔

روپا کے جانے کے بعد میں سوچنے لگا۔ "انسان ہوس کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی تمام حدیں پامال کر جاتا ہے، اس کے سامنے سے رشتے ناطے، دیوی دیوتاؤں کے عمل اور ایشور کے بتائے ہوئے راستے مٹ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ہوس میں لوگ اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ اس وقت کسی کی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو کر وہ کچھ کر جاتے ہیں جن کا تصور بھی ممکن نہیں ہوتا۔"

اس جگہ سے رام نگر زیادہ دور نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کی دوری پر تھا۔ میں نے سوچا۔ "آج کی رات غار میں ہی گزار لوں، کل صبح ہوتے ہی بستی کی طرف چلا جاؤں گا، اور بستی کے مندر میں کچھ دن کاٹ لوں گا۔"

رات کے بعد دن کا اجالا ہر طرف چھا گیا۔ میں اپنے گیان دھیان میں مصروف تھا کہ غار میں ہلکی سی آہٹ پر میں چونکا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو میرے سامنے روپا گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ دیکھ کر اس نے پرنام کیا۔

روپا کو دیکھ کر میں چونکا ضرور تھا کیونکہ آج وہ کل والی روپا نہیں لگ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں بڑی تیز چمک تھی اور چہرے پر سرخی جھلک رہی تھی۔

"روپا تم رات بھر کہاں تھی؟" میں نے سوال کر دیا۔

میرا سوال سن کر وہ مسکرائی اور بولی۔ "مہاراج میں نے ان چاروں میں سے رات سے ایک کو نرک میں پہنچا دیا، میں پورے گاؤں میں رات کے اندھیرے میں بھرنی کی طرح چکر کاٹ رہی تھی کہ کھلیان میں مجھے ان میں سے ایک پاپی نظر آ گیا۔ ایک کونے میں بنی ہوئی جھونپڑی میں کسی ناری کے ساتھ اپنا منہ کالا کر رہا تھا۔ جھونپڑی میں کوئی چراغ یا دیا نہیں تا، میں نے بہت غور سے اسے دیکھا اور پھر اس کی باس میری ناک سے ٹکرائی تو مجھے پکا یقین ہو گیا کہ ان میں سے ایک یہ پاپی ہے، اس ناری کو اس سے بیاہ رچانے کے سپنے دکھلا رہا تھا، غریب کی چھوری اس کی باتوں میں آ کر اپنی عزت گنوا بیٹھی۔

اس سے میرا خون کھول اٹھا، میرے جذبات قابو میں نہیں تھے اور ہو سکتا تھا کہ میں اپنا روپ بدل کر اس کے سامنے آ جاتی اور بولتی۔ "پاپی دیکھ مجھے، اس دن تو نے اور تیرے ساتھیوں نے ہم مظلوموں پر جو ظلم کیا تھا، آج اس سے بھی بھیانک انجام کے لئے تیار ہو جا۔" لیکن فوراً آپ کی باتیں میرے دماغ میں گھوم گئیں کہ جذبات میں کام خراب ہو سکتا ہے اور پھر وہ ناری میرا بھید گاؤں والوں کے سامنے کھول سکتی تھی۔ لہٰذا میں نے رات کے اندھیرے میں اسے کئی جگہ پر ڈس لیا۔

میرے زہر نے اس کے پورے جسم میں آگ لگا دی، اس کا خون پانی بن گیا، اس کی چیخیں آسمان اور زمین کو ہلانے لگیں، وہ ناری ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی، اور پھر نہ جانے اس کے دماغ میں کیا آیا کہ وقت برباد کرنے سے پہلے خاموشی سے اس جگہ سے کھسک لی، چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ پاپی اپنے بھیانک انجام کو پہنچ گیا۔ میں تیزی سے وہاں سے نکلی اور آپ کے چرنوں میں آ کر بیٹھ گئی۔"

''روپا اب تو تجھے کچھ شانتی مل گئی ہو گی کیونکہ تیرا ایک ظالم دشمن دنیا سے چلا گیا۔'' میں نے بولا تو روپا نے مجھے غور سے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

''مہاراج! میں نے سوچ لیا ہے کہ رات میں ہی موقع محل دیکھ کر اپنے دشمنوں سے نمٹا کروں گی، آپ کی آشیرواد چاہئے۔'' روپا نے کہا۔

''روپا میری آشیرواد تمہارے ساتھ ہے، میری خوشی ہے کہ تمہیں شانتی ملے اور تمہارے دشمن اپنے انجام کو جلد از جلد پہنچ جائیں۔'' میں نے کہا۔

میری باتیں سن کر روپا نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر ایک کونے میں جا بیٹھی تھوڑی دیر تک میں خاموش بیٹھا رہا، پھر میں نے سوچا کہ اب مجھے بستی میں جا کر بستی کے حالات واقعات اور لوگوں کو دیکھنے چاہئے لہٰذا میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ''روپا میں بستی کی طرف جا رہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میں بستی کے مندر میں ٹھہر جاؤں یا پھر واپس اسی جگہ آ جاؤں، تم اپنا خیال رکھنا، میرے خیال میں ہے کہ تم اپنا روپ بدل لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ظالم ادھر منہ اٹھا کر آ جائے اور تمہارے ساتھ دست درازی کرے۔'' میں نے بولا تو روپا نے میری باتوں سے اتفاق کیا۔

''مہاراج! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں آپ کی باتوں پر عمل کروں گی۔'' یہ کہتے ہی روپا نے پلک جھپکتے ہی اپنا روپ بدل لیا، اور ناگن کا روپ دھار لیا، اب اس جگہ جہاں وہ بیٹھی تھی، ایک ناگن کنڈلی مارے موجود تھی۔

میں نے ایک بھرپور نظر ناگن بنے روپا پر ڈالی اور غار سے نکلتا چلا گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد میں بستی میں پہنچ گیا۔ بستی کے لوگ اپنے معمولات کے مطابق اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک جگہ برگد کے درخت کے نیچے بہت سارے لوگ جمع تھے، سب کے جسم پر سفید لباس تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی کی موت ہوگئی ہے، خیر میں اس درخت کے پاس پہنچ گیا اور ایک شخص سے بولا۔ ''بھائی کس کی موت ہوگئی ہے؟''

وہ شخص نے پہلے تو مجھے غور سے دیکھا، میں چونکہ اس بستی میں نیا نیا تھا لہٰذا دوسرے لوگوں نے بھی مجھے غور سے دیکھنا شروع کر دیا، پہلا شخص بولا۔ ''مہاراج، کل رات رامو کھلیان میں اپنے اناج کی رکھوالی کے لئے موجود تھا کہ کسی سانپ نے ڈس لیا، اب تو اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی ہے، تمام بدن کالا پڑ گیا ہے اور کئی جگہ سے تو گوشت پھٹنا شروع ہو گیا ہے۔'' یہ بول کر وہ خاموش ہو گیا۔

ایک اور شخص بولا۔ ''ہم جلدی کر رہے ہیں۔'' رام نام ست کے لئے۔''

میں داڑھی مونچھوں سے صاف ایک سادھو کے بھیس میں تھا۔ میری صحت قابل دید تھی۔ میں مردہ شخص کے قریب گیا اور دیکھا، واقعی اس کی حالت بہت خراب تھی۔ پورا چہرہ کالا پڑ چکا تھا اور چہرے کی جلد جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی۔

میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ ''اگر میں اس مردہ کے ساتھ کچھ کر دوں تو لوگ اپنے میرا چمتکار سمجھ کر میرے آگے پیچھے ہونے لگیں گے اور اس طرح بغیر کچھ کئے مندر میں میرے ٹھہرنے کا بندوبست ہو جائے گا۔

میں نے ایک منتر پڑھا اور مرنے والے کے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ دیا اور آنکھیں بند کر کے تصور کیا کہ مرنے والے کا جسم اور چہرہ اپنے معمول پر آ جائے۔

پھر میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اس کا چہرہ اب کالا پن سے معمول کے مطابق تھا۔ چہرے پر سے کالا پن غائب ہو چکا تھا۔ میں نے بولا۔ ''اب یہ ٹھیک ہے، اس کا چہرہ اور پورا جسم ٹھیک ہو چکا ہے۔ آپ لوگ جلدی سے ... چتا پر ... آگ نہ کریں۔''

میری آواز پر دو ... اپنی جگہ سے ... کر میرے قریب آئے اور پھر بغور مرنے والے کا چہرہ دیکھا پھر ان دونوں نے جلدی سے جھک کر میرے چرن چھونے لگے۔ میں نے کہا۔ ''ارے بھائی یہ کیا کر رہے ہو؟''

بیک وقت وہ دونوں بولے۔ ''مہاراج! آپ

نے چنکار کر دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے والے کے باپ دھل گئے، اب یہ سورگ باشی ہو گیا۔" اور دونوں اپنے ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔

ان دونوں کی باتیں سن کر اور انہیں دیکھ کر اس جگہ جتنے بھی لوگ موجود تھے جلدی سے مرنے والے کے قریب آئے اور غور سے اسے دیکھنے لگے، پھر تو تمام لوگوں نے "مہاراج کی جئے ہو" کا نعرہ بلند کرنے لگے، میرے آگے پیچھے ہو کر میرے چرن چھونے لگے۔

میں نے لوگوں سے بلند آواز سے بولا۔ "آپ لوگ مرنے والے کو جلدی سے چتا پر لٹاؤ، دیر نہ کرو۔" کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر مزید دیر ہو گئی تو مرنے والے کا پورا جسم زہر کی وجہ سے گاڑھا گاڑھا رقیق بن کر بہہ جائے گا، لوگوں نے میری بات پر دھیان دیا اور جلدی سے اسے چتا پر لٹا کر چتا کو آگ لگا دی۔

چتا جلنے کے بعد سارے لوگوں کا دھیان میری طرف ہو گیا، گاؤں کا مکھیا آگے بڑھا اور میرے سامنے اپنی گردن جھکا کر اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! آج سے پہلے ہم نے آپ کو کبھی اس بستی میں نہیں دیکھا، آپ کدھر سے پدھارے ہیں۔"

مکھیا کی بات سن کر میں بولا۔ "ارے مکھیا جی! ہم سادھو سنت لوگ ہیں، ہمارا کوئی خاص ٹھکانہ نہیں ہوتا، جدھر منہ اٹھا اس طرف چل پڑے، آج یہاں اور کل کا پتہ نہیں کہاں چلے جائیں۔"

مکھیا فوراً بولا۔ "مہاراج! میری بنتی ہے کہ آپ ہمارے پاس رہ کر مجھے سیوا کا موقع دیں، میں آپ کی سیوا کرنا چاہتا ہوں، اور میری سو بھاگ ہو گی کہ میں آپ کی دل جان سے سیوا کروں۔"

"مکھیا جی! آپ کا دھنے واد چلئے آپ کی بات مان لیتا ہوں، لیکن ایک میری بھی بات ہو گی کہ میں آپ کے گھر میں نہیں بلکہ آپ کے گاؤں کے مندر میں ڈیرہ ڈال لوں گا، اور جب اوپر والے کا حکم ہو گا تو کسی اور طرف نکل جاؤں گا۔"

"مہاراج مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میری بات رکھ لی، لیکن کھانے پینے کا سارا بندوبست میں کروں گا، جس چیز کی بھی ضرورت ہو گی آپ بے دھڑک اپنی اچھا کا اظہار کر دیجئے گا، میرے "خدمت گار" ہر وقت آپ کے قریب موجود ہوں گے۔"

"مکھیا جی! ایک بات کا خیال رہے، رات سے مندر کا دروازہ بند ہو جائے تو گاؤں کا کوئی بھی آدمی مندر میں نہ آئے یہ میرا حکم ہے اور اگر رات سے کوئی مندر میں آیا تو اس کا بھاری نقصان ہو گا، کیا آپ اس پر راضی ہو۔" میں نے کہا۔

"مہاراج مجھے آپ کی تمام باتیں منظور ہیں، شام سے پہلے مندر کے پنڈت نارائن جی گھر چلے جاتے ہیں، لیکن مندر میں رات بھر ایک چھوری کامنی رہتی ہے جو کہ کالی ماتا کی بھگت ہے، اس کے گھر والے تو ہیں لیکن وہ رات دن ماتا کی سیوا کرتی ہے، اپنے آپ کو اس نے مندر کا کر رکھا ہے، اس نے دنیا تیاگ دیا ہے، اگر آپ کہیں تو میں اس کا کسی اور جگہ بندوبست کرا دوں، مہاراج آپ کی خوشی ہم تمام گاؤں والوں کو عزیز ہے۔"

مکھیا کے منہ سے کامنی کا سن کر میری آنکھویں حس پھڑکی اور میں بولا۔

"ارے مکھیا جی کامنی سیوک اور بھگت ہے وہ بھلا کہاں جائے گی؟ اپنے کمرے میں پڑی رہے گی، میرا حکم تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو رات سے باہر سے آتے ہیں اور وہ مندر کا حصہ نہیں، کامنی شوق سے اپنی جگہ رہے مجھے اعتراض نہیں، اور ہاں ایک بات کا اور خیال رکھنا میرے کھانے پینے کا کوئی چنتا نہ کرنا، میں گیان دھیان میں جب لگ جاتا ہوں تو بغیر کھائے پئے لمبا سمے بیت جاتا ہے، لیکن اپنوں کی خوشی کے لئے کھا پی بھی لیتا ہوں، اگر کچھ کھانے پینے کا بھجوانا تو شام سے پہلے، جب مندر کا دروازہ بند ہو گیا تو پھر....." اور میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

مکھیا مجھے لے کر مندر پہنچا، چھوٹا سا مندر تھا

اندر سائیڈ چار کمرے تھے، ایک کامنی کا کمرہ تھا، ایک کمرہ میں پوجا پاٹ کا سامان پڑا رہتا تھا۔ تیسرا مندر کے پجاری نارائن کے لئے وقف تھا اور چوتھا بالکل خالی پڑا تھا۔

جو خالی کمرہ تھا اس کا ایک دروازہ باہر کو کھلتا تھا، میں نے وہی کمرہ اپنے لئے پسند کرلیا، ایک گھنٹہ کے اندر کمرے کی جھاڑ پونچھ کر کے آرام دہ اور نرم بستر کا انتظام کردیا گیا، چونکہ ساری باتیں مندر کے پجاری کے سامنے ہوئی تھیں لہذا ذہنی طور پر وہ میرا گرویدہ ہو چکا تھا اور ''مہارا، مہاراج!!'' کہتے تھکتا نہیں تھا۔

مکھیا ساتھ ساتھ تھا، اس نے اور پجاری نے کامنی سے میرا پریچہ کرایا، کامنی نین نقش اور جسم کی بہت زبردست تھی، اس کی کنواری آنکھیں ایسی تھیں جو کہ سامنے والے کو اپنے اندر جذب کرلیں، اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر جب وہ میرے چرن چھونے کے لئے جھکی تو جیسے میری آنکھوں کو ایک جھٹکا لگا اور دماغ میں چھناکے سے ہوئے کیونکہ اس کا انداز اور بانکپن ایسا تھا کہ دنیا تیاگنے والا بھی ایک پل کو جھٹکا کھا جائے۔

وہ بولی۔ ''مہاراج آپ کی سیوا میرے لئے دھرم ہے، میں آپ کی سیوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گی، آپ کا آشیرواد مجھ دکھیاری کو اجاگر کردے گا۔''

میں نے کامنی کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ ''کامنی تو بہت اچھی ہے، تو ماتا کی سیوک اور بھگت ہے بڑی خوشی کی بات ہے، میرا آشیرواد ہر سمے تیرے ساتھ رہے گا۔'' میں نے کہا تو کامنی نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

دن ختم ہوا، شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ مندر کا پجاری اپنے وقت پر مجھے پرنام کر کے چلا گیا۔ مکھیا نے اپنے آدمی مندر کے دروازے پر پہرے دار کے طور پر بیٹھا دیا، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کسی سمے مہاراج کو کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے۔

مندر کا دروازہ اپنے وقت پر بند ہوگیا، کامنی نے اندر سے دروازے کی کنڈی لگادی، کامنی اپنے کمرے میں مجھے پرنام کر کے چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ کر آنے والے وقتوں کا وچار کرنے لگا۔

رات بیت گئی، اپنے وقت پر کامنی نے مندر کا دروازہ کھول دیا، پجاری آکر کالی ماتا کی مورتی کے پاس بیٹھ گیا۔ ہر روز کی طرح لوگ کالی ماتا کا درشن کرنے کے لئے آنے لگے، مندر میں لٹکی ہوئی گھنٹی بڑی تیزی سے بجنے لگی۔ کچھ لوگوں نے آتے ہی میرا پوچھنے لگے، تھوڑی دیر بعد کامنی میرے کمرے میں آئی اور بولی۔ ''مہاراج مندر میں آنے والے لوگ آپ کا درشن کرنا چاہتے ہیں۔'' اور یہ بول کر خاموش گردن جھکا کر کھڑی ہوگئی۔

میں سمجھ گیا کہ کامنی کی بھی مرضی ہے کہ میں چل کر پوجا والے کمرے میں لوگوں کو اپنا درشن کراؤں، میں اٹھ کھڑا ہوا، کامنی سے بولا۔ ''چل کامنی تیری خوشی بھی اس میں ہے تو میں درشن کے لئے چلتا ہوں۔''

میں کامنی کے ساتھ چلتا ہوا پوجا کے کمرے میں آکر بیٹھ گیا، لوگوں نے اور پنڈت نے اٹھ کر میرا سواگت کیا اور ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑے ہوگئے، میں بولا۔ ''آپ لوگ بیٹھ جائیں۔''

آج لوگوں نے کچھ زیادہ ہی دان اور چڑھاوے کے لئے چیزیں لائے تھے، سب نے باری باری اپنی چیزیں میرے سامنے کرتے اور میں اپنا ہاتھ ان چیزوں پر لگا دیتا تو اس کے بعد وہ لوگ اپنی اپنی چیزیں سامنے رکھ دیتے۔

لوگ آتے رہے اور جاتے رہے، دوپہر کے وقت میں نے پنڈت سے کہا۔ ''نارائن روز کی طرح تمام دان اور چڑھاوے اپنے لئے سمیٹ لو۔''

نارائن میری طرف غور سے دیکھنے لگا تو میں نے اشارہ کردیا کہ ان چیزوں کے تم ہی مالک ہو، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، اور جو کامنی لینا چاہے اسے بھی دے دینا۔'' میری بات سن کر پنڈت نارائن مسکرایا اور بولا۔ ''مہاراج یہ آپ کی بڑی کرپا ہے۔''

مکھیا بھی میرے پاس آیا اور ہر طرح خیر خیریت

معلوم کرتا رہا، کھانے پینے سے لے کر آرام سکون تک کا پوچھا۔ ''کامنی تو بتا مہاراج کو رات سے کسی قسم کا کشٹ تو نہیں ہوا، تو نے ہر سے مہاراج کا ہر طرح کا خیال رکھنا ہے، مہاراج کی سیوا میں کوتاہی، میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا، تن من سے تو نے مہاراج کی سیوا کرنی ہے۔''

''جی بہت اچھا! آپ کو کسی قسم کی شکایت میرے اور سے نہیں ملے گی، مہاراج کی سیوا کے لئے میں خود کو نچھاور کردوں گی، آپ بے فکر رہیں۔'' کامنی نے کہا۔

چار دن بیت گئے تھے اور روپا کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں آئی تھی۔ میں چنتا میں تھا، چار دن ہو گئے نہ جانے روپا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے؟

آدھی رات بیت چکی تھی۔ میں اپنے کمرے میں تھا کہ اچانک میں نے غار کا تصور کیا اور میں غار میں پہنچ گیا۔ غار میں پہنچ کر میں نے آواز دی۔ ''روپا۔''

میری آواز سن کر روپا نے فوراً جواب دیا۔ ''مہاراج! آپ آ گئے، میں بہت چنتا میں تھی کہ مہاراج نے کوئی خبر نہیں لی۔''

''روپا تمہاری خبر نہ ملنے کی وجہ سے میں خود بھی بیاکل تھا کہ نجانے روپا کس حال میں ہے، اور سناؤ یہ چار دن کیسے بیتے؟

''مہاراج میں ہر رات گاؤں میں چکر کاٹ رہی ہوں مگر کوئی مناسب سے اور جگہ نہیں ملتی کہ میں کسی اور پاپی کو بھیانک موت ماروں، آپ کی کرپا اور آشیر واد سے میں یہ کام بہت جلد نمٹالوں گی، میں ہر پل انتقام کی اگنی میں جل رہی ہوں اور جب تک میرا انتقام پورا نہیں ہوگا، میں پل پل بیاکل رہوں گی۔''

''روپا شانتی سے رہو، میرا آشیر واد تمہارے ساتھ ہے، تم اپنا خیال رکھنا، اب میں چلتا ہوں، بہت دیر ہونے والی ہے، کوئی مجھے میرے کمرے میں بلانے نہ آ جائے۔''

میں نے روپا سے کہا تو روپا نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے مہاراج، دھنے واد۔'' میں نے تصور کیا اور پھر اپنے کمرے میں تھا۔

مزید دو دن بیت گئے۔ مندر میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہا، اب ہر کوئی آتے ہی میرا پوچھتا اور مجھے دیکھ کر خوش ہو جاتا۔ زیادہ تر لوگ اپنی ضرورتوں کو لے کر آتے، میرے قریب بیٹھتے اپنی بپتا سناتے اور میرا آشیر واد لے کر چلے جاتے۔ اب تک بہت سے لوگوں کے ایسے ایسے کام بخیر و خوبی انجام پا گئے تھے جو کہ برسوں سے نہیں ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں آ گیا تھا کہ رام نگر والوں کو خوش رکھو۔

تیسرے دن بھور سے اچانک بستی میں سور اٹھا، کسی جوان کو کسی سانپ نے ڈس لیا تھا اور موقع پر ہی وہ جوان اپنی زندگی ہار چکا تھا۔

مندر میں آتے ہی پنڈت بولا۔ ''مہاراج رات میں رام بھروسے کے چھورے کو کسی جہریلے سانپ نے کاٹ لیا، سانپ اتنا جہریلا تھا کہ وہ پانی بھی نہ مانگ سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے دم دے دیا، سارا گاؤں دکھ میں پڑا ہے۔''

میں نے ایک شخص کے ذریعہ مکھیا کو کہلا بھیجا کہ مرنے والے کی جلد از جلد کریا کرم کر دیا جائے کیونکہ مرنے والے کو زیادہ سے چتا سے دور رکھنا اچھا نہیں ہوتا۔''

پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر جب میں اور پنڈت اس جگہ پہنچے جہاں چتا جلائی تھی تو سارا انتظام مکمل تھا۔ ہمارے پہنچتے ہی میرے اشارے پر مکھیا نے اعلان کر دیا کہ مہاراج آ گئے ہیں اور مہاراج کی مرضی ہے کہ فوراً چتا کو آگ دکھا دو۔''

فوراً چتا کو آگ لگا دی گئی۔ چتا زور شور سے جلنے لگی سارے لوگ افسردہ تھے کہ ''رام بھروسے کا لڑکا سنیل بہت ہی طاقتور اور گھبرو جوان تھا۔ نہ جانے گاؤں میں کونسا سانپ آ گیا ہے جس نے چند دنوں میں دو نوجوانوں کی جان لے لی۔''

میں سمجھ گیا تھا کہ روپا نے اپنا دوسرا شکار کر لیا اور پاپی کو نرک میں پہنچا دیا، میں نے چتا جلتے سے ایک خاص

بات نوٹ کرلی تھی کہ دو نوجوان ایک کونے میں سہمے ہوئے چہرے کے ساتھ کھڑے تھے، ان کے چہروں پر جیسے ہلدی مل دی گئی ہو، میں سمجھ گیا کہ یہ دو باقی بچے ہیں یہی دونوں ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کی موت سے دہشت زدہ ہیں اور سمجھ گئے ہیں کہ ناگن نے اپنا انتقام لینا شروع کردیا ہے۔ ان دونوں میں گاؤں کے مکھیا کا بھی ایک بیٹا تھا۔

اسی دن رات سے میں نے اپنے آپ کو اپنے کمرے میں بند کرلیا اور مکھیا کے بیٹے کا تصور کیا تو پلک جھپکتے ہی میں مکھیا کے بیٹے آکاش کے ڈیرے پر موجود تھا۔ میں ایک کونے میں ایک کیڑے کے روپ تھا۔

آکاش کی آواز سنائی دی۔ ''روہیت اب کیا ہوگا؟ لگتا ہے وہی ناگن انتقام پر تل آئی ہے، دونوں کی تو جان لے چکی ہے، میرا تو ڈر کے مارے پتہ پانی ہورہا ہے۔''

''ہاں یار! خوف سے تو میں بھی کانپ رہا ہوں، ہمارے پاس کوئی اپائے نہیں، کیا کریں، کہاں بھاگ کر جائیں؟ باتوں باتوں میں باپو بول رہے تھے۔ ''ناگ ناگن پاتال میں بھی اپنے دشمن کے پاس پہنچ جاتے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں دشمن کی تصویر محفوظ ہو کر رہ جاتی ہے، باپو کی باتیں مجھے دہلا گئی ہیں، اب تو ہی بتا کہ ہم کیا کریں؟ میری تو عقل ختم ہوتی جارہی ہے۔'' روہیت بولا۔

''میں تو اس دن کو پچھتا رہا ہوں جب وہ انسانی شکل میں جنگل کے مندر میں ملی تھی سالی کی خوبصورتی دیکھ کر میں تو اپنا حواس کھو بیٹھا تھا۔'' آکاش بولا۔

''سارا قصور تیرا ہے، تیرے ہی اشارے پر ہم تینوں اسے دبوچنے کے لئے آگے بڑھے تھے، اور پھر سب سے پہلے تو نے ہی چاقو سے اس پر وار کیا تھا، کاش! کہ ایسا نہ ہوتا، باپو کا یہ بھی کہنا ہے کہ جنگل میں بسا اوقات آتمائیں بھی پھرتی ہیں، اور یہ کیا کسی آتما سے کم نکلی۔'' روہیت روہانسی ہو کر بولا۔ ''ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، مندر میں جو مہاراج آئے ہیں، سنا ہے کہ بہت چمتکار والے ہیں، کیوں نا کل ان کے پاس چلیں، ہوسکتا ہے کوئی اپائے نکال دیں۔''

''ٹھیک ہے روہیت کل جب مندر سے بھیڑ چھٹ جائے گی تو ان سے مل کر صاف صاف بتادیتے ہیں، سنا ہے، بہت نرم دل ہیں۔''

اور اس سے آگے میں نے اور کچھ سننا گوارہ نہیں کیا۔ دونوں کی باتیں سن کر میرا من بہت دکھی ہوا کہ انہوں نے روپا پر اور ساجنا پر جو ظلم کیا تھا، اسے سوچ کر دل دہل جاتا تھا، اگر میرا بس چلتا اور یہ انتقام روپا کا نہیں ہوتا تو میں خود اس وقت ان دونوں کو بھیانک موت ماردیتا۔

میں نے تصور کیا اور مندر کے اپنے کمرے میں آگیا۔ سویرے سویرے مندر میں پوجا پاٹ کا کام شروع ہوگیا، میں اپنے کمرے سے نکل کر کالی ماتا کے قریب بیٹھ گیا، لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ چڑھاوے چڑھاتے دان پن کرتے اور چلے جاتے، گیارہ بجے کے قریب میں نے ان دونوں جوانوں کو دیکھا جن کی باتیں میں ڈیرے پر سن چکا تھا یعنی وہ دونوں وہ تھے جنہوں نے روپا پر ظلم کیا تھا۔

دونوں گردن جھکائے ہوئے اور مجھے پرنام کرکے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ جب تک لوگوں کا رش رہا، دونوں اپنی اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھے رہے، ڈھائی تین بجے کے قریب لوگوں کا مندر میں آنے کا چکر ختم ہوگیا تو وہ دونوں اٹھ کر میرے قریب آئے، اور ان میں سے ایک بولا۔ ''مہاراج میرا نام آکاش ہے میں مکھیا جی کا بیٹا ہوں، میری آپ سے بنتی ہے کہ میری باتوں کا باپو کو پتہ نہ چلے۔''

میں نے کہا۔ ''تم بے دھڑک ہو کر بتاؤ، ہر آدمی کا عمل اس کے ساتھ ہوتا ہے، بھگوان کے پاس کوئی باپ بیٹا نہیں، ہر آدمی اپنے عمل سے نرک اور سورگ باشی ہوتا ہے۔''

آکاش نے اپنا اور اپنے تینوں دوستوں کا وہ ظلم جو اس کے اشارے پر روپا اور ساجنا کے ساتھ ہوا تھا، لفظ لفظ صاف سنا دیا۔ وہ اور اس کا دوست روہیت دونوں سہمے ہوئے تھے، ڈر کی وجہ سے آنسو ان کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

اس کی باتیں سن کر میں بولا۔ ''تم لوگوں نے بہت انیائے کیا ہے، تم لوگوں کا ظلم اور پاپ اتنا بڑا ہے کہ صرف بھگوان ہی رکھشا کر سکتا ہے۔ تم لوگوں نے اس ناگن کے سامنے اس کے ناگ کو مار دیا۔ ناگن پاتال سے بھی اپنے دشمن کو ڈھونڈ نکالتی ہے، ہوس کے پھیر میں تم لوگوں نے ظلم کے اتنے بڑے پہاڑ توڑے ہیں، خیر تم یہ بتاؤ اب تم دونوں کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا۔

آکاش بولا۔ ''مہاراج ہماری رکھشا کے لئے کچھ کریں، وہ ناگن ہم دونوں کو بھی مار ڈالے گی، ہمارے دو دوستوں کو تو مار چکی ہے۔ ہم بڑی امید لے کر آپ کے چرنوں میں آئے ہیں، آپ کو بھگوان کا واسطہ ہماری مدد کریں۔'' اور اس نے جھٹ میرے پاؤں پکڑ لئے۔

''آکاش تم دونوں گھبراؤ نہیں، نراش مت ہو، تم دونوں کے لئے میں کچھ سوچتا ہوں، تمہارے کام تو بڑے بھیانک اور برداشت کے قابل نہیں ہیں، تم ویسے بھی عزت دار پرش کے وارث ہو، تمہارے پتا پورے گاؤں میں قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، تمہیں تو ویسے بھی اپنے پتا اور آنے والے اس وقت کو سوچنا چاہئے کہ ایک دن تم بھی اپنے پتا کی جگہ لے کر گاؤں کا مکھیا بنو گے، اگر لوگ تمہارے طرف انگلی اٹھائیں ظالم بدکار، اور پاپی بولیں تو کیا یہ سب تمہارے لئے اچھا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''مہاراج! مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی، میں یا میرے دوست یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ لڑکی ناگن ہوگی؟''

''آکاش اس لئے کہا گیا ہے کہ کوئی بھی اچھا یا برا کام کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے، اکثر لوگ بعد میں پچھتاتے ہیں، جوش میں وہ اپنا ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ جیسا تم لوگوں نے کیا۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج! اب تو بس آپ کا ہی آسرا ہے، صرف آپ کی ذات ہی ہم دونوں کو بچا سکتی ہے، ہم دونوں پر آپ دیا کریں، نہیں تو وہ ناگن ہم دونوں کو مار ڈالے گی۔'' اس نے کہا۔ اس دوران اس کا دوست روہیت بالکل خاموش گردن جھکائے بیٹھا رہا۔

آکاش کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی، پورے چہرے پر ایسا لگتا تھا جیسے کہ ہلدی مل دی گئی ہو، آنکھیں اجاڑ ویران تھیں، کیونکہ موت ان کے سامنے کھڑی تھی جو کہ کسی بھی وقت دبوچ سکتی تھی، ویسے بھی دنیا میں ہر انسان جسے یہ پتہ چل جائے کہ کسی بھی وقت دو چار دن میں اس کی موت واقع ہو جائے گی تو جو اس کی اندر سے بے چینی اور تڑپ ہوگی وہ تو وہی جان سکتا ہے۔

میں نے کہا۔ ''تم دونوں آرام سکون سے گھر جاؤ، میں کوئی اپائے کرتا ہوں تاکہ تم دونوں کی جان اس ناگن سے چھوٹ جائے، وہ تم دونوں تک پہنچ نہیں پائے، ویسے مجھے لگتا ہے کہ اس کا غصہ عروج پر ہے اور وہ اپنے انتقام کے چکر میں اندھی ہو رہی ہے، اسے اپنے انتقام کے سوا اور کچھ سجھائی نہیں دیتا ہوگا، ناگ ناگن کے دماغ میں اپنے دشمن کی تصویر اتر جاتی ہے اور پھر اس کارن وہ اپنے دشمن تک پہنچتی ہے، خیر میری کوشش ہوگی کہ تم دونوں بچ جاؤ، بھگوان سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگو، ماتا کے چرنوں میں اپنا سر جھکاؤ، ماتا کا آشیرواد بھی تم دونوں کے لئے ٹھیک رہے گا، اب تم دونوں جاؤ اور کوشش کرو کہ زیادہ ادھر ادھر نہ پھرو، بھگوان تمہارا بھلا کرے۔'' میں نے کہا۔

میری باتیں سن کر دونوں نے میرے ہاتھ چومے اور پیاس بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے مندر سے چلے گئے۔ ان دونوں کا جانے کے بعد میں نے سوچا۔ ''تم لوگوں کا پاپ ناقابل معافی و ناقابل

برداشت ہے، تم نے ہوس کے نشہ میں چور ہو کر بھیانک جرم کیا ہے، یہ ایسا جرم ہے کہ ماتا تو کیا بھگوان بھی معاف نہ کرے، اور ناگن ہر صورت میں اپنا انتقام پورا کر کے دم لے گی، اگر تم لوگوں نے یہ جرم کرنے سے پہلے انسان جاتی کی بھلائی کے متعلق سوچ لیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔''

گاؤں کے سارے لوگ مجھ سے خوش تھے اور خاص طور سے مکھیا تو کچھ زیادہ ہی خوش تھا، ہر روز بلاناغہ میرے پاس آتا، مجھے پرنام کرتا، میرے چرن چھوتا، کچھ دیر میرے پاس بیٹھتا، مندر کے پجاری نارائن کو ہدایت دیتا ''مہاراج کی سیوا میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔'' اور خاص کر کامنی کو سختی سے تاکید کرتا کہ ''تو مہاراج کی سیوا میں بالکل بھی کوتاہی یا غفلت نہ برتنا، تن من سے مہاراج کی سیوا کرنا، مہاراج کی خوشی ہے تو ہم سب خوش ہیں اور اگر تو نے مہاراج کی سیوا میں کوئی کمی کی تو اچھا نہیں ہوگا۔''

میں نے مکھیا سے کہا۔ ''مکھیا جی! کامنی بہت اچھی ہے، یہ میرا بہت خیال رکھتی ہے، کوئی کمی نہیں چھوڑتی، آپ بے فکر رہیں، ایسی سگھڑ، سمجھدار، اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے پر میں اس سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا۔''

مکھیا میری باتیں سن کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

کامنی واقعی ہر طرح کا میرا خیال رکھتی تھی، کھانے پینے اور پاؤں ہاتھ دبانے تک کے سارے کام من سے کرتی تھیں۔ رات میں جب تک میرا پاؤں نہ دبا لیتی اس وقت تک اپنے کمرے میں جا کر سوتی نہیں تھی۔ جب میں اسے اجازت دے دیتا تو مسکراتی ہوئی اور سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی جاتی۔

ایک رات میں نے کامنی سے پوچھا۔ ''کامنی تو اتنی سندر، اتنی سگھڑ، اتنی من موہنی ہے کہ تجھے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں، تیری خوبصورتی دیکھ کر راجا مہاراجا تیرے چوکھٹ پر دھرنا دے کر بیٹھ جائیں، پھر تو نے اتنی کم عمر میں دنیا تیاگ کر کالی ماتا کی سیوک اور بھگت کیوں بن گئی؟''

میری باتیں سن کر کامنی سسک پڑی، لیکن میرے پاؤں دباتی رہی، تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''مہاراج میں آپ سے جھوٹ بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

مہاراج! غریب گھرانے میں لڑکی کا پیدا ہونا، میری نظر میں بہت بڑا پاپ ہے۔ جوان ہوتے ہی اس لڑکی کو گاؤں کے کھاتے پیتے یا پھر زمیندار یا مکھیا کے لڑکے اسے اپنے لئے لوٹ کا مال سمجھنے لگتے ہیں۔

میرے ماتا پتا بہت غریب ہیں، شاید ہی کوئی ایسا دن ہوتا ہے کہ تینوں وقت آرام و سکون سے من چاہتا اچھا کھانا ملتا ہو۔

میں پیدا ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ سیانی ہوگئی، میں اپنے تمام بہن بھائیوں میں بہت سندر نکلی تھی، میری سندرتا کو دیکھ کر گاؤں کے سارے مرد دل تھام لیتے تھے۔ عورتیں بھی اپنی زبان پر قابو نہیں پاتی تھیں، دبے دبے الفاظ اور بعض وقت تو کچھ منہ پھٹ عورتیں کھل کر کہہ دیتی تھیں۔ ''ارے کامنی اپنی جوانی اٹھان اور سندرتا پر غور کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تو جوان تیرے لئے کٹ مریں یا پھر کوئی دل جلا تیرا کلیان نہ کر دے۔''

کبھی کبھی تو میں خود بھی اپنے اٹھان پر غور کرتی، اور چوری چھپے جب آئینہ کے سامنے کھڑی ہوتی تو میں خود بھی اپنی نظروں میں لجا جاتی۔

مہاراج! اس اٹھان، جوانی اور سندرتا پر میرا کیا قصور تھا، کبھی کبھی تو میں یہ بھی سوچتی کہ بھگوان تو نے مجھے جس سندرتا سے نوازا ہے اور ایسی الھڑ جوانی دی ہے، یہ تو میرے لئے کشٹ کا روپ دھار گئی ہے، بھگوان اس سے تو اچھا ہے کہ مجھے موت دے دے۔

مہاراج! میں اپنی جوانی سے تنگ آ چکی تھی، میرے ماتا پتا کا بھی چین سکون نشٹ ہو چکا تھا، میری ماں تو اب اکثر کہنے لگی تھی کہ ''منحوس ماری کسی دن تو ہماری ناک کٹوا دے گی، ارے گھر میں رہا کر، گھر سے نکلنا بند کر دے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو ایسی نکلے گی تو میں تجھے پیدا ہوتے ہی نمک چٹا دیتی۔''

مہاراج! میری جوانی نے کیا سر ابھارا، گاؤں کے نوجوانوں کے لئے جیسے بہار آ گئی، میں جس طرف سے گزرتی سب کے سب مجھ پر ایسی نظر گاڑ دیتے کہ مجھے ان کی نظریں اپنے اندر چبھتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

اور ایک دن تو حد ہوگئی، مکھیا کا بیٹا آ کاش نے اپنے تین دوستوں کے ہمراہ مجھے پکڑ لیا اور زبردستی مجھے وہ اپنے ڈیرے پر لے گیا، چاروں نے مل کر مجھے ایک کھلونا بنالیا، میری چولی اور میرا گھاگرا زبردستی اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ میں روتی بلکتی، مچلتی اور آنسو بہاتی رہ گئی لیکن ظالموں کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔

میں بھگوان، ساری دیوی اور دیوتاؤں کے واسطے دے دے کر تھک گئی، مگر ان چاروں پر کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔ خاص طور پر آ کاش نے میری جوانی کو مسلنا شروع کردیا، اس کے دونوں ہاتھ نے مجھے اندر تک گھائل کردیئے۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی کوئی کہہ رہا تھا۔''آکاش بابو، مکھیا جی اسی طرف آرہے ہیں، وہ آدھے راستے میں ہیں، میں دوڑ کر آپ کو بتانے آ گیا۔''

یہ سننا تھا کے آکاش کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے، اس نے فوراً میرے کپڑے دیئے اور بولا۔''چل جلدی سے کپڑے پہن کر بھاگ جا، اور اگر اس کی کسی سے ذکر کیا تو بس سمجھ لینا، تجھے گھر سے اٹھالائیں گے، جلدی کر۔''

میں اس موقع کو بھگوان کی کرپا اور دیا سمجھ کر کپڑے پہنے اور عزت بچ جانے پر خوش ہوتی ہوئی تیزی سے بھاگ نکلی، رات کا اندھیرا تمام اور چھا چکا تھا، کسی کی نظر مجھ پر نہیں پڑی اور میں اپنے گھر آ گئی۔

مہاراج! میں نے اس رات یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر میں اپنی عزت بچاسکتی ہوں تو مجھے کالی ماتا کے چرنوں میں پڑ کر رہنا ہوگا، میں ماتا کی سیوک بن گئی، میں نے اپنے دل پر جبر کرلیا اور یہ روپ دھارلیا۔''

یہ تمام باتیں بتا کر کامنی بلک بلک کر رونے لگی اور سسکنے لگی۔ تو میں نے اسے دلاسہ دیا، اسے سمجھایا اور بولا۔''کامنی تو نے بہت سمجھداری کا کام کیا، اور جو یہ فیصلہ کیا اس سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا، اس طرح تو نے خود کو بھیڑیوں سے بچالیا اور ماتا کے چرنوں میں پڑ کر شانتی سکون سے رہنے لگی۔

کامنی تو گھبرا نہیں، میری کوشش ہوگی کہ تو پوری زندگی خوش رہے اور تیری زندگی میں بہار آ جائے مگر اس کے لئے تجھے میری باتیں ماننی پڑیں گی۔''

''مہاراج! میں آپ کی باتوں پر تن من سے عمل کروں گی اور آپ کی خوشی کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھوں گی، میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔

مہاراج! مجھے امید ہے کہ آپ میری زندگی اور میری ذات کے لئے اچھا فیصلہ کریں گے تاکہ میرے ماتا پتا اور بہن بھائی سر اٹھا کر گاؤں میں چل سکیں۔ ہماری آنے والی نسلیں بھی آپ کا احسان مانیں گی اور میں اگر آپ کہیں تو میں اپنا جیون آپ پر نچھاور کردوں گی، آپ حکم کریں آپ اشارہ کریں، آپ کو خوش کرنا، آپ کی باتیں ماننا، میری سب سے بڑی خوشی ہوگی۔''

کامنی کی باتیں سن کر میں دلی طور پر بہت خوش ہوا، میں سمجھ گیا کہ کامنی میری ہر بات پر تن من سے تیار ہے، میری کسی بھی بات پر چوں چراں نہیں کرے گی، اور میں بھی کامنی کو زندگی بھر کے لئے نہال کردوں گا بلکہ میں کوشش کروں گا کہ اس کے بہن اور بھائیوں کو بھی ایسا کردوں کہ وہ گھرانہ پوری زندگی آرام وسکون کا سانس لے سکے۔

میں نے کامنی سے کہا۔''کامنی اب تو اپنے کمرے میں جا اور سکھ شانتی سے سوجا، کسی قسم کی چنتا نہ کر، بس تو یہ سمجھ لے کے تیرے برے دن ختم ہوگئے، تیری زندگی میں بہار آئے گی، تیرے سارے دکھ ختم ہوجائیں گے۔ تو نے بہت کشٹ اٹھالیا، اب تو اپنے سارے دکھ بھول جا، بس یہ سمجھ لے کہ کل کا سورج تیری زندگی میں تیرے لئے ڈھیروں خوشیاں لے کر طلوع ہوگا، اب تو جا اور آرام کر۔'' میں نے کہا تو کامنی سر ہلاتی ہوئی اپنے

کمرے میں چلی گئی۔
آدھی رات کا سمے ہو چکا تھا۔ کامنی کی آئندہ جیون کے لئے میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، میں سوچ میں پڑ گیا تھا کہ میں کامنی اور اس کے گھر والوں کے لئے کیا اپائے کروں، اور پھر آخر ایک اپائے میرے دماغ میں آ گیا۔
گپتا جی کے حوالے جو دو فیکٹری میں کر کے آ گیا تھا، اس کا خیال میرے دماغ میں آیا تو میں نے تصور کیا کہ اس وقت فیکٹری کی تجوری میں کتنا کیش پڑا ہے؟
مجھے معلوم ہو گیا کہ کل ساڑھے تین لاکھ کیش ہیں۔
میں نے فیکٹری کا تصور کیا اور میں فیکٹری کے اندر تھا۔ میں نے اپنی شکتی سے تجوری کھولی اور اس میں سے صرف دو لاکھ روپے نکال کر دوبارہ اسی طرح تجوری بند کر دی۔
ایک رقعہ گپتا کے نام لکھا۔ ''گپتا جی! مجھے کسی کی مدد کے لئے دو لاکھ روپے کی ضرورت اچانک پڑ گئی تو میں اپنی شکتی سے فیکٹری میں آ گیا اور تجوری سے صرف دو لاکھ روپے لے جا رہا ہوں، آپ دل میں کچھ خیال نہیں کرنا، اور اگر وقت ملا تو میں یہ دو لاکھ آپ کو واپس کر دونگا، میں بغیر آپ کی اجازت کے ایسا کام کیا، اس کے لئے میں آپ سے شرمندہ ہوں۔'' اور نیچے اپنا نام لکھ کر گپتا کی ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور دوبارہ تصور کیا تو میں مندر کے اپنے کمرے میں موجود تھا۔
دوسرے دن صبح کے وقت میں نے اپنی شکتی سے گپتا کے دماغ میں جھانکا کہ دیکھوں تو گپتا نے میرے متعلق کیا خیال کیا؟
گپتا میرا رقعہ پڑھ کر مسکرایا اور بولا۔ ''حضور! یہ دونوں فیکٹریاں آپ کی ہیں آپ جب چاہیں یہ دونوں فیکٹریاں لے جا سکتے ہیں، یہ دو لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چلئے یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ نے کسی کی مدد کے لئے مجھے اپنا سمجھتے ہوئے میرا خیال آپ کے دل میں آیا۔'' گپتا کے خیالات جان کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔
پورا دن مندر میں لوگوں سے ملتے ہوئے بیت گیا۔ رات سمے کامنی نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''مہاراج میں نے آپ کے لئے اپنے ہاتھ سے گرم گرم پوریاں اور آلو میتھی کی ترکاری بنائی ہے، آپ اگر کھالیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔''
میں نے کہا۔ ''چل تیری خوشی بھی پوری کر دیتا ہوں، تو بھی کیا یاد کرے گی کہ کسی نے تو تیری خوشی کا خیال کیا۔''
وہ فوراً بھاگی ہوئی گئی اور ایک بڑی سی تھالی میں گرم گرم پوریا، آلو میتھی کی ترکاری، آم کا اچار لے آئی، ترکاری اور پوریاں واقعی بہت مزیدار تھیں اور پھر آم کے اچار نے اور بھی مزہ دوبالا کر دیا، میں نے پیٹ بھر کے کھالیا۔
اس نے پوچھا۔ ''مہاراج میرے ہاتھ کی پوریا کیسی لگیں؟''
میں نے کہا۔ ''کامنی بہت مزیدار ہیں اور واقعی تیرے ہاتھ میں سواد ہے، مجھے تو بہت مزہ آیا اور من چاہ رہا ہے کہ کھاتا رہوں لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔''
میری بات پر وہ مسکرانے لگی اور برتن سمیٹ کر جاتے جاتے بول گئی۔ ''مہاراج آپ کو میرے ہاتھ کی پوریاں پسند آئیں اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا سو بھاگ ہوگا۔''
فیکٹری سے جو میں دو لاکھ روپے لایا تھا اسے میں نے تکیہ کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اور یہ ڈر نہیں تھا کہ میرے کمرے میں کوئی آئے گا، ویسے بھی پورے مندر میں میرے، کامنی اور پنڈت نارائن کے علاوہ کوئی چوتھا شخص اندر تک آتا نہیں تھا، پنڈت نارائن صرف پوجا پاٹ کا کمرہ اور وہ کمرہ جس میں پوجا پاٹ کی چیزیں ہوتی تھیں اس تک اس کی رسائی تھی اس لئے مجھے کوئی ڈر نہیں تھا کہ کوئی میرا تکیہ اٹھا سکتا ہے۔
کئی دن ہو گئے تھے اور روپا سے میرا کوئی رابطہ

نہیں ہوا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے کام میں ضرور لگی ہوگی اور یقیناً کسی اچھے موقع کی تلاش میں ہوگی۔ بہر حال میں روپا کی طرف سے مطمئن تھا میرے دل میں کوئی خدشہ نہیں تھا۔

پیٹ اگر انسان کا بھر جائے تو اس پر سستی اور غنودگی چھانے لگتی ہے اور یہی حال میرے ساتھ بھی ہونے لگا تھا، چونکہ میں پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تھا اس لئے میں اپنے بستر پر لیٹ گیا تو میری پلکیں بوجھل ہوتے ہوتے بند ہوگئیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی مجھے محسوس ہوا کہ ہر روز کی طرح آج بھی کامنی میرے پاؤں دبانے لگی تھی، کامنی کا ہر روز کا معمول تھا کہ تمام کام سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھ جاتی اور میرے منع کرنے کے باوجود بھی میرے پاؤں دبانے لگتی تھی۔

کامنی کے ہاتھ کا اپنے پاؤں پر دباؤ اور لمس کو محسوس کرتے ہی جھٹ میری آنکھیں کھل گئیں، آج کامنی کچھ زیادہ ہی ہشاش بشاش لگ رہی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس سے بولا۔ ''کامنی اب تمہاری زندگی سے دکھ اور محرومی ختم ہونے کے دن آ گئے، تم نے اب تک بہت دکھ اٹھائے ہیں، تم نے جو فیصلہ اپنی حفاظت کے لئے کیا تھا وہ بہت ٹھیک تھا مگر اب ایک اور تمہیں فیصلہ کرنا ہے بلکہ میری باتوں پر عمل کرنا ہے تاکہ تم بھی اوروں کی طرح خوشیاں دیکھو، کھلی ہوا میں سانس لو، آزاد پنچھی کی طرح فضاؤں میں اڑتی پھرو، تمہارا بھی گھر بار ہو، تم بھی اپنے گھر میں ملکہ بن کر رہو، تم بھی حکم چلاؤ، لوگ تمہیں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں، مندر میں سیوک اور بھگت کی زندگی عورت کے لئے کبھی کبھی بڑی دکھ کی گھڑی بن جاتی ہے، میری مرضی اور مشورہ ہے کہ بہت جلد تم مندر کی زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ، اور اس کے لئے سارے اپائے میں کروں گا، تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی کوئی تمہاری نئی زندگی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرے گا۔

میں تمہارے بڑے کل ملوں گا اور تم یہ پچاس ہزار روپے رکھ لو، کل سویرے اپنے پتا کو دے دینا میرے نام سے، اس کے علاوہ مئی ڈیڑھ لاکھ روپے اور دوں گا تاکہ تمہارا گھرانہ اور تمہاری زندگی سدھر جائے، میں نے پچاس ہزار کی پوری گڈی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

پچاس ہزار کے کرارے نوٹ دیکھ کر وہ اچانک اچنبھے میں پڑ گئی، اس کی آنکھیں جیسے ساکت ہوگئیں، اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ میں نے بولا۔ ''کامنی گھبراؤ نہیں یہ سب تمہارے ہیں، اس کی مالک تم ہو۔''

اس کے منہ سے اچانک نکلا ''مہاراج۔''

نوٹ کی گڈی چھوڑ کر اس نے فوراً میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لئے، اور جھٹ سے میرے ہاتھوں کو اپنے دونوں گالوں پر دونوں طرف رکھ لئے اور بولی۔ ''مہاراج مجھ ابھاگن کو شانتی چاہئے، میں اندر سے بہت بیاکل ہوں، میری آتما پیاسی ہے، مہاراج میری آتما کی پیاس بجھا دیں، مہاراج اب مجھے بچالیں نہیں تو میں چکنا چور ہو کر بکھر جاؤں گی۔'' اور یہ بولتے ہی اس نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ کر دونوں بازو میری گردن میں حمائل کر دیئے، اور ایک جھٹکے سے اپنے بازوؤں کی گرفت سخت کر دی۔

میں نے محسوس کیا کہ کامنی کا جسم اور ہاتھ گرم ہو کر دہک رہا ہے، اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں اور آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی لیکن اس کے منہ سے لفظ صرف ''مہاراج...... مہاراج'' نکل رہا تھا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ پکڑ کر سامنے کیا تو اس کی پلکیں بند تھی۔ میں نے کہا۔ ''کامنی...... کامنی!!''

اس نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھول دیں جسے دیکھ کر میں سکتے میں آ گیا، اس کی آنکھیں اپنا اصلی رنگ کھول کر سرخ ہوگئی تھیں، اس نے بڑے غور سے مجھ پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں اور پھر جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر جذبات سے مغلوب ہو کر مجھ سے لپٹ

گئی اور مجھے بھینچ لیا۔

میں لاکھ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کے باوجود، بہک گیا، کامنی بے مہار شتر بن گئی، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہم دونوں جذبات کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر گرداب میں پھنس گئے۔ کافی دیر بعد میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کامنی کی طرف دیکھا تو وہ بے سدھ پڑی تھی ۔میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھایا تو اس نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور پھر بولی۔ ”مہاراج! اب میری آتما کو شانتی مل گئی، میں پوتر ہو گئی، آپ جیسا دیالو اور مہا پرش شاید پوری دنیا میں نہ ہو۔“ یہ بولتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اب میں آنے والے وقتوں کے متعلق سوچنے لگا۔” کامنی کی نئی زندگی شروع ہوئی تھی اور پھر اس کے علاوہ روپا کا وہ بھیانک انتقام بھی تھا جسے روپا نے لینا تھا۔“ میں انہی خیالوں میں گم تھا کہ اچانک ایک زور کی پھنکار سنائی دی۔

☆☆☆

پھنکار کے ساتھ ہی ایک زبردست چیخ نے پورے درودیوار کو ہلا کر رکھ دیا، اور وہ چیخ یقیناً کامنی کی تھی۔

میں ترنت اپنے کمرے سے نکلا اور کامنی کے کمرے میں پہنچ گیا، کمرے کا منظر بہت ہی دلخراش تھا، کامنی اپنے بیڈ پر کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی اور بیڈ کے سامنے فرش پر ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور اپنی بے چین نظریں چاروں اور بڑی تیزی گھما رہا تھا۔

”مہاراج“ کامنی کے منہ سے حلق میں اٹکی ہوئی آواز نکلی۔

کامنی گھبراؤ نہیں یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا، ارے یہ تو میرے درشن کو آیا ہے، ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ابے تو نے تو کامنی کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا، چل میرے ساتھ، میرے درشن کو آیا ہے تو میرے کمرے میں آنا چاہئے تھا۔“ یہ بول کر میں نے اس سانپ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اٹھا لیا۔

کامنی اب تم سکون سے سو جاؤ، اسے میں لے جا رہا ہوں، یہ میرا درشن کر کے چلا جائے گا، اور ہاں اس بات کا ذکر سویرے کسی اور سے نہیں کرنا، اب دروازہ بند کر کے سو جاؤ۔“ یہ بول کر میں نے سانپ کو اٹھا کے اپنے کمرے میں آ گیا۔ دراصل وہ سانپ کے روپ میں روپا تھی۔

کمرے میں آ کر میں نے اسے فرش پر رکھا تو دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنا روپ بدلا اور انسانی شکل میں آ گئی، اور فوراً جھک کر مجھے پرنام کیا اور بولی۔”مہاراج! میں اس حالت میں آنے پر بہت شرمندہ ہوں اور میری وجہ سے اس ناری کو تکلیف پہنچی اور آپ کے آرام میں خلل پڑا، اس کے لئے معافی چاہتی ہوں، مگر میرے ساتھ حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے کہ میں بھاگم بھاگ مندر کے پچھواڑے کی کھڑکی کھلی دیکھ کر اندر آ گئی۔ میرے لئے کوئی اور راستہ ایسا نہیں تھا کہ میں خود کو بچا پاتی۔“

”روپا رات کے اس سمے تم پر کیا سختی آ گئی تھی کہ تمہیں بیاکل کر دیا تھا۔“ میں نے درمیان میں روپا کی بات کاٹ کر بولا۔

”مہاراج رات ہوتے ہی میں اپنا انتقام لینے کے لئے گاؤں میں داخل ہوئی اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ادھر ادھر دوڑنے لگی کہ اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں ایک زبردست اگنی کے کنڈل میں گھر چکی ہوں اور وہ کنڈل کا حصار دھیرے دھیرے میرے قریب آ رہا ہے۔ میرے لئے بچاؤ کے سارے راستے ختم ہونے لگے میری ساری شکتی دم توڑتی محسوس ہونے لگی اور پھر میں بیاکل ہو کر بھاگتی ہوئی اس مندر میں آ گئی، مجھے لگتا ہے کہ کسی شکتی وان نے مجھے بھانپ لیا ہے اور اس نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے۔“ یہ بول کر روپا سر جھکا کر بیٹھ گئی، پھر بولی۔

”مہاراج اب میں کیا کروں، میرا تو یہاں سے نکلنا بھی محال ہے، آپ میرے لئے کوئی اپائے کریں، آپ کی کرپا ہو گی، میں اپنا انتقام پورا ہونے تک زندہ

رہنا چاہتی ہوں، جب میرا انتقام پورا ہو جائے تو چاہے مجھے موت آ جائے مجھے چنتا نہیں۔"

"روپا گھبراؤ نہیں، میرے ہوتے ہوئے تمہارا بال بیکا نہیں ہو سکتا، تم ٹھہرو میں اپنی شکتی سے معلوم کرتا ہوں کہ ایسا کیوں ہوا، کون ہے جس نے ایسا کیا ہے؟"

روپا خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی اور میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اس کے بعد گیان دھیان میں لگ گیا کہ اصل واقعہ معلوم ہو سکے۔

کافی سے تک میں گیان دھیان میں لگا رہا، ساری حقیقت مکمل کر میرے سامنے فلم کی طرح آ گئی اور پھر میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ "آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا، جس نے روپا کے گرداگنی کا کنڈل قائم کیا تھا اب اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، تاکہ روپا کی حقیقت لوگوں کے سامنے نہ آ سکے اور یہ بات بھی دب جائے کہ وہ کوئی ایسا ہے جو کہ روپا کی مدد کر رہا ہے اور اس کی پشت پناہی کے زور پر روپا سانپ کا روپ دھار کر اپنا انتقام لے رہی ہے۔"

میں نے آنکھیں کھول کر روپا کو دیکھا جو کہ بدستور گردن جھکائے اور آنکھیں بند کیے یاس و محرومی کی حالت میں بیٹھی تھی۔

میں نے کہا۔"روپا تم گھبراؤ نہیں میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ دراصل آکاش کا دوست روہیت جس پر خوف بری طرح سوار ہو گیا ہے اس نے شام سے پہلے روتے ہوئے ساری بات اپنے پتا کو بتلا دی تو اس کے پتا نے گھبراہٹ میں بستی سے باہر کچھ سپیروں نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے ان کے پاس بھاگا ہوا گیا۔ ان سپیروں میں ایک بہت بوڑھا سپیرا رامو ہے جو کہ بہت پہنچا ہوا ہے اور جنتر منتر کا ماہر بھی ہے اسے روہیت کے پتا نے ساری بات بتلا دی تو رامو نے اپنی شکتی کے ذریعے تم سے واقف ہو گیا ہے، اور اس نے روہیت کے پتا کو بتا دیا کہ ہر حال میں یہ ناگن اپنا انتقام پورا کرے گی، اور اگر تم اپنے بیٹے کو بچانا چاہتے ہو تو اس کے لئے تمہیں ایک بھاری رقم دینی ہے، اگر تم رقم دے دو تو میں اس کیس میں ہاتھ ڈالتا ہوں۔ کام بہت جان جوکھوں کا ہے یہ اتنا مشکل کام ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

اچھا دھاری ناگ ناگن بہت شکتی شالی ہوتے ہیں اور اگر یہ کسی کی دشمنی پر اتر آتے ہیں تو پاتال میں بھی اپنے دشمن تک پہنچ جاتے ہیں اور اپنے دشمن سے انتقام لیتے ہیں۔"

رامو کی بات سن کر روہیت کا پتا بیٹے کی جان بچانے کے لئے بھاگم بھاگ رامو کے ہاتھ پر رقم رکھ دی تو رامو نے اپنی شکتی سے تمہارے گرداگنی کا کنڈل قائم کر دیا۔ خیر گھبراؤ نہیں میں تمہارے بچاؤ کے لئے اور رامو سپیرا کا منتر توڑنے کے لئے بھی کوئی اپائے کرتا ہوں۔"

روپا میری باتیں سن کر خوش ہو گئی اس کے چہرے پر رونق نظر آنے لگی اور پھر بولی۔

"مہاراج دن کا اجالا پھیلنے لگا ہے، کچھ کریں تاکہ میں یہاں سے نکل کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں۔"

"روپا دھیرج دھیرج!" مجھے ذرا سوچنے دو تاکہ کوئی مضبوط حل میرے دماغ میں آئے۔"

روپا نے کہا۔"ٹھیک ہے مہاراج! آپ جو بھی کریں گے میرے بھلا کیلئے کریں گے۔" یہ بول کر روپا خاموش ہو گئی۔

میرے دماغ میں کئی حل آئے اور گئے مگر پھر آخر کار میں نے ایک حل تلاش کر ہی لیا، جس سے روپا کی ذات بچ جائے اور رامو سپیرا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے۔

مندر کے پیچھے ایک بہت ہی بڑا لحیم شحیم شیشم کا درخت کھڑا تھا۔ میں کمرے سے نکلا اور ایک زبردست کنڈل درخت کے گرد قائم کر دیا اور درخت سے بولا۔"تو نے میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہے، کیا کرے گا؟"

درخت میری بات سن کر فوراً بولا"یہ میرا شو بھاگیا ہوگا کہ میں آپ کے کام آؤں، آپ حکم کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

میں نے کہا: ''تجھے اپنی جگہ سے تھوڑی دیر کے لئے ہٹنا ہوگا اور پھر جلدی سے اپنی جگہ پر آ کر ٹھہر جانا ہے اور ہاں میں تیری ڈال پر ایک سانپ بیٹھا دوں گا، بستی سے باہر تک تجھے جانا ہے اس جگہ جا کر تو ٹھہر جانا اور پھر یہ سانپ تجھ پر سے اتر کر اپنی راہ چلا جائے گا۔''

درخت بولا: ''میں تیار ہوں آپ اس سانپ کو لے آئیں۔''

میں کمرے میں آیا اور روپا سے بولا ''روپا تم جلدی سے اپنا جون بدل لو اور فوراً یہاں سے نکلنے کی کرو، میں نے انتظام کرلیا ہے تمہارے جانے کا، تمہیں میں ایک درخت پر چڑھا دوں گا، وہ درخت اپنی جگہ سے چل کر بستی سے باہر جائے گا، تم اس جگہ درخت سے اتر جانا اور پھر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانا، بستی سے نکلتے ہی رامو کا منتر تمہاری ذات کے لئے بے کار ہو جائے گا، اس کے بعد میں راموسپیرا کو بھی کوئی اپائے کرتا ہوں تا کہ اس کے ذہن سے تمہارا نام نکل جائے، کیونکہ وہ سر توڑ کوشش کرے گا کہ ایک روپ بدلنے والی اچھادھاری ناگن اس کے قبضے میں آ جائے۔''

روپا فرش پر لیٹ گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے روپ بدل کر سانپ بن گئی، میں نے اسے اپنے ہاتھ میں اٹھالیا اور کمرے سے نکل کر درخت کے پاس پہنچا، درخت سے بولا۔ ''لے بھئی تیرا سوار حاضر ہے، یہ میرا مہمان ہے اسے کوئی کشٹ نہ پہنچے اسے اس کی جگہ پر اتار کر فوراً واپس پلٹ آنا کیونکہ دن کا اجالا پھیلنے میں زیادہ سمے نہیں ہے۔''

روپا اگر زمین پر رینگ رہی ہوتی تو یقیناً رامو سپیرے کا منتر اس پر لاگو ہوتا، اس لئے میں نے اسے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر درخت پر چڑھا دیا۔ درخت جلدی سے اپنی جگہ سے ہٹا اور بستی سے باہر جانے لگا۔ پوری بستی نیند کے مزے لوٹ رہی تھی، کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ رات کے اندھیرے میں کیا ہورہا ہے؟

میں اپنی جگہ بالکل مطمئن تھا کیونکہ میں نے روپا کے لئے ایسا انتظام کردیا تھا کہ کسی قسم کا اس کی ذات کو نقصان کا احتمال نہیں تھا۔ میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور پھر راموسپیرا کے متعلق سوچنے لگا کہ کس طرح اسے راستے سے ہٹایا جائے ورنہ سویرا ہوتے ہی وہ بستی والوں کے سامنے سارا بھانڈا پھوڑ دیگا۔

کافی سوچ بچار کے بعد میرے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ راموسپیرا کا کریا کرم ضروری تھا نہیں تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا اور پھر میری ذات بھی لوگوں کی نظروں میں مشکوک ہو جاتی، لوگ جان جاتے کہ میں ناگن کی مدد کررہا ہوں، اور وہ ناگن لوگوں کی جان لے رہی ہے۔ مجھے بھی اپنی عزت پیاری تھی اور پھر روپا کی حفاظت بھی کرنی تھی۔ راموسپیرا زندہ رہتا تو ہر صورت وہ روپا کی تلاش میں پاتال تک پہنچ جاتا، وہ ضرور اپنی شکتی سے معلوم کرلیتا کہ روپا ناگن کے روپ میں اس وقت کہاں چھپی ہوئی ہے؟

میں بستر پر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سپیروں کا ڈیرہ بستی سے باہر جنگل کے پاس پہاڑی کی ترائی میں موجود تھا۔ میں نے درختوں سے رابطہ کیا کہ آندھی اور جھکڑ کی شکل اختیار کرلیں پھر اس کے بعد میں نے پہاڑی کے پتھروں سے رابطہ کیا کہ فوراً سپیروں کی بستی پر برسنا شروع ہو جائیں، اور احتیاط یہ رکھیں کہ زیادہ جانی نقصان نہ ہو بلکہ ایسا ضرور ہو کہ سپیروں کے ڈیروں میں موجود بوڑھا راموسپیرا لہولہان ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اور ایسا ہی ہوا۔ دن کے اجالے میں یہ خبر پھیل گئی کہ رات سے زبردست آندھی آئی، آندھی اس قدر زوردار تھی کہ ہوا میں پتھر اڑنے لگے جو کہ سپیروں کے ڈیرہ پر برسے جس سے کئی لوگ بمعہ بوڑھا سپیرا رامو ہلاک ہوگیا۔ وہ آندھی بستی سے باہر صرف سپیروں کے ڈیرہ تک محدود تھی۔ بستی میں موجود کسی شخص نے بھی ایسی زبردست آندھی کی تصدیق نہیں کی۔ بستی والے حیران تھے کہ بستی سے چند فرلانگ کے فاصلے پر اتنی زبردست آندھی آئی اور ہمیں کوئی خبر نہ ہوئی۔ دو دن بعد سپیروں

نے روتے پیٹتے اپنا ڈیرہ اٹھالیا اور نامعلوم منزل کی طرف کوچ کر گئے۔

دن کا اجالا پھیلتے ہی گاؤں کا مکھیا میرے پاس آیا، خیر خیریت معلوم کرنے لگا، میں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ "تمہارے حکم کے مطابق میں بڑے آرام سکون سے ہوں، میرے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا ہر طرح خیال رکھا جارہا ہے۔

اور ہاں ایک بات! کالی ماتا نے کامنی کی سیوا سے بہت خوش ہوئی ہے، اب ماتا کی اچھا ہے کہ کامنی اپنی دنیا میں لوٹ جائے، اور ماتا نے یہ بھی کہا ہے کہ میں اپنی اچھا سے کامنی کو کچھ دینا چاہتی ہوں، میں کامنی کو کیا دوں گی یہ میں جانوں یا پھر کامنی کے گھر والے جانیں، میرے دین سے کامنی اور اس کے گھر والے اپنا جیون سدھار سکتے ہیں اور سکھ شانتی کی زندگی بسر کریں، کامنی اپنا گھر بسائے اور اپنے پتی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی کی بہاریں لوٹے۔"

میری باتیں سن کر مکھیا خوش ہو گیا اور بولا۔ "مہاراج! ماتا کی اچھا میں کوئی دخل دے سکتا ہے، یہ تو ماتا کی کرپا ہے کہ کامنی سے ماتا خوش ہو گئی، اور یہ ہم تمام بستی والوں کے لئے خوشی کی بات ہے کہ ماتا کی نظر ہم لوگوں پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ماتا کامنی سے خوش ہو کر اسے انعام کے طور پر کچھ دے رہی ہے۔"

دن بیت گیا، رات آئی، رات میں کامنی مندر میں ہی تھی۔ سارے کام سے فارغ ہو کر میرے پاس آ گئی اور میری سیوا میں بھرپور طریقے سے لگ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔ "کامنی تمہاری سیوا نے میرا دل جیت لیا ہے اور میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں یہ تمہاری خوشی کے لئے، اس راز کو ہمیشہ اپنے سینے میں دفن رکھنا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ راز تمہارے سینے میں رہتے ہوئے چتا میں جل جائے گا۔"

میری باتیں سن کر کامنی نے میرے پاؤں پر اپنا سر رکھا اور چومتے ہوئے بولی۔ "مہاراج! یہ میری شوبھا گیا ہے کہ آپ کو میری سیوا پسند آئی اور آپ نے مجھ پر کرپا کی۔ مہاراج! یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا اور میرے ساتھ ہی چتا میں جل جائیگا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" اس کے ساتھ ہی کامنی کافی رات تک میری سیوا کرتی رہی۔

رات سے میں نے اپنی شکتی سے سارے نوٹ ایک پتیل کے گھڑے میں رکھے اور مندر کے سامنے میدان میں دفن کر دیئے۔

صبح دن چڑھے جب مکھیا میرے پاس آیا تو میں نے کہا۔ "کالی ماتا نے کامنی کے لئے کیا انعام دے گی مجھے پتہ نہیں، بہر حال مجھے اشارہ ملا ہے کہ مندر کے سامنے میدان میں ایک جگہ کو کھودا جائے تا کہ کامنی کا انعام سامنے آئے۔ آپ گاؤں کے بڑے بڑے لوگوں کو بلائیں تا کہ ان کے سامنے اس جگہ کو کھودا جائے۔"

مکھیا میری باتیں سن کر بہت خوش ہوا۔ آدھ گھنٹہ میں گاؤں والے مندر کے سامنے میدان میں جمع ہو گئے۔ تو میں نے اعلان کیا کہ "فلاں جگہ کو کھودا جائے۔"

مکھیا کے اشارے پر اس کے دو کارندوں نے کدال سے میری بتائی ہوئی جگہ کو کھودنے لگے۔ کر بھر گہرائی میں انہیں ایک پتیل کا گھڑا ملا جسے ان دونوں نے میرے اشارے پر باہر نکال لیا۔ اور میرے سامنے لائے۔

میں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "گاؤں والو! یہ کامنی کے حصے کی بھکشا ہے، ماتا نے کامنی کی سیوا سے خوش ہو کر کامنی کو دیا ہے۔ اس میں کیا ہے کسی کو نہیں پتہ، اس کا پتہ صرف کامنی اور اس کے ماتا پتا کو ہوگا، اور یہ بھی ماتا کی اچھا ہے کہ کامنی اور کامنی کے گھر والے اس انعام کا پرچار نہ کریں۔"

میں نے مکھیا سے کہا۔ "مکھیا جی! یہ گھڑا آپ کامنی اور کامنی کے پتا کے حوالے کر دیں۔" میری بات سن کر مکھیا نے ایسا ہی کیا۔ گھڑا کامنی کے پتا کے حوالے کر دیا۔ وہاں پر موجود لوگوں نے نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ "ماتا کی جے ہو، ماتا کی جے ہو۔" تھوڑی دیر بعد میرے

اشارے پر سب کے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ کامنی اور اس کا پتا ہمارے پاس رکے رہے۔ کھیا نے کامنی کے پتا سے کہا۔ ”کامنی مہاراج کی ہر طرح کی سیوا کرے گی، جب تک مہاراج کی اچھا ہے کامنی مندر ہی میں رہے گی، جب مہاراج کی خوشی ہوگی تو یہ مندر میں آئے یا نہ آئے اس کی اپنی مرضی ہوگی، بہر حال میری آشیرواد بھی کامنی کے ساتھ ہے، یہ جہاں بھی رہے سکھی رہے۔“

اس کے بعد کھیا اپنے گھر چلا گیا اور پھر کامنی اپنے پتا کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی، اور جاتے جاتے بولی۔ ”مہاراج میں باپو کو گھر چھوڑ کر آپ کے پاس آتی ہوں۔“

اندھیرا پھیلنے سے پہلے کامنی مندر میں واپس آ گئی۔ میرے کھانے پینے کا بندوبست کیا اور پھر نہا دھو کر میرے کمرے میں آ گئی۔ کامنی کافی رات تک میری سیوا کرتی رہی کہ اچانک ایک زبردست پھنکار سنائی دی تو کامنی سہم کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے کہا۔ ”کامنی اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور دروازہ بند کر کے آرام سکون سے سو جاؤ، یہ سانپ آج بھی میرے درشن کو آ گیا ہے۔ چند منٹ میرا درشن کرے گا اور پھر میرا آشیرواد لے کر چلا جائے گا، لیکن تم اس سانپ کے بابت کسی اور کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولنا یہ میرا حکم ہے۔“

کامنی نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔ ”مہاراج میری زبان کٹ سکتی ہے مگر کبھی اس کو ظاہر نہیں کر سکتی۔ آپ کی اچھا اور حکم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔“ یہ بول کر کامنی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کامنی کے جانے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے روپا نے اپنا جون بدلا اور انسانی شکل میں آ گئی۔ سب سے پہلے اس نے مجھے پرنام کیا ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر بولی ”مہاراج! آج میں نے اپنا تیسرا انتقام بھی لے لیا۔ آکاش کا دوست، روہیت کھیتوں میں ضرورت سے فارغ ہونے کے لئے گیا تھا، میں اندھیرا پھیلتے ہی اس کے تاک میں لگی رہی اور وہ جیسے ہی کھیت میں بیٹھا میں نے موقع غنیمت جان کر اپنا کام پورا کر دیا، اور یہ سب آپ کی کرپا سے ہوا ہے، ورنہ میں ابھاگن تو ابھی تک مر کھپ چکی ہوتی، ویسے میرے لئے یہ سنسار بے رونق ہے، ہر وقت ساجنا کا خیال مجھے بیاکل کئے رہتا ہے، میں خوش ہوں کہ یقیناً ساجنا کی آتما کو میرے انتقام سے سکون مل رہا ہوگا اور میں اس دن بہت زیادہ خوش و سکون محسوس کروں گی جس دن میرا آخری انتقام پورا ہوگا، مجھے امید ہے کہ آپ کی کرپا سے یہ آخری معرکہ بھی پلک جھپکتے ہی سر کر لوں گی، آپ مجھے آشیرواد دیں کہ میں یہ بھی جلد از جلد پورا کر لوں۔“

روپا نے یہ سب کہہ کر گردن جھکا کر بیٹھ گئی تو میں بولا۔ ”روپا میرا کیوں نہیں میرا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے، باہمت اور حوصلہ مند لوگ ہی سنسار میں کامیاب رہتے ہیں، مجھے بھی خوشی ہے کہ تم اپنے ساجنا کی موت کا انتقام لے رہی ہو اور یقیناً ساجنا کی آتما بھی خوش ہو رہی ہوگی۔ میری تو بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ بھگوان تم دونوں کو ہر جنم میں ایک دوسرے کا ساتھی بنائے، خیر اب تم جاؤ۔“

میری بات سن کر روپا مسکرانے لگی اور بولی۔ ”ٹھیک ہے مہاراج! میں چلتی ہوں۔“ یہ بول کر وہ فرش پر لیٹ گئی اور پلک جھپکتے ہی سانپ کا روپ دھارن کر کے کھڑکی کے راستے رینگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

صبح سویرے ہی پوری بستی میں شور مچ گیا تھا کہ رات سے روہیت کو کسی سانپ نے ڈس لیا تھا جس سے اس کی موت موقع پر ہی ہوگئی، سانپ بہت زہریلا تھا، کیونکہ روہیت کو اتنا موقع نہ ملا کہ کسی سے کچھ کہہ سکے یا پھر پانی ہی مانگ سکے۔ اس کا پورا جسم نیلا پڑ چکا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کی کھال جگہ جگہ سے پھٹنے لگی تھی، یہ خبر مجھ تک بھی پہنچی تو میں بھی ازراہ ہمدردی اس جگہ پہنچا جہاں روہیت کی ارتھی رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر لوگ کھڑے ہو گئے، میں ارتھی کے قریب گیا اور اپنا ہاتھ روہیت کے ماتھے پر رکھ دیا چند منٹ بعد اس کے

چہرے سے نیلا پن ہٹ گیا جسے دیکھ کر کئی لوگ میرے چرن چھونے لگے۔

خیر میں نے اشارہ کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے اسے چتا پر رکھ کر اگنی کے حوالے کر دیا جائے اور پھر ایسا ہی ہوا، فوراً ہی "رام نام ست ہے۔" کی آواز گونجنے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چتا میں شعلے بلند ہو گئے، روہیت کی جوان موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔

روہیت کی موت کا سب سے زیادہ صدمہ آکاش کو ہوا تھا۔ اسے چپ سی لگ گئی تھی، ہر وقت خلاؤں میں گھورتا رہتا تھا، نہ کسی سے کوئی بات کرتا اور نہ ہی کسی کی بات کا کوئی جواب دیتا، آنکھوں سے آنسو گرتے رہتے تھے، اس کی حالت واقعی ناقابل دید تھی جو بھی اسے دیکھتا تو اس کا کلیجہ کٹ کر رہ جاتا، لوگوں سے اس کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی لہٰذا ہر دیکھنے والا ترنت اس کے پاس سے ہٹ جاتا اور بھگوان سے پرارتھنا کرتا کہ "بھگوان آکاش کو شانتی دے اور اس کی اذیت کو دور کر دے۔"

روہیت کی موت کے تیسرے دن کھیا میرے پاس مندر میں آیا اور مجھے پرنام کیا، اتنی دیر میں اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ گئی، وہ زار و قطار رونے لگا، میں نے اسے چپ نہیں کرایا اس لئے کہ اگر انسان دل کھول کر رو لے تو اس کا دل ہلکا ہو جاتا ہے، تھوڑی دیر رونے کے بعد وہ شانت ہو گیا پھر مجھ سے بولا۔ "مہاراج! میں آپ کو کشٹ دینے پر معافی چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "کھیا جی! آپ بلا جھجک بولیں جو کچھ آپ بولنا چاہتے ہیں بولیں، مجھے کشٹ نہیں ہوگا، میرے لائق کوئی خدمت ہے تو آپ بے دھڑک کہہ دیں، مجھے خوشی ہوگی کہ میں آپ کے کسی کام آؤں۔"

میری بات سن کر کھیا کی ڈھارس بندھی اور اس نے کہا۔ "مہاراج! میں آکاش کے معاملے میں آپ کے پاس آیا ہوں، اس کی حالت مجھ سے یا گھر والوں سے دیکھی نہیں جاتی، وہ بالکل پتھر کا بت بن گیا ہے، نہ زندوں میں ہے اور نہ ہی مردوں میں، بس ہر وقت خلاؤں میں ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ ماں باپ کے لئے جوان کڑیل بیٹے کی ایسی حالت کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دہ ہے، آپ بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ آکاش کی حالت سنبھل جائے، یہ میری آپ سے بنتی ہے اور چاہے اس کے لئے دھن دولت خرچ ہو جائے یا پھر اگر میری جان کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں، اگر میری جان جا کر آکاش کی حالت ٹھیک ہو جاتی ہے تو یہ میری شوبھا گیا ہوگی، مہاراج! آپ میری بنتی قبول کریں، مجھے مایوس نہ کریں، میں بہت آس لے کر آپ کے چرنوں میں حاضر ہوا ہوں، مہاراج! یہ میری نسل کا سوال ہے، بڑا بیٹا ہے، میں اس کی حالت دیکھ کر اندر سے بالکل ٹوٹ چکا ہوں۔" اور پھر کھیا سسکیوں سے رونے لگا۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "کھیا جی! بھگوان سے پرارتھنا کریں میں بھی ماتا اور بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ آکاش ٹھیک ہو جائے، اب تو صرف بھگوان کا ہی آسرا ہے اس کے آگے گڑگڑائیں، انسان جو بھی ہے، مطلب پرست ہے اپنی خواہش کا غلام ہے، جب انسان مطلب پرستی پر اتر آتا ہے تو پاپ اور پن میں تمیز کھو بیٹھتا ہے، جب تک جسم میں طاقت اور زور ہوتا ہے انسان اپنے آگے کسی کو گھاس نہیں ڈالتا، کسی کمزور پر رحم نہیں کھاتا، اپنی طاقت اور دھن دولت کے نشے میں مدہوش رہتا ہے، غریبوں اور بے کسوں کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے، دن کے اجالے میں ایسے ظلم کرتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر رات کے اندھیرے میں ایسے ایسے کالے کرتوت اور پاپ کرتا ہے کہ انسانیت دانتوں تلے انگلی دبا لیتی ہے، ایک وقت آتا ہے کہ انسان کے ظلم اور پاپ دیکھ کر ایشور بھی ہل جاتا ہے اور پھر ایشور ایسے انسان کی زندگی و وقت کی ڈوری آہستہ آہستہ کھینچنے لگتا ہے لیکن ایشور پھر بھی ظالموں اور پاپیوں کو موقع دیتا ہے کہ" اسے

ظالم تیرے ظلم اور پاپوں کا گھڑا بھر چکا ہے، اب بھی وقت ہے کہ تو اپنے پاپوں سے توبہ کر لے۔"

لیکن انسان پھر بھی اپنے پاپوں کو نہیں چھوڑتا تو پھر ایشور مجبور ہو کر اس انسان کو عبرت کا نشان بنا دیتا ہے اور جب ایسا موقع آتا ہے پھر انسان ایشور کے آگے روتا ہے گڑگڑاتا ہے مگر وقت گذر چکا ہوتا ہے۔ انسان اذیت ناک موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

کھیا جی! آپ گھر جائیں اور سارے معاملات ایشور پر چھوڑ دیں، صرف ایشور سے پرارتھنا کریں، میں بھی کچھ کرتا ہوں۔"

میری باتیں سن کر کھیا کمزور قدموں پر کھڑا ہوا، میرے آگے ہاتھ جوڑے اور پھر نڈھال قدموں سے مندر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

آکاش کا ظلم و بربریت ناقابل معافی تھا بستی کی ہر جوان ناری اس کے ظلم کا شکار بنی تھی۔ ظلم کرنے کے بعد وہ سب کو دھمکی دیتا تھا کہ اگر کسی اور کے سامنے زبان کھولی تو تمہارا دنیا سے نام و نشان مٹا دوں گا، صرف تمہارا ہی نہیں تمہارے تمام گھر والوں کو بھی سسکا سسکا کر مار ڈالوں گا۔"

ظاہری طور پر وہ بہت ہی اپنے آپ کو رحم دل اور دھرماتما ثابت کرتا تھا۔ اس کا باپ کھیا واقعی دھرم کا ماننے والا اور غریب پرور تھا۔ کھیا کی رحم دلی اور آکاش کے ظلم کے آگے کوئی اپنی زبان نہ کھولتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ کسی بھی جوان خوبصورت لڑکی کو اٹھوا لیتا اور اپنے ڈیرے پر لے جا کر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اس لڑکی کی عزت پامال کر دیتا تھا۔

اس کے کالے کرتوتوں کے راز دار اس کے تین ساتھی تھے جو کہ اب دنیا میں نہیں رہے تھے۔ ناگن روپا کے انتقام کا بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

اسی دن شام سے پہلے آکاش پر فالج کا زبردست اثر ہو گیا۔ سارا گھر رونے پیٹنے لگا، پاس پڑوس والوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور پھر دن کا اجالا پھیلتے ہی اس پر دل کا اٹیک ہوا، اس کا دل بند ہو گیا اور پھر "رام نام ست ہے" کی آواز گونجنے لگی۔ آکاش کی موت پر پورا گاؤں سوگوار تھا، کھیا کے حسن سلوک کی وجہ سے ہر گھرانہ میں یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے گھر کا کوئی فرد کم ہو گیا ہے۔

آکاش کو چتا پر لٹا کر اگنی کے حوالے کر دیا گیا۔

میں کافی دیر تک کھیا کے پاس موجود رہا، میں نے کہا۔ "کھیا جی! ایشور کی یہی مرضی تھی تو کوئی انسان کیا کر سکتا ہے، آپ حوصلہ رکھیں، ایشور نے آپ کو اور بھی دو بیٹے دیئے ہیں اب آپ ان پر نظر رکھیں، اگر آپ ہمت ہار بیٹھیں گے تو سارا گاؤں آپ کے بغیر ادھورا ہو جائے گا، یہی دنیا کا نظام ہے کوئی آتا ہے، کوئی جاتا ہے، ہم انسان صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں مگر ایشور ہم انسانوں کی بھلائی اور برائی کے لئے بہت کچھ سوچتا ہے، بس ایشور کے بتائے ہوئے کام کرنے چاہئیں، آپ تو بہت ہمت والے ہیں، ایک وقت آئے گا کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہو گا، یہاں پر نئی نسل ہو گی، نئے لوگ ہوں گے، ایشور انسان کو دنیا میں بھیجتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے بلا لیتا ہے، آپ اٹھیں اور ہاتھ منہ دھو لیں۔"

میں نے اشارہ کیا تو ایک آدمی اٹھا اور جھٹ ٹھنڈے پانی کا لوٹا اٹھا لایا، میں نے گلاس میں پانی انڈیلا اور بولا۔ "کھیا جی! یہ پانی پی لیں۔"

میرے کہنے پر کھیا نے مجھے غور سے دیکھا اور گلاس میرے ہاتھ سے لے کر پانی پی گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے کھیا سے اجازت لے کر مندر آ گیا۔ اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھ کر فوراً روپا سے ذہنی رابطہ کیا اور اسے بولا۔ "روپا آج رات تم غار سے باہر نہ نکلنا بلکہ غار ہی میں میرا انتظار کرنا، میں آؤں گا۔"

روپا نے حامی بھر لی اور پھر ذہنی رابطہ میں مجھے پرنام کیا اور میرے چرن چھوئے اس کے بعد میں نے اس سے اپنا رابطہ توڑ دیا۔

چند منٹ گزرے ہوں گے کہ کامنی میرے

کمرے میں آئی اور بولی۔ ''مہاراج! آپ بہت تھکے لگ رہے ہیں، آج میں نے اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کیا ہے، اگر آپ کھالیں تو آپ کی کرپا ہوگی۔''

''کامنی تم نے چاؤ سے بنایا ہے تو لے آؤ، تمہاری اچھا پوری کئے دیتا ہوں۔''

کامنی جھٹ پلٹ گئی اور چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک پیتل کی بڑی تھالی تھی جس میں گرما گرم پوریاں اور کئی طرح کی ترکاریاں تھیں، میں نے ایک نوالہ منہ میں ڈالا۔ کھانا واقعی بہت لذیز تھا، میں کھانے لگا اور پھر کھاتا ہی چلا گیا۔ میں بھوک سے کچھ زیادہ ہی کھا گیا۔ مجھے کھاتا ہوا کامنی بڑے غور سے دیکھتی رہی، جب میں کھا چکا تو اس نے کہا۔ ''مہاراج میری محنت سپھل ہوگئی، آپ نے چاؤ سے میرے ہاتھ کی چیزیں کھائیں، کیا سواد آیا؟''

''کامنی کھانے میں بہت سواد ہے، مجھے تو بہت مزہ آیا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں بھوک سے زیادہ کھا گیا۔'' میں نے کہا۔

کامنی مسکرانے لگی اور بولی۔ ''مہاراج میری ایک بنتی ہے، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ مجھے ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رہنے دیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ کا درشن کے بغیر میری زندگی میں نہ کوئی رات آئے اور نہ سویرا ہو۔''

کامنی کی باتیں سن کر میں مسکرایا اور بولا۔ ''کامنی! میں اپنی منزل کی تلاش میں ہوں، میری منزل مجھ سے دور ہوگئی ہے، میں رات دن بیاکل رہتا ہوں، اور اسی بیاکل پن کی وجہ سے میں گاؤں گاؤں شہر شہر پھر رہا ہوں، میں اپنی منزل تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہوں، میں نے تمہاری زندگی میں ٹھہراؤ پھر دیا ہے، تم اور تمہارا گھرانہ آرام سکون سے رہے گا، تم اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنا، اور اگر میری یاد آئے تو اپنے دھیان میں مجھے لانا، میں تمہارے من میں درشن دوں گا۔ میں اب عنقریب کسی دن بھی تم سب کو چھوڑ کر کہاں چلا جاؤں گا یہ مجھے بھی نہیں معلوم۔''

میری باتیں سن کر کامنی سسکنے لگی تو میں نے اسے بہت سمجھایا اور بولا۔ ''ارے پگلی میں کیا ابھی جا رہا ہوں، بہر حال جانا تو ہے، میں جب تک یہاں ہوں میری سیوا کر کے اپنا من خوش کرلیا کرو۔'' اور کامنی میرے گلے لگ گئی۔

رات میں کامنی کافی سے تک میرے پاس میرے بستر پر رہی، جب زیادہ رات ہوگئی تو میں نے کہا۔ ''کامنی اب تم اپنے کمرے میں جاؤ، مجھے کچھ دھیان گیان کرنا ہے۔'' یہ سن کر کامنی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دراصل مجھے روپا سے ملنے جانا تھا۔

کامنی کے جانے کے بعد میں نے اپنا کمرہ بند کیا ، آنکھیں بند کیں اور غار میں روپا کا تصور کیا۔ پلک جھپکتے ہی میں روپا کے سامنے غار میں موجود تھا۔ اس وقت روپا انسانی شکل میں تھی۔ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر کھل اٹھی، جھٹ میرے چرن چھوئے اور مجھے پرنام کیا، پھر بولی۔

''مہاراج! آپ نے کیوں کشٹ کیا مجھے حکم دیا ہوتا میں آپ کے چرنوں میں حاضر ہو جاتی۔'' میں نے کہا۔ ''نہیں روپا ایسا سے نہیں تھا، اور تمہارا گاؤں میں آنا بھی ٹھیک نہیں تھا، کل شام آکاش پر فالج کا اثر ہوا تھا اور پھر دن کا اجالا پھیلتے پھیلتے اس کو دل کا اٹیک ہوا، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا، اس کا کریا کرم بھی ہوگیا ہے، بہر حال لگتا ہے ایشور کو اس کی ایسی موت پسند تھی۔ تمہارا آخری دشمن بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔''

''مہاراج! کاش وہ اپنی موت نہ مرتا، میں اسے انجام تک پہنچاتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔'' روپا بولی۔

''روپا بھگوان کی مرضی کے آگے کوئی انسان کیا کرسکتا ہے، اب تم شانتی سے رہو۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج! میرے جیون میں اب شانتی کہاں؟ میرے لئے سارا سنسار اندھیر پڑا ہے، ساجنا کے بغیر میں ادھوری ہوں، ساجنا کے بنا اب میں جی کر کیا کروں گی، میں جدھر بھی دیکھتی ہوں مجھے اندھیرا ہی اندھیرا نظر

آتا ہے، میرا من اب سنسار سے اچاٹ ہو گیا ہے۔" روپا سسکتے ہوئے بولی۔

"روپا تم ہمت نہ ہارو، تم بہت مضبوط من کی مالک ہو، تم اپنی سانپ جاتی کی دنیا میں واپس لوٹ جاؤ، تم ملکہ بن کر رہو گی، پوری سانپ جاتی تمہیں پوجے گی، تم جب سانپ جاتی کی خدمت کرو گی تو آہستہ آہستہ تمہارا من لگ جائے گا، کوشش کرو گی تو وقت کے ساتھ ساتھ تم میں اور حوصلہ پیدا ہو گا، تمہارا اپنی دنیا میں لوٹ جانا ہی بہتر ہو گا، میں بھی بھگوان سے پرارتھنا کروں گا کہ بھگوان تمہیں شانتی دے، اور ساجنا کی آتما کو سکون۔"

روپا نے بڑے غور سے میری باتیں سنیں اور پھر بولی۔ "مہاراج میں کوشش کروں گی، آپ کی باتوں پر عمل کرنے کی، میری ایک بنتی ہے کہ کل آپ مجھے اپنا درشن ضرور کرا دیں تاکہ مجھے آخری وقت آپ کو دیکھ کر شانتی مل جائے۔"

"روپا ٹھیک ہے میں کل تمہاری اچھا کے مطابق ضرور درشن کراؤں گا، اب میں چلتا ہوں۔" یہ بول کر میں نے مندر میں اپنے کمرے کا تصور کیا اور ایک پل میں، میں اپنے کمرے میں تھا۔

دوسرے دن میں روپا کی اچھا کے مطابق جب غار میں پہنچا تو میری نظروں نے ایک دل دہلا دینے والا منظر دیکھا۔ میرے دل میں ایک ہوک اٹھی، میں نڈھال ہو گیا، مجھے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا، میں سکتے کے عالم میں سامنے دیکھتا رہا اور جیسے میری نظریں پتھرا گئی تھیں۔

روپا سانپ کے روپ میں مردہ پڑی تھی۔

میں اس کے قریب ہی بیٹھتا چلا گیا۔ کافی دیر تک بیٹھا اس کے مردہ جسم کو حسرت و یاس سے دیکھتا رہا۔

کافی دیر بعد میں اٹھا اور ارد گرد سے ڈھیر ساری خشک لکڑیاں اکٹھی کیں اور پھر ان لکڑیوں پر روپا کے وجود کو سانپ کی شکل میں ہی رکھ کر لکڑیوں کو آگ دی۔ ایک گھنٹہ تک میں اس جگہ ٹھہرا رہا، اب وہاں راکھ کے سوا کچھ نہ تھا، میں افسوس کرتا ہوا اپنے کمرے کا تصور کیا تو پلک جھپکتے ہی میں اپنے کمرے میں تھا۔ روپا کی موت پر میرا دل بہت دکھی تھا، میں نے بھگوان سے پرارتھنا کی، بھگوان روپا اور ساجنا کو دوسرے جنم میں بھی ایک دوسرے کا ساتھی بنانا۔ اور پھر گیان دھیان میں لگ گیا۔

چند دن میں مندر میں رہا، اس درمیان کامنی ہر طرح سے میری سیوا کرتی رہی، اور پھر ایک رات میں خاموشی سے اس گاؤں اور کامنی کو چھوڑ کر اپنی منزل کی تلاش میں انجان راستے پر چل نکلا۔

☆......☆......☆

میں دلی کی سڑکوں پر بے ارادہ بھی پھرتا رہتا تھا۔ یہ شہر مجھے اچھا لگتا تھا۔ میں قطب مینار کے قریب کھڑا تھا میرے قریب ایک فقیر کشکول لئے زمین پر بیٹھا تھا، وہ مجھے دیکھ کر اچانک کھڑا ہو گیا اور بولا......

"کب تک آخر کب تک! تیرے کچھ کام نہیں آنے والا ہے، یہ پتھر درخت جانور تیرے کیا کام آئیں گے تیرا علم تیرا ساتھ نہیں دے گا۔"

"تو کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تیرا سایہ ہوں، تیرے ساتھ ہوں تو جو کرے گا میری نظر میں رہے گا۔ تو نے جو، اب تک کیا ہے وہ بھی نظر میں ہے، تو کیا سمجھتا ہے تو اکیلا ہے تیری دیکھ بھال نہیں ہو رہی یہ دوسری بات ہے کہ ابھی تیرے بارے میں حکم نہیں آیا۔ ذرا اپنے اوپر نظر ڈال تیرے علم نے تجھے کیا دیا ہے۔

اور تو نے اس علم سے دنیا کو کیا دیا ہے اور پھر آگے کیا دے سکتا ہے۔ قدرت نے جو چیز جہاں رکھی ہے اس کی وجہ تو ہے، تو اس میں خلل ہرگز نہ ڈالنا، تیرا علم تجھے یہاں آ کر تیرا کہنا نہیں مانے گا، قدرت کے نظام میں کوئی مداخلت خالق کائنات کو ہرگز پسند نہیں ہے۔"

"شاید تو ٹھیک کہہ رہا ہو مگر تو میری شکتی کو نہیں جانتا تو نے مجھے پہچاننے میں غلطی کی ہے، میں اس قطب

کی لاٹ کو ایک منٹ میں زمین بوس کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کوشش بھی مت کرنا کیونکہ تیرا عبرت ناک انجام یہاں سے ہی شروع ہو جائے گا۔'' فقیر بولا

''میرا کہنا آج تک کسی پتھر نے نہیں ٹالا، میری بات اٹل ہے میرا حکم آخری ہے۔'' میں نے کہا۔

فقیر نے جواب نہیں دیا کشکول میں منہ ڈال کر ایک زوردار نعرہ ''اللہ ہو'' کا لگایا اور پھر بولا۔

''خود کو آزمائش میں مت ڈال بھرم ہے تو رہنے دے۔ ایک بار حکم عزولی ہو گئی تو بہت پچھتائے گا۔''

مگر میں اپنی طاقت کے نشے میں تھا، میں نے اس کی بات پر غور نہیں کیا۔ اور دل میں قطب مینار کے پتھروں کو حکم دے دیا کہ ''وہ سب دیواروں سے نکل کر زمین پر آ جائیں۔''

فقیر نے پھر ایک نعرہ مارا اور کھڑا ہو گیا اب اس کا چہرہ جلالی تھا اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں، مینار کے کسی پتھر نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی، میں نے حیرت سے پھر حکم دیا۔ مگر کچھ نہ ہوا آج پہلی بار ایسا ہوا کہ میرا حکم کسی نے نہیں مانا ہو، فقیر اپنے جلال میں کھڑا تھا۔

آج پہلی مرتبہ میں کسی سے خوفزدہ ہوا۔ میں نے راہ فرار اختیار کی اور ایک نیولا بن کر ایک بل میں غائب ہو گیا۔ فقیر کا جلال آہستہ آہستہ کم ہوا اور وہ وہیں پر بیٹھ گیا، اس کے سامنے کشکول تھا اور اس میں سے وہ بھنے چنے نکال کر کھا رہا تھا دو چار چنے اس نے بل کے کنارے پر ڈال دیئے اور بولا......

''کھا لے ورنہ بھوکا مر جائے گا۔ تو نے جو کھایا تھا اب وہ تیرے وجود سے ختم ہوا۔''

وہ مجھ سے کہہ رہا تھا، میری ہمت نہیں تھی کہ اس کا سامنا کروں۔ اس نے ایک جھٹکے میں میری دو قوتیں ختم کر دی تھیں میں اس سے کس طرح مقابلہ کروں یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''تو کیا سمجھتا تھا تیرے پاس انوکھی نرالی شکتی آ گئی ہے تیرے پاس یہ آئی تو اس کا توڑ بھی آ گیا۔ میں نے تیرا ہر جگہ پیچھا کیا، تو نے جو رنگ رلیاں منائیں سب پتہ ہے، تو اگر اس علم سے دنیا کے لئے کچھ اچھا کرتا تو شاید اور مہلت مل جاتی۔ تیرے گرو نے ہزاروں سال آتما کے روپ میں دنیا میں گزارے صرف اپنی انمول شکتی کو قائم رکھنے کو اس نے بھی وہ نہیں کیا جو کرتا تھا۔ اور تو بھی دنیا کی فضولیات میں پڑا رہا ہے، تیرے نام پر کوئی ٹھوس کام نہیں ہے۔

میں تجھے اس بل میں رکھ سکتا ہوں مگر ابھی تیرے پاس کچھ وقت ہے۔ دوڑ جا اور اپنی ماں کی قبر تلاش کر لے۔'' فقیر اٹھا اور ایک طرف روانہ ہو گیا، اس کے جانے کے بعد میں بل سے نکلا اور پھر اپنی اصل شکل میں آنے کے بعد ترلوک کے پاس پہنچ گیا۔

آج میری شکست کا دن تھا، آج میرے غرور کے شیشے پر بہت بھاری پتھر آن لگا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی یہ نئی بات تھی، مجھے بھوک کب لگتی تھی پیاس کیا ہوتی ہے، میں نہیں جانتا تھا مگر میرا پیٹ روٹی مانگ رہا تھا وہی روٹی جو انسان کو چلاتی ہے، پیٹرول جس طرح گاڑی کو چلاتا ہے اب مجھے اس کی بھی فکر کرنا ہو گی، ورنہ مجھے تو بھوکا رہنا ہو گا، بھوکے آدمی کا دماغ صرف روٹی دکھاتا ہے نہ ملے تو چوری کرواتا ہے، قتل کرواتا ہے، انسانی زندگی کے لئے پیٹ کا ایندھن کتنا ضروری ہے اس کا احساس مجھے آج ہوا تھا۔ میں بھوک اور غم سے نڈھال تھا، ترلوک نے کہا۔

''آپ کچھ کمزور اور غمگین نظر آتے ہو بابا۔''

''ہاں زندگی کی پہلی ہار نے اور بھوک نے نڈھال کر دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں کھانا لگواتا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا ......اور چلا گیا۔ کچھ دیر میں ہی میرے سامنے کھانا رکھا تھا اور میں شاید زندگی میں پہلی بار رغبت سے اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے ترلوک سے کہا۔'' میں نے

شاید زندگی میں پہلی بار آج کھانا کھایا ہے۔اس سے پہلے تو میں صرف رسم ادا کرتا تھا آج پہلی بار مجھے بھوک لگی ہے۔پہلی بار میں نے کھانا کھایا ہے۔''

ترلوک کی سمجھ میں پتہ نہیں میری بات آئی کہ نہیں ۔میں نے پھر کہا۔''اب ہم جاتے ہیں۔تیرا میرا اتنا ہی ساتھ تھا، دلی نے مجھے کچھ نہیں دیا، میں دلی میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر جارہا ہوں۔''

اور میں دلی سے پیدل روانہ ہوا۔میرا کہیں کا پروگرام نہیں تھا میں بے ارادہ دلی سے نکلا تھا۔میں خود کو آزمانا چاہتا تھا، میں اپنے کشکول کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔میرے پاس کچھ تھا بھی کہ نہیں اس کی پڑتال بھی کرنا تھی، ابھی میں انسانوں سے دور رہنا چاہتا تھا۔

میرا ارادہ کہاں جانا ہے؟ کس کے پاس میں جارہا ہوں۔میں یہ سب نہیں جانتا تھا۔

میں غم سے نڈھال تھا میری سالوں کی محنت برباد ہو رہی تھی۔میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔میں اس سے لڑ نہیں سکتا تھا اس کے سامنے آتے ہی میرے اوسان میرا ساتھ چھوڑ جاتے تھے۔میں سڑک کے کنارے کنارے چل رہا تھا زیادہ چوڑی سڑک نہ تھی آبادی تو کب کی ختم ہوگئی تھی۔سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے، ہریالی دونوں طرف تھی۔کہیں کہیں کسان کام کرتے نظر آجاتے تھے۔ان کسانوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے سب مل کر کھیت میں کام کر رہے تھے میرا حلق خشک ہو رہا تھا، ان کو دیکھ کر میری پیاس شدت اختیار کرگئی، آج زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ مجھے اتنی شدید پیاس لگی، حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے، میں تیزی سے کسان کی طرف دوڑا مجھے لگا کہ اگر کچھ دیر اور مجھے پانی نہ ملا تو میں مر جاؤں گا۔

کسان کے قریب پہنچ کر میری آواز نہ نکلی میں نے اشارے سے پانی مانگا اور زمین پر دھپ سے بیٹھ گیا ۔کسان کی بیوی دوڑ کر پانی کی مٹکی اٹھالائی مجھ سے صبر نہ ہوا میں نے پانی کی مٹکی اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور منہ لگا کر غٹا غٹ پانی پینے لگا جب ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو میں نے مٹکی عورت کے ہاتھ میں دے دی اور کہا ۔''خوش رہو، میں نے آج اتنا اچھا پانی پیا ہے۔''

کسان بھی قریب آگیا تھا بولا۔''کا کہو ہو بھا پانی کا اچھا کا برا پانی تو پانی ہے۔''

''اگر سخت پیاس میں مشکل سے ملے تو اس سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے یوں تو پانی ہے ہی انمول چیز، تم تو کسان ہو، خوب جانتے ہو کہ پانی زندگی ہے، انسان کی زندگی اس کھیت کی زندگی ان درختوں کی زندگی۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک کہے ہو بھا تم کون ہو اور کتے جاؤ ہو؟''

''میں آوارہ بادل ہوں میرا کیا ہے۔نہ گھر نہ ٹھکانا تم یہ بتاؤ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''ارے لے تو ئے نہیں خبر ارے باؤلے یہ اور ریاست ہے اور یہ ہمارا کام جو ہے اور ریاست میں لاگے ہے اور یہ ہمارا کھیت ہے وہ رہی ہماری گھروالی اور وہ رہا چھورا، چھوری گھر پہ ہے، چھوڑ کے آئی ہے ہماری ماہتاری کے پاس۔'' کسان نے ایک سانس میں اپنا تعارف کرادیا۔

''تمہارا گزارہ اس کھیت سے ہو جاتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بس ہو ہی جاوے ہے، وقت پر بھگوان کی کرپا ہو جاوے ہے تو! اور نہیں تو بھیا سب کی کری کرائی محنت بے کار بھی چلی جاوے ہے اور گردھاری بنیا کی ڈیوڑھی پر حاضری لگانی پڑے ہے۔''

''وہ کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''اور کہاں جائیں گے پورے گاؤں میں وہی تو قرض دیوے ہے، بیاج پر بیاج لگائے ہے، پر کیا کریں بھوکے تو رہا نہیں جائے ہے ابھی فصل ہوئی کہ وہ موجود سب فصل بیاج میں چلی گئی۔ہم پھر کھڑے بھوکے اوکے دوار پر، اپنا دانہ اپنی محنت اور بنیا ہمیں ناپ تول کے دیوے ہے تو بھیا ہماری زندگی تو پوری بنیا کی تجوری میں بند ہے ہم مرے تو ہمارا چھورا پھنس گیا۔''

"تمہاری زندگی تو بڑی سخت ہے، بنیا کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔" میں نے پوچھا۔

"ارے لے بھیا کون کہے گا اوکے پاس روپیہ ہے گودام ہے دانے بھرے پڑے ہیں، ارے وہ تو چوہدری اور مکھیا کے سامنے بھی ڈٹ جاوے ہے۔"

"اور تم سب کسان اس کے خلاف ڈٹ جاؤ تو وہ کیا کرے گا۔" میں نے پوچھا۔

"تو سب مارے جاویں گے، ریاست ہے یہاں پر راجہ کا قانون ہے۔ راجہ کے قانون میں کسان کی حیثیت نہیں ہے جو راجہ کو خراج دیوے ہے اس کی سنی جائے ہے، کسان کیا دیوے گا اوکے یہاں تو خود دانوں کے لالے پڑے ہیں۔ ارے بھیا یہ اور راجہ کی حکومت ہے کوئی دلی شہر نہیں ہے ہمارے تو پرکھے بھی اس دھرتی پر پیدا ہوئے اور مر گئے، نہ وہ ڈھنگ سے جئے اور نہ ہم، ہمارے تو نصیب ہی ایسے ہیں اور کا کہیں۔" کسان بولا۔

"اچھا دوست تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارا نام رام بھروسے ہے۔" کسان بولا

"رام بھروسے ہم جا تو پتہ نہیں کہاں رہے تھے اگر تم کہو تو دو چار دن تمہارے پاس رک جائیں۔ کہو گے تو تمہارا کچھ کام کریں گے۔" میں نے کہا۔

"ایسا نہ کہو بھیا ہم غریب ہیں، پر اتنے گئے گزرے بھی نا ہی ہیں کہ تم سے کام کرائیں۔ تم ہمارے ساتھ گھر چلو جب تک دل کرے رہو ہم تمہاری خدمت کریں گے ہمارے مہمان ہو تم۔" رام بھروسے بولا۔

شام میں اس نے اپنی بیل گاڑی جوڑی اور سب روانہ ہوئے ایک گھنٹے کے سفر کے بعد گاؤں آ گیا اور ایک دروازے پر رک کر اس نے کہا۔ "یہی ہے ہمارا دوار۔" میں اتر پڑا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کی گھر والی اور بچہ اندر چلے گئے بیلوں کو گاڑی سے الگ کیا اور بولا۔ "آ جاؤ اندر۔" بیل آگے تھے دونوں بیل اپنے ٹھکانے پر خود پہنچ گئے، دروازے کے فوراً بعد میدان تھا اس میں ایک گائے اور دو بکریاں پہلے سے موجود تھیں دائیں طرف دالان بنا تھا کچی مٹی کا اس پر لیپ کیا ہوا تھا۔ بائیں طرف دو تین کوٹھریاں بنی تھیں ایک طرف چولہا بنا ہوا تھا اس کے کنارے ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں ناریل کا حقہ تھا۔ رام بھروسے نے چھپر کے نیچے ایک کھاٹ لا کر ڈال دی اس پر ایک بڑی موٹی دری بچھا دی اور ایک تکیہ بھی رکھ دیا اور بولا ......"غریب آدمی ہیں کا کریں۔"

میں نے کہا۔ "تم غریب نہیں ہو کیونکہ تم اندر سے امیر ہو خود کو غریب کہہ کہہ کر پریشان نہ ہوا کرو۔"

"تری بات میں سچائی ہے۔" میں نے کہا۔

رام بھروسے ایک لوٹے میں پانی لے آیا۔ میں نے ہاتھ منہ پیر دھوئے اور کھاٹ پر تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ رام بھروسے جانوروں کو راشن دیتا رہا۔ اس کی گھر والی چولہے پر کام کرتی رہی اور بچہ باہر چلا گیا۔ ایک دیا اس نے لا کر میرے قریب رکھ دیا اس کی روشنی بس اتنی تھی کہ میری کھاٹ پر آ رہی تھی۔ کھانا تیار ہو گیا اور رام بھروسے لے آیا۔ دونوں نے کھاٹ پر بیٹھ کر کھایا پھر پانی پی لیا۔ رام بھروسے نے اب تک میرے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے کہا۔ "ایک بات بتا رام بھروسے تو نے اب تک میرے بارے میں نہیں پوچھا۔"

"کا پوچھوں؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"ارے بھئی میں کون ہوں؟ ہندو ہوں کہ نہیں اور تو نے میرے ساتھ کھا بھی لیا۔" میں نے کہا۔

"مجھے پتہ ہے۔" وہ بولا۔

"کیا پتہ ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ارے تو مسافر ہے تیرا دور کا سفر ہے اور کیا۔" وہ بولا۔

میرا نام شیر سنگھ ہے۔" میں نے کہا۔

"تو نہ بھی شیر سنگھ ہوتا تو بھی میرا مہمان ہی ہوتا۔" وہ بولا۔

گاؤں میں رات جلد ہوتی ہے رات نو بجے سب

سو گئے تھے مگر میں جاگ رہا تھا۔
میں نے چیونٹوں سے رابطہ کیا میں نے کہا۔ ”بنیا کے گودام میں اناج کے ڈھیر پڑے ہیں۔ اور کسان کے پاس کچھ نہیں ہے تو کچھ کرے گا۔“
وہ بولا...... ”حکم کرو ہم تو تمہارے غلام ہیں۔“
”تو پھر بنیا کے گودام سے ہر روز تجھے دانے لانے ہیں اور جہاں میں ہوں وہاں رکھنا ہیں۔“
بس اتنا کہ رام بھروسے کا گزارہ ہو جائے زیادہ اس لئے نہیں کہ بنیا کو شک ہو جائے گا۔“
چیونٹے نے کہا۔ ”یہ کب تک کرنا ہوگا مائی باپ۔“
”ہمیشہ کرنا ہوگا رام بھروسے کو بھوکا نہیں رکھنا ہے۔“ میں نے کہا۔
میں لیٹ گیا اور سو گیا۔ سویرے رام بھروسے جلدی اٹھ گیا اور اپنے کام کرنے لگا چارہ نکالنے وہ چھپر میں آ گیا اور کھاٹ کے نیچے اس کی نظر گئی تو اس نے دیکھا ایک ڈھیر، اناج کا پڑا ہے وہ حیرت سے بولا۔ ”ارے یہاں پر کیسے آیا؟“
میں نے کہا۔ ”میری بات سن کسی کو بتانا نہیں یہ روز آ دے گا اور بنیا کے گودام سے آ دے گا تو اس کو بیاج دیتا ہے۔ یہ تیرا ہی مال ہے تجھے دوسرے راستے سے مل رہا ہے اور ہمیشہ ملے گا بس بات اپنے تک رکھنا۔“
رام بھروسے نے منہ کھول کر میری بات سنی پر اس کی سمجھ میں آئی نہیں۔
میں نے پھر کہا۔ ”زیادہ پریشان نہ ہو بھگوان کی مرضی ایسی ہی ہے زیادہ نہ سوچ، نہ میرے بارے نہ اس اناج کے بارے میں تیرا سارا بیاج اور قرض بھی ختم ہو جائے گا، بنیا تیرے پاس خود چل کر آئے گا۔“ وہ حیرت سے بولا۔
”ارے کا بات کرے ہو بھیا وہ بڑا گھمنڈی ہے وہ کاہے آوے گا۔“ وہ بولا۔
”آدمی کا گھمنڈ ہمیشہ نہیں رہتا اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنا بڑا ہے آدمی اگر اپنی حد میں رہے تو اچھا لگتا ہے زیادہ اوپر جانا نقصان دہ ہوتا ہے۔“ میں نے کہا۔
دیکھو بھائی ہم ٹھہرے دیہات کے لوگ، ہماری کھوپڑیا ہے چھوٹی صاف صاف کھری کھری تو سمجھ ما آ جائی ہے، اوسے آگے ہماری کھوپڑیا جواب دے جائے ہے اس کارن تو ہم بنیا کے حساب کتاب سے مار کھا جائے ہیں وہ سسرا نہ جانے کا حساب کرے ہے کہ ہمارا سارا اناج لے جات ہے اور ہم پھر اوکے قرض دار، بس عزت سے روٹی کھان واسطے کوشش کرتے ہیں۔“
رام بھروسے بولا
”تمہاری کوشش بہت بڑھیا ہے مگر بنیے کا حساب کسی کی سمجھ میں نہیں آیا ایک بار اس کے چکر میں جو آ گیا پھر زندگی کے لئے پھنس گیا۔“ میں نے جواب دیا۔
”ارے ہاں بھیا تم ٹھیک کہت ہو اور بنیا نے بڑی ہتھیا مچائی ہے آدھا گاؤں اوکا قرض دار ہے۔ اوکی ایک گز زمین نہ ہی ہے پر گودام اناج سے بھرا ہے ارے ہم اپنا مال ہم خود ہی ادھار لے لیویں ہیں اور کھاتے میں وہ لکھے جاوے ہے۔“
میں نے کہا۔ ”تو فکر نہ کر اس کا کچھ کریں گے۔“
”ارے بھیا بڑا پاکھنڈی ہے بڑے لمبے ہاتھ ہیں ہمارا کا ہوگا۔“ وہ بولا
میں رات کو اس بنیا کے مکان پر چلا گیا۔
بڑی بھاری بھرکم آدمی تھا ایک بہت بڑے تخت پر اکیلا پڑا اخراٹے لے رہا تھا۔ دروازہ بند تھا، اس کا مکان دو منزلہ تھا، نیچے وہ اکیلا تھا بہت بڑا اناج کا گودام تھا ایک دو جانور کھڑے جگالی کر رہے تھے اوپر اس کی بیوی بچے تھے نیچے وہ اکیلا تھا مکان اس طرح بنا تھا کہ صرف دروازے سے ہی اندر آیا جا سکتا تھا دروازے پر بہت موٹے تختوں کا بڑا مضبوط دروازہ تھا اور اس میں بہت موٹے لوہے کی کنڈی چڑھی ہوئی تھی وہ بے فکری سے سو

رہا تھا۔

میں نے قریب رکھی مٹکی اٹھائی اور سارا پانی اس پر الٹ دیا۔

وہ بڑ بڑا کر اٹھ گیا چند سیکنڈ تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے؟ پھر ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو تیز آواز میں بولا۔ ''تو کون ہے رے، بے وقت کا ہے آیا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''تیری خاطر آیا ہوں ذرا ہوش میں بات کر۔''

اس نے دروازے کو دیکھا کنڈی چڑھی تھی اور اس میں تالہ بھی اپنی جگہ پر تھا پھر اس نے چاروں طرف دیکھا ہر دیوار سلامت تھی اب ذرا اس کو فکر ہوئی بولا۔ ''تو آیا کیسے اندر؟''

''تو اس چکر میں مت پڑ میں چلا بھی جاؤں گا تو یہ بتا تو نے ادھار کا کھاتا کہاں رکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''رکھیں گے کہاں تجوری میں ہے پر تو کون ہے پوچھنے والا؟'' وہ بولا۔

''اگر تو نہیں لائے گا تو تجوری سے میں خود نکال کر لے آؤں گا۔ میری بات یاد رکھنا تجوری میں میرا ہاتھ اندر گیا تو صرف کھاتہ ہی باہر نہیں آئے بہت کچھ باہر آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے واہ سارے گاؤں کا حساب او میں ہے کیسے نکال کے تو کے دے دوں۔'' وہ بولا

''تیری جان اس کھاتے میں ہے تو نہیں دے گا، یہ کام مجھے ہی کرنا ہوگا چابی دے۔'' میں نے کہا۔

''کاہے دوں تیرے باپ کی ہے کہ دے دوں۔'' وہ اکڑ کر بولا۔

اس کے گودام کے کونے میں ایک گائے کھڑی تھی بڑی سکون سے جگالی کر رہی تھی اچانک اس نے جگالی بند کر دی اور ناک سے گرم گرم سانسیں خارج کرنے لگی زمین پر پیر مارنے لگی۔ ''دیکھ تیری گائے تجھ پر غصہ کر رہی ہے۔''

اس نے گائے کو دیکھا۔ ''ارے ای کو کیا ہوا۔''

گائے نے رسی تڑالی تھی وہ سیدھی ہوئی اور بنیا کی طرف آندھی کی طرح آئی، بنیا گھبراہٹ میں تخت سے زمین پر گر گیا، گائے پھر پلٹی اور بڑھی بنیا کی طرف، بنیا ایک طرف دوڑا اب گائے بنیا کو دوڑا رہی تھی اور وہ اپنے بھاری وزن کو لئے دوڑ رہا تھا۔ آخر تخت کے پاس آ کر گر پڑا اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا جسم پر پسینہ بہہ رہا تھا گائے اس کے قریب کھڑی گرم گرم سانسیں لے رہی تھی اور پھر گائے اپنی جگہ جا کر کھڑی ہو گئی۔

میں نے کہا۔ ''اب بول کھڑی ہے تیری ماں دیکھ لے اس کے سینگ کتنے نوکیلے ہیں۔ تیرا کھایا پیا سب باہر کر دے گی۔''

بڑی دیر میں اس کی سانسیں بحال ہوئیں وہ بولا۔ ''ارے تو کون ہے میرے باپ؟''

''اب میں کیا بتاؤں تو نے خود ہی پہچان لیا۔ اب تو باپ کا کہنا مان اور کھاتے لے آ میرے پاس۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

اس کے تن بدن میں میری مسکراہٹ سے آگ لگ گئی آخر خاندانی بنیا تھا اتنی جلدی کھاتے کس طرح لے آتا۔ تن تنا کر بولا۔ ''بس لے پر کان کھول کر سن لے کھاتے ہرگز نہیں دوں گا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر یہ گو ماتا تیری ہتھیا کر دے گی، تیری گھر والی اور بچے میں نہیں چھوڑوں گا۔ یہ گودام اور تجوری سرکار لے لیگی یا گاؤں والے لے جائیں گے تیرا کیا بچے گا، تیرے کس کام آیا یہ سب، ارے یہ تجوری اور گودام تیرے ساتھ چتا میں نہیں جائے گا سب یہاں پر ہی رہ جائے گا مرنے کے بعد آدمی کو کچھ نہیں ملتا۔ تجھے بدنامی کے سوا کیا ملے گا جو کہے گا وہ یہ کہے گا بڑا خراب آدمی تھا اچھا ہوا مر گیا۔'' میں نے کہا۔

''تو میں کا کروں؟ تجھے تجوری دے دوں، گودام دے دوں، ارے میں تو پھر ویسے ہی مر جاؤں گا۔'' وہ تھک کر بولا۔

میں نے رسان سے کہا۔ ”مجھے تیری تجوری کی ضرورت نہیں ہے اس میں رکھی تیری حرام کی دولت کی بھی ضرورت نہیں ہے اور یہ گودام بھی میں نہیں لوں گا تو صرف یہ کر کہ اس میں رکھے سارے پرانے نئے کھاتے لے آ اور پرانے نئے سارے حساب ختم کر دے آگ لگا دے ان سب کو، سب کسانوں کے سروں پر تیری جو تلوار لٹکی ہے اس کو ختم کر دے، پشت ہا پشت سے وہ تیرے خاندان کے قرض دار چلے آ رہے ہیں، تیرا قرض ادا کرنے پر بھی پورا نہیں ہوتا، ان ساری پوتھیوں کو ختم کر دے اور انسانوں کو جینے کا حق دے۔“

”ارے واہ خوب کہی پرکھوں کی نشانی برباد کردوں ارے تو کون دھرماتما آ گیا کہ حکم چلا دے ہے۔ میرے پرکھوں کی آتما پر کیا گزرے گی۔“ وہ بولا

”تیری گئو ماتا تیار کھڑی ہے وہ پھر آ جائے گی تجھ پر جو بیتے گی تجھے پتہ ہے اس کے بعد میں وہی کروں گا جو تجھ سے کروا رہا ہوں تیری جان بھی گئی اور تیرے پرکھوں کی آتما کو بھی دکھ ہوا ارے بے وقوف اپنی جان کی فکر کر پرکھوں کی آتما کو کچھ نہیں ہوگا۔“

شاید بنیا کی سمجھ میں میری بات آ گئی وہ اٹھا ایک کونے سے اس نے چابی نکالی اور دیوار کی آڑ میں دیوار کی طرف کھڑی تجوری کو کھولا اور ایک ایک کر کے کئی کھاتے زمین پر ڈال دیئے اور تجوری بند کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ ”تیری بے ایمانی گئی نہیں۔ سارے باہر رکھ دے۔“

”تو نے پرکھوں کے مانگے میں نے نکال دیئے۔“ وہ بولا۔

”اچھا تو اب اپنے بھی نکال۔“ میں نے کہا۔

”ارے ایسا نہ کر میں مارا جاؤں گا، مجھ پر دیا کر دے۔“ وہ بولا

”کروں گا دیا بھی کروں گا ابھی تو وہ کر جو میں کہہ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

اس نے پورے کھاتے باہر کر دیئے۔ اب اندر کچھ گول گول بنڈل پڑے تھے ان میں لوگوں کی زمینوں کے کاغذات تھے کچھ مکانات کے کاغذات تھے۔ مجھے سب نظر آ رہا تھا۔

بنیا تجوری بند کرنے لگا میں نے کہا۔ ”سب کام ایک ساتھ ہو جانے دے کیوں بار بار تجوری بند کرتا ہے لوگوں کی زمین جائیداد بھی آزاد کر دے نکال وہ بھی۔“ میں نے کہا۔

”ارے پھر میرے پاس کیا رہ جائے گا۔“ وہ رو کر بولا

”تجوری میں سونا بھی ہے روپیہ بھی ہے وہ سب تیرا تو نہیں کوئی انہیں رکھ گیا، تو نے اتنی بیاج چڑھا دی کہ وہ دے نہ سکا اور وہ تیرا ہو گیا۔ ارے کچھ تو شرم کر تیرے ہاتھ پیر کی کمائی کا تو ایک روپیہ بھی اس میں نہیں ہے اور بنا پھرتا ہے لالہ جی۔“ میں نے کہا۔

”دیکھ تو نے جو کہا وہ میں نے دے دیا اب مر جاؤں گا تجوری میں سے کچھ نہیں دوں گا۔“ وہ بولا۔

”ٹھیک ہے تیری مرضی آ جا۔“ میں نے گائے کو اشارہ کیا گائے نے پیر زمین پر مارے آنکھیں سرخ کیں ناک سے دھواں نکالا اور نشانہ بنیا کا لیا، اس نے موت کو آتے دیکھا تو بولا۔ ”ارے روک روک میری دشمن یہ گئو ماتا کب سے ہو گئی ارے اتنے پریم سے اس کو پالا پوسا اور کہنا یہ تیرا مانے ہے کیسا زمانہ آ گیا ہے۔“

”بھاشن بعد میں دے لینا سب کاغذ نکال کے ڈال دے باہر۔“ اس نے پوری تجوری میں ایک کاغذ نہیں رہنے دیا مگر اس کی شکل مرے ہوئے چوہے جیسی ہو گئی میں نے کہا۔ ”اب بند کر دے اب بھی اندر بہت مال ہے ساری زندگی کھائے گا تو ختم نہیں ہوگا۔ تیرے پاس مٹی کا تیل ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”کیا کرنا ہے؟“ وہ بھولپن سے بولا۔

”ارے گھامڑ سب پر مٹی کا تیل ڈال اور آگ لگا دے۔“ میں نے کہا۔

”اس سے بڑھیا بات یہ ہے کہ مجھے بھی اس پر

بٹھا دے اس سب کے جلنے کے بعد میں کہاں زندہ رہوں گا۔"

"تو تیل دے اور بیٹھ جانا اس کے اوپر، لوگ دس بیس کی لکڑیوں پر جلتے ہیں تو لاکھوں کے کاغذات پر جلے گا تجھے بھی فخر ہوگا اور تیری گائے کو بھی پھر تکلیف نہیں دینا پڑے گی۔" میں نے کہا۔

"تو بڑا ضدی ہے مانے گا نہیں، ارے جتنی ضرورت ہے بول لے جا، زندگی بھر موج کر موئے کا ہے کنگال کرنے چلا ہے۔" اس نے آخری ترپ لگا دی۔

میں نے کہا۔ "اگر مجھے لینا ہوتا تو اتنا لمبا کھیل کھیلنے کی ضرورت کیا تھی۔ ڈال تیل اور لگا آگ، تو نے بہت بکواس کر لی۔" میری ڈانٹ سن کر اس نے لالٹین سارے کھاتوں پر خالی کر دی میں نے اٹھا کر وہ سارے کاغذ اوپر رکھ دیئے اور آگ لگا دی۔ بنیا ہائے کہہ کر تخت پر گر پڑا۔

میں نے کہا۔ "ارے ذرا آگ تو سینک لے بڑی قیمتی آگ ہے۔"

پر لالہ جی ہوش میں کب تھے کہ جواب دیتے۔

میں نے ایک ایک کاغذ جلا دیا۔

تجوری کھول کر اندر کا جائزہ لیا اندر بہت رقم تھی زیور تھے سونا تھا میں نے صرف زیورات لئے ان کی ایک پوٹلی باندھی، سارے کھاتے جل چکے تھے بنئے کو بے ہوش چھوڑا اور بند دروازے سے باہر آ گیا اور اپنے بستر پر تھا، کچھ ہی دیر میں رام بھروسے اٹھ گیا، میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "رام بھروسے میری بات غور سے سن اور یہ بات کسی کو نہ بتانا، تیرے اور اس گاؤں کے سارے کسانوں کے قرضے جو لالہ بنیا کے تھے ختم ہو گئے ہیں۔ میں نے اس کے سارے کھاتے ختم کر دیئے ہیں، اب بنیا کے پاس کوئی کھاتا نہیں ہے کسی کی زمین کے کاغذ اور جائیداد کے کاغذات اس کے پاس نہیں ہیں۔ وہ تم سے کچھ نہیں مانگ سکتا۔ تم سب آزاد ہو اس کو ایک دانہ نہ دینا اور اگر رعب ڈالے اور مانگے تو کہنا۔ "گئو ماتا دیکھ رہی ہے۔"

رام بھروسے ہنس کر بولا۔ "ارے وہ بھگوان سے نہ گھبرائے ہے گئو ماتا سے کا ڈرے گا۔"

"ڈرے گا۔" میں نے کہا۔

"اور لے یہ پوٹلی اس میں سب کسان عورتوں کے زیورات ہیں ان کو دھیان سے رکھ اور جس جس کا ہے اسکو دے دینا۔ بنیا گڑ بڑ کرے تو پھر یہی کہنا۔ "گئو ماتا دیکھ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے واہ بھیا یہ منتر تو خوب بتایا کا بنیا مان جائے گا۔" رام بھروسے بولا۔

"ارے مان جائے گا اور سن تیرے چھپر میں ہر رات دانے آئیں گے کسی کو نہ بتانا یہ بھی بنئے کے گودام سے آئیں گے۔ جب گودام خالی ہو جائے گا تو اس کے گھر سے آئیں گے اس نے اب تک تجھے لوٹا تھا اب تیرا نمبر ہے سب وصول کر لے۔"

رام بھروسے حیرت سے بولا۔ "ارے دانے کون لا دے گا؟"

"کوئی لائے تیرے پاس آ دیں گے اور کون لا رہا ہے وہ دیکھنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھیا! نئی نئی بات ہے ہم کا بولیں سمجھ تو ہم میں ذرا بھی نہیں۔"

"اب میں جا رہا ہوں تو نے میری خدمت کری ہے۔"

میں سیدھا بنیا کے گھر گیا اور گھر کے اندر چلا دروازہ بند تھا وہ تخت پر بیٹھا تھا اس کے سامنے ناشتہ رکھا تھا دودھ اور مکھن پراٹھے سب کچھ تھا اس کے قریب اسکی گھر والی کھڑی تھی تخت کے سامنے رات کے کاغذات کی راکھ پڑی تھی تجوری بند تھی اور بنیا کی نظریں راکھ پر جمی ہوئی تھیں اور عورت کی نظریں بنیا پر تھیں، میں بے آواز اندر آیا تھا وہ دونوں میری آمد سے بے خبر تھے حالانکہ میں مجسم ان کے سامنے کھڑا تھا۔

چند منٹ میں بھی خاموش کھڑا رہا پھر بولا۔ "ارے پاگل خوشی کے موقع پر روتا ہے۔"

بنیا اور اسکی بیوی نے چونک کر میری طرف دیکھا اور کھڑا ہوگیا اور بولا۔ ''تو پھر آ گیا''۔

''ہاں میں پھر آ گیا آخری بار اس کے بعد پھر کبھی نہیں آؤں گا تو خوش ہو جا۔'' میں نے کہا۔

''ارے کا خوشی خوشی کرے ہے تو نے موئے برباد کر دیا اور دیکھو ذرا کہے ہے خوش ہو جا سب برباد کر دیا ارے پاپی تو نے۔ میرے پرکھوں کی کمائی برباد ہوگئی میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ بھگوان تیرا بھی بیڑا غرق کرے گا۔'' بنیا بولا۔

''تیرے پاس ابھی بھی بہت روپیہ ہے تجوری بھری پڑی ہے بول تو وہ بھی تیرے سامنے جلا دوں پھر تو کہنا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے ابھی کہے گا تو جھوٹ ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ارے نا بھیا اب ایسا نہ کرنا بہت برا مارا جاؤں گا۔'' بنیا بے صبری سے بولا۔

''میری بات سن غور سے تیرے گؤ ماتا کے سامنے تو ہے وہ بڑی سندر ہے دودھ بھی دیتی ہوگی اور اس کے سینگ بھی بڑے تیز ہیں اب تو گاؤں کے کسی آدمی کو ستائے گا تو تیری گؤ ماتا تجھے نہیں چھوڑے گی یا پھر دوسرا کوئی جانور تیرے پیچھے لگ جاوے گا۔

تیری زندگی گزارنے کو بہت ہے بیوپار کر عزت کی زندگی گزار کون منع کرتا ہے میں نہیں ہوں گا پر یہ سمجھنا کہ میں تیرے سر پر موجود ہوں۔ لے میں جا رہا ہوں۔''

میں اس کے سامنے بند دروازے سے باہر آ گیا ایسا میں نے اس لئے کیا کہ اس کی سمجھ میں میری بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

اور ریاست دور رہ گئی میرا پیدل سفر جاری رہا۔

سڑک کے کنارے درخت لگے تھے اور دونوں طرف کھیت تھے۔ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی دوپہر کا وقت اور مجھے بھوک لگ رہی تھی۔

میں زمین پر لیٹ گیا درخت جامن کا تھا جامن لگے تھے مگر کچے تھے کچے جامن کھانے کے لائق نہیں ہوتے، میں نے درخت سے رابطہ کیا۔ ''تیرے پاس آئے ہیں اور بھوکے ہیں۔''

درخت بولا۔ ''آگے جانا ہوگا آم کھڑا ہے اور تیار ہے میں تو مجبور ہوں تیری خدمت کر کے خوش ہوتا پر کیا کروں، بارش کا انتظار کر رہا ہوں۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''تیرا شکریہ کہ تو نے آگے کا راستہ بتایا۔'' میں تھوڑا ہی چلا تھا کہ آم نظر آ گیا میں اس کے سائے میں بیٹھ گیا۔ آم بولا۔ ''جامن نے تجھے ٹھیک جگہ بھیجا ہے اب تو پیٹ بھر لے بہت بڑھیا اور اچھا آم میں تجھے کھلاؤں گا آج میرے لئے بڑا خوشی کا دن کہ تو میرے پاس خود چل کر آیا ہے۔''

میرے اطراف میں آم گرنے لگے مگر حیرت یہ تھی کہ گرتے پر بھی وہ خراب نہیں ہو رہے تھے۔ ان کا گودا بڑا مزے دار تھا دو چار کے بعد ہی میرا پیٹ بھر گیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت ہوئی تو میں نے درخت سے پوچھا۔ ''تو کب سے ہے؟''

وہ بولا۔ ''پتہ نہیں میں نے وقت کی کبھی ناپ تول نہیں کی ہے۔ پر میری پیدائش اسی جگہ ہوئی تھی اور یہیں پر کھڑا ہوں اب تو بوڑھا ہوگیا ہوں میرا آم لوگ پسند کرتے ہیں دور دور سے کھانے آتے ہیں۔ اور میری نسل آگے بڑھاتے ہیں۔''

میں آگے بڑھ گیا درخت سڑک کے کنارے کنارے کھڑے تھے سڑک کے کنارے ایک گاؤں آ گیا اس گاؤں کا کنواں سڑک سے ذرا ہی ہٹ کر تھا۔ کچھ عورتیں کنوئیں سے پانی نکال کر پیتل کی گاگروں میں ڈال رہی تھیں ایک نوجوان عورت پانی نکال رہی تھی چرخی چلانے میں اس کا پورا بدن ہل رہا تھا۔ اس کا ابلتا بدن میری توجہ کا مرکز تھا۔

ایک پختہ عمر کی عورت بولی۔ ''کا ٹکر ٹکر دیکھے ہے کا تو نے پیر نہیں دیکھی۔''

میری توجہ اس کی طرف ہوگئی میں نے بن کر کہا۔

''یہ کیا کر رہی ہے؟''

عورت بولی۔ ''ای لے ارے کا تو جنگل ما آیا ہے۔''

''ہاں میں جنگل سے آیا ہوں۔ بہت پیاس لگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو بول نا پیاسا ہے اری او کلوای کے پانی پلائے دے۔'' پختہ عمر عورت نے ایک کالی عورت کو حکم دیا وہ کالی عورت پیتل کی گاگر لے کر میرے پاس آ گئی اور بولی۔ ''اوک بنا اور پی۔''

میں نے بن کر کہا۔ ''اوک کیسے بناؤں؟''

اس نے گاگر زمین پر رکھ دی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بتایا کہ ایسے روک بناتے ہیں۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر منہ کے قریب کرے اور اس کالی پری نے گاگر سے ایک دھار میں پانی ڈالنا شروع کر دیا ایسا ٹھنڈا اور شیریں پانی کہ میں اس کی شکل دیکھتا گیا اور پیتا گیا۔

وہ حیرت سے بولی۔ ''ہائے رام تو کب سے پیاسا تھا؟''

میں نے اوک منہ سے ہٹا لیا اور کہا۔ ''ایسا اچھا پانی میں نے زندگی میں پہلی بار پیا ہے۔''

وہ زور سے بولی۔ ''اری موئی ای کہت ہے پانی زندگی میں پہلی بار پیا ہے۔''

''ارے تو چل اپنا کام کر موئے تو کوئی پاگل لاگے ہے۔'' موسی بولی۔

میں اس پختہ عمر کی عورت کے قریب چلا گیا اور بولا۔ ''میں پاگل نہیں ہوں لگتا ہوں۔''

''ارے موئے تو تو پورا پگل لاگے ہے۔''

عورت نے جواب دیا۔

''دن میں کنوئیں پر بڑی دھوپ ہے بچاری عورتیں دھوپ میں پانی بھرتی ہوں گی۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر کا کریں نہ بھریں، بھرنا تو پڑے گا۔'' وہ بولی۔

''ایک دو پیڑ یہاں ہوتے تو چھاؤں ہو جاتی۔'' میں نے کہا۔

''پر نہیں لگے۔ کا کریں کنواں تو پیڑ کے نیچے نہیں جاوے گا۔'' عورت نے جواب دیا۔

میں آگے بڑھ گیا شام ہو گئی سب عورتیں چلی گئیں کسانوں کی واپسی ہونے لگی اور رات آ گئی۔

میں کنوئیں کے پاس آ گیا۔ کنواں گاؤں سے باہر تھا اب یہاں کوئی نہیں تھا گاؤں کے کتے کنوئیں کے پاس آنے لگے، میں نے سب سے تگڑے کتے سے کہا۔ ''تو اس گاؤں میں کب سے ہے؟''

کتا خوش ہو گیا بولا ''میں تو پیدا ہی ادھر ہوا ہوں میری کیا پوچھتے ہو۔''

''اچھا تو بیٹھ میں ایک کام کروں۔'' میں نے کہا اور میں نے آم کے اس درخت سے رابطہ کیا اور کہا ''تیری ضرورت یہاں پر ہے تیرے قدر دان یہاں پر ہیں تو یہاں میرے پاس آ جا بول آئے گا۔''

درخت بولا۔ ''تو جہاں کہے گا میں آؤں گا پر میرا بس اس پر نہیں ہے میری جڑیں بہت دور تک ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''میرا کام ہے۔'' اور صرف چند منٹ میں کنوئیں کے اوپر ایک بہت بڑے آم کے درخت کا سایہ تھا اور اس میں بہت بڑے بڑے آم لٹک رہے تھے۔

کتا بولا..... ''ارے واہ یہ تو بہت بڑھیا کام ہوا دوپہریا میں مزے کریں گے یہاں پر'' میں نے آم کی جڑ کو سرہانہ بنایا اور لیٹ گیا۔ ابھی چند منٹ گزرے تھے کہ ایک آدمی ہاتھ میں لالٹین اور لٹھ لئے آ گیا اور بولا۔ ''تو کون ہے رے اور یہ اتنا بڑا پیڑ یہاں کب تھا، یہ کیا چمتکار ہو گیا؟'' ۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔

وہ دوڑتا ہوا گاؤں کے اندر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کے ساتھ کئی مرد آ گئے۔ اور اتنے بڑے درخت کو دیکھ کر حیران ہوئے ایک بولا۔

''مکھیا جی یہ تو چمتکار ہو گیا دیوی کی کرپا ہو گئی۔ شام تک تو یہ تھا نہیں میں خود ادھر سے گھر گیا ہوں۔''

مکھیا نے جواب دیا۔ ''دو بے جی چمتکار ہونے

میں وقت نہیں لاگے بس ہو جاوے ہے۔"

چوکیدار نے کہا۔"اور یہ جو جڑ کے پاس لیٹا ہے سوئے تو یہ ہی پھولا گے ہے۔"

کھیا میرے قریب آ گیا اور بولا......"تم کون ہو مہاراج؟"

میں نے جواب دیا۔"دو پہر کو آئے بڑی دھوپ میں ہم پیاسے تھے ایک ناری نے پانی پلایا بہت اچھا لگا اتنا اچھا پانی اور دھوپ میں کنواں سو یہ پیڑ خود بخود آ گیا۔ بس اتنی بات ہے۔"

"بہت بڑھیا مہاراج! بڑی کرپا کردی آپ نے، مہاویر گاؤں میں تو آم کا پیڑ ہووے ہی نہ ای پہلا درخت ہوگا اور آم بھی اچھے اور بڑے بڑے لاگے۔"

"تم اس کی نسل کو آگے بڑھاؤ بہت عمدہ آم ہے۔" میں نے کہا۔

چوکیدار بولا۔"مہاراج! آپ بھوکے ہوں گے میں کھانے کا پربند کروں۔"

میں نے کہا۔"کرے گا تو ضرور کھائیں گے۔"

کھیا آگے بڑھا اور بولا۔"مہاراج آؤ اندر گاؤں میں آ جاؤ"

میں کھڑا ہو گیا اور ایک جلوس کی شکل میں گاؤں میں آ گیا گاؤں میں سب مرد چوپال پر جمع تھے مجھے بھی وہیں پر لے جایا گیا۔ سب گاؤں والے خوش تھے ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ مہاویر گاؤں میں آم کا درخت اگ گیا تھا۔

کھیا نے سب کو کہا۔"بھائیو! ذرا میری بات سنو!" سب خاموش ہو گئے۔

کھیا بولا......"ہمارے گاؤں میں آم نہ ہی تھا یہ بات پرانی ہے پر میں نے سنی ضرور ہے کہ ایک سادھو آیا تھا گاؤں میں بہت پہلے تم سے ہم سے بہت پہلے اور یہاں آم کے بہت باغ رہے تھے یہاں پر سادھو کو غصہ کسی بات پر آ گیا کہت ہیں باغ کے مالی نے اوکا آم نہیں کھلائے تھے۔

سادھو چلا گیا اور گاؤں کے سارے آم جل گئے ایک نہ رہا پھر بہت کوشش کری کہ آم ہو جائے پر نہ ہوا اور آج اتنا بڑا اپیڑ چل کر خود آ گیا۔ یہ تو چمکتار ہو گیا۔ اور چمتکار کیسے ہوا یہ تو یہی بتاوے گا۔"

میں نے کہا۔"بھائیو! میرا کوئی چمتکار نہیں ہے بھگوان کو منظور ہوا اور آم اگ گیا اب فکر نہ کرو خوب باغ لگاؤ آم لگاؤ سب ہوں گے سادھو کا منتر ختم ہو گیا اب تم سب جاؤ آرام کرو۔" سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے کھیا رہ گیا بولا۔"مہاراج۔ میرے ساتھ آؤ کچھ سیوا کرنے کا موقعہ دو پھر چلے جانا۔"

میں کھیا دیر چند کے ساتھ اس کے گھر آ گیا اس نے تازہ گندم اور چنے کی روٹیاں پکوائیں اس پر مکھن ڈالا گوبھی آلو کی بھجیا کے ساتھ لے آیا اس کے ساتھ گرم گرم دودھ، میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ بڑی توانائی اور تازگی محسوس ہوئی شہروں میں ایسی غذا اور ایسی آب ہوا کہاں ملتی ہے میں کھاٹ پر لیٹ گیا اور پڑتے ہی بے خبر سو گیا۔

دیر چند کھیا ضرور تھا مگر زرا کھیا نہیں تھا، وہ کسان بھی تھا محنت اسکو بھی کرنا پڑتی تھی۔ چار بجے وہ گھر سے چلا گیا اتنی رات اور اندھیری رات کاندھے پر دومن کا ہل اور آگے بیلوں کی جوڑی بیلوں کو پتہ ہے کہ کہاں جانا ہے دو تین میل کے بعد کھیت اور پھر اس میں ہل چلانا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے مگر ہر کسان یہ کرتا ہے اور زمین کا سینہ چیر کر ہمارے لئے روٹی پیدا کرتا، دیر چند چلا گیا۔ میں پھر سو گیا۔ اب کے میری آنکھ جب کھلی میں نے دیکھا دیر چند کی پتنی روٹی پکا رہی تھی۔ مجھے کھاٹ پر بیٹھا دیکھا تو بولی۔"مہاراج جنگل ہو آؤ، چاہو تو تلیا میں نہا بھی لو میں روٹی تیار رکھوں گی۔"

میں نے جواب نہیں دیا گردن ہلا کر اقرار کیا اور دروازے سے باہر چلا گیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد میری واپسی ہوئی۔ میں جیسے ہی کھاٹ پر بیٹھا میرے سامنے گرم گرم دیسی گھی کے پراٹھے اور گرم گرم دودھ آ گیا پراٹھوں کی خوشبو نے میری بھوک چمکا دی گرم گرم دودھ

میں سوندھی سوندھی خوشبو نے دماغ باغ باغ کر دیا۔ اس غذا اور خلوص کی آمیزش سے پیش کی جائے اس کے کھانے میں الگ ہی مزا ہے یہ خلوص اور مزا صرف ان مقامات پر ملتا ہے جہاں پر شہری تہذیب نہیں آئی سادگی کا اپنا ایک حسن ہے وہ حسن میرے سامنے تھا ان پڑھ دیہاتیوں کی ہر بات سے خلوص کا حسن چھلکتا نظر آتا تھا۔ میں نے ناشتہ ختم کیا ہی تھا کہ دیر چند آ گیا۔

سر پر ہرے چارے کا گھٹر اس نے ایک جگہ اس کو پھینکا بیل اپنی جگہ پر چلے گئے وہ میرے پاس آ گیا ''مہاراج ناشتہ کر لیا۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں خوب کر لیا تو بھی کر لے بہت تھک گیا ہوگا۔'' وہ بولا۔ ''ہاں کروں گا پہلے جوڑی کو دوں گا۔'' اور وہ ہرے چارے کی گٹھری کے پاس چلا گیا۔

میں نے کہا ''سر پر لاد کے لایا ہے ارے تیرے پاس دو بیل تھے کسی پر رکھ دیتا۔''

دیر چند ہنس پڑا بولا۔ ''مہاراج ای جناور ہیں پر ہم سے زیادہ محنت ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔ پورا کھیت جوتنے کے بعد ان کا کام تو ختم ہوا اس کے بعد ہمارا کام ہے ان کی پیٹ پوجا کریں، سو ہم نے ای چارہ کاٹا اور لاد لیا اور چلے آئے اب ای کی کوسی بنا دیں گے اور پھر ان کو ناشتہ کروائیں گے۔'' اس نے ایک بڑا سا گڑ سا اٹھایا اور جتنا چارہ مٹھی میں آیا اسکو ایک لکڑی پر رکھ کر کاٹنے لگا۔ ایک طرف وہ چارہ کٹ کٹ کر گرنے لگا۔ چند منٹ میں پورا چارہ کاٹ ڈالا اور ایک ٹوکری میں بھر بھر کر بیلوں کے سامنے ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے بیلوں کے سر پر اور گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا بیل گردن ہلانے لگے دیر چند نے ہاتھ دھوئے اور چولہے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی پتنی نے اس کے سامنے روٹیاں رکھ دیں لسی کی مٹکی رکھ دی، اچار اور مکھن رکھ دیا اور وہ کھانے لگا اور ساری روٹیاں صاف کر گیا۔ جیسا بدن تھا ویسی محنت تھی جیسی محنت تھی ویسی خوراک تھی۔

''آؤ مہاراج!'' وہ بولا۔ ''گاؤں کی سیر تو کر لو۔''

میں کھڑا ہو گیا دیر چند اور میں چوپال کی طرف جا رہے تھے ہمارے ساتھ دو چار آدمی آ گئے اور پھر آدمی بڑھتے گئے چوپال پر آتے آتے پندرہ بیس آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ نیم کے درخت کے نیچے ہم سب بیٹھ گئے تو میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم سب میری وجہ سے اپنے کام حرج مت کرو میں ابھی تمہارے پاس ہوں جب جاؤں تو بتاؤں گا۔'' پھر مکھیا سے میں نے کہا۔ ''دیر چند آم کی بگھیا لگاؤ آم کے پودے منگواؤ پورے گاؤں میں لگواؤ اب تمہارا گاؤں آم کی کاشت سے جانا جائے گا اتنا آم ہوگا کہ دور دور تک جائے گا سادھو کا شراپ ختم ہوا۔'' میں نے بات ختم کی اور سب لوگ مارے خوشی کے کھڑے ہو گئے۔

دو تین روز کے بعد ہی آم کے پودے پورے گاؤں میں لگنا شروع ہو گئے۔ نہر کے کنارے کنارے آم لگ گئے۔ تلیا کے کنارے آم لگ گئے۔ دیر چند نے اپنا ایک کھیت خالی کر دیا اور آم لگا دیا یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ کسی کو امید نہیں تھی میں نے بوڑھے درخت سے کہا۔

''اب تو اکیلا نہیں رہے گا نگران سب سے بڑا تو ہے یہ سب تیرا حکم مانیں گے۔ تو ان کا سردار ہے۔'' دیر چند کو کہا۔ ''اس پرانے درخت کا خیال رکھنا یہ کنوئیں پر سایہ کرے گا اور تم کو آم کھلائے گا۔''

میرا قیام لمبا ہو گیا نئے درخت بڑھتے گئے اور ایک درخت بھی خراب نہ ہوا سب پرورش ہو گئے۔ اور ایک وقت آیا کہ سب پر بور آ گیا اور پھل لگ گیا پورا گاؤں خوش ہو گیا اور انہوں نے اس خوشی میں ایک جشن منا ڈالا اور درگا کی پوجا کی۔

پھل اس قدر ہوا کہ سب گاؤں والے کھا کھا کر تھک گئے۔ بیل گاڑیاں بھر بھر کر قریب کے گاؤں میں تحفہ بھیجا گیا سب نے حیرت سے یہ سنا کہ مہاویر گاؤں میں اتنا آم ہو گیا۔

اب میرا یہاں پر کیا کام تھا میں نے رات کو جانے کا ارادہ کیا اور خاموشی سے رات کے اندھیرے

میں آگے چل پڑا۔ سویرا ہونے سے پہلے مجھے بھٹنڈا کا خیال آ گیا اور دن جب نکلا تو میں نے خود کو بھٹنڈا کے اطراف میں پایا۔

میرے سامنے سے ایک بوڑھا سکھ دو بیلوں کو ہانکتا گزر رہا تھا میں نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے روکا وہ میرے پاس آ گیا بولا۔ ''دس کی گل ہے؟''

میں نے کہا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے سردار؟''

''اوئے تینوں نہیں خبر یہ ساڈا شہر بھٹنڈا ہے، ہون تو نکڑ تے کھلوتا ہے۔'' سردار بولا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا، وہ چلا گیا۔ میں شہر میں جا کر کیا کرتا۔ شہر سے دور ہوتی سڑک پر چل پڑا اور بغیر رکے چلتا گیا پتہ نہیں کتنی دور چلا گیا شام ہونے کو تھی میں پکے روڈ پر چل رہا تھا اس کے برابر ہی کچا روڈ بھی تھا اس پر کبھی کبھی کوئی بیل گاڑی نظر آ جاتی تھی۔ یہاں پر بھی کچے روڈ کے کنارے درخت تھے اور ہر طرف ہریالی اور کھیت تھے۔ اب مجھے تھکن اور بھوک دونوں کا احساس ہوا۔ میں ایک نیم کے درخت کے نیچے لیٹ گیا اور اس درخت سے مخاطب ہوا۔ ''تیرا سایہ بہت اچھا ہے۔ تو کب سے ہے اس علاقے میں؟'' میں نے پوچھا۔

ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا مجھ سے ٹکرایا اور درخت بولا۔

''میری ضرورت یہاں پر ہے تو میں یہاں پر ہوں میرے نصیب کہ تو میرے پاس آیا۔''

میں بھوکا ہوں۔'' میں نے کہا۔

درخت بولا ''تیری بھوک کا علاج میرے پاس نہیں ہے پر کچھ دور پر ایک گاؤں ہے چک 50 وہاں پر تجھے تیری غذا مل جائے گی۔'' میں خاموشی سے اٹھا اور آگے چل دیا آگے واقعی ایک گاؤں تھا۔ میں گاؤں کے اندر چلا گیا۔ اس گاؤں کا ماحول ذرا الگ سا تھا۔

میں ایک دیوار کے سہارے تھک کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر گزری تھی کہ میرے پاس ایک لمبی داڑھی والا سکھ آ گیا اور بولا۔ ''کی گل ہے پتر کیوں بیٹھا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''تھک گیا ہوں مسافر ہوں اور بھوکا بھی ہوں۔''

''کوئی گل نہیں آ میرے نال۔'' وہ بولا میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ چلا۔

گاؤں کی گلیوں میں بچے کھیل رہے تھے جوان لڑکیاں اور عورتیں گھروں سے باہر کام کر رہی تھیں ان کے دروازوں پر گائے بیل اور دوسرے جانور بندھے تھے ان کے سروں پر دوپٹے نہیں تھے وہ مردوں کی طرح کام کر رہی تھیں اور ان کو اپنے بدن کا ہوش نہیں تھا گوبر ان کے کپڑوں اور چہرے پر لگا تھا اور وہ دیواروں پر اپلے تھاپ رہی تھیں بچے ان کے پاس تھے بھوکے بچوں کو وہ وہیں پر دودھ بھی پلا رہی تھیں کسی پردے کا احساس نہیں تھا میں یہ سب دیکھتا بوڑھے کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ بوڑھا مجھے ایک بہت بڑے چبوترے پر لے آیا اور بولا۔

''لے پتر توں ایتھے بیٹھ میں تیری روٹی شوٹی دا بندوبست کرتا ہوں۔''

میں اس چبوترے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس چبوترے کے چاروں طرف گوبر کے اپلے تھپے ہوئے تھے بچے اس کے اطراف میں دوڑتے پھر رہے تھے مگر اوپر کوئی نہیں آ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں بوڑھا واپس آ گیا اور بولا۔ ''میں نے انتظام کر دیا ہے کچھ ہی دیر میں میری دھی تیرا کھانا لے کر آئے گی تو کھا لینا، ـــــــ ذرا کم عقل ہے سو ہور سن میرا نام ہرنام سنگھ ہے کوئی پوچھے تو بتانا میں ہرنام کول آیا واں۔'' میں نے گردن ہلا کر اقرار کیا اور بوڑھا چلا گیا۔

ذرا ذرا اندھیرا ہونے لگا تھا کہ ایک لمبی تڑنگی لڑکی کھانا لے کر آ گئی اور بولی۔ ''نوں میں پروہنا ہے۔'' میں نے جواب نہیں دیا صرف اس کو دیکھتا رہا آزاد فضاء میں اصل غذا اور محنت کرنے والی لڑکی کو ایسا ہی ہونا چاہئے وہ بولی۔ ''دیکھتا کی ہے تو کدی جٹی نہیں ویکھی۔'' میں نے گردن ہلا کر اقرار کیا تو وہ زور سے ہنس

پڑی کھانا اور لسی کی مٹکی اس نے زمین پر رکھ دی اور ہنستی رہی اس کی ہنسی نے اس کے سارے بدن کو ہلا دیا اسکا لاچہ ہوا میں اڑ رہا تھا زیادہ اندھیرا نہیں تھا روشنی کی جھلک نظر آ جاتی تھی اس کی ہنسی نے مجھے بڑا مزا دیا۔

اس کی ہنسی ذرا کم ہوئی تو وہ بولی۔ ''بولتا کیوں نہیں منہ اتے تو پھٹ۔''

میں نے کہا۔ ''کیا بولوں تو نے تو میری بولتی بند کردی ہے۔''

''میں کی کہتا ہے چل روٹی کھا اور یہ لسی پی میں پھر بھانڈے لے جاواں گی۔'' وہ بولی

اس نے جہاں روٹی رکھی میں بیٹھ گیا۔ اور جوار کی روٹی اور دال ساتھ میں لسوڑے کا اچار کھانے لگا بھوک میں تو ہر چیز اچھی لگتی ہے تازہ لسی نے اور مزا دیا اور میں کھاتا رہا وہ میرے پاس بیٹھ گئی بولی۔ ''کدوں آیا وے؟''

میں نے کہا۔ ''دلی سے آیا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''دلی میں نام سنا ساں اے کدھے ہے؟''

میں نے کہا ''زیادہ دور نہیں ہے قریب ہی ہے۔''

''مینوں کی خبر میں نے بھنڈا نہیں دیکھا اے تک۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''کی کرے گی دیکھ کے؟'' میں نے جواب دیا۔

''کہندے نے بڑا سندر شہر ہے پر میں دیکھا ہی نہیں۔''

میں کھانا کھا چکا تھا لسی پوری ختم کردی تھی۔ مگر میرا دل کرتا تھا یہ پنجاب کی جٹی نہ جائے مگر اس کو جانا تھا وہ کھڑی ہوگئی اس نے برتن رومال میں باندھے مٹکی بغل میں دبائی اور بولی۔ ''ہون میں جاندی یاں۔''

میں نے دل میں کہا کاش تو کچھ دیر اور نہ جاتی۔

اس کے جاتے ہی میرے سامنے ایک نیا آدمی کھڑا تھا اس کا حلیہ اس گاؤں کے لوگوں کا سا نہیں تھا یہ گاؤں تو سکھوں کا تھا مگر یہ آنے والا کسی طرف سے سکھ نہیں تھا۔ وہ آتے ہی بولا۔ ''ذرا اندر بھی صفائی کر بہت میل جمال ہوا ہے، باہر کی صفائی بھی کر مگر اوپر کی صفائی ضروری ہے۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے نہیں سنا ہوا کے جھونکے کی طرح چلا گیا میں سوچتا رہا گیا۔ ''اندر کی صفائی اندر بہت میل ہے۔''

اوپر کی صفائی اندر کی صفائی میں سوچتا رہا اور جب کچھ سمجھ میں آنے لگا تو خود شرمندہ ہو گیا۔ ''ہاں مجھے ابھی بہت ضرورت ہے میرا نفس میرا بدن میری خواہشات مجھ پر حاوی ہو رہی ہیں۔ میں ان کا غلام ہو گیا ہوں میری سوچ مجھ سے باغی ہے وہ ایسے نظارے کرنا چاہتی ہے جو نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے احساس گناہ ہو رہا تھا میں نے دنیاوی برائیوں میں شاید اتنا آگے چلا گیا تھا جہاں پر میرے لئے کوئی برائی برائی نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے قتل کئے لوگوں کو برباد کیا۔ ان کی محنت کی دولت لے لی۔ مجھے اپنی وہ رنگین راتیں یاد آنے لگیں جو میں نے حسن و شباب کے درمیان عیش عشرت کے دن میں نے کس طرح حاصل کئے۔ میں نے کیا برا کام نہیں کیا۔ میرے دل کے کسی گوشے سے نکل کر احساس گناہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں مجرم کی طرح خاموش تھا میرے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ اس احساس گناہ نے مجھے نڈھال کر دیا۔ میں بھول گیا کہ میں کون ہوں میرے پاس کیا قوت موجود ہے میں نے اس قوت سے کیا پایا میں نے کسی کو کیا دیا؟ میں پہلے بھی خالی ہاتھ تھا آج بھی ویسا ہی ہوں۔ اس قوت نے مجھے جو دیا اس سے زیادہ چھین بھی لیا۔ میرا اپنا کیا رہا، میری ماں کہاں گئی میرا وطن کہاں گیا میرا مذہب کہاں گیا؟ سب کچھ تو میں نے کھو دیا، میں دیوانگی میں اٹھ کھڑا ہوا اور بھاگتا ہوا گاؤں سے دور چلا گیا۔ میں بھاگتا رہا میں خود سے ڈر کر بھاگ رہا تھا میرا احساس گناہ میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ میں جہاں رکتا ہوں وہ پہلے سے کھڑا نظر آتا ہے میں پھر بھاگ کھڑا ہوتا ہوں۔''

ڈائری میں تحریر یہیں تک تھی۔ ردلوکا نے ایک لمبی سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔

دوسرے دن صبح کے وقت رولوکا اور حکیم وقار مطلب میں بیٹھے تھے باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھا" اور بھی سناؤ! ایک ڈائری آپ کے پاس آئی تھی کوئی شیر علی یا شیر سنگھ کا اس میں ذکر تھا، اس کا کیا بنا؟"

رولوکا نے جواب دیا۔" حکیم صاحب میں نے پوری ڈائری پڑھ لی ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جب کوئی انسان اپنے آپ کو عظیم ہستی یا پھر عقل کل سمجھنے لگتا ہے، کسی کو گھاس نہیں ڈالتا، اپنی طاقت کے زوم میں دندناتا پھرتا ہے، مطلب پرستی میں اس قدر آگے چلا جاتا ہے کہ واپس ہونا اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔ ماورائی طاقتوں کے بل بوتے پر دوسروں کو حقیر گردانے لگتا ہے، اپنی شہرت اور بڑائی کے نشے میں مدہوش ہو جاتا ہے، اور پھر اکثر دیکھا گیا ہے کہ نفسانی خواہشات کے غلام بن جاتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ ساری طاقت کا سرچشمہ اوپر والے کی ذات ہے، وہی خالق اور مالک ہے، وہی دنیا کا نظام چلا رہا ہے۔

شیر علی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے، وہ مہان شکتی کا مالک بن گیا مگر چراغ تلے اندھیرا والا چکر ہے اس کے ساتھ، وہ رات دن بے چین ہے پل پل سکون کے لئے ترس رہا ہے، وہ ہر گاؤں، ہر شہر میں سرگرداں ہے، اتنی طاقت اس کے پاس ہونے کے باوجود وہ ایک طویل عرصہ سے اپنی ماں کی قبر ڈھونڈ رہا، اور اس کا پتہ نہیں لگا پا رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج رات اس سے میں ملوں گا اور صبح راستے کا تعین کروں گا تا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے اور اسے احساس ہو جائے کہ اصل طاقت والا وہ ہے جس نے دنیا بنائی ہے اور وہی دنیا کا باگ ڈور سنبھالے بیٹھا ہے، ہر طاقت اس کے آگے سرنگوں ہے۔" رولوکا یہ بول کر خاموش ہو گیا۔

یہ سن کر حکیم وقار بولے۔" واقعی یہ حقیقت ہے کہ انسان کے پاس جب طاقت آجاتی ہے تو وہ خدا اور خدائی مخلوق کو بھول بیٹھتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر دیتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ کل یا پھر ایک پل میں میرے ساتھ کیا ہو جائے گا۔ خیر میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔"

رولوکا نے اس رات تصور کیا اور چشم زدن میں شیر علی یا شیر سنگھ کے سامنے تھا۔ رولوکا کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا اور بولا۔" آپ اطلاع کر دیتے میں حاضر ہو جاتا، آپ نے میرے لئے اتنی تکلیف اٹھائی، یہ آپ کی مہربانی ہے، ورنہ میری حقیقت کیا ہے، یہ آپ کا بڑا پن ہے جو آپ نے مجھے یاد رکھا اور میرے پاس تشریف لائے۔"

رولوکا بولا۔" آپ میرے پاس امید لے کر آئے تھے تو مجھ پر لازم تھا کہ میں آپ کا خیال رکھوں، میں نے آپ کی تحریر کردہ پوری ڈائری پڑھ لی ہے۔ آپ کا باطن سیاہ ہو چکا ہے، اتنی بلوان شکتی کا مالک ہوتے ہوئے بھی آپ کورے ہیں ایک غیبی طاقت ہر وقت آپ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، آپ کے باطن کو اجلا کرنا ہے، آپ من و عن اس شخص کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑیں اس میں آپ کی بھلائی ہے، میں بھی آپ کو منزل پر پہنچا سکتا ہوں، مگر وہ شخص شروع سے آپ کے ساتھ ہے، آپ کی اصلاح ہونا ضروری ہے، اور یہ اس طرح لازم ہے کہ آپ بتائے گئے راستے پر چل پڑیں۔ آپ کو آپ کی منزل مل جائے گی، آپ دوبارہ شیر سنگھ سے شیر علی بن جائیں گے۔ یہ بھی قدرت کی مہربانی سمجھیں جو کہ آپ کو سیدھے راستے پر لانا چاہتی ہے، اب میں چلتا ہوں میں پھر آپ کے پاس آؤں گا۔

رولوکا یہ بول کر واپس آگیا اور شیر علی نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اور پھر کافی وقت کے بعد رولوکا دوبارہ اس سے ملا اور بولا۔" شیر علی اب سناؤ تمہارے ساتھ کیسے واقعات پیش آئے۔"

" شیر علی گویا ہوا۔" عرصہ گزر گیا کتنے شہر میں پار کر گیا کتنے گاؤں میرے راستے میں آئے میں نے کیا کھایا کہ نہیں کھایا میں رکا نہیں میرے قدم آگے ہی آگے

بڑھتے رہے۔
پتہ نہیں کون سا شہر تھا، میرے لئے تو ہر مقام نیا تھا۔ میں ایک گندے نالے کے کنارے پڑا تھا مجھے اپنی حالت کا ادراک پوری طرح تھا بدبو بھی محسوس کر رہا تھا۔ میرے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی میرے بدن کی رنگت کالی تھی داڑھی اور مونچھوں کے بال آپس میں دست وگریباں تھے۔ سر پر ایک جنگل کھڑا تھا اس میں تنکے پھنسے ہوئے تھے۔ میری حالت دیکھ کر کوئی میرے قریب نہیں آتا تھا۔
میرے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا اس کے جسم پر بے داغ سفید کپڑے تھے۔
وہ میرے قریب آ گیا اور بولا ......''تجھے احساس ہو گیا یہ ہی میرا مطلب تھا۔ تو بہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے، گر جا اس کے حضور جس نے تجھے بھاگنے کی قوت دی ہے، تو خواجہ کی نگری میں ہے، چلا جا خواجہ کے پاس، کرالے خواجہ سے سفارش، تیرے پاس بہت اچھا موقعہ ہے۔''
میں نے کہا۔''اس حالت سے خواجہ کے دربار میں کیسے جاؤں گا۔؟''
وہ بولا۔''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے آ جا میرے ساتھ۔'' میں کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ چل پڑا وہ نجانے کہاں لے گیا، پھر میرے بدن کی صفائی ہوئی، میری داڑھی بنائی گئی سر کا جنگل کاٹا گیا، جسم کا میل اتارا گیا، میں مدہوشی کے عالم میں تھا۔ میرا سب کام ہوتا رہا۔ اور میری شکل نکل آئی میرے لباس نے مجھے انسان بنا دیا اور میں مدہوشی سے پورے ہوش میں خود کو دیکھا اور حیران رہ گیا، میں خواجہ کے دربار کی طرف چل پڑا اور خود بخود ٹھیک راستوں پر چلتا ہوا بڑے دروازے کے اندر چلا گیا۔ دروازے کے اندر وہی کھڑا تھا، اس نے کہا۔''آ میرے ساتھ تجھے جب حکم ہو گا اس وقت پیش کیا جائے گا سب قبول کر لینا اپنی خطائیں، تیرے پاس جو ہے سب چھوڑ دینا۔ صرف اور صرف معافی طلب کرنا اگر مل گئی تو سب کچھ مل جائے گا۔''
میں اور وہ بڑی دیگ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ لوگ اندر جاتے اور آتے رہے شام ہونے کو آئی مغرب کی اذان سنائی دی وہ بولا۔''اذان ہو رہی ہے میں نماز پڑھوں گا۔''
میں نے کہا۔''مجھے اکیلے کہاں چھوڑ کے جا رہے ہو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور تمہاری نقل کروں گا۔''
وہ مسکرا کر بولا۔''تیری نقل بھی اصل ہے آ جا میرے ساتھ۔'' وہ وضو کرنے لگا میں نے اس کی طرح نقل کرتا رہا اس نے جس طرح نماز پڑھی میں نے بھی نقل کی اس کے بعد سب لوگ باہر آ گئے۔
میں بھی اس کے ساتھ مسجد سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی ایک آدمی اس کے پاس آیا اور بولا......
''تم دونوں کا کھانا تیار ہے آ جاؤ۔'' ہم دونوں اس کے ساتھ چلے بڑی دیگ کے پاس ایک سینی میں پلاؤ اور زردہ رکھا تھا ہم دونوں نے کھایا، میں نے زندگی میں ایسا لذیز پلاؤ نہیں کھایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ بولا۔''یہ تحفہ تھا خواجہ کا۔''
''خواجہ کو میرے بارے میں پتہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''ارے بے وقوف خواجہ کی مرضی نہ ہوتی تو تو دربار تک نہیں آ سکتا تھا۔ ان کو سب آنے والوں کا پتہ ہوتا ہے۔'' کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک آدمی آ گیا اور بولا۔
''شیر علی کون ہے؟'' اس نے میری طرف دیکھا تو میں بولا۔''میں ہوں۔''
''اور عبدالقدوس کون ہے؟'' اجنبی پھر بولا۔
میرے ساتھی نے جواب دیا۔''میں ہوں۔''
''آؤ میرے ساتھ۔'' ہم دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ہمیں مزار کے اندر لے گیا۔ اندر کتنے لوگ تھے مجھے پتہ نہیں، عبدالقدوس کہاں تھا؟ مجھے نہیں پتہ، میں تو اپنی راہ پر چل پڑا تھا۔ ساری خطائیں بیان کر رہا تھا سب گناہ مان رہا تھا سب کچھ خواجہ کے حوالے

کر رہا تھا۔ میرے گناہوں کا بوجھ کم ہوا تو میں نے معافی کی درخواست کر دی، اس دوران کتنے لوگ اندر آئے کتنے واپس گئے مجھے نہیں پتہ، عبدالقدوس کہاں کھڑا تھا؟ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، میں مجرم کی طرح کھڑا تھا اور آنکھوں سے ندامت کا سیلاب بہہ رہا تھا نہ معلوم کتنی دیر کے بعد ایک آدمی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پکڑ کر مجھے باہر لے آیا۔

عبدالقدوس بھی آ گیا میرے آنسو پونچھ کر بولا ۔''تیری زندگی کا یہ آخری دور ہے، کئی دور تو نے گزار ے اب یہ دور بھی گزار اور دیکھ اصل دور یہی ہے، انسان کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے، تو جس کا بندہ ہے اس کے پاس جا، وہ تیری ہر بات سنتا ہے، پوری کرتا ہے وہی دنیاوی طاقت تو نے وہ بھی دیکھ لی ہے وہ تیرے کتنے کام آئی اب خدا کی طاقت بھی دیکھ۔''

میں عبدالقدوس کے گلے سے لپٹ گیا اور بولا۔''مجھے کچھ نہیں چاہئے میں اس دربار کا غلام ہوں۔ یہیں پر زندگی گزار دوں گا۔''

''مگر یہ خواجہ کی اجازت کے بغیر کہاں ممکن ہے۔'' عبدالقدوس نے کہا۔

''پھر میں کہاں جاؤں گا؟'' میں نے پوچھا۔

''تو نے آج جو نقل کیا ہے اس کو اصل کرنا ہے تیری تعلیمات کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے، میں ضروری ضروری دین کی باتیں اور بہت کچھ تجھے بتاؤں گا تیرے پاس جو کچھ ہے وہ تیرے پاس ہے یہ بھی تیرا ایک امتحان ہے تو اس کا کیا کرتا ہے، تو شیر علی ہے، تجھے شیر علی اور شیر سنگھ میں فاصلہ رکھنا ہے، تیری قوت تجھ سے نہیں چھینی گئی ہے کہ تو خود پر کتنا کنٹرول کرتا ہے، انسان کے پاس طاقت کا خزانہ ہو اور وہ اس کو استعمال نہ کرے۔ یہی تو امتحان ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں دین کے بارے میں بتانا میرا فرض ہے میری ڈیوٹی ہے۔'' اور پھر عبدالقدوس نے مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ میرے لئے یہ نیا سبق تھا۔ مگر مجھے اس کو پڑھ کر سرور مل رہا تھا میرا ذوق شوق بڑھتا گیا۔ میں زیادہ سے زیادہ دین کے قریب آتا گیا۔ خواجہ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی میرا اور عبدالقدوس کے کھانے کا بندوبست خود بخود ہو جاتا تھا۔

ہمیں کسی چیز کے طلب کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ تین سال گزر گئے مگر ایسا لگتا تھا جیسے تین دن ہوئے ہیں، ہر آدمی عبدالقدوس کی عزت کرتا تھا، اس کے ساتھ مجھے بھی عزت مل جاتی تھی۔ میں عبدالقدوس کا شاگرد تھا، میں نے عبدالقدوس کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہ کیا، نہ اس نے کچھ اپنے بارے میں بتایا۔

گزری باتیں میرے لئے ایک خواب تھیں میں اپنے سارے پرانے گیان دھیان بھول چکا تھا مجھے صرف وہ یاد تھا جو عبدالقدوس مجھے بتا رہا تھا۔ میں صرف اس پر عمل کر رہا تھا۔

میری طلبی اندر بھی ہوتی تھی میں حاضری دربار میں لگاتا تھا مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ میری راہ نمائی ہو رہی ہے۔ میرے اندر نئی توانائی آ رہی تھی، تین سال کے بعد عبدالقدوس نے کہا۔

''اب تیرے اندر کا کیا حال ہے؟''

''میں نے نفس کے گھوڑے کو لگام ڈال دی ہے ۔'' میں نے کہا۔

''تجھے کچھ یاد آتا ہے تو کیا تھا؟'' قدوس نے پوچھا۔

''مجھے صرف ماں یاد آتی ہے، اس کے علاوہ میرے دماغ میں کچھ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تیری ماں کہاں کی رہنے والی تھی؟'' قدوس نے پوچھا۔

''قنوج کی رہنے والی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور وہ وہیں پر تیرا انتظار کر رہی ہے۔'' قدوس نے جواب دیا۔

''وہ زندہ ہے اب تک؟'' میں نے پوچھا۔

''مرنے کے بعد بھی انتظار تو ہوتا ہے ختم تو نہیں

ہو جاتا۔'' قدوس نے جواب دیا۔

''میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''ابھی تیرا ایک سال باقی ہے ایک سال تو انتظار کر یہ بھی تیرا ایک امتحان ہے کہ تجھے پتہ ہے کہ ماں کہاں ہے؟ اور تو نہیں جاسکتا، میں ایک سال کے بعد بھی تجھے بتا سکتا تھا مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جان بوجھ کر مشکل پرچہ طالب علم کو دیا جاتا ہے اس کی ذہانت کی پیمائش کرنے کو، تجھے بھی ایسا ہی پرچہ دیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ تو کس حد تک اپنا دھیان سبق پر مرکوز رکھتا ہے یا ماں کی محبت میں کھو جاتا ہے۔'' قدوس نے کہا۔

میری زندگی کا یہ سب سے مشکل مرحلہ تھا۔ مگر میں نے قدوس سے کہا۔'' مجھے تم نے کچھ نہیں کہا۔ تم مجھے آگے کا سبق دو میں کئی سال اور گزار سکتا ہوں مجھے سابقہ زندگی کی کوئی بات یاد نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''شاباش تیرا آدھا پرچہ حل ہو گیا، اب آدھا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔'' اور قدوس نے آگے پڑھانا شروع کر دیا۔ اور پورا سال گزر گیا میری تعلیم مکمل ہو گئی۔ میری ظاہری شکل و صورت ایک ملنگ کی سی ہو گئی کیونکہ میرے لئے یہی حکم تھا۔ قدوس نے کہا۔'' اب بول کہاں جانا ہے؟''

میں نے کہا۔'' جہاں میرا پیر حکم کرے میں چلا جاؤں گا میں کیا اور میری مرضی کیا۔''

''قنوج نہیں جانا ہے؟'' عبدالقدوس نے پوچھا۔

''اگر حکم ہوا تو ضرور جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تیرے لئے حکم ہے کہ قنوج کو جائے گا، میں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرے پاس تیری پرانی قوتیں موجود ہیں، میں تجھے تیری ماں کی قبر تک پہنچاؤں گا، اس کے بعد میرا تیرا ساتھ ختم، تو خود مختار ہو جائے گا۔'' قدوس بولا۔

''مجھے میری پرانی قوتوں کی ضرورت نہیں ہے اب مجھے جو عطا ہوا ہے میرے لئے یہی بہت ہے۔'' میں نے کہا۔

''تیری مرضی ہے تو اس کا استعمال کرتا ہے کہ نہیں تیرے کچھ کام ایسے تھے جن کی بنا پر تجھ سے رعایت برتی گئی ہے آج چل قنوج چلتے ہیں۔''

اور ہم دونوں قنوج آ گئے، ایک چھوٹے سے قبرستان کے کنارے ہم کھڑے تھے۔ میری نظروں کے سامنے سینکڑوں قبریں موجود تھیں، کچی پکی نئی پرانی، سب کو دیکھ رہا تھا۔

عبدالقدوس نے کہا۔'' میں تجھے تیری ماں کی قبر پر آسانی سے پہنچا سکتا ہوں کیونکہ میں نے تیری ماں کو لحد میں اتارا تھا اور فاتحہ پڑھی تھی اگر تو خود اس کی قبر پر جائے تو زیادہ بہتر ہے۔''

میں قبرستان کے اندر چلا گیا اور ایک پکی قبر پر کھڑا ہو گیا، اس قبر پر گلاب کی تازہ پتیاں پڑی تھیں، وہ قبر زیادہ پرانی نہیں لگتی تھی۔

عبدالقدوس میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ۔'' تو پہلے بھی آیا تھا مگر ماں کی قبر نہ پہچان سکا یہ اس وقت بھی تھی اور آج تو نے خود اس کو تلاش کر لیا۔''

''ہاں ایسا ہی ہوا ہے، دنیا کے سارے علوم جھوٹے ہیں، انسان کو بہکانے والے ہیں۔

وقتی سکون دینے والے ہیں، ان میں پائیداری نہیں سچا نام صرف اللہ کا ہے وہی سدا سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ میں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا۔ تم نے مجھے درست سمت میں موڑ دیا ہے میرے لئے دعا کرنا میں اب قنوج میں ہی رہوں گا۔''

عبدالقدوس چلا گیا اور میں شیر علی قنوج کے اس قبرستان میں ماں کی قبر کا مجاور بن گیا ہوں، میں نے حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک یہیں رہوں گا۔''

''شیر علی تم بہت قسمت والے ہو کہ تمہیں راہ

راستہ پر دوبارہ چلایا گیا، دنیا بنانے والے کو تمہاری کونسی ادا پسند آ گئی یہ تو وہی جانتا ہے ورنہ بڑے بڑے واصل جہنم جاتے ہیں۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اگر میری ضرورت پیش آئے تو مجھے یاد کر لینا، میں حاضر ہو جاؤں گا۔" رولوکا بولا

"آپ کی بہت بہت مہربانی کہ آپ نے مجھے صبح راستہ دکھایا ورنہ میں تو اس شخص سے دور بھاگتا رہتا اور پھر کسی گلی میں میری زندگی کی شام ہو جاتی۔ بہرحال اگر مجھے آپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں آپ کو ضرور یاد کرلوں گا۔" اور شیر علی خاموش ہو گیا۔

رولوکا نے اس سے مصافحہ کیا اور واپسی کے لئے قبرستان سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

حکیم وقار اور رولوکا صبح کے وقت مطب میں بیٹھے دنیاداری کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

رولوکا بولا۔ "حکیم صاحب انسان کس قدر خود غرض ہو گیا ہے، اپنے مطلب کی خاطر خونی رشتوں کے علاوہ اپنے پیدا کرنے والے کے احکام کو یکسر پس پشت ڈال بیٹھا ہے، مطلب پرست یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اس کو ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے یہاں سے اسے جانا نہیں ہے۔ ہر مذہب کے لحاظ سے انسان مٹی میں مل کر راکھ ہو جاتا ہے، لیکن پھر بھی انسان دولت شہرت اور دھن دولت کے لئے ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے کہ وقت تھرا اٹھتا ہے، انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔"

"جی بالکل! آپ کی باتیں سو فیصد درست ہیں۔" حکیم وقار بولے۔

دولت اور شہرت کا متلاشی یہ بالکل بھول جاتا ہے کہ سب کا پالن ہار، اوپر والا ہے۔ جو کہ دین و دنیا کا خالق و مالک ہے، کوئی شے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں، پاتال میں بھی جو چھپی ہوئی ہے۔ اللہ کی ذات اس سے واقف ہے، دنیا کے سارے نظام وہ مضبوط طریقہ سے چلا رہا ہے، اس کے کسی نظام میں جھول نہیں، اس کا کوئی رائج کردہ کام بے وقت نہیں ہوتا، اللہ نے جس کے سپرد یہ کام لگا دیا ہے وہ اربوں کھربوں سال سے اس پر کاربند ہے، مجال ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق آ جائے۔

"اللہ کی ہی ذات ہے جو کہ انسان کو روزی فراہم کرتی ہے، کسی کو کیا دینا ہے، کہاں سے دینا ہے، کس ذریعہ سے دینا ہے؟ یہ سب انتظامات اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں فرمایا ہے۔" اے انسان روزی دینا میرا کام ہے روزی حاصل کرنا تمہارا کام نہیں، میرے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلتے رہو، تمہاری ذات سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، اور اگر جو ان باتوں پر عمل نہیں کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ بھڑک رہی ہے۔"

رولوکا بولا۔ "حکیم صاحب آپ درست فرما رہے ہیں، انسان اپنے نفس کا جب غلام بن جاتا ہے تو سارے طور طریقے، قانون قدرت کے علاوہ خونی رشتوں اور انسانیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔"

اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ملازم عجلت میں آیا اور حکیم وقار سے بولا۔ "حکیم صاحب چند لوگ ایک مریض کو لائے ہیں، اس کی حالت بہت غیر ہو رہی ہے، وہ مسلسل غنودگی میں ہے لیکن وقفے وقفے سے کربناک چیخیں مار رہا ہے۔"

ملازم سے حکیم وقار نے کہا۔ "اسے آرام سے لٹاؤ ہم چند منٹ میں حاضر ہوتے ہیں۔" حکیم وقار کی بات سن کر ملازم فوراً چلا گیا،

رولوکا سے حکیم وقار بولے۔ "اکثر میرے ذہن میں آتا ہے۔ دنیا ہے سکھ سے خالی دکھ چار سو بھرا ہے، غم کے سوا یہاں پر سوچو تو کیا دھرا ہے۔"

رولوکا حکیم وقار کی بات سن کر بولا۔ "آپ بجا فرما رہے ہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ اس دنیا میں سکھ کم ہیں اور دکھ زیادہ ہیں اور میرے خیال میں انسان اگر حکم خداوندی کے حدود میں رہے، کفایت شعاری اور قناعت پسندی کو اپنا لے تو تمام کرب اذیت اور دکھ سے

چھٹکارہ پالے، قدرت نے دنیا میں بے شمار چرند پرند اور درندے پیدا کئے ہیں ہر جانور کا جب پیٹ بھر جاتا ہے تو ایک خاص وقت تک کے لئے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے لیکن انسان کی خواہش کبھی نہیں بھرتی، ہر وقت زیادہ اور زیادہ کے چکروں میں پڑا رہتا ہے، نئے نئے منصوبے بناتا ہے دوسروں کو دھوکا دینے کا، نئی نئی ترکیبیں سوچتا ہے زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کا، سب سے پہلے ایک چھوٹا انسان ایک سائیکل کی خواہش کرتا ہے اس کے بعد موٹر سائیکل اور پھر اس کے بعد موٹر گاڑی کے لئے تگ و دو کرتا ہے اور پھر اس کے بعد ہر وقت دوا اور دو چھ کے لئے سرگرداں رہنے لگتا ہے، دھن دولت اور شہرت کے لئے تمام قانون قدرت کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔''

حکیم وقار نے رد لوکا کی باتوں سے اتفاق کیا اور بولے۔''آپ کی باتیں سو فیصد درست ہیں، کاش! کہ انسان قانون قدرت کو فراموش نہ کرے تو بے شمار مصائب کا شکار نہ ہو۔ خیر چلئے مریض کو دیکھ لیتے ہیں۔''

ردلوکا اور حکیم وقار مریض کو دیکھنے گئے تو دیکھا کہ مریض بے سدھ بستر پر پڑا ہے اور اس کے قریب تین آدمی بے چینی سے ٹہل رہے ہیں۔ مریض ایک نوجوان تھا جس کی عمر بیس اکیس سال کے لگ بھگ تھی، مریض کا چہرہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے چہرے پر ہلدی مل دی گئی ہو۔

جو تین اشخاص اس کے قریب تھے ان میں سے ایک آگے بڑھا اور حکیم وقار سے بولا۔''

''حکیم صاحب ہم بہت دور سے آئے ہیں آپ کی شہرت سن کر ہم نے سوچا کہ چلیں یہ آخری امید بھی اپنا کر دیکھ لیتے ہیں، یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور تقریباً تین سال سے اس مرض میں مبتلا ہے، ہم نے کوئی حکیم پنڈت اور اوجھا نہیں چھوڑا بلکہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر کو بھی دکھلایا مگر کسی سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اس کی حالت دیکھ کر ہمارے رات دن کے سکون برباد ہو کر رہ گئے ہیں، میرے پتا ٹھاکر بلونت رائے تو اب اپنی زندگی سے اکتا چکے ہیں اس کی حالت دیکھ کر، ہر دیکھنے والا اپنی اپنی رائے دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ بیماری لرزہ ہے، کوئی کہتا ہے ہوائی بیماری ہے، بہر حال لوگ اپنی اپنی باتیں کرتے ہیں مگر فائدہ کسی سے بھی نہیں ہوا۔ آپ کی کرپا ہوگی آپ برائے مہربانی میرے بھائی کو ٹھیک کر دیں چاہے جتنی رقم خرچ ہو جائے۔'' اور یہ بول کر وہ نوجوان سسکنے لگا۔

حکیم وقار نے کہا۔''آپ فکر نہ کریں، اللہ نے چاہا تو بہت جلد آپ کا بھائی ٹھیک ہو جائے گا کوشش ہماری ہوگی اور شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

حکیم وقار یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بستر پر لیٹا ہوا نوجوان نے ایک دلدوز چیخ ماری جس سے سارا کمرہ ہل گیا۔

☆☆☆

مریض کی کربناک چیخ سن کر کمرے میں موجود سارے لوگ دہل کر رہ گئے۔ اس کے ساتھ ہی مریض پر لرزہ طاری ہو گیا وہ زبردست طریقے سے کپکپانے لگا۔

مریض کی حالت واقعی بہت دگرگوں تھی۔ حکیم وقار نے فوراً ایک ملازم کو آواز دی اور کسی دوا کو لانے کے لئے کہا۔

مریض کے ساتھ آئے ہوئے چاروں افراد حیرانی اور اچنبھے کی حالت میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ردلوکا ٹکٹکی باندھے مریض کو دیکھ رہا تھا۔ ردلوکا کی نظریں جیسے مریض پر ٹک کر ساکت ہو گئی تھیں۔

ملازم جیسے دوڑتے ہوئے واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گلاس تھا جس میں سرخ رنگ کا کوئی رقیق مادہ تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چمچہ بھی تھا۔ اس نے جلدی سے گلاس حکیم وقار کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

ردلوکا کے اشارے پر حکیم وقار نے چمچے میں دوا ڈالی اور بولے۔''آپ میں سے دو افراد قریب آئیں اور ان کو پکڑیں تاکہ ان کے منہ میں دوا ڈالی جا سکے۔''

مریض کا بھائی، ایک اور آدمی آگے بڑھے اور

انہوں نے مریض کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو حکیم وقار نے مریض کا منہ اپنے ملازم سے کھلوا کر جلدی سے دوا اس کے منہ میں ڈال دی۔

دوا کا مریض کے منہ میں جانا تھا کہ مریض پر مزید کپکپی طاری ہوگئی اور اس کی چیخیں فلک شگاف ہوگئیں۔

مریض کا بھائی جس کا نام مہیش تھا وہ مریض کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا اور حکیم وقار سے بولا۔ ''حکیم صاحب اس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی ہے۔ اس کی تکلیف تو مزید بڑھ گئی، ایسا کیوں ہوا؟''

مہیش کی آواز سن کر حکیم وقار نے اسے شفقت سے سمجھایا۔ ''اگر آپ یہاں نہیں ٹھہر سکتے تو آپ باہر جا کر بیٹھ جائیں، تھوڑا صبر کریں ابھی تو ہم خود یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر آپ کے بھائی کو مرض کیا ہے؟''

مہیش بولا۔ ''حکیم صاحب بھائی ہونے کے ناطے احساس تو ہوتا ہے۔''

رولوکا نے حکیم وقار سے کچھ کہا تو حکیم وقار نے اس ملازم کو مخاطب کر کے کسی اور دوا کو لانے کو کہا۔

ملازم فوراً سے پیشتر کمرے سے نکل گیا اور پھر جلدی سے واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دوا کی ایک چھوٹی شیشی تھی۔ اس نے شیشی حکیم وقار کو پکڑا دی۔

رولوکا نے حکیم وقار سے پھر کچھ کہا، تو حکیم وقار نے جلدی جلدی دو چمچ دوا مریض کے منہ میں ڈال دی۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ رولوکا کمرے میں موجود تینوں افراد اور اس ملازم سے بولا۔ ''آپ لوگ مریض کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لیں، دو ہاتھوں کو اور دو پاؤں پکڑ لیں۔'' اور رولوکا نے خود سر کو پکڑ لیا۔

مریض پر کپکپی طاری تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مریض کی چیخیں کم ہونے لگیں اور ساتھ ہی کپکپی میں بھی کمی آتی گئی۔ چند منٹ میں مریض نے بے سدھ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ مریض کی ایک زوردار کراہ سنائی دی۔''

''اوہ! ہائے میں مرا...... اوہ!...... ارے مجھے چھوڑ دو...... ارے میں مر رہا ہوں......

بچاؤ...... بچاؤ...... ہائے میری تکلیف......

بچاؤ...... بچاؤ......''

اسی طرح کی تکلیف دہ آوازیں مریض کی سنائی دیتی رہیں۔ رولوکا نے حکیم وقار سے کہا۔ ''حکیم صاحب اسے اب دوا کی ضرورت نہیں، اسے اسی طرح پڑا رہنے دیں اور میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر بعد یہ غنودگی کی حالت میں ہو جائے گا۔''

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ مریض ایک گھنٹہ تک اپنے منہ سے آوازیں نکالتا رہا اور پھر اس کے بعد وہ بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔

رولوکا نے مہیش جو کہ مریض کا بھائی تھا اسے مخاطب کیا۔ ''مہیش صاحب آپ کے بھائی کی بیماری جسمانی نہیں، جو کہ میں نے اندازہ لگایا ہے، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کے بھائی کی کوئی ہوائی بیماری ہے، یعنی میں مکمل کر بتا رہا ہوں کہ آپ کا بھائی کسی بھٹکی ہوئی آتما کے چکر میں آ گیا ہے اور وہ آتما آپ کے بھائی کو تنگ کر رہی ہے۔

حکیم صاحب نے اسے جو دوا پلائی ہے اسے پینے کے بعد بڑے سے بڑا پہلوان بھی چند منٹ لیتا ہے غنودگی میں جانے کے لئے۔ مگر آپ کا بھائی بے سدھ نہیں ہوا، گھنٹہ بھر آنکھیں بند کئے اپنے ہوش میں رہا! اور اپنی تکلیف کا ذکر کرتا رہا۔

آپ کے بھائی پر سوار آتما اسے اندرونی طور پر تکلیف پہنچاتی رہی، آپ لوگ اپنے ذہن سے یہ نکال دیں کہ آپ کا بھائی موت سے ہمکنار ہو گا۔''

رولوکا کی بات سن کر مہیش بولا۔ ''حکیم صاحب اس کی تکلیف، ہم تمام گھر والوں سے دیکھی نہیں جاتی، کوئی وقت مقرر نہیں رات ہو یا دن کسی بھی وقت یہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر خاص طور سے رات میں اکثر کئی کئی مرتبہ ناقابل فراموش تکلیف سے یہ دو چار ہو جاتا ہے۔

اس کی اذیت ناک چیخیں پوری حویلی کو دہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ ہمارے بھائی بہن اور ماتا زار و قطار رونے لگتی ہیں۔ میرے پتا تو اس کے قریب ٹھہرتے نہیں بلکہ کئی مرتبہ تو انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ۔

''اے بھگوان ہمارے بڑوں کی زیادتی اور غلطیوں کو معاف کر کے میرے بیٹے کو آرام دے، میں نے یا میرے بیٹوں نے تو کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی، اگر میرا جیون تیاگنے سے میرے بچے کی تکلیف دور ہو سکتی ہے تو میں اپنا جیون تیاگنے کے لئے تیار ہوں۔''

بھگوان ہم سے اس کی تکلیف اور تڑپ دیکھی نہیں جاتی۔ بھگوان ہماری مدد فرما، ہمیں سکون دے۔''

اس میں میرا کیا قصور ہے اگر میرے بڑوں نے انسان کو انسان نہیں سمجھا، بھگوان میری ذات سے تو کسی کو تکلیف نہیں پہنچی، میں آج بھی اپنے بزرگوں کے کرتوتوں پر شرمندہ ہوں۔

بھگوان میرے گھر والوں اور خاص کر سنیل کو شانتی دے۔ بھگوان اب مجھ سے سنیل کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔

بھگوان اگر تو سنیل کو شانتی نہیں دے سکتا تو مجھ سے میرا جون چھین لے، تو جانتا ہے کہ ایک لولاد کی اذیت ناک تڑپ اور تکلیف ماتا پتا کے لئے کس قدر ناقابل برداشت ہوتی ہے تو دلوں کا بھی بھید جانتا ہے۔''

مہیش مزید بولا۔ ''حکیم صاحب میرے پتا رات دن ایسے تڑپتے ہیں کہ جیسے آگ میں کسی زندہ جانور کو ڈال دیا گیا ہو۔ ایک مدت ہوئی ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کبھی سکون سے سوئے ہیں۔ جب دیکھو وہ جاگتے ہوئے ملتے ہیں۔''

یہ باتیں سن کر حکیم وقار بولے۔ ''مہیش صبر سے کام لو۔ میں جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہوں اور یہ میرے بھائی حکیم کامل ہیں جو کہ روحانی علاج کرتے ہیں۔''

ہماری کوشش ہوگی کہ آپ کا بھائی ٹھیک ہو جائے، مایوسی ٹھیک نہیں۔ آپ لوگوں نے جہاں تین سال برداشت کئے ہیں تو چند دن اور دیکھ لیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بھائی تندرست ہو جائے گا، اس کی ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی اور آپ کے گھر والے سکھ کا سانس لیں گے۔''

حکیم وقار کی باتیں سن کر مہیش کی آنکھیں چھلک پڑیں، اس نے رولو کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بڑی عاجزی سے بولا۔ ''حکیم صاحب ہم بہت آس لگا کر آپ کے در پر آئے ہیں۔

ان تین سالوں میں ہم نے ایسا کوئی بھی ڈاکٹر، حکیم، پنڈت، اوجھا اور سادھو نہیں چھوڑا، جس نے بھی جہاں کا پتہ بتایا ہم وہاں گئے بلکہ بہت سے لوگوں کو تو حویلی میں لے کر آئے۔

مگر افسوس کہ کسی نے بھی سنیل کی بیماری ختم نہ کی۔ پنڈت اوجھا اور سادھو یہ کہتے ہیں کہ اس پر کسی آتما کا اثر ہے اور وہ آتما بہت شکتی شالی ہے۔

''پانی کی طرح ہم نے پیسہ بہا دیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔'' یہ بول کر مہیش سسک پڑا۔

''مہیش میاں ہمت سے کام لو، بہادر بنو، اگر ہمت چھوڑ دو گے تو کام کیسے چلے گا، ثابت قدمی اور جوانمردی سے انسان بڑے سے بڑا معرکہ سر کر لیتا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ آپ کا بھائی ٹھیک ہو جائے۔''

سنیل اور آپ لوگ دو دن یہاں مطب میں ٹھہریں، سونے اور کھانے پینے کا سارا انتظام ہے، کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ ان دو دنوں میں ہم کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں گے اور پھر یہ بھی کوشش کریں گے کہ سنیل کی اصل بیماری یا پھر اگر کوئی آتما اس پر وقتاً فوقتاً آتی ہے تو آخر ایسا کیوں ہے؟''

''حکیم صاحب آپ کا بہت بہت دھنے واد۔ ہم تمام گھر والے زندگی بھر آپ کے لئے ایشور کے آگے پرارتھنا کریں گے کہ ایشور آپ پر اپنا دیا کرے۔ آپ کی شکتی کا ہم نے بہت لوگوں سے سن رکھا ہے اور پھر اسی امید پر آ گئے ہیں کہ آپ ہم پر دیا کریں گے۔''

''مبیش اب آپ لوگ آرام کریں فی الحال آپ کا بھائی غنودگی میں ہے اور مجھے امید ہے کہ کئی گھنٹے تک یہ ایسا ہی رہے گا۔ حکیم صاحب آپ لوگوں کے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کرا دیں گے۔''

رولوکا کی باتیں سن کر حکیم وقار بولے۔ ''تمام انتظام مکمل ہے آپ لوگ آرام سکون سے رہیں، وقت پر کھانا بلکہ ضرورت کی تمام اشیاء موجود ملیں گی۔''

مبیش بولا۔ حکیم صاحب ہم آپ کا کس طرح شکریہ ادا کریں، ہم نے جیسا سنا تھا اس سے کہیں بڑھ کر آپ لوگوں کو پایا، مگر میری بھی ایک بنتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس مطلب میں رہیں گے مگر کھانا پینا ہم ہوٹل میں کریں گے۔''

حکیم وقار بولے۔ ''مبیش اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کی خوشی میں ہم خوش ہیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو جلد از جلد تمام تکلیفوں سے آزاد کر کے خوشیاں دے۔''

حکیم وقار کے حکم پر ان چاروں کو ایک اور کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ کمرہ بہت کشادہ تھا۔ بستر فرشی تھا۔ پورے کمرے میں اجلی چادر بچھی ہوئی تھی، کئی تکیئے اور گاؤ تکیئے موجود تھے۔

مریض کو ایک طرف لٹا دیا گیا۔ وہ غنودگی کی حالت میں کئی گھنٹے گزرنے کے باوجود بے سدھ پڑا تھا۔

مغرب کے بعد حکیم وقار اور رولوکا اس کمرے میں آئے اور ان سے مصافحہ کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔

''مبیش اگر آپ مجھے اپنا تھوڑا خاندانی پس منظر بتانا پسند کریں تو بڑی مہربانی ہوگی تاکہ میں اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو حتمی شکل دے سکوں۔ یہ میرے لئے ضروری ہے اور اس کی روشنی میں، میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں گا۔''

اس سے آگے مزید باتیں ہوتیں کہ اچانک سنیل نے ایک زبردست چیخ ماری اور سوتے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

خدا کی پناہ اس کی دونوں آنکھیں دیکھ کر وہاں موجود مبیش اور اس کے ساتھ آئے ہوئے تینوں ملازم سہم کر رہ گئے۔ حقیقت میں ایسا لگتا تھا کہ اس کی آنکھوں کی جگہ دو زیرو پاور کے سرخ بلب روشن ہو گئے ہوں۔ وہ ٹکٹکی باندھے رولوکا کو گھورے جا رہا تھا۔

اچانک اس کی آنکھوں سے آڑی ترچھی شعاعیں نکلنی شروع ہوئیں اور پھر وہ شعاعیں رولوکا کی طرف بڑھنے لگیں۔

رولوکا نے جب یہ دیکھا تو اس نے فوراً اپنے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے جیسے کمرے میں حصار کا ایک نشان کھینچ دیا تو سنیل کی آنکھ سے جو شعاعیں نکل کر رولوکا کی طرف بڑھ رہی تھیں وہ کمرے کے درمیان میں پہنچ کر جیسے کسی ان دیکھی دیوار سے ٹکرا گئیں تو اس جگہ سے ڈھیر ساری چنگاریاں پھوٹ پڑیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شعاعیں اپنا وجود کھو بیٹھیں۔

سنیل کے منہ سے غصے کی حالت میں پھنکار جیسی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دونوں کانوں سے سفید دودھیا دھواں نکلنا شروع ہو گیا اور پھر وہ دھواں اس طرف بڑھنے لگا جس طرف رولوکا، حکیم وقار، مبیش اور اس کے تینوں ملازم بیٹھے تھے۔ رولوکا نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنی بند مٹھی کا رخ دھوئیں کی طرف کر کے مٹھی کھول دی تو فوراً ہاتھ کی ہتھیلی سے ڈھیر ساری سرخ چنگاریاں نکلنی شروع ہو گئیں اور پھر وہ چنگاریاں دھوئیں کی طرف بڑھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں میں غائب ہو گئیں۔

ان چنگاریوں کو دھوئیں میں غائب ہونا تھا کہ اچانک تمام دھواں سنیل کے دونوں کان میں سمانا شروع ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے تمام دھواں سنیل کے دونوں کانوں میں گھس کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد سنیل اپنی جگہ لیٹ کر ایک ایک فٹ اوپر اچھلنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی ان دیکھی طاقت اسے نیچے سے اٹھا کر اوپر کو اچھال رہی ہو، اور وہ پھر دھم سے نیچے گر پڑتا، ساتھ ہی اس کی

اذیت ناک کراہیں کان پھاڑنے لگیں۔

''ارے ظالم مجھے چھوڑ دے، میں جا رہا ہوں، میں تیرے آگے ہار مان گیا، مجھے جانے کا راستہ دے، میں تیری شکتی کا قائل ہو گیا۔ مگر میں اس بالک کو کسی بھی حال میں چھوڑوں گا نہیں۔

تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے اپنے وش میں کر کے یا پھر میرا کریا کرم کر کے اس خاندان کو مکتی دلا دے گا تو یہ تیری بھول ہے۔ میں ہی کیا بلکہ لاتعداد بے گنتی کی آتمائیں اس خاندان کی دشمن بن چکی ہیں، تو کس کس سے لڑے گا۔

اس بالک کے پرکھوں نے لوگوں پر بڑا ظلم کیا، لوگوں کو اور ناریوں کو اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے زندہ جلوا دیا، گڑھا کھود کر بے قصوروں کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ تو شکتی شالی ہے تو آ کر ''آتما حویلی'' میں دیکھ لاتعداد آتمائیں سکھ چین کے لئے اب بھی بھٹک رہی ہیں۔

میں تجھ سے بنتی کرتا ہوں کہ تو اس خاندان کو اس کے حال پر چھوڑ دے، جب تک اس خاندان میں ایک بھی پرش باقی رہے گا یہ خاندان سکھ چین سے نہیں رہ سکے گا۔

اب تو مجھے راستہ دے تاکہ میں ''آتما حویلی'' میں چلا جاؤں، وہاں پر تمام آتمائیں میرا انتظار کر رہی ہیں، میرا اور تیرا کوئی معاملہ نہیں، میری تیری کوئی لڑائی نہیں ہے، تو شکتی شالی ہے، مجھے راستہ دے تاکہ میں چلا جاؤں۔'' اور پھر اس کے بعد سنیل اپنی جگہ بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔

چند لمحے بعد وہاں پر موجود لوگوں نے دیکھا کہ سنیل کی ناک سے سفید دھواں نکلنا شروع ہوا، اس دھوئیں کا رخ دروازے کی طرف تھا، سارا دھواں دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اچانک سنیل اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سب کو اچنبھے کی نظر سے دیکھنے لگا۔ نئی جگہ نیا ماحول اسے یقیناً حیرت میں ڈال رہا تھا کہ اتنے میں مہیش بولا۔

''سنیل گھبراؤ نہیں یہ حکیم صاحب ہیں تمہاری طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی تھی تو ہم تمہیں یہاں لے آئے۔ یہ دلی ہے تم نے تو دلی کا نام سنا ہے۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ تمہاری طبیعت بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ چنتا کی اب ضرورت نہیں۔''

ایسا لگتا تھا کہ سنیل کی چند منٹ پہلے جو کیفیت تھی وہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بالکل نارمل حالت میں تھا ایسا کہ جیسے اس کی طبیعت کبھی خراب تھی ہی نہیں۔

سنیل کو دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''مہیش اب آپ لوگ آرام سے رہیں اور جہاں تک میری معلومات کا دخل ہے تو سنیل پر آج رات دورہ نہیں پڑے گا، بے فکر ہو کر آپ لوگ کھائیں پئیں اور سکون سے سو جائیں۔

چونکہ آپ کی خواہش ہے کہ آپ ہوٹل سے کھانا کھائیں تو بخوشی کھائیں اور سنیل کا جو دل چاہے اسے کھلائیں۔ اب ہم چلتے ہیں باقی باتیں کل صبح میں آپ سے کروں گا۔''

رولوکا اور حکیم وقار نے ان سے مصافحہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے سے نکل گئے۔

☆......☆......☆

''حکیم صاحب میں ٹھیک ہو جاؤں گا ناں؟''

سنیل کی آواز سنائی دی جو بڑی حیرت بھری نظروں سے رولوکا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ مؤدب انداز سے کھڑا تھا۔

''سنیل میاں آپ فکر نہ کریں، ہمت اور حوصلہ رکھیں، اللہ نے چاہا تو آپ تھوڑے دنوں میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ بہت بڑا مسبب الاسباب ہے، آپ کھائیں اور خوش رہیں۔'' سنیل سے حکیم وقار نے کہا۔

''سنیل اب تم بالکل بھی فکر نہ کرو، ایشور کی کرپا سے اور حکیم صاحب کی کوشش سے تم بہت جلد چنگے بھلے ہو جاؤ گے۔ حکیم صاحب نے کہا ہے کہ ہمیں دو دن یہاں رہنا ہوگا۔

کل صبح ہی صبح میں رامو کو گاؤں بھیج دوں گا تاکہ یہ جا کر گھر والوں کو ساری حقیقت بتا دے، ماتا پتا اور گھر والے فکر مند ہوں گے۔'' مہیش بولا۔

"ٹھیک ہے بھائی ڈوبتے کو کیا چاہیے تنکے کا سہارا، میں ساری عمر حکیم صاحب کے لئے پرارتھنا کرتا رہوں گا کہ بھگوان حکیم صاحب کو صحت اور تندرستی عطا کرے کیونکہ حکیم صاحب کی دیا سے میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

یہ سن کر ردلوکا بولا۔ "آپ فکر نہ کریں، آپ اوپر والے کا شکریہ ادا کریں کیونکہ دنیا کا سارا انتظام اسی کا بنایا ہوا ہے، وہ ہر اچھائی اور برائی کے لئے پہلے اسباب بناتا ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے آپ لوگوں کو یہاں تک پہنچا دیا۔" یہ بول کر ردلوکا اور حکیم وقار کمرے سے نکل گئے۔

چند منٹ بعد مہیش بولا۔ "سنیل تم آرام کرو اور راموتمہارے پاس موجود ہے، ہم تینوں باہر جا رہے ہیں تاکہ کچھ کھا پی لیں اور تم دونوں کے لئے کھانا لیتے آئیں گے، ویسے کھانے میں تم کیا پسند کرو گے۔ بتلا دو۔"

"بھائی آپ جو دل چاہے لیتے آیئے گا، اور آپ کو تو پتہ ہے کہ کھانے میں، میں کیا پسند کرتا ہوں۔" سنیل بولا۔

سنیل کی باتیں سن کر مہیش مسکراتا ہوا دیگر دونوں ساتھیوں سمیت کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دوری پر ایک ہندو ہوٹل تھا۔ وہ لوگ اس طرف روانہ ہو گئے۔

سنیل اپنے گزرے ہوئے حالات اور آنے والے حالات پر غور کرنے لگا، آج وہ کافی حد تک ذہنی طور پر مطمئن تھا کیونکہ حکیم صاحب کی باتوں نے دلی طور پر اسے خوشی پہنچائی تھی اور وہ حقیقت میں ردلوکا کی اور حکیم وقار کی باتوں سے مطمئن ہو گیا تھا۔

تین سالوں میں نہ جانے اسے لے کر اس کے گھر والے کہاں کہاں نہیں گئے تھے۔ جہاں بھی وہ گئے چاہے ڈاکٹر، حکیم، سادھو یا پھر پنڈت تھے سب نے اوٹ پٹانگ باتیں کیں، نوٹ بٹورے اور جھوٹی بھی تسلی دے کر چلتا کر دیا۔ کچھ تو ایسے بھی تھے جنہوں نے کھلم کھلا کہہ دیا کہ "میں نے کوشش تو بہت کر لی مگر یہ آتما جو اس پر سوار ہے یہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہے یہ کسی طور قابو میں نہیں آتی، آپ لوگ کسی اور کے پاس جائیں، یہ میرے بس میں نہیں ہے، میں معذرت چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد مہیش آ گیا، اس کے ہاتھ میں پیک کیا ہوا کھانا تھا۔

"سنیل اب تم جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھا لو یہ گرم ہے، دیر نہ کرو کیونکہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا تو مزہ نہیں دے گا، گرم گرم پوریاں ہیں اور آلو میتھی کی بھجیاں، چنے کی ساگ اور مزے دار اچار بھی ہے، چلو جلدی سے کھانا شروع کر دو، راموتم بھی کھانے کے لئے فوراً تیار ہو جاؤ دیر نہ کرو۔"

جب وہ لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو گئے تو حکیم وقار کا ملازم گرم گرم قہوہ لے کر آ گیا۔ انہوں نے قہوہ پیا تو واہ واہ کرنے لگے کیونکہ قہوہ بہت مزیدار تھا۔ تھوڑی دیر بعد حکیم وقار آ گئے جنہیں دیکھ کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے تو حکیم وقار بولے۔

"آپ لوگ آرام سے بیٹھے رہیں۔ دراصل میں یہ کہنے آیا تھا کہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، اس کے لئے یہ ہاتھ کی گھنٹی میں رکھے جا رہا ہوں، بلا جھجک اسے بجا دینا، ملازم حاضر ہو جائے گا، جو کہ آپ کا ہر حکم بجا لائے گا، رات بھر کئی ملازم مطب میں جاگتے رہتے ہیں، ان لوگوں کی رات کی ڈیوٹی ہوتی ہے، آپ لوگوں کے علاوہ مطب میں اور بھی کئی لوگ اپنے مریض کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں، بس مجھے یہی کہنا تھا، اب آپ لوگ آرام کریں۔"

صبح حکیم کامل کے ساتھ میں پھر حاضر ہو جاؤں گا، باقی باتیں حکیم صاحب آپ سے کریں گے۔ یہ بول کر حکیم وقار کمرے سے نکل گئے۔

رات بڑی سہانی تھی، آرام و سکون سے گزر گئی، مہیش سنیل اور ان کے ملازم بڑے مزے کی میٹھی نیند میں سوئے تھے۔ ایک طویل عرصہ بعد مہیش اور سنیل کو اس قدر سکون کی نیند میسر آئی تھی ورنہ وہ تو تین سال سے سکون کی نیند کے لئے ترس گئے تھے۔

صبح کے وقت جب مہیش کی آنکھ کھلی تو وہ حیرت سے دوچار تھا اس لئے کہ پوری رات گزر گئی تھی اور پوری رات سنیل سکون سے سویا تھا، اس پر کسی قسم کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ وہ اچنبھے کی حالت میں پورے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک سنیل نیند کی آغوش میں محوخواب تھا۔

تین سالوں میں اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ کوئی ایسی رات گزری ہو جس میں سنیل کرب واذیت سے دوچار نہ ہوا ہو، دن میں تو چھوٹے موٹے دورے پڑتے تھے مگر رات میں اس پر جو دورے پڑتے تو کرب واذیت سے تڑپنے لگتا، پوری حویلی کو چیخ وپکار سے سر پر اٹھالیتا، سارے گھر والے اس کے ساتھ ساتھ جیسے انگارے پر لوٹنے لگتے۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی سنیل شانت ہوجاتا اور بے سدھ ہوکر پڑجاتا اس کے بعد گھر والوں کو تھوڑا سا سکون ملتا لیکن وہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار رکھتے تھے کہ رات آئے گی اور پھر ہم سب روز کی طرح بے سکونی کا شکار ہوجائیں گے۔

اگر بیماری ہوتی تو ڈاکٹر سنیل کو نیند کا انجکشن لگادیتا مگر یہ تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ کئی مرتبہ تو ڈاکٹروں نے یہ کرکے بھی دیکھ لیا۔ نیند اور غنودگی کے لئے سنیل کو ڈبل ڈوز دوا کا دیتے تاکہ وہ غنودگی کی حالت میں پڑا رہے مگر بے سود۔

جب اس پر دورہ پڑنے لگتا تو غنودگی کی حالت میں کسمسانے لگتا، اس کا چہرہ متغیر ہوجاتا پھر آہستہ آہستہ چہرے پر کرب واذیت کے آثار نظر آنے لگتے، ہاتھ کی انگلیاں جیسے اکڑنے لگتیں، بستر پر ایڑیاں رگڑنے لگتا، آنکھیں ہمیشہ بند رہتیں اور پھر اس کی فلک شگاف چیخیں درودیوار کو لرزانے لگتی تھیں۔ ''ہائے میں مرا، اوہ!! اوہ!! بچاؤ بچاؤ، میں مر رہا ہوں، ہائے میرا سر، ہائے میرا سر، اوہ میرا دل پھٹ جائے گا، میں مر رہا ہوں، مجھے بچاؤ...... مجھے بچاؤ......'' اس طرح کے اور دیگر الفاظ اس کے منہ سے نکلتے چونکہ انسان کا چہرہ اندرونی کیفیت کا آئینہ ہوتا ہے، اس کے چہرے پر اس کی اندرونی کیفیت ظاہر ہوتی کہ وہ واقعی بہت زیادہ اذیت میں ہے۔

لیکن اس کے قریب موجود لوگ سوائے ٹکر ٹکر دیکھنے کے کچھ نہیں کرسکتے تھے۔

ان تین سالوں میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس پر جو آتما سوار تھی اس نے خود کو ظاہر کیا ہو، تمام سادھو، پنڈت اور دوسرے آتماؤں کا علاج کرنے یا آتماؤں کو اپنے وش میں کرنے والے لاکھ کوشش کرچکے تھے مگر اس پر آنے والی آتما نے اپنا منہ نہ کھولا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ رولوکا کے سامنے سنیل پر سوار بھٹکی ہوئی آتما نے خود کو ظاہر کیا تھا اور تھوڑا بہت بتایا تھا کہ اس کے پرکھوں نے اپنی رعایا پر ناقابل برداشت ظلم ڈھائے تھے اور اپنی خواہش وعیاشی کے لئے بے شمار پرش وناریوں پر ظلم کرنے کے بعد انہیں مرواکر ان کی لاش زمین میں گڑھا کھدواکر دبادیا کرتے تھے۔

صبح ہوئی اور پھر تھوڑی دیر بعد سنیل کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر اپنے بھائی مہیش کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو بولا۔

''بھیا آپ مسکرا رہے ہیں خیریت تو ہے۔''

مہیش بولا۔ ''سنیل آج پہلی مرتبہ تم اور ہم سب آرام وسکون کی نیند سوئے ہیں، ایشور کی کرپا ہے کہ پوری رات سکون سے گزر گئی اور تم پر ہلکا سا بھی دورہ نہیں پڑا۔ مجھے سو فیصد امید ہوچکی ہے کہ تم بہت جلد ٹھیک ہوجاؤ گے، ایشور نے ہمیں صحیح جگہ پر پہنچادیا ہے۔ چلو جلدی سے منہ ہاتھ دھولو تاکہ ناشتہ کرلیں۔

اور ہاں ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی میں رامو کو گاؤں دوڑا دیتا ہوں تاکہ یہ گاؤں جاکر گھر والوں کو اچھا سندیسہ دے، کیونکہ گھر والے بھی فکر میں پڑے ہوں گے۔''

ناشتہ سے فارغ ہوکر رامو مہیش کا سندیسہ لے کر گاؤں روانہ ہوگیا۔ مہیش نے گھر والوں کو خوشخبری دی تھی کہ سنیل بہت جلد ٹھیک ہوجائے گا۔ ایک دن میں اس کی

طبیعت میں بہت فرق پڑا ہے۔ حکیم صاحب جو کہ جسمانی بیماری کے ساتھ ساتھ لپیٹ جھپیٹ اور آتماؤں کا بھی علاج کرتے ہیں، انہوں نے ہمیں دو دن کے لئے روک لیا ہے۔ آپ لوگ سنیل کی طرف سے کسی قسم کی چنتا نہ کریں، ایشور کی کرپا اور حکیم صاحب کی دیا سے سنیل کے سارے دکھ ختم ہو جائیں گے۔''

☆......☆......☆

رولوکا اور حکیم وقار مطب میں بیٹھے تھے۔ حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھا۔ ''سنیل کا اصل معاملہ کیا ہے، میری تو سمجھ سے باہر ہے، مجھے تو بس اتنا پتہ لگا ہے کہ اس پر کوئی بھٹکی ہوئی بدروح سوار ہے جو کہ وقتاً فوقتاً اسے اذیت سے دوچار کرتی ہے۔''

حکیم وقار کی باتیں سن کر رولوکا بولا۔ ''آپ کا اندازہ بالکل صحیح ہے، بسا اوقات بڑوں کا کیا دھرا چھوٹے بھگتے ہیں اور یہی حال سنیل کا ہے سنیل کے آباؤ اجداد نے اپنی رعایا پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے ہیں، زیادہ تر لوگوں کو مروا کر زمین میں دفن کرا دیا تھا اور چونکہ مذہب کے لحاظ سے جب مردہ کے ساتھ وہ کچھ نہیں کیا جاتا جو ان کے مذہب میں رائج ہے تو روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں یا پھر بھی جب بندہ حرام موت مر جاتا ہے یا کوئی کسی کو مار کر بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے تو ایسی صورت میں بھی اس کی روح بھٹکتی پھرتی ہے سنیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہے۔

میں نے جو اندازہ لگایا ہے تو یہ معاملہ بہت گھمبیر ہے۔ ایک روح جو کہ زیادہ طاقتور لگتی ہے، وہی ہر روز سنیل پر آدھمکتی ہے اور اس کے پیچھے مزید سینکڑوں روحیں ایسی ہیں جو اس کی مدد کرتی ہیں۔

ایک ظالم اور جابر ٹھاکر اپنے گاؤں والوں کو غلام بنا کر رکھتا ہے، اس کے سامنے کسی کو بولنے کی مجال نہیں ہوتی۔ ٹھاکر دوسروں کے جان و مال کو اپنا سمجھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ سب کو میں پال پوس رہا ہوں، کھلا پلا رہا ہوں۔

اور اگر وہ عیاش ہو تو گاؤں کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے، جب اس کا دل چاہتا ہے گاؤں کی خوب صورت عورت یا لڑکی کو اٹھوا لیتا ہے اور اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد مروا دیتا ہے، اگر لڑکی نے اس کی بات مان لی کہ وہ اس راز پر سے پردہ نہیں اٹھائے گی تو اس کی جان بچ گئی ورنہ...

رات کے اندھیرے میں ٹھاکر نا قابل برداشت ظلم ڈھاتا ہے، کالی رات میں اس کے کالے کرتوتوں یعنی پاپ کا گھڑا بھرتا رہتا ہے، سنیل کے آباؤ اجداد نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

جو آتما سنیل پر آتی ہے اس نے صاف اور واضح الفاظ میں یہ بات کھول کر رکھ دی ہے کہ سنیل کے بزرگوں نے ناحق خون بہایا ہے معصوم لوگوں کی زندگیاں ختم کی ہیں۔

آپ نے بھی اس روح کی زبانی بہت ساری باتیں سنی ہیں۔ رولوکا حکیم وقار سے بولا۔

''اندازہ تو مجھے بھی ہوا ہے، اگر سنیل کے بزرگ ایسا نہ کرتے تو آج سنیل اس اذیت کا شکار نہ ہوتا۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''ایسا ہی ہے، تمام روحیں اپنی اپنی جگہ بھری ہوئی ہیں، اور سب نے مل کر کسی حویلی کو اپنا مسکن بنا لیا ہے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ اس حویلی کو انہوں نے ''آتما حویلی'' کا نام دیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ وہ حویلی کھنڈر بن چکی ہوگی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حویلی کے آس پاس کا سارا علاقہ ویران و بنجر ہو گیا ہوگا۔

اس چکر میں بہت سے بے قصور اور معصوم لوگ بھی ان روحوں کا شکار بنے ہوں گے۔ عقلمندوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ کرتا کوئی ہے اور بھرتا کوئی اور ہے۔ جیسا کہ سنیل بھگت رہا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ سارا گھرانہ اذیت ناک حالات سے دوچار ہے۔'' رولوکا بولا۔

حکیم وقار بولے۔ ''یہ بتاؤ کہ اب سنیل کا کیا بنے گا؟''

"ابھی سوچ میں، میں ہوں کہ اس گتھی کا اصل سرا میرے ہاتھ لگ جائے اور ایسا طریقہ اپنایا جائے یا پھر ایسا اٹل حل سامنے آئے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنیل اور اس کے خاندان کی جان ان روحوں سے چھوٹ جائے۔

تمام کی تمام روحیں اپنے مسکن سے الگ ہو جائیں کیونکہ یہ روحیں جب تک ایک جگہ رہیں گی ان کی طاقت برقرار رہے گی اور یہ کسی نہ کسی طرح سنیل کے خاندان اور پھر آس پاس کے گاؤں والوں کو نقصان پہنچاتی رہیں گی۔

اس کے لئے مجھے ماضی کو کریدنا پڑے گا۔ تب کہیں جا کر اصل حقیقت کا پتہ چلے گا، بغیر حقیقت جانے قدم اٹھانا سود مند نہیں ہوگا۔" رولوکا نے کہا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں اس مقصد میں کامیاب وکامران کرے اور سنیل کی جان بھی ان بلاؤں سے چھوٹ جائے۔" حکیم وقار نے کہا۔

اچھا چلیں ذرا ان سے ملتے ہیں، یہ معلوم کریں کہ رات کیسی گزری؟" رولوکا نے کہا۔

رولوکا اور حکیم وقار دونوں ایک ساتھ اس کمرے میں گئے جہاں مہیش سنیل اور ان کے ملازم ٹھہرے ہوئے تھے۔

دونوں جب کمرے میں پہنچے تو مہیش فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "آیئے حکیم صاحب، خوشی کی بات ہے کہ پوری رات سنیل آرام وسکون سے سویا ہے، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

آپ کا ہم پر دیا ہے، یہ احسان شاید ہم مر کر بھی نہیں اتار سکتے۔"

"ارے بھائی ایسی کوئی بات نہیں، اوپر والے کا شکر گزار ہو کہ اس نے ایک وسیلہ بنایا۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ ورنہ میں تو ایک ادنیٰ سا آدمی ہوں، یہ سب کچھ اوپر والے کی مرضی سے ہوتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ جو لوگ مشکل میں ہیں ان کے کام آؤ، ایک دوسرے کا سہارا بنو، جہاں تک ہو سکتا ہے ایک دوسرے کی مدد کرو، ظلم وزیادتی کرنے سے دور رہو، ورنہ وقت کی چکی میں پس جاؤ گے۔" رولوکا نے کہا۔

"حکیم صاحب جتنا آرام سنیل کو ایک رات میں ملا ہے، اتنا تو تین سالوں میں بھی آرام نہیں ملا۔ میں بھی اس قدر سکون سے سویا ہوں کہ میں خود بھی تین سالوں میں ایک رات بھی آرام سے نہیں سو سکا۔" مہیش بولا۔

"چلو یہ اچھی بات ہے کہ تم لوگ آرام سکون سے رات بھر سوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آرام وسکون میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔" حکیم وقار نے کہا۔

"حکیم صاحب ایشور کے آگے میں جتنا بھی سر نکاؤں یہ کم ہے کہ ایشور کی کرپا سے جتنا سکون مجھے ملا ہے، میں اندازہ نہیں لگا سکتا کہ سنیل کو کتنا سکون ملا ہے۔" مہیش بولا۔

"سنیل یہی حکیم صاحب ہیں جو تمہارا علاج کر رہے ہیں، اٹھو اور جلدی سے ان کے چرن چھوؤ۔"

مہیش کی بات سن کر سنیل فوراً اٹھا اور رولوکا کی طرف بڑھا چرن چھونے کے اور وہ رولوکا کے آگے جھکنا ہی چاہتا تھا کہ رولوکا نے اسے کندھے سے پکڑلیا اور اپنے آگے جھکنے سے منع کر دیا۔

"ایسا نہیں کرتے اور چرن چھونا ہم میں جائز نہیں اوپر والے سے اپنے لئے دعا کرو وہ جلد از جلد تمہیں صحت یاب کرے۔" رولوکا بولا۔

اسی اثناء میں رولوکا سے حکیم وقار بولے۔ "اچھا بھئی میں ذرا چلتا ہوں، مطب میں موجود اور مریضوں سے بھی مل لوں۔"

یہ سن کر رولوکا بولا۔ "ٹھیک ہے آپ جائیں میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر کچھ ان کے بزرگوں کا حدود اربعہ معلوم کرتا ہوں۔ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا اس وقت تک آگے بڑھنا ممکن نہیں۔" رولوکا بولا۔

"ٹھیک ہے آپ بیٹھیں اور معلومات کریں، میں چلتا ہوں۔" حکیم وقار نے کہا اور کمرے سے

نکل گئے۔

رولوکا ایک طرف بیٹھ گیا تو مہیش، سنیل اور اس کے دونوں ملازم بھی بیٹھ گئے اپنی اپنی جگہ پر۔

''مہیش دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ''آتما حویلی'' کا کیا چکر ہے، اس کا وجود ہے بھی کہ نہیں، اور اگر ہے تو اسے کس نے بنوایا، اور پھر حالات اس حویلی کے مخالف کیوں ہوئے، وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے اچھی بھلی حویلی کو آتماؤں کا مسکن بنا ڈالا؟''

''حکیم صاحب میں نے اپنے پتا ماتا اور دیگر بزرگوں سے سنا ہے کہ اس حویلی کو میرے پردادا نے بنوایا۔ یہ حویلی اپنی مثال آپ تھی، اس کی خوب صورتی، اس کا تاج محل دیکھنے کے قابل تھا۔ جس جگہ پر یہ حویلی ہے سنا ہے کہ وہ علاقہ بہت زرخیز، ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی، آس پاس جتنے بھی گاؤں تھے وہ گاؤں بھی خوشیوں کا گہوارہ تھے۔

میرے پردادا ٹھاکر رنجیت سنگھ بڑے ہمدرد انسان اور دیالو تھے، کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا جو انہیں برا کہتا ہو، کسی کو بھی ذرا برابر بھی دادا سے شکایت نہیں ہوتی تھی، دادا سب کی خبر رکھتے تھے، سارے تہوار لوگوں کے جھرمٹ میں منائے جاتے تھے، دور دور سے لوگ اس علاقے میں سیر کرنے آتے تھے، حویلی سے تھوڑی دوری پر کئی ڈاک بنگلے بنے ہوئے تھے، جہاں کہ دور سے آنے والے لوگ آرام سکون سے ٹھہرتے تھے۔

دور سے آنے والوں کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ میرے پردادا سے ملاقات ضرور کرے تاکہ دادا اس کی اچھا اور دلی کیفیت جان سکیں، ہر آنے والے سے دادا ملاقات کرتے، اس سے یہ بھی پوچھتے کہ اس ڈاک بنگلے اور اس علاقے میں آپ لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، ڈاک بنگلہ کے ملازموں کو یہ سخت تاکید تھی کہ خبردار وہ مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

پردادا کا یہ بھی حکم تھا کہ ڈاک بنگلے سے جانے والے مہمانوں کو اپنے علاقے کے سوغات دیئے جائیں جن میں خاص طور پر پھل فروٹ شامل ہوتے تھے۔

پردادا کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام راجندر تھا۔ سنا ہے کہ وہ شروع ہی سے لاڈ پیار کے سلسلے میں بے لگام گھوڑا بنتے گئے، کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اپنی ضد کے آگے کبھی کبھار پردادا کا حکم بھی نہیں مانتے تھے، جس بات پر اڑ جاتے تھے اس کے لئے چاہے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے اس کو پورا کر کے دم لیتے تھے۔

ان کی ضد اور اکڑ طبیعت کی وجہ سے پردادا اکثر پریشان رہتے تھے، کہ میری زندگی میں یہ اس قدر سرکش ہے تو میرے مرنے کے بعد تو اس کا بھگوان ہی بھلا کرے۔

لوگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ وہ اکثر بھگوان سے پرارتھنا کرتے تھے کہ ''اے بھگوان اس لڑکے کی رکھشا کرنا، اسے راہ راست پر رکھنا، اس کی ضد اور اکڑ طبیعت کو ختم کر دے، اس کے دل کو لوگوں کے لئے نرم کر دے، اس کی سوچ اور چاہت میں محبت کی چاشنی بھر دے، یہ لوگوں سے محبت کرنا سیکھ جائے۔

بھگوان میں نے جو محبت کا پودا لگایا ہے، اسے اور تناور بنا دینا اس لڑکے کے ذریعے، بھگوان تو اس لڑکے پر کرپا کر، اس کے عمل سے ہر طرف سکھ شانتی پھلے پھولے، میرے گاؤں کے لوگوں کی شانتی قائم ودائم رہے۔''

پردادا ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے تھے اور اکثر جو ان کے قریب تھے ان سے اپنی بے چینی کا ذکر بھی کرتے تھے۔

پردادا کی خواہش تھی کہ راجندر بھی میرے نقش قدم پر چلنے لگے۔

چونکہ نر اولاد صرف ایک تھی اور اس کے کاندھے پر مستقبل کا بار پڑنا تھا، وہی وارث تھا، اگر کوئی دوسرا بیٹا ہوتا تو پردادا یقیناً دوسرے کو اپنا جانشین بناتے لیکن وہ اپنی جگہ بہت مجبور تھے۔

دادا کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا لاڈلا بیٹا عیاشی اور شراب کباب میں پڑ چکا ہے۔ ان معلومات نے پردادا

کی رات کی نیندیں حرام کر دیں، وہ ایسے ہو گئے جیسے کہ انگاروں پر لوٹ رہے ہوں، انہوں نے بہت کوشش کی کہ بیٹے کی عیاشی اور شراب کباب کی لت چھوٹ جائے مگر پردادا کی ساری کوشش اکارت گئی۔

خاندان کے سمجھدار لوگوں کے سامنے انہوں نے اس مسئلے کو رکھا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ جلد از جلد اس کی شادی کر دیں لہٰذا دادا نے دیر نہیں لگائی اور خاندان کی ایک بہت ہی سندر لڑکی سے رشتہ طے کر دیا۔

شروع میں تو بہت ٹال مٹول کیا مگر باپ کے حکم کو زیادہ دنوں تک ٹال نہ سکے اور پھر یہی سمجھا کہ باپ کی بات مان لینا ہی عقل مندی ہے۔

بڑی دھوم دھام سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور پھر تھوڑے دنوں بعد ہی شادی ہو گئی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ ایسی شادی انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی سنی تھی۔ وہ ایک مثالی شادی تھی روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا ایک مہینہ پہلے ہی سے گاؤں کے سارے لوگوں کے لئے کھانے پینے کا سارا انتظام حویلی والوں کے سپرد تھا۔

رات دن ایک سے ایک کھانا پکتا اور لوگ مزے مزے سے کھاتے یہی نہیں بلکہ پورے گاؤں والوں کو شادی کے جوڑے دیئے گئے، ہر شخص کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی، گاؤں میں کوئی بھی چہرہ ایسا نظر نہیں آتا جو دمکتا ہوا نظر نہ آتا ہو۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر شخص ایسا محسوس کرتا تھا کہ اس کے اپنے گھر میں شادی ہو رہی ہے۔

یہ بھی سنا ہے کہ پردادا علم والوں کے بہت قدر دان تھے، چاہے دنیاوی علم یا پھر مذہبی علم ہر کسی کی بہت قدر کرتے تھے، خاص طور سے پنڈت اور سادھوؤں کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسے لوگ بہت گیانی دھیانی ہوتے ہیں انہیں خوش رکھنے سے گاؤں میں خوشحالی رہتی ہے۔

بیٹے کی شادی کے چند ماہ بعد پردادا پرلوک سدھار گئے جب ان کے مرنے کی خبر گاؤں میں پھیلی تو جیسے پورے گاؤں بلکہ پاس پڑوس کے گاؤں میں صف ماتم بچھ گئی۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، ایسا لگتا تھا کہ ان کے گھر کا فرد اس دنیا سے چلا گیا ہے۔

پردادا کو چتا کے حوالے کر دیا گیا۔ چتا کی جگہ پر لاکھوں لوگوں کا ہجوم تھا، کوئی ایسی آنکھ نہ تھی جس میں آنسوؤں کی لڑی نہ لگی ہو۔ بہر حال پردادا سورگ باشی ہو گئے۔

مہینوں تک گاؤں کے لوگ سوگ مناتے رہے، بقول لوگوں کے ہر طرف ویرانی کا دور دورہ تھا، لوگ پردادا کی باتیں کر کے اکثر رونے لگتے تھے، ان کی اچھائیوں کا کوئی بدل نہ تھا، دور دراز کے گاؤں سے کوئی بھی آتا اور جب وہ سنتا کہ ٹھاکر رنجیت کا دیہانت ہو گیا تو وہ دانتوں میں اپنی انگلیاں داب لیتا اور اس کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگتی۔

آہستہ آہستہ ڈاک بنگلے ویران ہوتے چلے گئے، گاؤں والوں کی خوشیاں ماند پڑتی گئیں، لوگوں کے دلوں میں خوشی باقی نہ رہی، ٹھاکر راجندر سنگھ وارث تھے وہ بھی اکلوتا۔

چند مہینے نہیں گزرے کہ انہوں نے اپنا رنگ دکھلانا شروع کر دیا، گاؤں کے لوگ اچنبھے میں پڑ گئے۔ کسانوں پر سختیاں شروع ہو گئیں، لگان کے معاملے میں کھلے عام ظلم و زیادتی ہونے لگی، لوگوں کو سر عام ننگا کیا جانے لگا۔

گاؤں کی جوان لڑکیوں اور خوب صورت عورتوں کی عزت محفوظ نہ رہی۔ کئی ناریوں نے تو اپنی عزت لٹ جانے پر آتما ہتھیا کر ڈالی۔ عورتوں نے اپنے گھروں سے بغیر مجبوری کے نکلنا بند کر دیا۔

راجندر سنگھ کے گرد بدمعاش اور اوباش جوانوں کا ٹولہ بڑھتا گیا۔ اوباش اور اوچھے لوگ گاؤں میں دندناتے پھرنے لگے۔ جس نے بھی ذرا بھی شکایت کی اس کی کھال کھینچ دی گئی۔

رات رات بھر شراب کباب کی محفلیں عروج پر رہتیں، حویلی سے تھوڑی دور پر عیاشی کے لئے ایک خوب صورت مکان بنایا گیا جو کہ خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ پوری رات اس جگہ سے ناچ گانے کی آوازیں آتی تھیں۔

سنا ہے کہ بڑے بڑے شہروں سے ناچنے والی اور داد عیش دینے والی عورتیں آنے لگیں جو کہ ہفتوں اس مکان میں ٹھہرتی تھیں۔ گاؤں کا کوئی بھی ایسا فرد نہ تھا جو راجندر سنگھ سے بے زار نہ تھا۔

لوگ پردادا کو یاد کر کے روتے تھے، بھگوان کے آگے گڑگڑاتے تھے کہ اے بھگوان تو نے یہ کیا بے رحم اور ظالم شخص کو ہم پر مسلط کر دیا۔ جتنی جلدی ہو سکے اس ظالم کو نرک میں پہنچا دے۔

شادی کے دو سال بعد میرے پتا پیدا ہوئے، نام ان کا بلونت رکھا گیا۔

حویلی میں خوشیاں منائی گئیں، لوگوں نے دعائیں دیں، بھگوان کے آگے سر ٹیکنے لگے کہ بھگوان تو اس بچہ کو رحم دل بنانا، یہ لوگوں سے پیار کرنے والا ہو، اپنے دادا ٹھاکر رنجیت سنگھ کا نام روشن کرے، دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھے۔

بھگوان یہ ہم سب کا اوتار ہو، اس کے دم سے ہر طرف خوشی ہی خوشی نظر آئے، اس کے دور کو سکھ شانتی کا دور بنا دے، لوگوں نے اپنے گھروں میں اصلی گھی کے چراغ جلائے، میرے پتا کی پیدائش پر۔ لوگ مندروں میں جا کر میرے پتا کی سکھ شانتی کے لئے بھگوان کے چرنوں میں چڑھاوے چڑھائے، ناریل پھوڑے، پرشاد بانٹے، مندر کے پنڈت سے پرارتھنا کرواتے۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ گاؤں میں ویرانی چھانے لگی۔ آہستہ آہستہ لوگ اس علاقے کو چھوڑ کر نہ معلوم جگہ پر جانے لگے۔ کیونکہ اب اس علاقہ میں سکھ شانتی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

کھیت کھلیان اجڑتے گئے۔ تباہی و بربادی نے ڈیرہ جمانا شروع کر دیا۔

مندر میں ایک بہت گیانی دھیانی پنڈت تھے۔ وہ اکثر لوگوں کو شانت رہنے کے لئے کہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ "وہ دن دور نہیں جب راجندر پل پل شانتی کے لئے ترسے گا۔"

سنا ہے کہ پنڈت جی کی ایک لڑکی تھی جو کہ سندرتا میں اپنا مقابلہ نہیں رکھتی تھی، کم عمر مگر سیانی تھی، اس نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو دیکھنے والے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔

دیکھنے والوں کی نظریں اس پر ٹک جاتی تھیں، اس کی اٹھان اور سراپا اس قدرت غضب کا تھا کہ ہر عمر کا بندہ چاہے عورت ہو یا مرد دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اور اکثر یہ کہہ دیتے تھے۔ "ایشور اس کا رکھشا کرے۔"

مندر کے بڑے پنڈت کی دمی تھی، موج مستی میں رہتی تھی، مندر کا سارا چڑھاوا گھر میں آتا تھا، دان دکھشنا کی کمی نہیں تھی، اور بھائی بہن تھے نہیں، گرم اور تر مال کھا کھا کر وہ الھڑ بن گئی تھی، سرخ و سفید رنگت کی مالک اٹھلاتی ہوئی باغ میں جھولے پر دیگر سکھیوں کے ساتھ نظر آتی تھی۔ گداز اور کسمساتا ہوا جسم لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ مجال ہے کہ ہر دیکھنے والا اس کے سندرتا میں نہ کھو جاتا ہو۔ بلکہ اس کے سندرتا کے لئے کہا جا ہے۔

"تیرے بھیگے بدن کی خوشبو سے فضائیں بھی ہوئیں مستانی۔"

اس کا نام تھا "سندری"

اور پھر ایک دن صبح ہی صبح پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ گاؤں کے بڑے کنوئیں میں گر کر سندری نے آتما ہتھیا کر لی تھی۔ سارا گاؤں دل پکڑ کر رہ گیا۔ کسی کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ سندری نے اپنی اچھا اور خوشی سے آتما ہتھیا کی ہوگی۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ ہر وقت خوش رہنے والی، ہر وقت کھلکھلانے والی، ہر وقت دوسروں کے ہونٹوں

پر مسکان بکھیرنے والی، رونے اور سسکنے والوں کو ہنسانے والی، دوسروں کے دلوں کو گرمانے والی، پل پل قہقہہ لگانے والی، دوسروں کے دکھ میں ساتھ دینے والی، دوسروں کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے والی، بچوں میں بچہ اور نوجوانوں میں جوان بن جانے والی، ہوش و شعور کی باتیں کرنے والی، دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والی، سندری آتما ہتھیا کر ہی نہیں سکتی۔ خیر سندری کا کریا کرم کر دیا گیا

-

ابھی لوگ سندری کے غم کو بھولے نہیں تھے کہ ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ سندری کے باپو پنڈت شنکر جی کو گاؤں کے بڑے میدان میں ایک چبوترے پر ایک کھمبے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

میرے دادا راجندر سنگھ کے حکم پر ایسا کیا گیا تھا۔

دو بدمعاش شرابی ان کے قریب تھے جن کے ہاتھ میں کوڑے تھے۔ وقفے وقفے سے وہ پنڈت جی کو کوڑے مار رہے تھے۔

گاؤں کے کسی فرد میں ہمت نہیں تھی کہ وہ راجندر سنگھ کے حکم کے آگے اپنی زبان کھولے۔

پنڈت جی کو اس حال میں دیکھ کر لوگ سکتے میں تھے، دماغ مفلوج تھا، آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں، رگوں میں لہو منجمد ہو گیا تھا کیونکہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ مندر کا سب سے بڑا پجاری جسے ہر آدمی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ گاؤں میں کوئی ایسا نہ تھا جو کہ پنڈت جی کی تعریف نہ کرتا تھا۔

پنڈت جی بہت پہنچے ہوئے گیان دھیان والے تھے۔ کبھی بھی کسی کو بھی پنڈت جی سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ سب کے دکھ میں پنڈت جی آگے آگے رہتے تھے۔ لوگ پنڈت جی کی بہت بہت عزت کرتے تھے۔

میرے پردادا ٹھاکر رنجیت سنگھ ان کی بہت عزت کرتے تھے، اور وقتاً فوقتاً انہیں اپنے پاس بلا کر پیچیدہ مسائل میں مشورہ بھی کرتے تھے۔ دادا جی پنڈت جی کو بہت نوازتے رہتے تھے۔ کوئی بھی کام پنڈت جی کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے۔

اور آج پنڈت جی کے ساتھ ایسا انیائے ہو رہا تھا۔ دادا راجندر سنگھ کے حکم پر لوگوں سے سنا ہے کہ جب میرے پتا کو اس انیائے کا پتا چلا تو وہ دادا کے پاس آئے اور بولے۔ ”پتا جی پنڈت جی کے ساتھ انیائے ہو رہا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ آپ حکم کریں کہ آپ کے پالے ہوئے بگڑے لوگ پنڈت جی پر ظلم کرنا چھوڑ دیں۔“

یہ سن کر دادا جی بولے۔ ”بلونت تمہیں کوئی ادھیکار نہیں کہ میرے سامنے اپنی زبان کھولو۔ میں تم سے بہتر جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

تم میرے سامنے سے چلے جاؤ، اور میرا یہ حکم ہے کہ آئندہ کبھی بھی کسی معاملے میں میرے سامنے آ کر اپنی رائے مت دینا...... اس وقت میرے سامنے سے چلے جاؤ۔“

یہ سننا تھا کہ میرے پتا جی بپھر گئے، طیش میں آ گئے اور پاؤں پٹختے ہوئے ان کے سامنے سے ہٹ گئے۔

پتا جی سیدھے اس میدان میں آئے جہاں پنڈت جی کو باندھ کر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔ چبوترے پر چڑھ کر پتا جی نے ان بدمعاشوں سے کوڑے چھین لئے اور پنڈت جی کے قریب ہو کر پنڈت جی کو مخاطب کیا۔

پنڈت جی نے اپنی بند آنکھیں کھولیں اور بولے۔ ”بلونت تو آ گیا۔“

پنڈت جی کی حالت بہت ابتر تھی۔ ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، وہ مرنے کے قریب تھے، ان کی آواز اٹک اٹک کر نکل رہی تھی۔

اچانک پنڈت جی کو طیش آ گیا، ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

ان کے پورے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی، ان کی بپھری ہوئی آواز سنائی دی۔

”راجندر سنگھ تو نرک میں جائے گا، تو ساری

زندگی سکھ شانتی کے لئے ترسے گا، کسی پل کہیں بھی تجھے شانتی نہیں ملے گی۔ چتا میں جلنے کے بعد بھی تیری آتما بیاکل رہے گی، ہر پل تیری آتما چیخے گی چلائے گی، میں تجھے شراپ دیتا ہوں، سندری کا قاتل بھی تو ہے۔

میری آتما تیری آنے والی نسل سے بھی انتقام لے گی۔ تیری نسل سکھ شانتی کے لئے ترسے گی، کوئی رات ایسی نہیں ہوگی جس میں چین ملے۔''

''اور یہاں تک بول کر پنڈت جی کی گردن آگے کو ڈھلک گئی۔''

پنڈت جی کی آتما ان کا شریر چھوڑ چکی تھی۔

گاؤں میں رہنے والوں کی آنکھیں رو رو کر سوج گئیں۔ گاؤں والوں کے لئے پنڈت جی کی موت نا قابل برداشت تھی۔ سب نے اپنے سر اور سینے پیٹنا شروع کر دیا کئی دن تک لوگوں کے گھروں میں بے چینی پھیلی رہی، بہتوں لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

لوگوں کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ سب لوگ مل کر راجندر سنگھ کی تکا بوٹی کر دیتے، ہر باشعور آدمی انہیں شراپ دینے لگا تھا۔

گاؤں والوں نے مل کر پنڈت جی کا کریا کرم کر دیا۔

پنڈت جی کی دیہانت کے بعد جب اماوس کی رات آئی تو جیسے گاؤں میں ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی پورا گاؤں لرزنے لگا۔

ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ دن بھر بارش برستی رہی تھی اور شام ہوتے ہی موسلا دھار بارش رک گئی مگر بوندا باندی ہوتی رہی۔

اچانک سینکڑوں کی تعداد میں کتے اور بلیوں کے رونے کی بھیانک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شروع میں آوازیں ہلکی تھیں لیکن سمے کے ساتھ ساتھ ان آوازوں نے پورے گاؤں کو لرزا کر رکھ دیا۔ ان آوازوں نے گاؤں کی گلیوں اور دیگر جگہوں پر تہلکہ مچا دیا۔ آوازیں اس قدر خوفناک اور بھیانک تھیں کہ گاؤں کا ہر فرد سہم کر رہ گیا۔

وہ آوازیں گھروں سے باہر تھیں لیکن حویلی میں ایسا نہیں تھا۔ وہ آوازیں حویلی کے ہر کمرے سے آنے لگی تھیں۔ سونے سے ہر کوئی جاگ گیا۔ ہر کمرے کو دیکھ لیا گیا مگر کمروں میں ایک بھی کتا بلی یا ان کا کوئی بچہ تک نہ تھا۔

حویلی کا ہر باسی بھیانک آوازیں سن کر خوف سے لرز رہا تھا۔ کچھ پر تو کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ دادا جی غصے سے کانپنے لگے تھے ہاتھ میں بندوق لئے ہر کمرہ دیکھ ڈالا مگر بے سود۔ اوپر سے نیچے تک تین منزلہ حویلی لرزنے لگی تھی۔ کتے اور بلیوں کی خوفناک بھیانک آوازیں کہ جیسے تمام کتے اور بلیاں مل کر آہ وزاری کر رہے ہوں، صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ سب بہت ہی کرب واذیت سے دوچار ہیں اور اسی کے تحت بین کر رہے ہیں۔

دادا جی نے تمام ملازموں کو اکٹھا کر کے حکم دیا کہ ''حویلی کے اردگرد دیکھیں کہ یہ جانور ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' تمام ملازم سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے مگر انہیں ایک بھی کتا یا بلی نہیں ملا۔

ملازموں کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''آج تو گاؤں میں موجود کتے اور بلیاں بھی غائب ہیں ایسا لگ رہا کہ ان کو زمین نگل گئی ہو۔

گاؤں کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ بیاکل تھا، اس سے پہلے گاؤں میں ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ ضرور ہوتا تھا کہ کبھی کبھار عام حالت میں کوئی کتا یا پھر بلی روتے ہوئے ملتے تھے۔ حالات کے پیش نظر دادی نے دادا سے کہا۔

''آپ ملازموں کو باہر دوڑا رہے ہیں جبکہ ہمارے ہر کمرے کی در و دیوار سے یہ آوازیں نکل رہی ہیں۔ یہ ایسا لگ رہا ہے جیسے پورے گاؤں پر کوئی جان لیوا خوفناک مصیبت آن پڑی ہے، ایسا تو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، اور نہ ہی کبھی کسی سے ایسا سنا ہے، ضرور کوئی بہت بڑی مصیبت ہے۔''

گھر کے سارے افراد ہال کمرے میں سہمے ہوئے موجود تھے، دادا سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ بیک

وقت وقفہ وقفہ کے کتے اور بلیوں کے رونے کی آوازیں دل کو دہلا رہی تھیں۔ اور یہ سلسلہ صبح اندھیرا چھٹنے تک جاری رہا۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی سارا گاؤں اٹھ کر حویلی کے سامنے جمع ہو گیا۔ ہر شخص کہہ رہا تھا۔ ''ٹھاکر صاحب رات پھر ہم پر جو مصیبت ٹوٹی ہے وہ کیا ہے؟''

دادا جی اپنی جگہ حیران پریشان تھے ان کے پاس گاؤں والوں کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ پوری رات وہ خود اور حویلی والے سارے ان آوازوں سے پریشان رہے تھے۔

آخر تھک ہار کر وہ بولے۔ ''تم لوگ شانت ہو جاؤ میں کسی سیانے سے رابطہ کرتا ہوں یہ معاملہ میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔ گاؤں والوں اگر تم کسی سیانے یعنی کسی پہنچے ہوئے پنڈت یا سادھو مہاراج کو جانتے ہو تو اسے ہمارے پاس لے کر آؤ۔

یہ ایسا معاملہ ہے جو بدھی میں نہیں آ رہا ہے۔'' دادا جی بولے۔

گاؤں کے چند افراد ترنت قریب و دور کے گاؤں کی طرف بھاگے۔ دوپہر تک ان لوگوں نے کئی پنڈت اور سادھوؤں کو اپنے ساتھ لے کر آ گئے۔

کئی سیانوں نے اپنے علم کے زور سے بتایا کہ ''یہ کسی بھٹکی ہوئی آتما کا چکر ہے اس آتما نے ایسا کیوں کیا ہے، وہ آتما کیا چاہتی ہے، وہ آتما کون ہے؟ اور پھر اس کو وش میں کیسے کیا جا سکتا ہے یہ ہمارے لئے کٹھن ہے؟

وہ آتما بہت شکتی شالی ہے، اس کا مقابلہ ہمارے بس سے باہر ہے۔''

''دادا جی نے کہا۔'' آپ لوگ کوئی اپائے ڈھونڈو کہ وہ آتما آئندہ کبھی کچھ اور نہ کرے، آپ لوگ یہ پتا لگاؤ کہ وہ آتما ہے کون؟

آپ لوگ دھن دولت کی چنتا نہ کرو، چاہے جتنا خرچ ہو جائے ہم خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں۔''

دادا جی کی باتیں سن کر سب نے انکار کر دیا اور صاف واضح الفاظ میں بتا دیا ''اس آتما کو ہم وش میں نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آئندہ وہ آتما کیا کرے گی؟ ہم اس کام سے معافی چاہتے ہیں اور ہم لوگ جا رہے ہیں۔''

گاؤں والے یاس دھری سے دادا جی کو دیکھنے لگے اور پھر ان میں سے چند بزرگ آگے بڑھے اور دادا جی کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ''مائی باپ ہم تو مجبور ہیں، آئندہ ایسا کچھ ہوا تو ہم گاؤں چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے کیونکہ وہ آتما ہم سب کی جان لے کر رہے گی، ہم اور ہمارے گھر والے تو ویسے ہی ڈر سے کانپ رہے ہیں۔''

تمام پنڈتوں اور سادھوؤں میں سے ایک عمر رسیدہ پنڈت آگے بڑھا اور بولا۔ ''ٹھاکر صاحب میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، بات دراصل یہ ہے کہ میری معلومات اور میرے علم کے مطابق ایک آتما نہیں بلکہ بے شمار آتمائیں اکٹھی ہو گئی ہیں، اگر ایک ہوتی تو اس کا کوئی اپائے ہو سکتا تھا مگر چونکہ وہ آتما بہت زیادہ شکتی شالی ہے اور وہی آتما سب سے آگے آگے ہے۔

جان کی امان پاؤں تو ایک اور اہم بات ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو آگے کی کہوں۔''

دادا جی کے سامنے کوئی حل نہیں تھا، ان کی اکڑ میں نرمی آ گئی تھی مگر پھر بھی دکھلاوے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ باقی تھی۔

دادا جی بولے۔ ''مہاراج آپ بول دیجئے اور اگر آپ کے پاس کوئی اپائے ہو تو وہ بھی بتلا دیں۔ آپ بلا جھجک کہیں۔''

وہ پنڈت آگے بڑھا اور بولا۔ ''حضور وہ آتما آپ اور آپ کے پریوار سے انتقام لینا چاہتی ہے، اب آپ کے لئے کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ آپ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کر سکیں، وہ آتما کیوں آپ کا اور آپ کے پریوار کا دشمن بن گئی ہے اور پھر یہ بھی اچنبھے کی بات ہے

کہ سینکڑوں کی تعداد میں اور بھی آتمائیں ایک جگہ کیسے اکٹھی ہوگئی ہیں بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ ایک آتما سب کی سردار بن گئی ہے۔ یہاں پر آکر میرا علم آگے جانے سے رک جاتا ہے۔

آپ اپنے پریوار کو بچانے کی فکر کریں اور اس کے لئے میرا مشورہ ہے کہ سارے گھر والوں کو اس حویلی سے دور کردیں تو کچھ بہتری ہوسکتی ہے۔''

سارے سادھو اور پنڈت چلے گئے۔ گھر کے لوگ سہمے ہوئے بھگوان بھگوان کرنے لگے تھے۔ داداجی پر خاموشی طاری ہوگئی تھی، ہر وقت کھوئے کھوئے نظر آتے اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ اپنے آپ سے بیزار ہوتے گئے۔ ان کے چہرے پر ہر پل خوف کا سایہ نظر آنے لگا تھا۔

اماوس کی رات میں جو کچھ بھی ہوا تھا، اس رات کے بعد ایک ہفتہ تک کچھ اور نہ ہوا، پریوار والے سکھ شانتی سے رہنے لگے تھے مگر داداجی کے چہرے پر برابر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ اپنے کمرے سے بھی بہت کم نکلتے تھے۔

ٹھیک آٹھویں رات کا اندھیرا چھاتے ہی پھر وہی کچھ ہوا جیسا کہ اماوس والی رات میں ہوا تھا۔ مگر ایک فرق تھا، اس رات گاؤں والے سکھ شانتی سے رہے کیونکہ پورے گاؤں میں کوئی ایسی آواز سنائی نہیں دی تھی جس سے گاؤں کا ایک گھر بھی پریشان ہوتا۔

کتے بلیوں کی خوفناک بین صرف حویلی تک محدود تھی۔ رات کا ہر اک پل حویلی والوں پر اذیت کا پہاڑ بن کر ٹوٹنے لگا۔ سارا پریوار بڑے ہال کمرے میں سہما ہوا جیسے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

آوازیں اس قدر بلند تھیں کہ جیسے کان پھٹے جارہے تھے، بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے تھے۔ بھیانک آوازیں اور پھر اوپر سے بچوں کی چیخ و پکار نے اور بھی پریشان کردیا تھا، خیر بھگوان سے پرارتھنا کرتے کرتے صبح کا اجالا پھیلا تو یک دم تمام آوازیں بند ہوگئیں۔

صبح کے وقت پتا چلا کہ ان آوازوں کے متعلق تو گاؤں والوں کو کچھ بھی پتا نہیں، کسی نے بھی کوئی ہلکی آواز بھی نہیں سنی، اور یہ بہت اچنبھے کی بات تھی۔ رات بھر بین کرنے کی خوفناک آوازیں نرک جیسی اذیت ڈھاتی رہیں اور حویلی سے باہر کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

اور پھر وقفے وقفے سے حویلی میں اس قسم کے واقعات ہونے لگے کمروں میں کبھی زہریلے سانپ پھنکارتے ہوئے نظر آتے کبھی بھیڑیوں کی آوازیں تو کبھی دیگر درندوں کی آوازیں، کبھی قہقہے اس طرح کے جیسے سینکڑوں لوگ مل کر قہقہہ لگا رہے ہوں۔ کبھی رونے سسکنے کی آوازیں، کبھی ایسا لگتا کہ رات بھر لوگوں کو ذبح کیا جارہا ہو، کتے اور بلیوں کی آوازیں تو اکثر آتی رہتی تھیں مگر تمام کی تمام آوازیں حویلی تک ہی محدود رہتی تھیں۔

ایک دن دادا جی نے میرے پتا کو حکم دیا۔ ''بلونت جتنی جلدی ہوسکے یہ حویلی تم لوگ چھوڑ کر دوسری حویلی میں شفٹ ہوجاؤ۔

تمہارے ساتھ تمام پریوار جائے گا۔ بیٹا اس میں دیر نہ لگاؤ، میں اصل حقیقت کو جان چکا ہوں، یہ حقیقت بڑی کڑوی ہے۔

اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ میں بتانے سے قاصر ہوں اور امید ہے تم لوگ پوچھوگے بھی نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اگر تم لوگ جلدی یہاں سے نہیں گئے تو بیک وقت کئی جانیں ختم ہوجائیں گی۔

تم لوگ میری جان کی پرواہ نہ کرو، اور یہ اٹل حقیقت ہے کہ میری جان جا کر ہی رہے گی مگر میں چاہتا ہوں کہ اب میرا پریوار اس اذیت ناک حالات سے دوچار نہ ہو۔''

یہ سن کر میرے پتاجی بولے۔ ''پتاجی! آپ یہ کیسی انہونی بات کررہے ہیں؟''

''ہاں پتر! یہ حقیقت ہے، میری جان کسی قیمت پر بھی نہیں بچے گی اور میں نہیں چاہتا کہ میرے پریوار میں سے کوئی نقصان اٹھائے۔'' داداجی بولے۔

"پتا جی! آپ اصل بات تو بتائیں کہ یہ سب کیا بنے اور کیوں ہے؟"

"پتر یہ تم نہ پوچھو تو بہتر ہے اور نہ ہی میں تمہیں یہ بتا کر اور پریشان کرنا چاہتا ہوں۔ آگے میری بات غور سے سنو اور اسے گرہ میں باندھ لینا۔

تم اس کوشش میں رہنا کہ کوئی شکتی شالی ملے تا کہ ہمارے پریوار کو تحفظ دے، جو آتما ایسا کر رہی ہے وہ یہ ہونے نہیں دے گی کہ تم کسی بلوان شکتی وان سے رابطہ کرو، مگر تم اس کوشش میں رہنا، جب تک وہ آتما ختم نہ ہوگی، پریوار سکھ شانتی سے نہیں رہ سکے گا۔ لیکن اس حویلی کو فوراً چھوڑ دو یہ میرا حکم ہے۔"

"ٹھیک ہے پتا جی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر میری بھی اب یہی مرضی ہے کہ ہم سب سکھ شانتی سے رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی شانتی ملے۔"

"پتر تم سب اپنی فکر کرو، تم پریوار کے سب سے بڑے ہو، وارث ہو، تمہارا کام ہے کہ پریوار کو بچالو" دادا جی بولے۔

پتا جی! بہر حال میں آتما وغیرہ کو مانتا تو نہیں ہوں، لیکن آپ کے حکم کے مطابق ہم اسی ہفتے دوسری حویلی میں شفٹ ہو جائیں گے۔" میرے پتا نے کہا۔

"پتر ایک بات کا اور بھی خیال رکھنا، یہاں سے چلے جانے کے بعد دوبارہ اس حویلی کی طرف بھولے سے بھی کبھی نہیں آنا، اور نہ پریوار کے کسی فرد کو اس طرف آنے دینا، یہ بھی میرا حکم ہے۔" دادا جی نے ایک ایک بات پر زور دے کر کہا۔

دوسرے دن سے پتا جی نے سامان وغیرہ دوسری حویلی میں بھجوانا شروع کر دیا۔

گاؤں کے لوگ حیران و پریشان تھے کہ ٹھاکر صاحب اپنے پرکھوں کی حویلی کو چھوڑ کر دوسری حویلی میں کیوں جا رہے ہیں؟ جبکہ وہ حویلی دوسری حویلی سے لاکھ درجے عالیشان تھی۔

اور پھر دوسری رات آگئی، اس رات کتے اور بلیوں کی آوازیں کچھ زیادہ ہی سنائی دینے لگیں۔ خیر رات گزر گئی۔

صبح کے وقت حویلی سے کافی دور ایک میدان میں ایک دل دہلا دینے والا منظر ہم لوگوں کو اور پورے گاؤں والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ منظر اس قدر ہولناک، دہشتناک، خوفناک اور خونی تھا کہ دیکھنے والا دہل کر رہ گیا، لوگوں کی آنکھیں پتھرا گئیں، رگوں میں گردش کرتا ہوا لہو جیسے رک سا گیا، لوگوں کے پورے وجود پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، ہمیں اور گاؤں والوں کو کسی صورت بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

حویلی سے دور میدان میں دادا جی کی لاش پڑی تھی، سنا ہے کہ لاش کی ایسی بھیانک حالت تھی کہ اس سے پہلے بھی کسی نے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی سنا تھا کہ ایسا کسی اور کے ساتھ ہوا تھا۔

اس رات دادا جی اپنے کمرے میں تھے، کسی نے انہیں کمرے سے نکلتے نہیں دیکھا جبکہ ساری رات سارا پریوار ہال کمرے میں جاگ رہا تھا، ان خوفناک آوازوں کے کارن، حویلی کا بڑا گیٹ بند تھا اور پھر یہ کہ بڑے گیٹ پر دو پہریدار رات بھر پہرہ دے رہے تھے۔

دادا جی کس سے اور کیسے حویلی سے باہر اتنی دور پہنچ گئے؟

لاش کی حالت نے ہر دیکھنے والے کو اچنبھے میں ڈال رکھا تھا، لوگ دانتوں میں انگلیاں دبائے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ خوف اور ڈر کی شدت سے ہر کسی کی زبان گنگ تھی بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ کسی کی زبان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ کسی اور سے بات کر سکے یا پھر یہ پوچھ سکے کہ "بھائی یہ کیسے ہو گیا؟"

دادا جی کا مکمل ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ دونوں پاؤں سے لے کر گردن کے نیچے تک سارا گوشت غائب تھا۔ پورے جسم پر گوشت کا ایک ٹکڑا تک نہیں تھا۔ صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ پاؤں سے لے کر گردن تک کی ساری ہڈیاں اپنی اپنی جگہ صحیح حالت میں

موجود تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ تمام ہڈیوں پر سے کسی چھری یا چاقو، سے کھرچ کر گوشت کو الگ کر دیا گیا ہے۔

گردن اور سر بالکل صحیح حالت میں تھے، گردن، چہرہ اور سر پر ایک خراش تک نہیں تھی، آنکھیں ناک کان ہونٹ اپنی جگہ قائم تھے انہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی پھٹی پھٹی سی حالت میں تھیں، آنکھوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ کوئی بہت ہی خوفناک نا قابل برداشت ہیبت ناک شے دیکھ لی ہو۔

اب کوئی یہ بتائے کہ کیا کوئی درندہ ایسا کر سکتا ہے؟

درندہ تو سب سے پہلے کسی کی گردن بھنبھوڑ ڈالتا ہے، جسم کے زیادہ گوشت والے حصے پر پہلے منہ مارتا ہے، اندرونی حصے کی کچھ ہڈیاں مثلاً پسلیاں اور سینے کی ہڈیوں پر گوشت کے چھیچھڑے تو بچے ہوئے نظر آتے ہی ہیں لیکن یہاں تو عقل حیران تھی کہ تمام ہڈیوں پر سے گوشت کسی نوکدار چیز سے کھرچ دیا گیا تھا۔ اور پھر سب سے حیران کرتی بات کہ

گردن، چہرہ اور سر بالکل صحیح حالت میں؟

یہ تو سب کو حیران کرنے والی بات تھی۔ پولیس والے بھی آئے، ان لوگوں نے بھی لاش دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کی بھی عقل حیران تھی، ان لوگوں کا بھی کہنا تھا کہ ”ہم نے بے شمار ایسی لاشیں دیکھی ہیں جنہیں کسی درندہ نے ہلاک کیا ہو مگر ایسی لاش بھگوان...... بھگوان ...... بھگوان سب کی رکھشا کرے۔“

پولیس نے کاغذی کارروائیاں کیں اور کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے چلے گئے۔

داداجی کی ایسی حالت دیکھ کر ایک بھی ایسی آنکھ نہ تھی جس میں نمی ہو، صرف پریوار کے لوگ تھے جو کہ آنسو بہار ہے تھے۔

بہر حال گاؤں کے بزرگوں کے مشورے سے اسی حالت میں داداجی کے انجر پنجر کو چتا کے حوالے کر دیا گیا۔

چونکہ داداجی کا حکم تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس حویلی کو چھوڑ دینا تو پتاجی نے دوسرے دن اپنے پریوار کے ساتھ حویلی کو خیر باد کہہ دیا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

میرے پتاجی کا دیواہ بہت پہلے ہو گیا تھا۔ بھگوان نے یکے بعد دیگرے تین جڑواں بچے دیئے، ان بچوں میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ہم دونوں بھائی پانچویں اور چھٹے نمبر پر ہیں۔

حکیم صاحب آج جو حالت سنیل کی ہے اس حالت میں سالوں پہلے میرے دو بھائی اور دو بہنیں اپنی جانوں سے جا چکی ہیں، بالکل یہی حالت ان کے ساتھ بھی تھی۔ وہ چاروں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہو گئے اور اب سنیل آپ کے سامنے ہے۔

حکیم صاحب ہم پر آپ دیا کریں، سنیل کو مرنے سے بچالیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ سنیل کے بعد یہ آتما میرے پیچھے پڑ جائے، اس آتما کی اچھا ہے کہ ٹھاکر راجندر سنگھ کا پورا پریوار ختم ہو جائے۔

اس کارن وہ حویلی اجڑ کر ویران ہو گئی۔ چونکہ اس حویلی میں کوئی تھا نہیں اور نہ ہی کسی نے پلٹ کر اس کی خبر لی، اس طرح پوری حویلی کھنڈر میں تبدیل ہو گئی۔

آج اس حویلی کا کوئی نام لینے والا نہیں۔

حویلی چھوڑنے کے بعد لوگوں کا کہنا تھا کہ شام کا اندھیرا چھاتے ہی حویلی سے طرح طرح کی بھیانک اور خوفناک چیخ و پکار سنائی دینے لگی تھی اس طرح کی ہیبت ناک آوازیں جسے سن کر جسم و جان پر سکتہ طاری ہو جاتا تھا۔ اور پھر یہ سلسلہ شروع ہوا کہ حویلی کے ارد گرد جو چند گھر ملازموں کے تھے وہ بھی ڈر کر بھاگ گئے۔

آہستہ آہستہ ان حالات کے پیش نظر لوگوں نے اس حویلی کو ”آتما حویلی“ کہنا شروع کر دیا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ پوری حویلی پر آتماؤں کا قبضہ ہو چکا ہے، جتنی بھی آتمائیں حویلی میں ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی بھی بھولا بھٹکا اس حویلی کے گرد نہ پھٹکنے پائے۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی میرے پتاجی ان

حالات کو نہیں مانتے کہ یہ سب بھٹکی ہوئی آتمائیں کر رہی ہیں، بہرحال اب تو وہ بھی سنیل کی وجہ سے ہر وقت پریشان اور بیاکل رہنے لگے ہیں۔

میں ہوں اور میرے ساتھ یہ تین ملازم ہیں۔ ہم چاروں مل کر سنیل کو ہر جگہ لے جاتے ہیں یا پھر کسی کو بلا کر لاتے ہیں۔

حکیم صاحب آپ کی مشہوری اور ہمدردی کا سن کر ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور میں نے جتنا سنا تھا اس سے بڑھ کر میں نے آپ کو پایا، حکیم صاحب ہم پر دیا کریں، میرے پریوار کو بچا لیں اگر رقم کی ضرورت ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، جتنے روپے لگ جائیں میرا بھائی ٹھیک ہو جائے اور اس آتما سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہماری جان چھوٹ جائے۔''

یہاں تک بول کر مہیش خاموش ہو گیا اور سسکنے لگا۔

مہیش کو سسکتے دیکھ کر رُدلوکا نے مہیش کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''مہیش خاموش ہو جاؤ، رونا انسان کو بزدل بنا دیتا ہے ہمت سے کام لو، میری کوشش ہو گی کہ ان آتماؤں سے تم لوگوں کی جان چھوٹ جائے، گھبراؤ نہیں، اس حالت میں تمہیں دیکھ کر سنیل بھی اندر سے مزید ٹوٹ جائے گا۔ آج رات یہاں پر ٹھہرو، کل صبح اپنے گاؤں چلے جانا، اور کسی قسم کی فکر نہ کرنا، بہت جلد میں خود تمہارے گاؤں تمہاری حویلی میں پہنچ جاؤں گا۔

اپنے پتا اور گھر والوں کو خوشخبری دینا کہ وہ گھبرانا اور پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ رہی رقم کی بات تو ہم رقم کے لئے کوئی کام نہیں کرتے، بس تم لوگ ہمارے اور حکیم وقار کے حق میں دعا کرنا۔

تمہاری باتوں اور ساری حقیقت کے پیش نظر میں نے مکمل اندازہ لگا لیا ہے اور سارا کیس میرے سامنے آ چکا ہے۔

کاش تمہارے دادا اپنی نفسانی خواہشوں کے غلام نہ ہوتے لوگوں کی عزت کو عزت سمجھتے، لوگوں سے ہمدردی کرتے، اپنے ظلم و زیادتی کے پہاڑ نہ توڑتے تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔

اسی لئے عقلمندوں نے کہا ہے کہ انسان اپنی طاقت اور جوانی کے زور پر ہر کسی پر ظلم نہ کرے، ناحق کسی کا خون نہ بہائے، اور ظلم کرنے والا کسی بھی صورت بھی بچتا نہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ ظالم وقت کی چکی میں پس جاتا ہے۔

دنیا بنانے والا ظالم کی رسی کو ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے، وہ ظالم کو موقع دیتا ہے کہ ظالم اپنا ظلم چھوڑ کر راہ راست پر آ جائے مگر نفسانی خواہشات کے پروردہ لوگ آخری دم تک اپنے نفس کا غلام رہتے ہیں۔

دولت کے گھمنڈ میں ظالم لوگ غریبوں کو حقیر سمجھتے ہیں، غریبوں کی بہن بیٹیوں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں، رات کی تاریکی میں رعایا کی لڑکیوں کو زبردستی اٹھوا کر ان کی عزت پامال کرتے ہیں،

غریبوں کے پاس طاقت نہیں ہوتی کہ وہ ٹھاکروں کے خلاف آواز بلند کریں۔ اور یہی کچھ تمہارے دادا نے کیا۔'' یہ بول کر رُدلوکا خاموش ہو گیا۔

دوسرا دن اور دوسری رات بھی خیریت سے گزر گئی۔ سنیل پر کسی قسم کا بھی دورہ نہیں پڑا۔ اس کی حالت دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ نوجوان کئی سالوں سے چند گھڑی کی سکھ شانتی کے لئے ترستا رہا ہو گا۔ وہ ہشاش بشاش خوش و خرم تھا۔

مہیش کے چہرے سے بھی خوشی ٹپک رہی تھی۔

رُدلوکا اور حکیم وقار کی تعریف میں قلابے ملانے سے مہیش تھکتا نہیں تھا۔ اس کے دونوں ملازمین بھی بہت خوش تھے۔

تیسرے دن کا سورج طلوع ہوا، وہ لوگ ناشتہ پانی سے فارغ ہو چکے تھے اور اپنے کمرے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ ایک ساتھ رُدلوکا اور حکیم وقار کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں کو دیکھ کر مہیش سنیل اور دونوں ملازم فوراً کھڑے ہوئے اور دونوں کو جھک کر اپنے انداز سے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

حکیم وقار بولے۔ ''سنیل میاں اور سناؤ کیسی

طبیعت ہے کوئی تکلیف یا پھر کسی قسم کی کوئی اندرونی بے چینی تو محسوس نہیں ہوئی۔" حکیم وقار کے ہونٹوں پر ہمدردانہ مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

"حکیم صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں، کوئی تکلیف یا بے چینی محسوس نہیں ہو رہی۔" سنیل بولا۔

"میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت یاب کر دے۔" حکیم وقار بولے۔ پھر وہ مہیش سے مخاطب ہوئے۔ "مہیش یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ کا بھائی اب اپنے اندر بہتری محسوس کر رہا ہے اور یہ بھی خوش آئند ہے کہ دو دن دو راتوں میں کوئی دورہ بھی نہیں پڑا، اب آپ لوگ بیٹھ کر باتیں کریں اور میں چلتا ہوں، ذرا دیگر مریضوں کی بھی مزاج پرسی کر لوں۔"

رودلوکا کی طرف دیکھتے ہوئے حکیم وقار مسکرائے اور بولے "بھئی آپ تو ان کے پاس ہی بیٹھیں گے، اب میں چلتا ہوں ان سے فارغ ہو کر مجھ سے مل لیجئے گا۔" یہ بولتے ہوئے حکیم وقار نے سب سے مصافحہ کیا اور کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

مہیش سنیل اور ملازموں سے رودلوکا بولا۔ "آپ لوگ اپنی اپنی جگہ تشریف رکھیں، تھوڑی دیر میں بھی بیٹھتا ہوں تاکہ چند باتیں میں آپ لوگ کے گوش گزار کر دوں،

مہیش تم سنیل کو لے کر اپنے گاؤں تھوڑی دیر بعد چلے جاؤ، میں نے تھوڑی بہت بندشیں کر دی ہیں، اور مجھے قوی امید ہے کہ تین روز تک سنیل بالکل خیریت سے رہے گا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اپنے دماغ سے یہ نکال دیں کہ وہ آتما اب مزید نقصان پہنچائے گی، میں جب ضروری سمجھوں گا ان تین دنوں میں تو میں فوراً آپ کی حویلی میں حاضر ہو جاؤں گا، تم اپنے گھر والوں کو خوشی کی یہ خبر ضرور سنا دینا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سنیل ٹھیک ہوتا جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ہو گا کہ آئندہ زندگی میں کبھی بھی سنیل یا پھر کسی اور کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آئے گا۔

ساری حقیقت جو کہ ابھی بھی ڈھکی چھپی ہے کھل کر میرے سامنے نہیں آئی، لوگوں سے سنی سنا باتیں تم نے کر دی ہیں۔"

"جی حکیم صاحب! جتنی باتیں میں نے سنی ہیں وہ آپ کو بتا دیں۔" مہیش بولا۔

"اصل راز وہ ہے جو کہ تمہارے دادا نے کسی ک نہیں بتایا ہو گا۔ یہ تو سامنے ہے کہ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کے پیش نظر لوگوں کا ناحق خون بہایا، کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھا، اپنے گاؤں والوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح برتا۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اصل نقطہ کوئی اور ہے اور اس لئے ان کی بھیانک موت ہوئی، اس قدر خوفناک موت سے دوچار ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ جس طرح کے حالات سامنے آئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی موت کے پیچھے اس آتما کا ہاتھ ہے جو کہ اب بھی سنیل کو پریشان کر رہی ہے۔

تم لوگوں کے سامنے اس آتما نے اپنا منہ کھول دیا ہے، اور وہ بضد ہے کہ میں راجندر سنگھ کی نسل کو ملیا میٹ کر کے رکھ دوں گا۔

وہ آتما اور اس کی ساتھی دیگر آتمائیں بھی بہت سرکش ہو چکی ہیں، ان کا غصہ عروج پر ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راجندر سنگھ کے پریوار کے بعد وہ گاؤں والوں کا جینا دوبھر کر دیں۔ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ان آتماؤں کے منہ کو خون کا چسکا لگ چکا ہے۔ جتنا وقت آگے جائے گا یہ آتمائیں اور بھی منہ زور ہوتی جائیں گی۔ اور پھر وہ وقت دور نہیں کہ یہ تمام آتمائیں حویلی کی حدود سے نکل کر قرب و جوار کے سارے گاؤں میں پھیل جائیں گی اور لوگوں کا جینا محال کر دیں گی۔"

"حکیم صاحب یہ تو بہت گھمبیر مسئلہ ہے، اس طرح تو بے شمار لوگ موت کے منہ میں چلے جائیں گے، سارا علاقہ بنجر ہو جائے گا، ہر طرف ویرانی چھا جائے گی، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بے شمار آتماؤں کا خاتمہ ہو

جائے گا، میری بدھی میں تو بالکل بھی نہیں آ رہا ہے۔" مہیش بولا۔

"تم فکر نہ کرو جب ظلم بڑھتا ہے تو اوپر والا کوئی نہ کوئی حل نکال دیتا ہے، ظالم اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے، نظام قدرت اپنی جگہ مسلم ہے، قدرت کے بنائے گئے اصولوں پر چلنے والے دنیا میں فلاح پاتے ہیں اور دنیا سے جانے کے بعد بھی ایسے لوگوں کو لوگ اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں لیکن ظالم کے لئے لوگ اچھی رائے نہیں رکھتے بلکہ ظالم کے مرنے کے بعد بھی لوگ ظالم کے لئے بددعائیں کرتے ہیں۔

زندگی تو وہ اچھی ہے کہ انسان ہر دلعزیز ہو، پیٹھ پیچھے لوگ اس کی تعریف کریں۔" رولوکا بولا

"جی حکیم صاحب! آپ کی ساری باتیں دل کو لگتی ہیں اور ان میں حقیقت ہے دنیا کا ہر انسان ایک دوسرے کے سہارے کا محتاج ہے، کوئی انسان اکیلا ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی آگے بڑھ سکتا ہے، اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ میں اکیلا دنیا فتح کرلوں گا تو کیا یہ ممکن ہے؟" مہیش نے کہا۔

"مہیش تم نے بہت سمجھداری کی بات کی ہے اور یہی حقیقت ہے، انسان کی چار دن کی زندگی ہوتی ہے، کوئی اپنے ساتھ قبر یا چتا میں اپنی دولت نہیں لے جاتا، سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے، پھر اس دھن دولت سے دوسرے عیش کرتے ہیں۔ لیکن کمانے والا پکڑا جاتا ہے وہ نرک کا باسی بن جاتا ہے اور جو لوگ اپنے پیدا کرنے والے کے حکم کو بجالاتے ہیں، انسانوں سے محبت کرتے ہیں، طاقتور ہونے کے باوجود دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے ہیں، ظلم وزیادتی نہیں کرتے دوسروں کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہوتے ہیں وہ سورگ میں اپنا مقام بنا لیتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"بہر حال اب تم لوگ اپنے گاؤں جانے کی تیاری کرو، خوشی خوشی اپنے گھر جاؤ، تین دن کے اندر میں تم لوگوں سے ضرور ملاقات کروں گا۔ اپنے پتا کو بتا دینا کہ دنیا میں بے شمار مخلوقات ہیں جنہیں اوپر والے نے بنایا ہے، کبھی بھی ایسا کچھ سامنے آ جاتا ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی، مگر یقین کرنا پڑتا ہے، اور اگر ہم یقین نہ کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

تم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ سنیل پر کسی بھٹکی ہوئی آتما کا اثر ہے، شروع سے وہ آتما کشٹ دے رہی ہے اور اسی کارن تمہاری دو بہنیں اور دو بھائی اپنی جان سے جا چکے ہیں، بہر حال اپنے پتا کو خوشخبری دے دینا کہ اب بہت جلد سنیل اور راجندر فیملی کی جان اس آتما سے چھوٹ جائے گی۔"

یہ بول کر رولوکا نے چاروں سے مصافحہ کیا اور وہ چاروں، مہیش سنیل اور دونوں ملازم اپنے گاؤں چلے گئے۔

"رولوکا ان سے فارغ ہو کر حکیم وقار کے پاس چلا گیا۔ حکیم وقار اپنے کمرے میں بیٹھے کسی طب کی کتاب کا مطالعہ کررہے تھے۔ رولوکا کو دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔"

"بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ گرم پیو گے یا ٹھنڈا؟"

رولوکا مسکراتے ہوئے بولا۔" درمیانہ"

"درمیانہ کا کیا مطلب؟" حکیم وقار نے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولے۔

"درمیانہ کا مطلب میرے ذہن میں یہ ہے کہ نہ زیادہ گرم ہو اور نہ ہی زیادہ ٹھنڈا۔" رولوکا بولا۔

"بھئی یہ کیسے ہوسکتا ہے، ایک نہ ایک تو ہوگا ٹھنڈا یا پھر گرم۔" حکیم وقار بولے۔

"کیسے نہیں ہوسکتا؟" رولوکا بولا۔" آپ ایسا کریں ایک گلاس پانی گھڑے کا پلوا دیں جو کہ نہ زیادہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ ہی زیادہ گرم۔ کیوں ٹھیک ہے ناں۔"

حکیم وقار یہ سن کر ہنسنے لگے اور بولے۔" واہ بھئی واہ، بہت خوب کہا تمہاری بات میں وزن ہے، یہ بات میری عقل میں آئی نہیں، میں ابھی "درمیانہ" منگواتا ہوں۔" یہ بول کر حکیم وقار نے ملازم کو آواز دی اور ایک نہیں بلکہ دو گلاس ایک خود کے لئے بھی "درمیانہ" لانے

کو کہا۔

ملازم دوڑتا ہوا گیا اور دو گلاس پانی لے آیا۔ دونوں نے پانی پیا۔ پانی پی کر حکیم وقار بولے۔ ”اور سناؤ سنیل والے کیس کا کیا بنا؟“

”سنیل کا کیس بہت گمبھیر اور پیچیدہ ہے، کوئی بھٹکی ہوئی بہت طاقتور روح اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، بلکہ وہ روح اس خاندان کے پیچھے لگ گئی ہے، اس چکر میں کئی جانیں بھی تلف ہو چکی ہیں۔

وہ روح اس قدر طاقتور ہے کہ بڑے بڑے سورماں قسم کے عامل اور پنڈت منہ کی کھا کر بھاگ چکے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ مزید طاقت پکڑتی جا رہی ہے۔ اس روح کے ساتھ سینکڑوں روحیں اور بھی ہیں جو کہ اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ ان روحوں نے حویلی پر مکمل قبضہ کر لیا ہے یعنی اس حویلی کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قرب و جوار کے علاقے پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا ہے، اس علاقے کو چھوڑ کر لوگ بھاگ چکے ہیں۔ تمام روحوں نے مل کر اتنا خوف پیدا کر دیا ہے کہ بڑے سے بڑا دل گردا کا مالک بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جو زیادہ ہٹ دھرمی دکھاتا ہے تو اسے مار کر اس کی روح کو اپنا غلام کر لیتی ہیں۔

میں اس حویلی میں جا کر سب کچھ اپنی نظروں سے دیکھ آیا ہوں۔ وہ روحیں بہت زیادہ بپھری ہوئی ہیں کسی قیمت پر بھی وہ مہیش کے خاندان کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتی ہیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتی ہیں کہ فوراً سب کو ہلاک کر دیا جائے جبکہ ان کی خواہش ہے کہ ہر روز طرح طرح کی اذیت دے کر ہلکان کر دیتا کہ وہ نہ زندوں میں رہیں اور نہ ہی مردوں میں۔

ایک اہم بات آپ کو بتا دوں کہ ”راجندر سنگھ“ کو انہوں نے جس ہیبت ناک طریقے سے مارا تھا، اس کے بعد اس کی روح کو قید کر لیا ہے، ہر روز بلا ناغہ اس پر اس قدر تشدد کیا جاتا ہے کہ کیا بتاؤں، بڑے سے بڑا دل والا بھی راجندر کی چیخیں سن کر دہل جائے، تمام روحیں اس کی روح کو اپنے نرغے میں رکھتی ہیں اور پھر رات ہوتے ہی ایک جشن کا سماں ہوتا ہے، راجندر کی روح تڑپتی ہے، ناقابل برداشت حالت میں چیختی ہے۔

ان روحوں میں ایک سردار ہے جو کہ اس دن سنیل پر سوار ہوئی تھی وہ ہنستے ہوئے بولتی ہے۔ ”ظالم اب کیوں چیخ رہا ہے؟ تو نے کسی پر رحم نہیں کھایا، تو نے اتنے پاپ کئے کہ جس کا کوئی شمار نہیں، بے گناہوں اور معصوم لوگوں کو مار کر مٹی میں دبوا دیا، اور اب چیختا ہے۔

حکیم صاحب میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں راجندر کی روح پر ہونے والی سختی کو بیان کر سکوں۔

غائب ہو کر جب کل کی رات میں حویلی میں داخل ہوا تو، اس روح نے میری موجودگی کو بھانپ لیا، اس نے لاکھ کوشش کی مجھے پکڑنے کی، جب وہ تھک گئی تو اس نے تمام روحوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”کوئی زندہ ہم میں آ گیا ہے، آنے والا شکتی شالی ہے، اے آنے والا، ہم تجھے پرنام کرتے ہیں، ہماری تجھ سے بنتی ہے کہ تو اپنی دنیا میں واپس لوٹ جا اور ہمیں ہماری دنیا میں رہنے دے۔

اے مہان شکتی کا مالک تو ہم سب کو دیکھ رہا ہے مگر ہم تجھے دیکھنے سے قاصر ہیں، میں بھی ایک شکتی شالی آتما ہوں، میں تیری موجودگی کو جان گیا ہوں، اس سے آگے میری شکتی جا نہیں سکتی، ہم پر دیا کر اور یہاں سے چلا جا، تیرا بہت بہت دھنے واد۔“

میں واپس آ گیا، میرے سامنے ساری حقیقت تقریباً آ چکی ہے مگر پھر بھی میں سمجھتا ہوں بہت سی باتیں عیاں نہیں ہوئیں۔ اور جب تک تمام راز سامنے نہیں آ جاتا، اس وقت تک کوئی ٹھوس قدم اٹھانا ٹھیک نہیں۔“ رولوکا نے کہا۔

ان باتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہ کیس بہت الجھا ہوا ہے، اس میں ذرا سا بھی چوک بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔ بہر حال میں ہر روز دعا کرتا ہوں کہ مالک کائنات

تمہیں بہت حوصلہ اور طاقت دے کہ لوگوں کی مدد میں تمہیں کامیابی وکامرانی ملے۔''

''حکیم صاحب یہ اوپر والے کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے ان نیک کاموں میں مدد فراہم کرتا ہے ورنہ میں کس کھیت کی مولی ہوں۔'' رولوکا بولا۔

''مہیش اور سنیل تو چلے گئے، اب اس کے بعد کیا ہوگا، کیا آپ ان کے گھر جائیں گے تاکہ اصل حقیقت جو کہ ابھی سامنے نہیں آیا اس کی جانکاری ہوسکے۔'' حکیم وقار نے پوچھا۔

''میں پرسوں ان کے گاؤں پہنچ جاؤں گا، اور دیگر باتوں کے لئے کوشش کروں گا کہ وہیں پر سارے واقعات کھل کر سامنے آئیں تاکہ اس کی روشنی میں، میں ٹھوس قدم اٹھا سکوا، ویسے بھی وہ لوگ بہت پریشان ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اب یہ معاملہ جلدی سے اپنے انجام کو پہنچ جائے۔

اب چونکہ اس روح کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ کوئی ان کی راہ میں روکاوٹ ڈال رہا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا بیٹھے۔'' رولوکا نے سنجیدگی سے کہا۔

☆.....☆.....☆

رولوکا صبح کے نو بجے پاربتی پور مہیش کے گاؤں پہنچ گیا۔ پورے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے مٹی کے کچے مکانات تھے۔ ایک حویلی تھی جو کہ گاؤں سے چند فرلانگ پرے تھی حویلی اپنی شان وشوکت میں اپنی مثال آپ تھی۔ رولوکا حویلی کے مین گیٹ پر پہنچا تو دیکھا کہ دولٹھ بردار پہریدار چوکس کھڑے تھے۔

''بھائی صاحب مجھے مہیش بابو سے ملنا ہے۔''

رولوکا پہریداروں سے بولا۔

رولوکا کی آواز سن کر دونوں پہریداروں نے بڑے غور سے رولوکا کو دیکھا اور ان میں سے ایک بولا۔

''میاں چلے جاؤ! اس وقت مہیش بابو نہیں مل سکتے، سنیل بابو کی آج طبیعت بہت خراب ہے۔''

''بھائی صاحب میرا نام حکیم کامل ہے، آپ اندر جاکر مہیش بابو کو میرے متعلق بتلادیں۔'' رولوکا بولا۔

ایک پہریدار بولا۔''ارے حکیم صاحب یہاں تو بڑے بڑے حکیم، پنڈت اور دوسرے مہان شکتی والے آئے اور چلے گئے، کسی کی سمجھ میں سنیل بابو کی بیماری نہیں آئی، اور اب آپ کیا کریں گے، ہمارا تو مشورہ ہے کہ آپ کی اسی میں بہتری ہے کہ عزت بچا کر چلے جائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ورنہ اوروں کی طرح آپ بھی ہاتھ ملتے ہوئے چلے جائیں گے۔''

''بھائی صاحب آپ مہیش بابو کو بتا تو دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے نہ بتانے پر، جب مہیش بابو کو پتہ چلے تو وہ آپ لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کریں۔'' رولوکا بہت ہی نرم لہجے میں بولا۔

''حکیم صاحب ہم آپ کے فائدے کی بات کررہے ہیں، اگر آپ اسی طرح ضد کرتے رہے تو کہیں آپ کی بے عزتی نہ ہوجائے، کیونکہ جب سنیل بابو کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو مہیش بابو کیا بلکہ حویلی کے سارے افراد بہت پریشان ہوتے ہیں اور کسی کی بھی نہیں سنتے، چاہے بڑے سے بڑا کام ہی کیوں نہ ہو، اور پھر ہمیں بھی حکم ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے اور نہ ہی کسی باہر والے کا سندیسہ لے کر ہم اندر جاسکتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں، ہمارا تو مشورہ ہے کہ آپ چلے ہی جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' ایک پہریدار بولا۔

رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔''ٹھیک ہے آپ لوگوں کی جیسی مرضی چند منٹ میں انتظار کرلیتا ہوں، اور آپ دونوں دیکھیں کہ آگے آگے ہوتا ہے کیا؟'' رولوکا نے یہ کہا اور ایک طرف بے پتھر کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک ملازم حویلی سے باہر نکلا، یہ ملازم وہ تھا جو کہ سنیل اور مہیش کے ساتھ حکیم وقار کے مطلب میں آیا تھا۔

اس کی نظر جیسے ہی رولوکا پر پڑی تو وہ بھاگ کر

رولوکا کے قریب گیا اور جلدی سے رولوکا کے پاؤں پر جھک گیا اور بولا۔ ''حکیم صاحب آپ!'' یہ بول کر وہ پہریداروں کی طرف پلٹا اور بولا ''اوئے تم نے حکیم صاحب کو بنچ پر کیوں بیٹھا رکھا ہے؟''

ان میں سے ایک بولا۔ ''انہوں نے بولا کہ میرا نام حکیم کامل ہے اندر جا کر مہیش بابو کو بتلا دو کہ حکیم کامل آئے ہیں، اور آج چونکہ سنیل بابو کی طبیعت خراب ہے اور ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ ایسے وقت میں کسی کا سندیسہ لے کر ہم اندر نہیں جا سکتے۔''

''ارے ڈھلو! تمہیں حکیم صاحب کی اہمیت کا پتہ نہیں۔ مہیش بابو تم دونوں کی کھال کھنچوا دیں گے۔''

''حکیم صاحب آپ مہیش بابو سے ہماری شکایت مت کیجئے گا، ورنہ وہ ہماری کھال حقیقت میں کھنچوا دیں گے، اور آپ کو تو معلوم ہے کہ ہم تو حکم کے غلام ہیں ہم نے جو کچھ بھی کیا یہ تو حویلی والوں کا حکم ہے۔''

''خیر آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ میں مہیش سے کوئی شکایت نہیں کروں گا۔'' اور رولوکا نے اندر سے آنے والے ملازم سے بھی کہا۔ ''تم بھی مہیش سے اس بات کا تذکرہ مت کرنا۔''

یہ سن کر وہ ملازم بولا۔ ''ٹھیک ہے جو آپ کا حکم، میں اندر جا کر مہیش بابو سے آپ کی بات کرتا ہوں۔'' وہ فوراً بھاگتا ہوا حویلی کے اندر چلا گیا۔

وہ دونوں ملازم سہمے ہوئے سراسیمہ نظر آنے لگے تھے اور افسردگی سے رولوکا کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رولوکا مسکرایا اور بولا۔ ''آپ دونوں بے فکر ہو جائیں اور گھبرائیں نہیں، آپ دونوں کے متعلق کوئی بھی بات مہیش سے نہیں کروں گا، بلکہ آپ دونوں نے وہی کیا جو اس سے پہلے ہوتا آیا ہے اور پھر آپ کے مالک کا حکم بھی تو یہی ہے۔''

یہ سن کر دونوں رولوکا کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ''آپ کا بہت بہت دھنے واد۔''

جو ملازم مہیش کو بلانے گیا تھا اس کے ساتھ مہیش جیسے دوڑتے ہوئے آیا اور آتے ہی رولوکا سے لپٹ گیا اور بولا۔ ''حکیم صاحب حکم کرتے تو میں گھوڑا گاڑی بھجوا دیتا، آپ نے ہمارے لئے اتنا کشٹ کیا۔'' اور فوراً پاؤں چھونے کے لئے رولوکا کے آگے جھک گیا لیکن رولوکا نے جلدی سے اسے کندھے سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔

رولوکا بولا۔ ''مہیش اس کی ضرورت نہیں، میں نے وعدہ کیا تھا کہ تیسرے دن آ جاؤں گا سو آ گیا، اسے چھوڑو کہ میں کیسے آیا؟ یہ میرا معاملہ ہے، بہرحال میں آ گیا۔''

مہیش رولوکا کو لے کر فوراً اس کمرے میں پہنچا جہاں ایک بہت بڑے پلنگ پر سنیل بے ہوشی کی حالت میں بے سدھ پڑا تھا، لیکن وقفے وقفے سے اس کے منہ سے کربناک آواز نکل رہی تھی۔

کمرے میں کوئی بھی عورت نہیں تھی بلکہ کمرے میں مہیش کے والد ٹھاکر بلونت موجود تھے اور سر پکڑے ایک طرف پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔

رولوکا کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور آگے بڑھ کر رولوکا سے مصافحہ کیا۔ رولوکا جیسے ہی سنیل کے پلنگ کے قریب پہنچا تو سنیل نے جھٹ اپنی آنکھیں کھول دیں اور فوراً اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اور بدلی ہوئی کرخت آواز میں بولا۔ ''اوئے تو یہاں بھی آ گیا۔''

☆☆☆

''تو چلا جا یہاں سے نہیں تو تیرا ستیا ناس ہو جائے گا، تو ہمیں نہ چھیڑ، ہم ویسے بھی بہت ستائے ہوئے ہیں۔ میں تجھے چتاؤنی دیتا ہوں کہ تو یہاں سے فوراً بھاگ جا۔''

کمرے میں موجود لوگ سنیل کی کرخت آواز سن کر دنگ رہ گئے، کہاں تو وہ غنودگی کے عالم میں بے سدھ پڑا تھا اور اب رعب دار آواز سے رولوکا کو بھگا رہا تھا۔

مہیش کے والد سنیل کی آواز اور انداز دیکھ کر دنگ رہ گئے، کل تک تو وہ یہ مان کر نہیں دے رہے تھے کہ سنیل پر کسی آتما کا چکر ہے۔ بلونت رائے کی حالت دیدنی

تھی۔ ان کی آنکھیں اچنبھے سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، ان کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا، وہ سکتے کے عالم میں تھے۔

''او...... بلونت میری بات مان لے اور یہ آدمی جو آیا ہے اسے یہاں سے چلتا کر نہیں تو تیرا پورا پریوار تہس نہس ہو جائے گا......'' سنیل کے منہ سے غصے میں بھری ہوئی آواز نکلی۔

کمرے میں موجود لوگوں نے یہ تو جان لیا تھا کہ سنیل کے منہ سے نکلنے والی آواز سنیل کی نہیں تھی۔ وہ آواز کسی اور کی تھی۔

''میں کہتا ہوں اب بھی وقت ہے ہماری بات تم سب مان لو، اس آدمی کو جو تم لوگ لائے ہو، یہ تم سب کو مروا دے گا، تمہارا سارا پریوار مٹی میں مل جائے گا، ابھی میں سیدھی زبان سے تم لوگوں کو سمجھا رہا ہوں، گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا تو مجھے اپنی انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی......'' سنیل کے منہ سے آواز نکلی۔

''اس بالک کو کوئی بھی نہیں بچا سکتا، اسے ہر حال میں نشٹ کر کے رکھ دوں گا، اس کا اس دنیا سے ناطہ ہر حال میں ٹوٹے گا، ارے جس تکلیف سے ہم لوگوں کو مارا گیا اتنی تو ہم نے تکلیف نہیں دی۔ ٹھاکر راجندر نے کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں برتی، ہوس پرستی میں اس نے کسی کو بھی نہیں بخشا، اپنی من مانی کرنے کے بعد ناریوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اور مٹی میں گڑھا کھود کر دبوا دیا۔

رولو کا نام ہے تیرا، یہ بھی پتہ ہے کہ تو شکتی شالی ہے، میں نے تیرا نام تیرے استھان پر سنا ہے۔ جب اس کو لے کر یہ لوگ تیرے پاس پہنچے تو میں بھی ان سے دور دور حاضر رہا، میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ تو بلوان شکتی کا مالک ہے یہ بھی معلوم ہے، اور میں تجھے یہ بھی بتا دوں کہ میں اکیلا نہیں ہوں میرے پیچھے سیکڑوں آتمائیں ہیں جو کہ تکلیف سے بھری ہوئی ہیں، تو کتنوں کو نشٹ کرے گا، تو اکیلا اور کہاں ہم سینکڑوں ہیں۔

میں نے تجھے بتا دیا ہے، تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے، نہیں تو پچھتائے گا، میں تیرے استھان کو بھی ملیا میٹ کر کے رکھ دوں گا۔

تو نہیں جانتا میرا نام شنکر داس ہے، میں تیری نگری میں آگ لگا کر رکھ دوں گا۔''

سنیل کے منہ سے اس قسم کی آوازیں سن کر سب سے زیادہ ان کے پتا بلونت رائے دنگ تھے، ان کی آنکھیں جیسے ساکت ہو گئی تھیں۔ دیگر لوگ بھی جو وہاں موجود تھے۔ بالکل خاموش سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی شکتی نہیں تھی کہ ایک دوسرے سے بات کرتے۔

سنیل کے پتا بلونت رائے کا ذہن بالکل ہی ماؤف ہو چکا تھا اس لئے کہ آج تک وہ یہ مان کر نہیں دے رہے تھے کہ یہ سارا چکر جو کہ ان کے پریوار کے ساتھ پیش آ رہا ہے وہ آتماؤں کی وجہ سے ہے۔ جتنے پنڈت، یوگی اور سیانے آئے، کچھ نے تو صاف صاف بتا دیا کہ یہ سارا چکر آتماؤں کی وجہ سے ہے۔

ٹھاکر بلونت اپنی ضد کی وجہ سے اب تک اپنے جوان بچوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اب جو یہ دو جوان بیٹے تھے ان میں سے ایک کی حالت موت کے قریب تھی۔ وہ تین سال سے روزانہ رات میں اذیت ناک تکلیف سے دوچار ہو جاتا تھا۔

آج اپنے سامنے سنیل کے منہ سے تمام باتیں سن کر وہ ساکت ہو گئے۔

اتنے سالوں میں پہلی مرتبہ سنیل پر سوار کسی آتما نے اپنا منہ کھولا تھا۔

ٹھاکر بلونت اس آتما کو اچھی طرح جانتے تھے یعنی یہ آتما پنڈت شنکر داس کی تھی۔

پنڈت شنکر داس کو ان کے پتا راجندر نے کس بے دردی سے مروایا تھا۔ جب یہ اس میدان میں پہنچے جہاں شنکر داس کو ستون سے باندھ کر ننگے جسم کو کوڑوں سے نوازا گیا تھا۔ شنکر داس بہت بے حال تھے جب بلونت اس جگہ پہنچے۔

شنکر داس نے ان کے سامنے دم توڑ دیا تھا۔ بلکہ مرنے سے پہلے شنکر داس نے چتاونی دی تھی۔ ''بلونت تو میرا شراپ یاد رکھنا، کسی بھی حال میں ٹھاکر راجندر کا پریوار سکھی نہیں رہے گا، پل پل سکھ شانتی کے لئے ترسے گا۔

ٹھاکر راجندر کے ساتھ بھی وہ عبرتناک واقعہ پیش آئے گا جسے دیکھ کر گاؤں والے اپنا کلیجہ تھام کر رہ جائیں گے اور جب تک راجندر کے پریوار میں ایک بھی منش زندہ رہے گا تو میری آتما اس سے انتقام لیتی رہے گی، اسے سسکا سسکا کر مارے گی، کوئی رات ایسی نہیں ہوگی جس رات سارا پریوار سکھ شانتی سے سوئے گا۔''

اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ٹھاکر راجندر کے ساتھ بھی وہ کچھ ہوا جس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ راجندر کی لاش دیکھ کر ہر شخص ششدر رہ گیا تھا۔ دنیا کی پوری تاریخ میں شاید کسی نے نہ سنا تھا کہ اس طرح کی موت کسی کی آئی ہو جس طرح راجندر کی موت واقع ہوئی تھی۔

ٹھاکر راجندر کی موت کے کچھ عرصہ بعد ہی حالات اذیت ناک ہونے لگے تھے۔ ویسے بھی ٹھاکر راجندر کی موت بڑی دردناک اور خوفناک حالت میں ہوئی تھی۔ گردن سے نیچے پاؤں تک ایسا لگتا تھا کہ جسم کا سارا گوشت اور اندرونی اعضاء الگ کر دیئے گئے ہوں۔ اس طرح کہ کسی تیز دھار آلے یا چھری چاقو سے کھرچ کر گوشت ہڈیوں سے الگ کیا گیا ہو لیکن گردن سے اوپر یعنی سر اور منہ بالکل صحیح حالت میں تھے۔ سر، منہ اور گردن پر ایک خراش تک نہیں تھی۔ دیکھنے والا ہر شخص دہشت سے تھرا کر رہ گیا تھا۔

ٹھاکر راجندر کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابلی ہوئی تھیں۔ سائز میں دوگنی ہوگئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ مرنے سے پہلے انہوں نے بہت ہی ڈراؤنی وحشت ناک اور ناقابل یقین کوئی چیز دیکھ لی ہو جس سے آنکھیں حیرت ناک طور پر اپنے حلقوں سے باہر کو ابل پڑی ہوں۔

سنیل پر سوار آتما شنکر داس کی بولے جا رہی تھی اور کمرے میں موجود ہر شخص انگشت بدنداں تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سنیل کی جسمانی حالت بدلنے لگی اس کے سر کے بال ایسے کھڑے ہوگئے جیسے کہ بال نہیں بلکہ سر میں بڑی بڑی کیلیں لگا دی گئی ہوں۔ چہرہ اپنی اصلی حالت کھو کر بالکل ہی سیاہ پڑ گیا۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے دو دو انچ باہر کو ابل پڑیں اور پھر یہی نہیں بلکہ آنکھوں سے حقیقت میں آگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں جسے لوگوں نے واضح طور پر محسوس کیا۔ ہاتھ پیر اکڑ کر ٹیڑھے ہوگئے اور پھر منہ سے جھاگ نکل کر دور گرنے لگا۔ ایسے جیسے کسی نے منہ میں پچکاری لگا دی ہو۔

رولوکا نے کمرے میں موجود تمام لوگوں کو اشارے سے منع کر دیا کہ آپ لوگ اپنی اپنی جگہ شانت رہیں۔

بیٹے کی اچانک بگڑتی حالت دیکھ کر ٹھاکر بلونت سے برداشت نہ ہوا اور تیر کی طرح بیٹے کی طرف دوڑ پڑے اور پلک جھپکتے ہی بیٹے کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ دونوں ہاتھ پکڑتے ہی انہیں ایک زوردار جھٹکا لگا جیسے کہ عموماً بجلی کا جھٹکا لگتا ہے وہ اس جھٹکے سے اوپر کو اچھلے اور زوردار طریقے سے سامنے والی دیوار سے ٹکرا گئے۔ جب وہ دیوار سے ٹکرائے تو فوراً بدحواس ہو کر دھم سے نیچے فرش پر گر گئے۔ ان کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے، آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

اچانک ان کی حالت دیکھ کر سارے لوگ ان کی طرف لپکے لیکن رولوکا نے سب کو روک دیا کہ کوئی بھی انہیں پکڑے نہیں کیوں کہ جو بھی انہیں پکڑتا تو اس کی حالت بھی ان جیسی ہی ہو جاتی۔

رولوکا آگے بڑھا اور اپنے ہاتھ کی مٹھی بلونت کے پاؤں سے سر تک پھیر کر کھول دی۔ مٹھی کا کھولنا تھا کہ بلونت کسمسا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگے اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے لیکن ان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ

وہ اٹھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہوں، ان کے چہرے سے ان کی جسمانی تکلیف کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''میں نے پہلے ہی منع کردیا تھا کہ کوئی بھی سنیل کے قریب نہ جائے۔''

رولوکا مہیش سے بولا۔ ''اپنے پتا کو سہارا دے کر اٹھاؤ اور لے جاکر دوسرے کمرے میں انہیں آرام سے لٹادو۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھوڑی دیر بعد یہ نارمل حالت میں آجائیں گے۔'' لہٰذا مہیش نے اپنے پتا کو سہارا دے کر اٹھایا اور اسی حالت میں انہیں لے کر اس کمرے سے نکل گیا۔

چند منٹ بعد مہیش کمرے میں داخل ہوا اور رولوکا کا اشارہ پاتے ہی اپنی جگہ ساکت کھڑا ہوگیا۔

سنیل کی حالت ابھی تک سنبھلی نہیں تھی۔ وقفے وقفے سے اس کے منہ سے درندوں جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس اثناء میں ایک خوفناک منظر نظر آیا۔ سنیل کے پورے جسم سے کالا کالا دھواں اٹھنا شروع ہوگیا اور پھر اس دھوئیں نے شعلوں کی شکل اختیار کرلی...... سنیل ان شعلوں میں چھپ گیا۔ شعلے اتنے زوردار طریقے سے بھڑک رہے تھے کہ بڑے سے بڑا دل والا بھی اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھ سکتا تھا لیکن رولوکا نے زوردار آواز سے سب کو اپنی اپنی جگہ کھڑے رہنے کا کہا اور پھر بولا۔ ''آپ لوگ گھبرائیں نہیں یہ سب شنکر داس کے ہتھکنڈے ہیں، یہ ایسی حرکت کرکے سب کو دہلانا چاہتا ہے تاکہ میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں۔''

رولوکا نے دوبارہ شنکر داس کو مخاطب کیا۔ ''شنکر داس تیرے یہ تمام شعبدے اور ہتھکنڈے مجھے مرعوب نہیں کرسکیں گے، میرا مشورہ ہے کہ تو یہ سب چھوڑ کر شانت ہوجا اسی میں تیری بھلائی ہے، چل جلدی کر نہیں تو پھر میرا وار بھگتنے کے لئے تیار ہوجا۔''

یہ سنتے ہی واقعی سنیل کی حالت چند منٹ میں اپنی اصلی حالت پر آگئی۔

جسم سے بھڑکتے شعلے ختم ہوگئے، اس کا چہرہ اپنی پہلے والی پوزیشن پر آگیا۔ سر کے بال صحیح ہوگئے اور منہ سے نکلتے جھاگ بھی ختم ہوگئے۔

ایسا لگنے لگا کہ سنیل کی حالت بالکل ٹھیک تھی، کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

اچانک سنیل کے منہ سے آواز خارج ہوئی۔ ''مہا پرش میں نے تیری بات مان لی اور اب تو بھی میری بات مان لے، تو ہمیں ہماری حالت پر چھوڑ دے۔ میں نے ایک اور آتما کو یہاں بلالیا ہے۔ تو اس کی کتھا سن کہ راجندر نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟''

سنیل کے منہ سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

آواز میں بڑی دلکشی اور حد درجے کا سوز تھا۔ واقعی ایسی آواز تھی کہ وہاں پر موجود لوگوں نے ایسی شیریں آواز پہلے نہیں سنی تھی۔

آواز سنائی دی۔ ''محترم اروحانی طاقتوں کے مالک! اس وقت آپ میرے روبرو ہیں، آپ میری بپتا سن کر خود ہی فیصلہ کریں گے کہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر جو ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، ہمیں تڑپا تڑپا کر مار دیا گیا۔ ہمیں اس قدر اذیت دی گئی کہ مرنے کے بعد بھی ہماری روح ان اذیت ناک تکلیفوں کی کسک محسوس کرتی ہے۔

میرا نام بہار تھا۔ میں دہلی کے بازار حسن میں رہائش پذیر تھی۔ ہمارا جدی پشتی پیشہ مغنیہ کا رہا تھا۔ ہمارے کوٹھے پر بڑے بڑے دولت مند آتے تھے، رات کی تاریکی میں، ان سب سے ہمارا رشتہ صرف ناچ گانے تک محدود رہتا تھا، جہاں میں رہتی تھی وہاں سے پرے ہماری ایک اور جگہ بھی تھی جہاں سے ہندوستان بھر سے لائی گئی خوب صورت ترین لڑکیاں تھیں اور ان کا پیشہ جسمانی داد عیش دینا ہوتا تھا، وہ سب ہماری نگہداشت میں رہتی تھیں، سودا طے ہونے پر عیاش لوگ رات بھر ان کے ساتھ رات گزارتے تھے اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہاں سے نکل جاتے تھے۔ بقول اپنے آپ کے وہ لوگ عزت دار ہوتے تھے، ان کا منشا ہوتا تھا کہ کوئی انہیں

بازار حسن میں دیکھ نہ لے۔

دن کے اجالے میں وہ لوگ پارسا اور عزت دار ہوتے مگر رات کی تاریکی میں عزت و ناموس کے ڈاکو، خیر ہمیں اس سے کیا لینا دینا کہ وہ کتنے عزت دار ہیں، ہمیں تو صرف اپنی طے کردہ رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔

میری خوب صورتی اور حسن کا چرچا دور دور تک تھا اور پھر گلے کی شیریں بیانی، خوش الحانی قدرت کی دین تھی۔ میری آواز سننے اور میرا جھلک دیکھنے کے لئے اچھے اچھے دولت مند، دولت کی تھیلیاں لئے اپنی جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ چھوٹے موٹے دولتیے تو میرے کوٹھے کے سامنے ٹھہرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔

میری شہرت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ جب میں سریلی آواز نکالتے ہوئے ناچنے لگتی تو وہاں پر موجود لوگ حقیقت میں مبہوت ہو جاتے ان کی آنکھیں ایسی نظر آتیں کہ جیسے پتھرا گئی ہوں۔ میرے ایک اش[illegible]ے پر بڑے بڑے نواب نوٹوں کی بوریاں کھولنے [illegible] جاتے تھے۔

[illegible] ہر حال بازار حسن کی ایک ریت ہوتی ہے کہ ایک [illegible] ہر لڑکی کی نتھ اتروائی ہوتی ہے جو سب سے [illegible] ڈز لگاتا ہے اس کے حوالے لڑکی کو کر دیا جاتا ہے۔

ان دنوں میری نتھ اترائی نہیں ہوئی تھی۔ اکثر نواب حضرات ملکہ راجہ مہاراجہ اپنے کارندوں کے ذریعہ پیغامات بھجواتے کہ جتنی رقم چاہئے لے لو لیکن بہار کی نتھ ہم سے اتروائی جائے۔

میری اماں گل بانو پھولے نہیں سماتی تھیں۔ میں ایسی نوخیز کلی تھی کہ مجھے دیکھنے والا دل پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔ ہر آنے والے کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ میری نظروں میں آ جائے۔ اکثر منچلے نوجوانوں کی خواہش ہوتی کہ میں ان کے دام محبت میں گرفتار ہو جاؤں۔

لیکن بازار حسن کی ایک اور بھی مضبوط ریت یہ ہے کہ ہر لڑکی کی نتھ وہ شخص اتارتا ہے جو دولت کی بوری لے کر آتا ہے اور بوری وہی لے کر آتا ہے جو کہ اپنی دولت کا مالک و مختار ہوتا ہے اور مالک و مختار صرف اور صرف جائیداد کا مالک ہی ہوتا ہے اور یقیناً وہ شادی شدہ ہوتا ہے۔ نوجوانوں کے پاس اتنی دولت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے باپ کے محتاج ہوتے ہیں اور محتاج آدمی کے پاس دولت کہاں ہوتی ہے۔ نوجوان تو بازار حسن میں ہم جیسوں کو صرف ناچتے گاتے ہوئے دیکھ کر اپنی آنکھوں کو تراوٹ بخشتے ہیں۔ ناچ ختم ہوتے ہی دل پر ہاتھ رکھ کر آہیں بھرتے ہوئے گردن جھکا کر رفو چکر ہو جاتے ہیں۔

میری اماں اکثر راجہ مہاراجہ نواب اور بڑے بڑے ٹھاکروں کا آڈر بھی پکڑتی تھیں یعنی ہم بازار حسن سے نکل کر ان لوگوں کی جگہوں پر اپنی گائیکی اور ناچ کا فن اجاگر کرنے کے لئے جاتے تھے۔ رات بھر محفل گرم رہتی تھی اور دن کا اجالا پھیلتے ہی ہم واپس آ جاتے تھے۔ اس ایک رات کا معاوضہ اتنا ہوتا تھا کہ اگر ہم ہفتہ دو ہفتہ کوٹھا نہ بھی سجائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور ہم عیش سے رہ سکتے تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان کی ہوس بڑھتی رہتی ہے۔ میری اماں کی ہوس، دولت کے لئے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی تھی۔ میں اکثر کہتی تھی۔ ”اماں اتنی دولت، کیوں جمع کر [illegible]ی ہو، کیا قبر میں لے کر جاؤ گی۔ ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں اگر ہم بازار حسن کو چھوڑ بھی دیں تو [illegible] زندگی اس دولت سے عیش کر سکتے ہیں۔“ لیکن اماں کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔ وہ تو دولت کی پجارن بن چکی تھیں۔

میں اندرونی طور [illegible] اس بازار سے نفرت کرنے لگی تھی۔ ویسے بھی [illegible] ب کوئی لڑ[illegible] جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے تو اس کی خواہش ہو[illegible] ہے کہ اس کی شادی ہو، اسے پیار کرنے والا شوہر ملے، اس کا اپنا کوئی گھر ہو، اس گھر پر اس کی حکمرانی ہو، اس کے بھی اپنے بچے ہوں اور اس طرح خوش و خرم زندگی کی گاڑی چلتی رہے۔

بازار حسن کی یہ بھی ریت ہے کہ آنے والے لوگ

لاکھوں روپے داد عیش دینے والیوں پر نچھاور کر دیتے ہیں مگر وہ لوگ تین بول پڑھوا کر اس لڑکی کو اپنے گھر کی عزت نہیں بناتے جس کے قدموں میں کروڑوں کی رقم ڈال دیتے ہیں۔

ہر جوان ہونے والی لڑکی شادی اور عزت کی آرزو لئے بازارِ حسن میں ہر دولت مند کے ہاتھوں میں کھلونا بنتی رہتی ہے۔

میں بھی اپنی دلی آرزو دل میں دبائے وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ میں اکثر رات میں سوچتی۔ ''کاش! کوئی میری زندگی میں بھی آئے، چاہے وہ مفلس غریب ہی کیوں نہ ہو لیکن عزت و آبرو سے تین بول پڑھوا کر مجھے ڈولی میں بٹھا کر اپنے گھر لے جائے تاکہ میں بھی معاشرے میں گردن اٹھا کر چل سکوں۔''

مگر کسی کی بھی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی اس بازار کی ہر لڑکی کو لوگ طوائف کے نام سے پکارتے ہیں اور اس وجہ سے معاشرہ میں اس لڑکی (طوائف) کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ایک دن ایک شخص آیا اور اس نے میری اماں کو بتایا کہ ''میرے مالک ٹھاکر راجندر سنگھ بہار کا مجرا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہ مجرا ان کی حویلی میں ہوگا۔ خواہش مالک کی ہوگی اور رقم آپ خود طے کرلیں۔''

یہ سن کر اماں کی باچھیں کھل گئیں، اماں کا دماغ اپنی جگہ نہیں رہا چونکہ وہ دولت کی پجارن بن چکی تھیں لہٰذا انہوں نے تصور سے بڑھ کر معاوضہ بتادیا۔ معاوضہ کا سن کر وہ شخص یہ بول کر چلا گیا۔ ''میں آپ کا منہ مانگا معاوضہ کے متعلق اپنے مالک کو جاکر بتاتا ہوں، اگر انہوں نے حامی بھرلی تو میں رقم لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔''

وہ شخص چلا گیا اور اماں کو ہواؤں میں اڑتا چھوڑ گیا۔ اماں کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی وہ خوشی سے پھولے نہیں سمارہی تھیں کیونکہ ایک رات کا مجرا..... اس کے لئے اماں نے لاکھوں کا مطالبہ کیا تھا۔ اماں نے مجھے ہر پہلو سے سمجھایا اور راضی کیا۔

میں نے اماں سے کہا۔ ''اماں یہ میرا آخری مجرا ہوگا، میں کسی کی حویلی میں جاکر اپنے فن کا مظاہرہ کروں۔ آئندہ کبھی بھی مجھے اس طرح کے مجرا کے لئے نہ کہنا، ورنہ میں انکار کردوں گی۔'' لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ میری زندگی کا آخری مجرا ہوگا۔

وہ شخص دوسرے روز خوشی خوشی آگیا اور اپنے مالک کی رضامندی ظاہر کردی اور ساتھ ہی میری اماں کے تصور سے بڑھ کر ایک بڑی رقم ایڈوانس کے طور پر میری اماں کی جھولی میں ڈال دی۔ رقم دیکھ کر اماں کی حالت دیدنی تھی۔

اس شخص نے خواہش ظاہر کی کہ میرے مالک کی خواہش ہے کہ ''یہ محفل آج ہی رات سجنی چاہئے۔ بقایا رقم اور مزید نذرانہ ہمارے مالک رات میں ہی ادا کردیں گے اور ادا کی جانے والی رقم آپ کی سوچ سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔''

اماں نے فوراً رضامندی ظاہر کردی اور پھر زور شور سے جانے کی تیاری ہونے لگی۔ میرے ساتھ محفل کے سازندے ساتھ ہوگئے ایک اور شخص بھی ہمارے ساتھ گیا، وہ بازار کا بارعب شخص تھا جو کہ ہماری دیکھ بھال کے لئے تھا۔

شام سے پہلے ہم روانہ ہوگئے اور چند گھنٹے بعد ہم حویلی میں پہنچ گئے۔ حویلی واقعی قابل دید تھی۔ جب ہم پہنچے تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

حویلی میں ہماری بہت آؤ بھگت ہوئی۔ ہماری سوچ سے کہیں بڑھ کر ہمیں عزت دی گئی۔ ہمیں ٹھنڈا شربت پیش کیا گیا جسے ہم سب نے بہت سیر ہوکر پیا۔ کیونکہ شربت بہت ذائقہ دار تھا۔

شربت پینے کے تھوڑی دیر بعد بہت ہی لذیذ مٹھائی لائی گئی اور ہمارے آگے رکھ دی گئی۔ ٹھاکر صاحب کا اصرار تھا کہ ہم مٹھائی شوق سے کھائیں۔ کیونکہ یہ مٹھائی ٹھاکر صاحب نے ہمارے لئے اسپیشل طریقے سے ماہر کاریگروں سے بنوائی ہے۔

مٹھائی کا ذائقہ واقعی ایسا تھا کہ بیان سے باہر،

لذت اور ذائقہ ہمارے ذہنوں پر چھا گیا۔ ہم سب نے بہت رغبت سے مٹھائی کھائی۔

مٹھائی کھانے کے تھوڑی دیر بعد میرا سر چکرانے لگا، جب میرا سر چکرانے لگا تھا تو یقیناً دوسروں کا سر بھی چکرانے لگا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔

ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا تھا۔ ہم پر زبردست غنودگی طاری ہوگئی اور ہم ہوش سے بیگانہ ہوگئے۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں بہت نڈھال تھی۔

میری ایسی حالت نہیں تھی کہ میں آزادانہ طور سے اٹھ بیٹھوں۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا چکا تھا۔ پھر اچانک میں نے محسوس کیا، میں بے آبرو ہو چکی تھی۔

میری عزت کی دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ میں بالکل برہنہ حالت میں پڑی تھی۔ میرے سامنے صوفے پر ٹھاکر راجندر بیٹھا تھا ایک چھوٹا نیکر پہنے ہوئے۔ میں بولی۔ ''تم نے میرے ساتھ کیا کر دیا؟ میں تمہیں بخشوں گی نہیں۔''

وہ بولا۔ ''بہار بیگم جو ہونا تھا ہوگیا۔ مجھے بھی ہوش نہیں تھا، میں نشے میں تھا۔ میں اس کے عوض تم جتنا چاہو رقم دینے کو تیار ہوں۔''

میں ہزیانی کیفیت میں چیخی۔ ''ذلیل مکار انسان تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا، شربت اور مٹھائی میں نشہ آور دوائی ملا دی۔ میں پورے گاؤں کو اکٹھا کر دوں گی، میں کوتوالی بھی جاؤں گی اور پھر عدالت، تو کسی بھی حالت میں بچ نہیں پائے گا، میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک تیری موت واقع نہ ہوجائے۔

عدالت نے اگر میرے ساتھ انصاف نہ کیا تو میں اپنے چاہنے والوں کے ذریعے تجھے قتل کرادوں گی۔'' میں اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ چیختی رہی اور پھر میں دروازہ کی طرف بھاگی۔

یہ دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بے دردی سے میرے بال پکڑ کر زوردار طریقے سے مجھے فرش پر دے مارا۔

درد کی شدت سے میری فلک شگاف چیخ نکل گئی اور میں ماہیٔ بے آب کی طرح فرش پر لوٹنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد میں اٹھی اور دروازہ کی طرف دوڑی۔

اس نے میری کلائی پکڑی تو میں اس کے ساتھ الجھ پڑی۔ اس نے میری کلائی مروڑ کر ایک زناٹے دار تھپڑ میرے گال پر دے مارا۔

میں تھپڑ لگنے سے بلبلا اٹھی اور پھر غیض وغضب کے عالم میں اس کی گردن پکڑ کر اپنے ناخن اس کی گردن میں گاڑ دیئے اور پھر زور لگانے لگی، وہ تکلیف کی وجہ سے بے حال ہوگیا اور پھر ایک زبردست لات میری داہنی ٹانگ پر ماری جس سے میں درد کی شدت سے چیختی ہوئی فرش پر گر پڑی۔

وہ اپنی گردن سہلانے لگا اور پھر مجھ پر سوار ہوکر گھونسوں کی بارش کر دی میرے منہ پر، میرے منہ سے خون بہنے لگا، اس نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک کونے پر میں پڑا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا کر مجھ پر پل پڑا۔

میری چیخیں در و دیوار کو ہلاتی رہیں مگر اس ظالم ہوس کے درندے کو مجھ پر رحم نہ آیا۔ کب تک وہ مجھ پر ڈنڈے برساتا رہا اس کا مجھے ہوش نہ رہا۔

''یہ کیا؟'' جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک طرف کھڑی تھی اور سامنے ہی میری لاش پڑی تھی۔

میں اچنبھے میں تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ میری لاش سامنے اور میں الگ کھڑی ہوں۔ میری لاش کی حالت بہت خستہ حال تھی بے شمار زخموں کے نشانات تھے۔ میری لاش کو جنگل میں گڑھا کھود کر دبا دیا گیا تھا۔ میں ٹکر ٹکر اپنی لاش کو دیکھنے میں منہمک تھی کہ۔

ایک باریش شخص میرے قریب آیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ تو میں بھی اسے بغور دیکھنے لگی۔

چند منٹ بعد وہ بولا۔ ''کیا دیکھ رہی ہے، ظالم نے تجھ پر بڑا ظلم کیا ہے، جب اذیت تیری برداشت سے

باہر ہوگئی۔ تیرا جسم ڈنڈے کی چوٹ نہ سہہ سکا، تو ہوش سے بیگانہ ہوگئی تو تیری روح نے تیرا جسم چھوڑ دیا۔ دنیا سے تیرا ناطہ ختم ہوگیا ہے، تو مرچکی ہے اور تیری لاش کو اس گڑھے میں مٹی تلے دبا دیا گیا ہے۔

تیرا تعلق مسلمان گھرانے سے تھا اور میرا تعلق ہندو ذات سے تھا۔ میری آتما بھٹک رہی ہے اور اب تو بھی بھٹکتی پھرے گی۔ اگر تو بہتر سمجھے تو میرے ساتھ چل اور بھی کئی بھٹکتی ہوئی آتمائیں ایک جگہ جمع ہیں۔ میں بھی وہیں ہوتا ہوں تو بھی ہم میں شامل ہو جائے گی۔ اس طرح تجھے بھی ایک جگہ مل جائے گی۔ کبھی کبھی بھٹکتی آتما ہر ذات کی ہوتی ہے۔

ہم پر جس پاپی اور ظالم نے ظلم کیا ہے اس کا نام ٹھاکر راجندر ہے۔

اور اس شخص نے تجھ پر بھی ظلم کیا۔

تو گھبرا نہیں، وہ وقت دور نہیں جب اس پاپی کا کلیان بہت بھیانک طریقے سے ہوگا۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اس ظالم کا پریوار کبھی سکھ شانتی سے نہیں رہے گا، اس کا پریوار شانتی کے لئے ترسے گا۔ ایک ایک کرکے اس کا پریوار ختم کردیا جائے گا۔

اور ہاں! میں یہ بھی تجھے بتا دوں کہ تیرے ساتھ جو تیرے ساتھی آئے تھے انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا گیا ہے، انہیں بھی گلا کاٹ کر مار دیا گیا ہے اور مٹی تلے دبا دیا گیا ہے۔''

محترم ہمدرد انسان! اب آپ ہی بتائیں کہ مجھے کس بے دردی سے مارا گیا۔ جو مجھ پر ظلم ہوا کیا وہ قابل برداشت ہے۔

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہوس کا یہ درندہ اس قدر ظالم ہوگا اور صرف ہوس پرستی کے لئے میرا خون کردے گا اور ساتھ ہی میرے ساتھ آئے ہوئے سات افراد اور بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔

رولوکا کو دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے بہار کی روح بولی۔ ''محترم! آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا سنجیدگی سے سوچیں کہ ایک انسان اوپر اجلا لباس پہنے دنیا والوں کے لئے دھرماتما بنا پھرتا ہے اور اندر سے اس قدر کریہہ دل ودماغ کا مالک ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ روزانہ دودھ اور شہد کو آمیزش کرکے نیم کے پودے کی جڑ میں ڈالا جائے تو کیا نیم کا ذائقہ میٹھا ہو جائے گا؟

محترم! میں یہ فیصلہ آپ پر چھوڑتی ہوں، آپ انصاف کریں، آپ کے سینے میں ایک ہمدرد دل دھڑک رہا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ اس خاندان کی تکالیف دور کرنے آئے ہیں۔

محترم! آپ کی کوشش ہوگی کہ ہم روحوں سے اس خاندان کی جان چھوٹ جائے، تو آپ دل ودماغ پر زور ڈال کر بتائیں کہ کیا ہمارے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ جائز تھا؟''

اور پھر آواز آنا بند ہوگئی۔

اس کمرے میں موجود تمام لوگ یہ داستان سن کر سکتے میں تھے۔ ساتھ ہی رولوکا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

اچانک سنیل کی طبیعت پھر بگڑ گئی۔ اس کے منہ سے اذیت ناک آوازیں خارج ہونے لگیں اس کے بعد اس کی غرائٹیں کمرے کی در و دیوار کو ہلانے لگیں۔

پھر آواز سنائی دی۔ ''مہاپرش تم نے بہار کی بپتا سن لی، اب بتاؤ جن جن لوگوں کو ظلم کرکے مار دیا گیا وہ کہاں جائیں، مرنے کے بعد بھی ہماری آتمائیں سکھ شانتی کے لئے بے چین بے قرار بھٹک رہی ہیں۔

ہم سب کس کس کے در پر انصاف اور سکھ شانتی کے لئے جائیں، کون ہمارا سکھ شانتی لوٹائے گا اور تم اس پریوار کی سہائتا کے لئے آگئے ہو۔

ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں تم واپس لوٹ جاؤ اسی میں تمہارا بھلا ہے، ہم تو ہر پل ہر لحہ ہی تکلیف میں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

مہاپرش! تم کس کس کی بپتا سنو گے۔ راجندر نے ظلم وزیادتی کی جو انتہا کرتا رہا شاید پورے سنسار میں

اس کی مثال نہ ملے۔

سنسار میں بڑے بڑے خون خرابے ہوئے، بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں جس میں لوگوں کا خون بہا، ان لوگوں پر تلوار چلی، گولی لگی اور وہ ختم ہو گئے لیکن جس طرح راجندر نے لوگوں کو سسکا سسکا کر مارا یا مروادیا کیا وہ بھولنے کے قابل ہے۔

میری اپنی پتری سندری جو کہ میرے دل کا ٹکڑا تھی اسے بھی اس ظالم اور پاپی نے نہیں چھوڑا۔ وہ میرا ہی خیال کر لیتا کہ میں اس کے باپ کے وقت سے اس پریوار کی سیوا کرتا آ رہا تھا۔ وہ میرے مشورے اور بغیر کنڈلی نکلوائے کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ اس کا باپ ٹھاکر رنجیت اپنے لوگوں کے لئے حقیقت میں دھرماتما تھا۔

اس پاپی نے اپنے دھرماتما باپ کا بھی خیال نہیں کیا کہ لوگ کیا سوچیں گے کہ نیک اور ہمدرد آدمی کا بیٹا ایسا بدذات ہے۔

میری پتری سندری کی آتما آ گئی ہے، اس پر بیتنے والی بپتا کا احوال تم خود سن لو، اس کی اپنی زبانی، سارے گاؤں والوں کو تو اصل راز کا پتہ نہ تھا۔ لوگوں نے تو صرف یہ جانا کہ سندری نے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر آتما ہتھیا کر لی۔'' اور پھر شنکر داس کی آتما کی آواز آنا بند ہو گئی۔

سنیل کی ایک مرتبہ پھر کراہوں میں اضافہ ہو گیا ایسا لگنے لگا کہ جیسے کسی بکرے کو ذبح کر دیا گیا ہو۔ ''ارے مجھے بچاؤ۔ ہائے...... بچاؤ، بچاؤ...... ارے میرا دل کٹ رہا ہے...... میرے دل میں اب سوئیاں چبھ رہی ہیں...... اوہ! میں مر رہا ہوں...... میں مر رہا ہوں۔''

اتنے میں رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''شنکر داس، سنیل کو اب تکلیف نہیں ہونی چاہئے، میں خاموشی سے تمہاری کتھا سن رہا ہوں لہٰذا تم بھی اسے تکلیف پہنچائے بغیر اپنی داستان جاری رکھو، میں مانتا ہوں کہ ٹھاکر راجندر نے واقعی بہت ظلم کیا، اس نے ہوس پرستی اور ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

تم سب کی تکلیف واقعی ناقابل برداشت ہیں۔ میری بات مانو اور سنیل کو اذیت دینا بند کر دو، ورنہ......''

اور پھر رولوکا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

چند سیکنڈ بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز حقیقت میں دل موہ لینے والی تھی، لیکن اس آواز میں سوز بیکراں تھا۔ جسے سن کر ہر شخص نے تکلیف محسوس کی۔

''مہاپرش! میں آپ کو پرنام کرتی ہوں۔

میں سندری ہوں...... نہیں نہیں اب میں سندری کہاں رہی...... اب تو میں بھی ایک بھٹکی ہوئی آتما ہوں۔

میں جیون میں سندرتا کی مورت تھی...... جب میں جوان ہوئی تو مجھے دیکھ کر لوگ مجھ پر سے اپنی نظریں ہٹانا بھول جاتے تھے۔

ماتا بچپنے میں مجھے روتا بلکتا چھوڑ کر اس سنسار سے چلی گئی۔ میرے باپو نے ماتا پتا بن کر مجھے سنبھالا۔ میں آہستہ آہستہ ماتا کو بھولتی گئی۔

باپو ہر وقت میری خوشی کے لئے اچھت رہتے تھے۔

کبھی اگر میرا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھتے تو تڑپ جاتے اور بولتے۔ ''سندری تو ہر وقت ہنسا کر، تجھے ہنستا دیکھ کر میں خوش ہوتا ہوں۔

جس دن تیری یہ ہنسی ماند پڑ گئی تو میں مر جاؤں گا۔ سندری بس تو یہ سمجھ لے کہ میری جان تجھ میں اٹکی ہوئی ہے۔

میری بچی تو اپنے باپو کے لئے ہنستی کھیلتی رہا کر۔ میں تیری خوشی کے لئے اپنا جیون تیاگ دوں گا۔ اگر کسی نے تجھے رلایا تو میں اسے اس سنسار سے چلتا کر دوں گا۔

میرے پاس جتنی بھی میری ودیا ہے تجھ پر نچھاور کر دوں گا۔

تو نہیں جانتی کہ میں رات بھر جاگ کر تیری خوشی کے لئے بھگوان سے پرارتھنا کرتا رہتا ہوں اور بولتا ہوں۔ ''اے بھگوان میری سندری کی جیون میں کبھی بھی

خزاں نہ آئے، بھگوان جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی ذات سے کسی کو جانتے بوجھتے، کشٹ نہیں دیا۔ بھگوان اگر تیری نظر میں کوئی اچھائی ہے تو اس کے بدلے میری سندری کی زندگی میں خوشیاں بھر دے۔

میری بچی میں تیری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

اپنے ہونٹوں پر مسکان بکھیرتی تو مجھے اچھی لگتی ہے۔

تیرے باپو کی گاؤں میں کتنی عزت ہے اور اس عزت کی خاطر لوگ تجھے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں جانتا ہوں گاؤں کا ہر فرد تجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بس تو ہر پل ہر لمحہ خوش رہا کر۔"

میں بلا روک ٹوک ٹھاکر کی حویلی میں آیا جایا کرتی۔

حویلی کے بچے بڑے سب کے سب مجھے دیکھ کر خوش ہوتے۔

بڑی ماتا یعنی ٹھاکر راجندر کی ماتا تو مجھ پر جان چھڑکتی تھیں۔

کوئی ایسا دن نہیں ہوتا کہ جب وہ مجھے کھلائے پلائے بغیر آنے دیتیں۔

حویلی کے بچے میرے ساتھ کھیلنے کو ترجیح دیتے اور گھنٹوں میرے ساتھ کھیلنے میں خوش ہوتے تھے۔

میں آزادانہ طریقے سے ہر کسی کے کمرے میں چلی جاتی۔

بڑی ماتا کے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتی۔

جب وہ رسوئی میں جاتیں تو مجھے بھی اپنے ساتھ رسوئی میں لے جاتیں اور بولتیں۔" سندری جب تو آتی ہے تو میرا من بہت خوش ہوتا ہے۔

سندری اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھ لیتی۔

میں انہیں جواب دیتی۔" بڑی ماں میں تو روز آتی ہوں اور آپ سے باتیں کر کے میرا بھی من بہت خوش ہوتا ہے۔" یہ سن کر وہ میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتیں۔

اگر میں کسی روز نہیں جاتی تو دوسرے دن وہ کسی کے ہاتھ مجھے بلوا لیتیں تھیں۔ بڑی ماں بہت محبت کرنے والی تھیں۔

جب میں ٹھاکر راجندر کے کمرے میں کسی کام سے جاتی تو وہ بڑے چاؤ سے مجھے اپنے قریب بٹھاتا۔ میری پیٹھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر ہاتھ پھیرتا، اکثر اپنی جیب سے پیسے نکال کر دیتا اور کہتا۔" سندری اسے رکھ لے اور جب بھی تجھے پیسوں کی ضرورت پڑے تو مجھ سے مانگ لیا کر۔"

مجھے اس کی یہ عادت یعنی جب وہ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا تو مجھے بہت برا لگتا۔ لہٰذا میں کئی کئی دن اس کے قریب جانے سے کتراتی تھی۔

وقت ہنستے کھیلتے گزر رہا تھا۔ میں اپنی دنیا میں بہت خوش رہتی تھی۔ گاؤں کے ہر گھر میں جاتی تھی۔ سب کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ میں ان کے گھر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہ جاؤں۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے، بچے بچیاں اور مرد عورتیں مجھے دیکھ کر سب کی آنکھوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ میں اپنی باتوں سے سب کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیتی تھی۔

ایک دن جب میں سو کر اٹھی تو سنا کہ جانکی پرآتما آ گئی ہے۔ جانکی ہمارے گھر سے تین گھر چھوڑ کر رہتی تھی۔ جانکی بہت خوب صورت تھی۔ اس کی جوانی اپنی مثال آپ تھی۔

ان دنوں میں ہوش مند ہو گئی تھی۔ ساری باتوں کو سمجھنے لگی تھی۔

کسی کسی گھر میں جانکی کی جوانی اور اٹھلانے کی باتیں ہوتیں۔

جانکی گاؤں میں اٹھلاتی پھرتی تھی۔ اس پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔ جسم کے نشیب و فراز مردوں کے دلوں پر

بجلی گرانے لگے تھے، جو مرد بھی جانکی کو دیکھتا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔

جب وہ چھوٹی سی چولی اور اوپر کو چڑھتا ہوا گھاگرا پہن کر چلتی تو لوگوں کی نظریں اس پر جیسے چپک جاتی تھیں۔ بھرا بھرا گداز کسمساتا انگ جوانوں کو تڑپا کر رکھ دیتا تھا۔

اس کے گھنے بل کھاتے ہوئے سیاہ بال جو کہ کمر سے نیچے تک جھولتے رہتے تھے وہ اور بھی غضب ڈھاتے تھے۔

گاؤں کی بڑی بوڑھیاں اسے دیکھ کر بولتیں۔
"ارے نگوڑی اس طرح کھلے بال مٹک مٹک کر نہ چلا کر، اپنی الھڑ جوانی کو قابو میں رکھ، کہیں ایسا نہ ہو کہ آتما یا بھوت پریت تیری جان کو لپٹ جائے۔
کسی لڑکی کو الھڑ جوانی، بڑے بڑے کھلے بال اور وقت بے وقت گھر سے نکلنا، خاص طور سے شام کے وقت کاسے لڑکی کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔"

ایسی باتیں سن کر جانکی مسکرانے لگتی اور جواب دیتی۔ "ارے کچھ نہیں ہوتا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، مجھ سے گھر کے پردے میں بیٹھنا بہت برا لگتا ہے اور جب میری ماتا اور پتا کو اعتراض نہیں تو کوئی دوسرا کون ہوتا ہے مجھے ٹوکنے والا۔"

گاؤں میں بہت سے نوجوان تھے جنہیں وہ گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ بہت سارے رشتے اس کے لئے آچکے تھے مگر وہ سب کے لئے ناک بھنوؤں چڑھا کر انکار کر چکی تھی۔

وہ اپنے ماتا پتا کی اکلوتی تھی۔ باپ کی کافی زمینیں تھیں۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ لہٰذا وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

اس کے گھر کے قریب چھ آم کے پیڑ تھے۔ جس سے دن میں وہاں پر سایہ رہتا تھا۔ گاؤں کی زیادہ تر لڑکیاں اس جگہ جمع ہوتی تھیں۔

جانکی نے تین پیڑوں پر جھولے ڈال رکھے تھے۔ لڑکیاں ان جھولوں پر جھولتی رہتی تھیں اور گھنٹہ دو گھنٹہ بعد اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی تھیں۔

لیکن جانکی ایسی تھی کہ دن بھر جھولے پر جھولتی رہتی تھی۔ کھانے کے وقت وہ گھر میں آتی کھاتی پیتی اور پھر جا کر جھولنے لگتی تھی۔

کبھی کبھی تو وہ اندھیرا پھیلنے تک جھولے پر جھولتی رہتی تھی۔ ماتا پتا بھی اس کی طرف سے بے فکر رہتے تھے۔

اور پھر ایک دن گاؤں میں تہلکہ مچ گیا۔ جانکی پر کوئی آتما سوار ہو گئی۔ جانکی کی حالت ناقابل دید تھی۔

جانکی نے اپنے پہنے ہوئے سارے کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے۔ عورتوں کا کہنا تھا کہ وہ بالکل کپڑوں سے آزاد ہو گئی تھی۔ اگر اسے زبردستی کپڑے پہنائے جاتے تو وہ پلک جھپکتے ہی کپڑے اتارتی اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتی۔

اس کے لہراتے اور بل کھاتے ہوئے بال اکڑ کر سیدھے ہو جاتے، اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور پھر یہی نہیں بلکہ آنکھوں سے حقیقت میں روشنی کی چنگاریاں نکلنے لگتیں۔

اسے رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

وقفے وقفے سے بالشت بھر زبان منہ سے باہر نکل کر لٹکنے لگتی۔

آنکھیں اپنے حلقوں سے نکل پڑتی تھیں۔

گردن میں جیسے اسپرنگ لگ گئے تھے گھومنے لگتی تھی۔

جب کوئی اس کے قریب جاتا تو بڑی تیزی اس کے منہ سے غلاظت نکل کر قریب والے پر پڑتی تھی۔

غلاظت میں اس قدر بدبو ہوتی کہ وہ متلی کرنے لگتا۔

سامنے والے کی حالت دیکھ کر وہ کان پھاڑ دینے والا قہقہہ لگاتی۔ اس کی آواز میں بھیڑیوں جیسی غراہٹ تھی۔

موٹی موٹی رسیاں اس پر لپیٹ دی گئی تھیں۔

جانکی کا پتا بھاگتا ہوا میرے باپو کے پاس آیا اور آتے ہی گڑگڑانے لگا اور بولا۔ "پنڈت جی میری جانکی کو بچالیں۔"

جانکی حال سے بے حال ہوگئی ہے کسی آتما نے اس پر آسن جمالیا ہے۔

آتما بہت زور آور ہے۔

جانکی اپنے کپڑے پھاڑ کر کپڑوں سے آزاد ہوگئی ہے۔

بالشت بھر لمبی زبان منہ سے باہر کو لٹک گئی ہے۔

پنڈت جی ترنت میرے ساتھ چلیں، آپ ہم پر دیا کریں۔" اور جانکی کا باپو میرے باپو کے پاؤں پڑ گیا۔

میرے باپو مندر سے نکل کر اس کے ساتھ اس کے گھر گئے۔

جانکی میرے باپو کو دیکھتے ہی بولی۔ "او پنڈت تو یہاں کیوں آیا ہے؟، ترنت تو یہاں سے چلا جا، نہیں تو میں تیری گردن مروڑ کر رکھ دوں گا۔" جانکی کے منہ سے مردانہ آواز نکلی۔

تیرا اس میں بھلا ہے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جا۔"

یہ باتیں سن کر باپو بولے۔ "تو اپنا نام اور کام تو بتا۔

تو ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور پتری پر آسن جمائے بیٹھ گیا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ تو اپنے آپ میں شکتی شالی ہے تو کیا بھگوان نے شکتی شالیوں کو اس لئے چھوڑ رکھا ہے کہ کوئی بھی شکتی شالی کمزوروں پر قبضہ جما کر بیٹھ جائے۔

تو بھلے مانس کی طرح پتری کو چھوڑ کر چلا جا۔

اس سنسار میں ایک سے بڑھ کر ایک طاقتور پڑا ہے۔

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تجھے آزاد چھوڑ دیا جائے، تجھ سے جان چھڑانے کے لئے یہ گھر والے کوئی نہ کوئی اپائے تو کریں گے اور اس کے لئے کسی بھی شکتی شالی کو لائیں گے اور جب وہ شکتی شالی آئے گا تو پھر تیرا کلیان ہو جائے گا۔"

"او بے پنڈت زبان کو قابو میں رکھ، نہیں تو تیرا کلیان کر دوں گا۔"

اور یہ بولتے ہی جانکی کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل کر باپو کی طرف بڑھنے لگیں کہ پھر اچانک راستے ہی میں ختم ہو گئیں۔

یہ دیکھ کر جانکی پر سوار آتما حیرت میں پڑ گئی اور ترنت باپو کو برا بھلا کہنے لگی۔ اس کے بعد اچانک پورے کمرے میں زور کی بہ جانے کیسے آندھی چلنے لگی۔ کمرے میں جو لوگ بھی موجود تھے یہ دیکھ کر فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ کمرے کی ہر چیز تنکے کی طرح اڑنے لگی اور پھر کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

باپو نے اپنے گلے سے اپنی مالا اتار کر اسے زور زور سے گھمانے لگے۔ چند سیکنڈ بعد ہی کمرے سے اندھیرا ختم ہو گیا اور پھر آندھی غائب ہو گئی۔ کمرے میں ہر چیز اپنی جگہ صحیح حالت میں موجود تھی۔

باپو بولے۔ "اپنا نام بتا۔"

"چل اگر نام جاننا ہی چاہتا ہے تو سن، میرا نام راما نند ہے، میں کالی شکتیوں کا بلوان ہوں۔ بڑے بڑے بیر میرے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

میں کالی آتماؤں کا گرو ہوں۔

پنڈت میری بات مان لے، نہیں تو تو اپنا نقصان کر بیٹھے گا۔

یہ ناری مجھے اچھی لگی، یہ اپنے بال کھولے جھولے پر جھول رہی تھی اور اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کے لہراتے بال میری گردن اور منہ پر پڑے تو میں حیران رہ گیا اور میرے آگے بڑھتے قدم اس پر جم گئے۔

پنڈت تو چلا جا میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، اگر تو زیادہ ضد پر آیا تو میں اسے اپنے ساتھ لے کر چلا جاؤں گا۔"

"تجھے تو جانا پڑے گا راما نند، اسی میں تیری بھلائی ہے اور میں تیری بھلائی کے لئے تجھے سمجھا رہا ہوں، تو ضد نہ کر اور جانکی کو چھوڑ کر چلا جا۔

راما نند میں تجھے شام تک کا وقت دے رہا ہوں، سورج ڈوبنے سے پہلے تک نہیں گیا تو پھر میں اپنے فیصلے پر عمل کر ڈالوں گا، ابھی بھی وقت ہے اور سورج ڈوبنے میں دو گھنٹے باقی ہیں۔

راما نند تو یہ بھول جا کہ تو جانکی کو اب کوئی نقصان پہنچا سکے گا، یہ تیری گیدڑ بھبکی ہے کہ تو جانکی کو لے کر چلا جائے گا۔ میں یہیں پر موجود ہوں اور تیرے جانے کا انتظار کروں گا، اب کوئی اوچھے ہتھکنڈے نہ کرنا نہیں تو وقت سے پہلے نقصان اٹھالے گا، تو نے اپنے چیلوں کو بلالیا ہے، مگر دیکھ وہ سب تیرے قریب آنے سے ڈر رہے ہیں، کیونکہ میں نے ان کا راستہ روک دیا ہے، میں نے تیرے گرد کافی دوری پر ایک مضبوط کنڈل قائم کر دیا ہے تو لاکھ کوشش کرلے کوئی بھی تیری مدد کو نہیں آئے گا۔

تو کتنا شکتی شالی ہے دیکھ لے، میں پھر تجھ سے کہتا ہوں کہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے چلا جا نہیں تو تیرا وجود اس سنسار سے میں ختم کر دوں گا۔'' باپو نے کہا۔

پنڈت تو کیا سمجھتا ہے کہ میں بدھو ہوں، یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو کوئی بھی حرکت کرے گا، اس لئے میں نے بھی اپنے گرد راون کنڈل کھڑا کر دیا ہے۔

راون کنڈل کے بارے میں تو تو جانتا ہوگا کہ یہ کنڈل کتنا مضبوط ہوتا ہے۔ کالی آتماؤں کی دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مضبوط کنڈل نہیں۔

پنڈت تو پورا زور لگالے میں کسی بھی حال میں جانکی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اس کی جوانی پر میں مرمٹا ہوں۔''

اور پھر سورج ڈوب گیا۔

باپو اٹھے اور کمرے میں موجود لوگوں سے بولے۔ ''تم سب میرے ساتھ چلو۔''

گھر سے باہر آ کر باپو نے کہا۔ ''ڈھیر ساری لکڑیاں جمع کرو اور یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر دو۔''

دیکھتے ہی دیکھتے ہر گھر سے سوکھی ہوئی لکڑیاں آ کر جمع ہو گئیں۔ تمام لکڑیوں کو جمع کر کے باپو نے ایک الاؤ بنوایا۔

پھر لوگوں سے بولے۔ ''کنستر میں جو مٹی کا تیل پڑا ہے اسے لکڑیوں پر ڈال کر لکڑیوں کو آگ لگا دو۔''

دو بندے آگے بڑھے اور کنستر کا سارا تیل لکڑیوں پر ڈال کر ماچس کی تیلی جلا کر، اس تیلی کو لکڑیوں پر پھینک دیا۔

تیلی کا لکڑیوں پر گرنا تھا کہ دھڑا دھڑ شعلے آسمان کو چھونے لگے۔ چونکہ لکڑیاں سوکھی تھیں لہٰذا ایک گھنٹہ بھی نہیں لگا تمام لکڑیاں جل کر انگاروں میں تبدیل ہو گئیں۔

باپو نے پہلے ہی بیٹھنے کے لئے ایک چوکی منگالی تھی۔

باپو چوکی پر بیٹھ گئے اور اپنے گرد ایک کنڈل کا نشان بنایا ہاتھ کی انگلیوں سے۔

پورا گاؤں اس جگہ اکٹھا ہو چکا تھا۔

باپو منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا کہ جانکی کے کمرے کی طرف سے ایک روشن ہیولہ ہوا میں معلق آتا ہوا نظر آیا۔ الاؤ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ چند منٹ بعد اس ہیولہ میں سے آواز آتی ہوئی سنائی دی۔

''پنڈت میں ہار گیا۔ مجھ پر دیا کر، میں چلا جاتا ہوں، میں دوبارہ کبھی بھول کر بھی جانکی کو یاد نہیں کروں گا۔ میں مان گیا کہ میں تیرے آگے کچھ بھی نہیں۔

پنڈت میں تیری شکتی کو پرنام کرتا ہوں، مجھے جانے دے۔

میں غلطی پر تھا اپنی تھوڑی شکتی پر گھمنڈ کر بیٹھا۔

پنڈت مجھے چھوڑ دے، تیری شکتی مجھے اگنی کی طرف کھینچ رہی ہے، میں جل کر بھسم ہو جاؤں گا، مجھ پر دیا کر۔

پنڈت میں ہار گیا، تیری شکتی اب مجھ میں اگنی کی تپش بھر رہی ہے۔

اوہ!.....اوہ! میں جل رہا ہوں.....اب مجھ میں بچنے کی طاقت نہیں رہی۔

اوہ! اب میں کیا کر.....وں۔''

اور وہ ہیولہ الاؤ میں گھس گیا تو الاؤ کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایسا لگا کہ جیسے الاؤ کے بیچ منوں وزنی پتھر پھینک دیا گیا ہو، کیونکہ الاؤ کے انگارے تھوڑی دور تک بکھر گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد باپو چوکی پر سے اٹھ گئے۔ اور جانکی کے پتا کے ساتھ اس کے گھر گئے۔ جاتے جاتے یہ بول گئے کہ ''الاؤ کی آگ کو بجھایا نہ جائے یہ خود بخود بجھ جائے گی اور نہ ہی اس پر پانی ڈالا جائے۔''

جب باپو جانکی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ جانکی بے سدھ ہو چکی تھی باپو نے اس کے بدن سے ساری رسیاں کھلوا دیں۔

جانکی کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ اس میں ہلنے جلنے تک کی بھی سکت نہیں تھی۔

باپو بولے۔ ''اسے اٹھایا نہیں جائے، جب تک یہ سوتی رہے سونے دیا جائے، چاہے جتنا وقت یہ سوتی رہے کیونکہ یہ اپنے حواس میں نہیں اور یہ بھی خیال رکھا جائے کہ یہ دس دن تک گھر سے باہر پاؤں نہ نکالے اور اس وقت اس کے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیئے جائیں۔''

ترنت جانکی کے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیئے گئے۔ وہ بال جو کمر سے نیچے تک کھلے لہراتے رہتے تھے اب صرف آدھی پیٹھ تک ہی رہ گئے تھے۔

باپو نے یہ بھی بولا۔ ''شام کے وقت اور رات میں کھلے آسمان تلے نہ بیٹھے۔''

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم ہوا باپو کا کہ ''آم کے پیڑوں پر سے سارے جھولے اتار دیئے جائیں کیونکہ گاؤں کی اور لڑکیوں کے لئے یہ جھولے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک آتما کو جلا کر یا قید کر کے ختم کر دیا جاتا ہے تو اس آتما کے چیلے چپاٹے اور ساتھی یا پھر رشتے دار آئندہ ضد پر اتر آتے ہیں اور پھر دوسروں کو بھی کبھی نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں۔ ویسے میں نے انتظام تو کر دیا ہے کوئی ڈر یا خوف نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ اکثر درختوں پر آتمائیں بسیرا کیئے رہتی ہیں اور باغ باغیچوں میں ہوائی چیزیں کچھ زیادہ ہی رہتی ہیں۔''

اس واقعہ سے پہلے میں اپنے باپو کو واقعی ایک عام سا پنڈت سمجھتی تھی لیکن اس رات میں نے اپنے باپو کی شکتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

''میرے باپو اس قدر شکتی شالی ہیں؟''

اس دن کے بعد تو میں اور بھی ہواؤں میں اڑنے لگی۔

وقت گزرتا رہا اور میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا۔

میرے من میں ایک انجانی قوت سر ابھارنے لگی، میں رات کے وقت اپنے بستر پر لیٹی لیٹی کسی انوکھی دنیا میں پہنچ جاتی۔

ہر خوب صورت چیز میرے جسم میں گدگدی کرنے لگی۔

میرا جسم پھیلنے لگا، مجھ پر ہر وقت ایک نشہ سا سوار رہنے لگا۔

میرے جسم کے نشیب و فراز نے ایک نیا پن اختیار کر لیا۔

میری طرف جو بھی نوجوان دیکھتا تو دیکھتا رہ جاتا۔ جب میں بڑے آئینہ کے سامنے کھڑی ہوتی اور اپنے گداز نشیب و فراز پر بھرپور نظر ڈالتی تو میں اپنے آپ سے شرما جاتی، میرے من ہی من میں لڈو پھوٹنے لگتے تھے، میں جب بھی تنہائی میں ہوتی تو میرے دماغ میں عجیب عجیب طرح کے خیالات آنے لگتے اس لئے میں کوشش کرتی کہ میں زیادہ تنہا نہ رہوں۔

لیکن رات کی تنہائی مجھے مارنے لگی تھی۔ دن بھر تو میں ادھر ادھر پاس پڑوس اور سہیلیوں میں رہ کر دن گزار لیتی تھی۔

ہمارے پڑوس میں رچنا دیدی رہتی تھیں جو کہ بہت خوش مزاج اور ہنس مکھ تھیں۔ ان کی شادی کو ایک سال ہوا تھا ابھی تک کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔

گھر میں پتی کے علاوہ ایک بوڑھی ساس تھی۔ ساس اپنی ہم عمر والیوں میں کسی نہ کسی کے گھر چلی جاتی۔

کام کاج سے فارغ ہو کر رچنا دیدی کمرے میں بیٹھ جاتیں اور مجھے بلا لیتی تھیں۔ ان کی باتیں ایسی ہوتی تھیں جو کہ جسم میں گدگدی پیدا کر دیتی تھیں۔ بہرحال میں ان دنوں بہت مگن رہنے لگی تھی۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ٹھاکر راجندر کی ماں کا اچانک مرتیو ہو گیا۔ بڑی ماں کو چتا پر لٹا کر اگنی کے حوالے کر دیا گیا۔ ان کے لئے میں کئی دن تک روتی رہی۔ خیر وقت کے ساتھ یہ واقعہ مدھم پڑتا گیا۔

ایک دن ٹھاکر راجندر نے باپو سے کہا۔ ''پنڈت جی سندری گھر میں اکیلی رہتی ہے آپ اس سے بول دینا کہ حویلی میں رہا کرے۔ کھائے پئے گی تو سکھ شانتی سے رہے گی۔ سندری میری بچی جیسی ہے۔ میری بچیوں کے ساتھ رہے گی تو خوش رہے گی۔''

حویلی میں میرا زیادہ تر وقت کٹنے لگا۔ میں ٹھاکر کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے کودنے اور بات چیت میں معروف رہنے لگی۔

کچھ دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ٹھاکر کچھ زیادہ ہی میرا خیال رکھنے لگا تھا۔ کھانے پینے اور خیر خیریت کا پوچھتا رہتا۔

اگر اپنی لڑکیوں کے کپڑے بنواتا تو میرا بھی جوڑا خریدا جاتا۔

حویلی کا تر نوالہ کھانا کھا کر میں اور بھی نکھرنے لگی تھی۔ میرا رنگ اور بھی زیادہ سفید ہو گیا تھا۔ جسم میں سختی اور تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔

کبھی کبھار تو لڑکیوں کے ضد کرنے سے میں حویلی میں ہی سو جاتی تھی۔ مگر میں یہ نہ بھولتی تھی کہ باپو گھر میں اکیلے ہوں گے اور اسی کارن میں ضد کر کے گھر آ جاتی تھی۔ لڑکیوں کا کہنا تھا کہ ''سندری تم رات دن ہمارے پاس رہا کرو۔''

حویلی سے تھوڑی دوری پر ٹھاکر نے اپنے اور مہمانوں کے لئے ایک بہت ہی خوب صورت مہمان خانہ بنوایا تھا۔ کسی نہ کسی بہانے کبھی کبھار وہ مجھے اس مہمان خانے میں بلواتا۔ جب میں جاتی تو مجھ سے خوش کرنے والی باتیں کرنے لگتا۔

ایک دن وہ بولا۔ ''سندری تیرے باپو نے ابھی تک تیرے بیاہ کے لئے نہیں سوچا۔ چل یہ کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، کسی دن پنڈت جی سے تیرے بیاہ کے متعلق بات کروں گا، تو نے کبھی اپنے آپ کو بڑے آئینہ میں دیکھا ہے کہ تو کتنی سندر ہو گئی ہے۔''

ٹھاکر کی باتیں سن کر شرم سے میری گردن جھک گئی تو ٹھاکر نے مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا اور بولا۔ ''تو کچھ خیال نہ کر اور نہ اپنے دماغ پر بیاہ کے لئے زور ڈال میں ہوں ناں تیرا خیال رکھنے والا۔''

میں نے جھٹ کہا۔ ''ٹھاکر صاحب چھوڑیں میں جا رہی ہوں'' اور میں کسمساتے ہوئے اس کے بازوؤں سے نکل کر واپس آ گئی۔

اس دن کے بعد ٹھاکر کچھ زیادہ ہی میرا خیال رکھنے لگا۔ بہانے بہانے سے مہمان خانہ میں مجھے بلاتا، باتوں باتوں میں سہانے خواب دکھاتا۔ میری سندرتا اور رنگ و روپ کی تعریف کرتا۔ ساتھ ہی ساتھ میرے باپو پر بھی زیادہ مہربان ہو گیا تھا۔

انہی دنوں ہولی کا تہوار آیا۔ ہولی کی تیاری چونکہ بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے، ہر چھوٹا بڑا اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوشش کرتا ہے کہ بڑھ چڑھ کر ہولی منائے، اور اس کے لئے زیادہ رقم کی ضرورت پڑتی ہے۔

ٹھاکر نے باپو کے ہاتھ پر ایک بڑی رقم رکھ دی اور بولا۔ ''پنڈت جی آپ میری خوشی کے لئے یہ رقم رکھ لیں اور سندری کو بولیں کہ خوب دھوم دھام اور بڑھ چڑھ کر ہولی منائے، سندری بھی میری بچی کے برابر ہے۔'' جب باپو نے رقم کے متعلق مجھے بتایا تو میں بھی بہت خوش ہوئی کہ چلو اب تو بڑی دھوم دھام سے ہم ہولی منائیں گے۔

چلو جی ہولی ختم ہو گئی۔

آہستہ آہستہ ٹھاکر کے لئے میرے دل میں نرم

گوشہ پیدا ہونے لگا اور میں نے سوچا۔ ٹھاکر صاحب بہت اچھے ہیں، ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں بلکہ میرے بیاہ کے لئے بھی سوچنے لگے ہیں۔

"وقت بڑی تیزی سے آگے کھسکتا رہا اور میرے دل میں ٹھاکر صاحب کے لئے زیادہ جگہ بنتی رہی اور اس طرح میں مزید ٹھاکر صاحب کے نزدیک کھنچتی رہی۔

ایک دن ٹھاکر صاحب نے کہا۔ "سندری میرے دل میں آیا ہے کہ جلدی سے تیرا بیاہ ہو جائے اور بیاہ پر جا ہے جتنا روپیہ خرچ ہو گا وہ میں کروں گا۔ اور تیرا بیاہ ایسا دھوم دھام سے ہو کہ لوگ دیکھتے رہ جائیں۔ میں اپنی نظریں دوڑا رہا ہوں کہ تیرا پتی بھی ایسا ہو کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جائیں اس کے مقابلے میں اور خوب صورتی میں گاؤں کا کوئی اور نوجوان نہ ہو۔"

ٹھاکر صاحب کی باتیں سن کر میں ہواؤں میں اڑنے لگی۔

میں نے سوچا۔ "ٹھاکر صاحب بہت اچھے دل کے مالک ہیں اور لوگ خواہ مخواہ ان کے متعلق غلط رائے رکھتے ہیں۔"

آئے دن ٹھاکر صاحب باپو کو مہمان خانہ میں بلاتے اور کچھ زیادہ ہی خاطر کرتے۔ سندر کے حال احوال پوچھتے اور چلتے سمے کچھ نہ کچھ رقم باپو کے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔

انہی دنوں ایک سادھو مہاراج کو ٹھاکر صاحب کے پاس آتے جاتے لوگوں نے دیکھا۔ چند ہفتوں میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ سادھو مہاراج ہفتے میں دو دن ٹھاکر صاحب کے مہمان خانہ میں آتے ہیں۔ جب یہ بات زیادہ پھیل گئی تو ٹھاکر صاحب نے باپو کو بتایا کہ "سادھو مہاراج اپنی ضرورت کے لئے آتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہاں سے کئی گاؤں دور ان کے کچھ چیلے ہیں جو کہ ہر وقت ان کے پاس رہتے ہیں، ان چیلوں نے دنیا تیاگ دی ہے۔

دنیا داری سے انہیں کوئی لگاؤ نہیں، ان کے کھانے پینے کے اخراجات آج کل پورے نہیں ہو رہے ہیں، تو میں ان کی مدد کر دیتا ہوں۔"

یہ سن کر باپو بولے۔ "آپ اچھے آدمی ہیں، آپ سب کی مدد کرتے رہتے ہیں، چلئے کوئی بات نہیں آپ مہاراج کی مدد کر دیا کریں۔

لیکن گاؤں والے ٹھاکر راجندر سے ہر وقت ڈرے ڈرے رہتے تھے کیونکہ عیاشی میں ٹھاکر صاحب نے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔

گاؤں سے کوئی نہ کوئی جوان لڑکی اور کبھی جوان شادی شدہ عورت غائب ہو جاتی یا پھر اس کی عزت لوٹ لی جاتی تھی۔

جوان لڑکیاں ہمیشہ کوشش کرتی تھیں کہ ٹھاکر کی نظر ان پر نہ پڑے۔

جوان لڑکی کے گھر والوں کو ٹھاکر صاحب اس قدر مجبور کر دیتے تھے کہ وہ ٹھاکر کی ہر بات ماننے پر تیار ہو جاتے۔

یہ تمام کالے کرتوت ٹھاکر صاحب رات کے اندھیرے میں کرتے تھے۔ لیکن میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ گاؤں والے جلن سے ٹھاکر پر الزام لگاتے ہیں۔"

انہی دنوں بارشیں ہونے لگیں موسم بہت خراب رہنے لگا۔

رک رک کر بارش ہوتی اور پھر آسمان صاف ہو جاتا۔ یہ سلسلہ کئی دن سے جاری تھا۔ باپو مندر جاتے اور جلدی سے لوٹ آتے۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے میں اکثر گھر میں رہتی تھی یا پھر حویلی میں ہوتی تھی۔

ایک صبح باپو بہت فکر مند نظر آنے لگے۔ میں نے پوچھا۔ "باپو کیا بات ہے آج آپ کچھ زیادہ پریشان ہیں۔" میرے کافی کریدنے پر باپو نے کہا۔

سندری رات سے میں ایک جاپ کر رہا تھا کہ اچانک میرے من میں ٹھاکر کا خیال آ گیا تو میں نے اس طرف دھیان کیا تو ٹھاکر مجھے نظر آیا پھر اچانک ایک کالا

دائرہ آیا اور ٹھاکر اس میں سما گیا تو میں نے پھر کوشش کی کہ ٹھاکر کے ساتھ ایسا کیا ہوا تو ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"یہ اپنے کالے کرتوت کے پاپ میں ڈھک چکا ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔"

"سندری اس وقت سے میرا دل کٹ رہا ہے کہ ایسا کیوں نظر آیا؟"

دوسری صبح باپو نے بتایا۔ "سندری میری دو دیا ٹھاکر کی طرف بڑھ نہیں رہی ہے، نجانے ایسی کون سی رکاوٹ آ گئی ہے۔"

باپو کی بات سن کر میں بولی۔ "باپو یہ تمہارا وہم ہے، تم جیسوں کے پیچھے اکثر غلط آتمائیں لگی رہتی ہیں، یہ سب ان کا چھل ہے، تمہارے ذہن کو وہ بھٹکا رہی ہیں، ٹھاکر صاحب بہت اچھے اور ہمدرد انسان ہیں بلکہ یہی نہیں وہ تو بڑے دیالو بھی ہیں۔"

میری بات سن کر باپو بولے۔ "بھگوان کرے تیری بات سچ ہو۔" اور مندر چلے گئے۔

بارشیں رک گئی تھیں لیکن آسمان پر کالے بادل منڈلاتے نظر آتے تھے۔

ایک دن ٹھاکر صاحب نے اپنی لڑکیوں اور پتنی سے کہا۔ "شام سے پکوڑے بنا کر سندری کے ہاتھ مہمان خانہ میں بھجوا دینا۔"

پکوڑے تیار ہو گئے تو میں پکوڑے اور چٹنی لے کر مہمان خانہ میں پہنچی تو دیکھا کہ ٹھاکر صاحب اپنے سامنے میز پر گلاس اور دارو رکھے بیٹھے ہیں۔

مجھے دیکھ کر چہک پڑے اور بولے۔ "اچھا ہوا کہ تو جلدی آ گئی۔" اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کو دیکھ کر میرا دل دہل گیا۔

بارش بہت زبردست شروع ہو چکی تھی۔

بارش کے ساتھ آندھی بھی بہت زور کی تھی۔

مجھے پریشان دیکھ کر وہ بولے۔ "ارے تو چنتا کیوں کرتی ہے، کون سا تو جنگل میں بیٹھی ہے، چل گرم گرم پکوڑے کھا آج موسم کو دیکھ میرا دل کرا کہ تھوڑی سی دارو پی لوں۔

اور ہاں میں نے تیرے لئے ایک ولایتی شربت منگایا ہے، بہت من پسند شربت ہے، تو پی کر بہت خوش ہوگی، میں ابھی لے کر آیا۔"

ٹھاکر صاحب اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا اور گلاس میں لال رنگ کا شربت بھرا پڑا تھا۔

ضد کر کے انہوں نے مجھے پورا گلاس پلا دیا۔

شربت واقعی بہت مزیدار تھا۔

شربت پینے کے تھوڑی دیر بعد میرا سر گھومنے لگا اور میں بیٹھے بیٹھے آگے پیچھے ڈولنے لگی۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ میں آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتی اور میرے پپوٹے بھاری ہو کر پتلی کے سامنے آ جاتے۔

اور پھر ایک وقت آیا کہ میں بے سدھ ہو کر گدے والی بڑی چوکی پر ہوش سے بیگانہ ہو کر گر پڑی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میری عزت لٹ چکی تھی۔

پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب میں نے دماغ پر زور ڈالا تو سارا واقعہ میرے دماغ میں آ گیا۔

ٹھاکر نے میری عزت خراب کر دی تھی۔

میں چیخ پڑی۔ "ٹھاکر صاحب یہ تم نے کیا کر دیا۔ میں ابھی جا کر باپو کو بتاتی ہوں۔ آج مجھے پتہ چل گیا کہ تم واقعی بہت ذلیل اور کمینے انسان ہو، گاؤں والے تمہارے متعلق صحیح رائے رکھتے ہیں۔" ٹھاکر میری طرف جھپٹا مجھے پکڑنے کے لئے کہ اچانک میرا ہاتھ گلاس پر پڑ گیا۔ میں نے فوراً گلاس کو ہاتھ میں اٹھایا اور بجلی کی تیزی سے وہ گلاس ٹھاکر کے سر پر دے مارا۔ اور میں ترنت کمرے سے باہر نکلی۔ رات کافی بیت چکی تھی۔

مہمان خانہ کے پہریدار اپنی نیند میں غرق تھے۔

چلتے چلتے اچانک میرے دل میں آیا۔ "اب تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی، ٹھاکر نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا، میں گھر باپو کے پاس جا کر کیا

کروں گی۔

اب مجھے آتما ہتھیا کر لینی چاہئے تاکہ میری عزت کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے اور یہ بات دب جائے، ہر کوئی صرف سوچتا رہ جائے گا کہ "سندری نے آتما ہتھیا کیوں کی؟"

اور میں نے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خود کو ختم کر لیا۔

مہاپرش! آپ نے میری پوری کتھا سن لی، اب آپ بتائیں کہ ٹھاکر نے میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا، لوگوں کے سامنے مجھے اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا تھا اور اس کے دل میں کپٹ تھا۔ مجھے اور میرے باپو کو آہستہ آہستہ اعتماد میں لیا اور پھر رات کے اندھیرے میں ہوس کا درندہ بن کر مجھے داغدار کر دیا۔ مجھے کسی کے قابل نہیں چھوڑا۔

اب آپ اس کے پریوار کو تکلیفوں سے چھٹکارہ دلوانے کے لئے آگئے ہیں۔" اور نسوانی آواز بند ہوگئی۔

اچانک ل کے منہ سے سسکیوں کی آواز آنے لگی پھر تھوڑی بعد سسکیوں کی آواز بند ہوگئی تو کرخت آواز سنائی دی۔

"مہاپرش تم نے میری سندری کی کتھا سن لی۔ تم خود سوچو کہ سندری کو بیٹی سمان عزت دے کر ظالم اور پاپی راجندر نے کتنا دردناک ظلم کیا سندری پر۔

اور پھر اس پاپی نے مجھ پر بھی ظلم کا پہاڑ توڑا۔

مجھے بعد میں پتہ چلا کہ جو سادھو راجندر سے ملنے آیا کرتا تھا دراصل وہ میری ودیا کو کمزور کرنے اور اپنے وش میں کرنے کے لئے آتا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ میری ودیا پر اپنا قبضہ جماتا گیا اور جب میں کمزور ہوگیا تو ٹھاکر نے مجھے اپنے کارندوں سے اٹھوا کر مجھے ظلم و زیادتی کی چکی میں پیس ڈالا۔"

مہاپرش اور کیا کیا سنو گے ظلم کی کتھا سنتے سنتے تمہارا سینہ پھٹ جائے گا کیونکہ تم ایک ہمدرد انسان ہو۔

ایک اور آتما آگئی ہے اس پر بھی اس پاپی نے ظلم کا پہاڑ توڑا۔ اب اس آتما کی کتھا سنو۔" چند منٹ خاموشی رہی پھر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"مہاپرش میرا نام پونم تھا۔ میں گھومنے پھرنے اور سیر سپاٹے کی بہت شوقین تھی۔ جب میں جوان ہوئی تو میں گھر میں کم ٹکتی۔ میں نے کشمیر، دارجلنگ، دلی، آگرہ بلکہ ہندوستان کے وہ تمام شہر دیکھ ڈالے تھے جو کہ خوب صورتی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

جس نے بھی جہاں کا ذکر چھیڑا، تو میں نے فوراً تیاری پکڑی اور دوسرے دن ہی اس جگہ کی سیر کے لئے نکل جاتی تھی۔

میں اپنے ماتا پتا کی اکلوتی لاڈلی تھی۔ میرے پتا کی دو کمپنیاں گارمنٹ کی تھیں۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ لاکھوں کی رقم میرے پتا میرے ہاتھ پر رکھ دیتے تھے۔ کبھی کبھار ماں اس معاملے پر دبی زبان سے اعتراض بھی کرتی اور کہتی۔ "جوان بیٹی ہے بھگوان نہ کرے کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو کیا ہوگا، آپ ذرا سوجھ بوجھ سے کام لیا کریں۔ لے دے کے بھگوان نے ایک بیٹی دی ہے، ٹھیک ہے ہم اس کی خواہش پوری کرتے ہیں مگر اس طرح ہر جگہ آزادی سے گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں۔

ہر علاقے کے لوگ الگ الگ مزاج کے ہوتے ہیں، ہر جگہ کے لوگ شریف نہیں ہوتے، جوان اور خوب صورت لڑکی کا اس طرح بے باکی سے شہر شہر گھومنا میرے خیال میں ٹھیک نہیں۔"

ماں کی بات سن کر پتا کچھ ٹپٹا جاتے اور پھر مجھے سمجھانے بیٹھ جاتے تو میرے پاس صرف ایک ہی ہتھیار تھا اور وہ ہتھیار آنسوؤں کا تھا۔

میں آنسو بہانے لگتی اور پھر اپنا سر پتا جی کے کندھے پر رکھ کر سسکنے لگتی۔

مجھے روتا دیکھ کر پتا جی ماں پر برس پڑتے۔ "میں کسی قیمت پر اسے روتا نہیں دیکھ سکتا، بیٹا، بیٹا اٹھو میں تو صرف تیرے لئے کماتا ہوں، تیری خوشی میری خوشی ہے، اپنی تیاری کرو اور کل چلی جانا۔"

میں اپنے خاندان، اپنے علاقہ بلکہ اپنے حلقے میں تمام لڑکیوں میں خوب صورت ہوا کرتی تھی، تمام

لڑکیاں مجھے دیکھ کر ہاتھ مسلتی رہ جاتی تھیں۔

لڑکے تو بھنورے کی طرح میرے آگے پیچھے منڈلاتے رہتے تھے، لیکن میں کسی کو بھی گھاس نہ ڈالتی تھی۔

مجھے پتہ تھا کہ اگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر محبت کے چکر میں پڑ گئی تو مجھے اپنے گھومنے پھرنے کے شوق کا گلا دبانا پڑ جائے گا اور میں کسی قیمت پر گھومنے پھرنے سے باز نہیں آ سکتی تھی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کالج میں ایک لڑکا دیپک تھا۔ ہماری کلاس کا تھا۔ وہ میرے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا یک طرفہ عشق تھا۔ وہ اس معاملے میں اتنا آگے بڑھا کہ میں کیا بتاؤں۔

جب مجھے پتہ چلا تو میں نے اسے کچھ زیادہ ہی ذلیل کر دیا اور اس سے بولی۔ ''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرے نام کا پرچار کرو، تم جیسے حقیر لوگ میری کمپنی میں جھاڑو دیتے ہیں، اگر آئندہ تم نے میرا نام اپنی زبان پر بھی لیا تو میں تمہیں نرک میں پہنچوا دوں گی۔'' یہ باتیں جب ہوئیں تو اس وقت میری چند سہیلیاں میرے ساتھ تھیں۔

دوسرے دن وہ لڑکا کالج نہیں آیا اور پھر چوتھے دن یہ خبر ملی کہ اس لڑکے نے آتما ہتھیا کر لی تھی۔ میری سہیلیوں نے مجھے بہت برا بھلا کہا کہ میں نے اسے ذلیل کیوں کیا، مجھے ایسی سخت زبان استعمال نہیں کرنی چاہئے تھی۔

بہرحال میں کسی کو بھی اپنے شوق کے لئے رکاوٹ نہیں بننے دیتی تھی۔ شوق کے لئے میں ہر رکاوٹ کو دور کر دیتی تھی۔

اکثر میری سہیلیاں مجھے سنجیدگی سے سمجھاتیں۔

''پونم تجھے اتنا تیز اور سرپٹ نہیں بھاگنا چاہئے، کبھی کبھار اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ بھی لیا کر، اکیلی یا پھر کسی اور سہیلی کے ساتھ دور دراز نکل پڑنا ٹھیک نہیں۔

ہوس پرست مرد عزت کے معاملے میں درندہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو یہ اس حد تک اس کا پیچھا کرتے ہیں کہ چاہے اس کی جان ہی کیوں نہ لینا پڑے، عورت چاہے کتنی مضبوط دل و دماغ اور اعصاب کی مالک کیوں نہ ہو، مرد کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہے، سونے پر سہاگہ یہ کہ خوب صورت عورت کے دشمن ہزار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عورت سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔

اور عقل مند عورتیں زیادہ تر پردہ میں رہنا پسند کرتی ہیں۔

زیادہ آزاد خیال اور گھومنے پھرنے والی عورتوں کو نوے فیصد مرد آوارہ سمجھتے ہیں اور قانون والے تو کھلے الفاظ میں بولتے ہیں۔ ''ارے سالی آوارہ ہے۔''

خیر میں سب کی بات ایک کان سے سنتی اور دوسرے کان سے باہر نکال دیتی۔

کئی دفعہ ایسا ہوا بھی کہ بدقماش مرد میرے پیچھے لگے مگر میں اپنی عقلمندی اور پلاننگ سے بچ جاتی تھی۔

ہر دور میں روپیہ بہت بڑا محافظ رہا ہے۔ جس کے پاس دولت ہے دنیا اس کی ہے، دولت کے بل بوتے پر بڑے بڑے تلوے چاٹنے والے مل جاتے ہیں اور کئی دفعہ تو رقم کے لئے محافظ اپنے مالک پر قربان بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا کی ریت ہے اور یہ ریت ہمیشہ قائم رہے گی۔

ہر جگہ اور ہر شہر میں، میں دولت کے بل بوتے پر فراٹے بھرتی تھی۔

انہی دنوں میں نے کئی لوگوں سے سنا کہ شانتی پور بہت زرخیز علاقہ ہے۔ وہ علاقہ اتنا خوب صورت اور دلکش ہے کہ دیکھنے والا اپنی آنکھیں جھپکانا بھول جاتا ہے۔

شانتی پور کی خوب صورتی اور دلکشی جب دل و دماغ میں بس جاتی ہے تو برسوں اس کی خوب صورتی دماغ سے جاتی نہیں۔

بہت ہی پرسکون جگہ ہے اور اس علاقے کے لوگ اتنے شریف ہیں کہ کسی ناری کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

بہت ہی ملنسار اور آؤ بھگت کرنے والے ہیں۔

کھانے پینے اور رہنے کے لیے کسی فکر کی بات نہیں۔ دور سے گھومنے پھرنے کے لیے آنے والوں کے لیے ڈاک بنگلے بنے ہوئے ہیں۔

وہاں کے ٹھاکر کی ہدایت ہے کہ دور سے آنے والے کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ ہو، ہر آنے والا ہمارا مہمان ہے، اس کی پسند کا کھانا ملتا ہے، آنے والے کے لیے ہر وقت خدمتگار کمر بستہ رہتے ہیں۔

اس جگہ اتنا آرام و سکون ملتا ہے کہ آنے والے کا دل نہیں چاہتا کہ وہ واپس چلا جائے، لیکن آنے والا پہلے روز جتنے دن کا ٹھہرنے کا رجسٹر میں لکھواتا ہے تو اس تاریخ پر اسے شانتی پور سے جانا ضروری ہوتا ہے تاکہ ڈاک بنگلے میں جگہ دوسروں کے لیے خالی ہوتی رہے۔

پھر بتانے والے نے جانے والوں کو ملنے والے تحائف بھی دکھائے تھے تاکہ وہ جا کر شانتی پور کو یاد رکھیں۔

یہ تمام باتیں جان کر میرا دل بھی مچلنے لگا۔ لیکن میں شانتی پور اکیلی نہیں جانا چاہتی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میری کوئی سہیلی میرے ساتھ شانتی پور جائے۔ لہٰذا میں نے سہیلیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا کہ میں کس کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔

کافی سوچ بچار کے بعد میری نظر چاندنی پر ٹھہر گئی۔ چاندنی میری بہت اچھی سہیلی تھی، بہت مخلص اور زندہ دل تھی اور اس پروگرام میں میرا بھرپور ساتھ دے سکتی تھی۔

مالی معاملے میں مستحکم نہیں تھی لیکن پھر بھی چھوٹے موٹے پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ میں نے چاندنی کو فون کیا کہ جلد از جلد میرے پاس آ کر مجھ سے ملے۔

دو گھنٹے بعد چاندنی آ گئی تو میں اس کے گلے لگ گئی۔ میرا والہانہ انداز دیکھ کر وہ اچنبھے میں پڑ گئی کہ آخر آج مجھے کیا ہو گیا ہے۔

''پونم تجھے کیا ہو گیا ہے اور یہ لپٹ جھپٹ چہ معنی؟'' میں نے اسے بتایا۔ ''کوئی خاص بات نہیں بس میں آج بہت خوش ہوں اور اتنا خوش ہوں کہ میں بتا نہیں سکتی۔''

''ارے بھئی ایسی کون سی خوشی ہے کہ میری چھمک چھلو کو قدم زمین پر نہیں رکھنے دے رہی ہے۔ اب چل جلدی سے بتا دے نہیں تو میرا دماغ......'' اور چاندنی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

میری آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی میں نے آگے بڑھ کر چاندنی کا گال چوم لیا اور پھر گویا ہوئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے گھومنے پھرنے کا ایک زبردست پروگرام بنایا ہے۔''

میری بات سن کر چاندنی چونک گئی اور بولی۔ ''یہ اچانک تجھے کیا سوجھ گئی ہے۔''

چاندنی بس مجھے سوجھ گئی اور سب سے زیادہ تیرے لئے اچنبھے کی بات یہ ہے کہ میں نے تجھے اپنے ساتھ لے جانے کا سوچ لیا ہے۔''

اپنے متعلق چاندنی یہ سن کر جیسے سکتے میں آ گئی اس لئے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ گھومنے پھرنے میں میرا کیا ساتھ دے سکے گی کیونکہ وہ امیر باپ کی بیٹی نہیں تھی۔ اپنے شہر تک تو وہ اپنی سہیلیوں میں گھل مل کر اپنی پاکٹ منی سے خرچ کر لیا کرتی تھی۔

''پونم تو نے ایسا فیصلہ کر لیا، وہ بھی مجھے ساتھ......'' چاندنی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''چاندنی ڈارلنگ یہ پرابلم میری ہے، تو کیا کہنا چاہتی ہے میں سمجھ رہی ہوں۔ سارا خرچ میرا ہو گا، نیچے سے لے کر اوپر تک...... بس تو میرے ساتھ چل اور ہاں یہ بھی سن لے کہ تجھے میرے ساتھ چلنا ہے، اس سے آگے میں اور کچھ نہیں سن سکتی۔''

میں نے ماسی کو آواز دی اور بولی۔ ''ماسی فریج سے دو ٹھنڈی بوتل لاؤ، تاکہ پی کر چاندنی کے دل کو ٹھنڈک پہنچے'' میں نے مسکراتے ہوئے چاندنی کے گال پر چٹکی بھری اور پھر بولی۔ ''چاندنی اب آگے ایک لفظ بھی نہیں بولنا۔ بوتل پی کر چلتی بنو، اپنی مکمل تیاری کرنے کے

بعد مجھے شام تک فون کر دینا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ بوتل پینے کے بعد چاندنی اٹھ کھڑی ہوئی میں نے ایک مرتبہ پھر چاندنی کے گلے لگ گئی اور اس کے گال کو چوم کر بولی۔ "میں شام تک تیرے فون کا بے چینی سے انتظار کرتی رہوں گی، اور یہ یاد رکھنا کوئی بھی اور کسی بھی قسم کا بہانہ نہیں چلے گا۔ بس کل صبح میرے ساتھ چلنا۔ سمجھ گئی تو۔۔۔" اور بات میری منہ تک ادھوری رہ گئی۔

"اچھا بھئی! میں تیرے ساتھ ضرور چلوں گی، اب تو مجھ سے پیچھا چھڑاؤ ورنہ گھر سے آزاد ہو جاؤ۔" چاندنی نے کہا اور "اچھا بائے" کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

ٹھیک پانچ بجے چاندنی کا فون آ گیا کہ "میں نے مکمل تیاری کر لی ہے اور ساتھ تیاری کیا ہے بس چند جوڑے اور دیگر چیزیں ضروری ہیں جو میں نے رکھ لی ہیں۔"

میں نے کہا۔ "چاندنی رات آٹھ بجے تک میرے پاس آ جانا کیونکہ کل صبح ناشتے کے بعد ہم نے نکلنا ہے اور ہاں صبح سات بجے ڈرائیور سے کہہ دو وہ گاڑی کر دو تمہیں لے آئے۔ پاپا نے ٹکٹیں لے لی ہیں اور ساتھ ہی مطلوبہ رقم بھی۔"

چاندنی تو سات بجے تک سارے کام سے فارغ ہو کر ڈرائیور کا انتظار کرتی۔" اور میں نے فون بند کر دیا۔

پھر نے آٹھ بجے چاندنی میرے گھر آ گئی۔ رات کا کھانا ہم نے ساتھ کھایا۔ چاندنی کو دیکھ کر ماں اور پاپا بہت خوش ہوئے۔

ماں نے چاندنی کو سمجھایا۔ "چاندنی بیٹی تم میری نظر میں بہت سمجھدار ہو، اور پونم سوائے جذباتی بنے کچھ نہیں، یہ بہت دور کی نہیں سوچتی، بس جو اس کے منہ میں آیا بک دیا، پونم کی ذمہ داری میں تم پر ڈالتی ہوں، بس یہ سمجھ لو کہ یہ گڑیا ہے اور اس گڑیا کو تم نے سنبھالے رکھنا ہے ہر قدم پر تم نے اسے سمجھانا ہے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی جائے تو اس کے لئے الجھنا نہیں۔ دوسرے شہر میں بندہ بلی بن جاتا ہے لیکن اپنے شہر میں شیر ہوتا ہے۔ لڑکی ذات ہو، ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا اور جتنی جلدی ہو سکے آنے کی فکر کرنا، اس کا دل تو بھرے گا نہیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ شانتی پور واقعی شانتی کی جگہ ہے اور وہاں جانے والے کا دل بھرتا نہیں۔ اب آگے تم خود سمجھدار ہو۔ میری باتوں کو سنجیدگی سے گرہ میں باندھ کر گھر سے قدم نکالنا۔" یہ بولی کر ماں خاموش ہو گئی۔

میں بولی۔ "ماں میں کوئی بچی تو رہی نہیں میں بھی اپنے آگے پیچھے کا سوچتی ہوں، بس آپ کا آشیرواد چاہئے، اچھا اب ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں تاکہ جلدی سو جائیں کیونکہ صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

میری باتیں سن کر پاپا ہنسنے لگے اور ماں مسکرانے لگی اور بولی۔ "بھگوان تم دونوں کی رکھشا کرے، اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔"

کمرے میں آ کر میں ایک مرتبہ پھر چاندنی سے لپٹ گئی کیونکہ مجھے ناقابل بیان حد تک خوشی ہو رہی تھی۔

کافی دیر تک ہم دونوں باتیں کرتی رہیں اور میں شانتی پور کی تعریف میں پل باندھتی رہی۔ "پونم اب سونے کی تیاری کر، کیونکہ صبح جلدی اٹھنا ہے اور شانتی پور کی تعریف بند کر کیونکہ ہم تو وہیں جا رہے ہیں، دن بھر کا سفر ہے، شام تک ہم شانتی پور پہنچ جائیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔" چاندنی نے کہا۔

خیر میں نے لائٹ بند کی اور زیرو کا بلب جلا کر اپنے بستر پر لیٹ کر شانتی پور کی زرخیزی اور دلکش مناظر میں کھو گئی۔ کب مجھے نیند آئی پتہ نہ چلا، چاندنی مجھ سے پہلے نیند کے مزے لوٹنے لگی تھی۔

صبح سات بجے میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ چاندنی ابھی تک سو رہی تھی۔ میں نے چاندنی کو اٹھایا نہیں اور ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے کمرے سے نکل گئی۔

جلدی جلدی نہا دھو کر اور دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر میں کمرے میں آئی اور چاندنی کو اٹھا دیا۔ اٹھ کر جب اس نے مجھے فریش دیکھا اور یہ پتہ چلا کہ میں نہا

چکی ہوں تو بولی۔ ''مجھے بھی اٹھا دیا ہوتا۔''

میں بولی۔ ''ارے اب کون سی دیر ہوگئی ہے، اچھے بچے ضد نہیں کرتے جلدی جاؤ اور فریش ہو جاؤ کیونکہ ہم نے نو بجے نکلنا ہے۔ ہمارا سفر بائی کار ہوگا۔ میں نے کار کا بندوبست کرلیا ہے۔ ''رینٹ اے کار'' والوں سے۔''

چاندنی میری بات سن کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

بہرحال ہم دونوں نے ناشتہ پانی سے فارغ ہو کر کپڑے چینج کئے اور کار کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ٹھیک پونے نو بجے کار ہمارے دروازے پر آگئی۔

پاپا اپنی گاڑی میں ساڑھے آٹھ بجے کمپنی کے لئے نکل گئے پاپا روزانہ ساڑھے آٹھ بجے نکلتے تھے۔

ہم دونوں ماں کے گلے لگ کر ماں کو تسلی دی اور گھر سے نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی، میں نے رینٹ اے کار والوں سے خاص تاکید کی تھی کہ ڈرائیور چالیس کے اوپر ہونا چاہئے کیونکہ چالیس کے بعد بندہ میں سنجیدگی آجاتی ہے اور چونکہ سفر لمبا ہے تو ڈرائیور دیکھ بھال کر گاڑی چلائے گا۔

واقعی ڈرائیور بہت ذہین اور سمجھدار تھا۔ بہت آرام اور سکون سے گاڑی چلاتا رہا۔ راستے میں تین جگہ ہمارا پڑاؤ بھی ہوا۔ ایک جگہ لنچ کے لئے اور دو جگہ فریش نس کے لئے ساتھ ہی ہم نے چائے بھی پی۔ ہم نے جو کھایا پیا وہی ڈرائیور کو بھی دیا۔

راستے بھر ہم گاؤں کی ہریالی اور دیگر مناظر سے خوش ہوتے رہے۔ سفر واقعی بہت دلچسپ تھا۔

شام چھ بجے ہماری گاڑی شانتی پور کی حدود میں داخل ہوئی۔ حقیقت میں جو میں نے شانتی پور کے متعلق سنا تھا کہیں اس سے بڑھ کر میری نظروں کے سامنے شانتی پور نظر آنے لگا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ پورے علاقے میں ڈارک گرین اور ہلکا قالین بچھا دیا گیا ہے۔

آبشار، نہریں اور جھیل کا دلکش نظارہ دل کو موہ رہا تھا۔ عجیب عجیب طرح کے خوش رنگ پرندے چہچہاتے ہوئے اپنی دنیا میں مگن تھے۔

کھیتوں کی ہریالی تو اور بھی دل کو خوش کر رہی تھی۔ ہوا کے دوش پر لہلہاتی ہوئی کھیتیاں کسی انجان دنیا کا دلکش نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ جب سرکش ٹھنڈی ہوا چاول کے کھیت سے گزرتی تو چاول کے پودے ایسے لگتے جیسے گرین سمندر میں لہریں جوبن دکھلا رہی ہیں۔

پونے سات بجے ہماری گاڑی شانتی پور کے ڈاک بنگلہ کے سامنے رک گئی۔ ڈاک بنگلہ کے تین چوکیدار یا خدمتگار دوڑتے ہوئے آئے اور ہاتھ باندھ کر گاڑی کے نزدیک کھڑے ہوگئے۔ ڈرائیور دروازہ کھول کر باہر نکلا اور ان سے بات کی۔

تینوں کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ وہ ایسے مودبانہ کھڑے تھے کہ جیسے کوئی خریدا ہوا غلام کھڑا ہوتا ہے۔

چند منٹ بعد ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا تو ہم باہر نکلے۔ چند رسمی باتیں ہوئیں اور پھر لپک کر ان لوگوں نے ہمارے بیگ اٹھا لئے اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔

میں نے ڈرائیور کو اپنی خوشی سے چار سو روپے دیئے تو ڈرائیور ہمارے آگے پیچھے ہونے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ڈھیروں دعائیں دینے لگا۔ میں نے کہا۔ ''بابا آپ رات یہیں گزاریں کیونکہ اب رات ہو چکی ہے۔ رات سے اتنا لمبا سفر کرنا اور وہ بھی نئی گاڑی لے کر جانا ٹھیک نہیں۔ رات میں دس مسئلے مسائل ہو سکتے ہیں، میں آپ کے مالک کو فون کر دیتی ہوں۔''

کاؤنٹر پر ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ اس نے رجسٹر میں ہم دونوں کا نام اور پتہ لکھا۔ کب تک ٹھہرنا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا۔ اور یہ تاکید کر دی کہ ''جو تاریخ واپسی کی لکھی گئی وہ آخری تاریخ ہوگی۔ اس تاریخ کو ہر حال میں آپ لوگوں نے شانتی پور کو چھوڑنا ہے کیونکہ یہ یہاں کا قانون ہے۔''

میں نے اور چاندنی نے رجسٹر پر اپنے سائن کئے۔ ہم دونوں کو ہمارے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ ہم

دونوں کا کمرہ الگ الگ تھا۔ ڈرائیور کو انہوں نے کسی اور جگہ ٹھہرا دیا تھا۔ رات کا کھانا میں نے اور چاندنی نے اکٹھے کھایا۔ کھانا بہت ذائقے دار تھا اور اتنا مزیدار تھا کہ میں بھوک سے کچھ زیادہ ہی کھا گئی۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ کافی بھی بہت مزیدار تھی۔ ہم دونوں نے چسکی لے لے کر ختم کی۔ کافی دیر تک بیٹھے دوسرے دن کے لئے پروگرام بنانے کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور چاندنی اپنے کمرے میں بستر پر گری اور پھر نیند کی وادی میں غائب۔

شانتی پور کی صبح بہت سہانی تھی۔ نہانے دھونے کے بعد ہم نے ناشتہ کیا، کپڑے بدلے اور پھر سیر کے لئے نکل پڑے۔

میں جب سیر کے لئے چلنے لگی تو میں نے کاؤنٹر پر بیٹھے شخص سے ڈرائیور کے متعلق پوچھا۔ تو پتہ چلا کہ ڈرائیور صبح ہی صبح ساڑھے سات بجے ناشتہ کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔

بہر حال ہم دونوں سہیلیاں دوپہر تک گھومتی رہیں، جس طرف بھی ہماری نظر اٹھ جاتی، تو دلکش نظاروں سے ہماری نس نس میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی، پورا علاقہ اپنی مثال آپ تھا۔

شانتی پور واقعی شانتی کی جگہ تھی اور جس نے بھی شانتی پور کے لئے کوشش کی تھی وہ حقیقت میں بہت دل گردے کا مالک تھا۔ بھگوان نے دل کھول کر فیاضی بخشی تھی اور شانتی پور پر اپنی خاص دیا کی تھی۔

دوپہر کے وقت ہم دونوں ڈاک بنگلہ میں آ گئے کیونکہ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ہم ڈاک بنگلہ میں آئے تو آرام کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں اٹھی اور اٹیچ باتھ روم میں جا کر نہائی۔ نہانے کے بعد میں نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ چاندنی بھی وہی کچھ کر رہی ہوگی جو میں کر رہی تھی۔ فریش ہونے کے بعد میں چاندنی کے کمرے میں چلی گئی تو دیکھا کہ چاندنی بھی فریش ہو کر بیٹھی ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرانے لگی۔

میں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ”بھئی مجھے تو بھوک لگ رہی ہے اب جلدی سے چل تا کہ پیٹ میں دوڑتے چوہوں کو ہمارے کھانے کے بعد شانتی ملے۔“

میری بات سن کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ ”اچھا چل، نہیں تو تیرے پیٹ میں جو ہے کچھ زیادہ ہی چھلانگ لگانے لگیں گے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اچھل کود میں کوئی چوہا باہر کی طرف قدم بڑھا دے۔“

یہ سن کر میں بولی۔ ”بدتمیز کہیں کی۔“ اور ہم دونوں کھانے کے لئے کمرے میں آ گئے۔

کھانے کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ ”شام کا اندھیرا پھیلتے ہی ڈاک بنگلہ کے مالک ٹھاکر راجندر صاحب آپ لوگوں سے ملنے کے لئے آئیں گے۔ جب بھی کوئی سیاح ڈاک بنگلہ میں آتا ہے تو دوسرے دن ٹھاکر صاحب اس سے ضرور ملاقات کرتے ہیں۔

لہٰذا آپ دونوں اگر کہیں جائیں بھی تو سورج ڈوبنے سے پہلے ڈاک بنگلہ میں آ جائیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ٹھاکر صاحب سے تھوڑا آگے پیچھے آ جائیں۔“

ہم دونوں نے حامی بھر لی کہ ”ہم اب کہیں نہیں جائیں گے۔“

چاندنی بھی میرے ہی کمرے میں آ گئی۔ ”ہم دونوں نے کھانا کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ وجہ یہ کہ شہر اور گاؤں کے کھانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو سواد گاؤں کی اصلی چیزوں میں ہوتا ہے وہ سواد شہر کی چیزوں میں نہیں ہوتا۔

کھانے کے بعد ہم نے ایک ایک رسالہ پکڑا اور اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔

میں جو رسالہ دیکھ رہی تھی اس میں ایک ہارر کہانی ”آسیبی ڈاک بنگلہ“ چھپی تھی۔ کہانی کا نام پڑھ کر میں چونکی اور سوچنے لگی کہ یہ کہانی پڑھ کر دیکھوں کہ آخر اس کہانی کا نام ”آسیبی ڈاک بنگلہ“ کیوں رکھا گیا ہے۔؟

جوں جوں میں کہانی پڑھتی گئی کہانی مجھے انٹرسٹنگ کے شکنجے میں جکڑتی چلی گئی۔ کہانی کچھ یوں تھی۔

ڈاک بنگلہ کا مالک بہت زیادہ عیاش اور ہوس پرست ہوتا ہے۔ ڈاک بنگلہ میں جتنے بھی سیاح آتے ہیں ان سے وہ خود ملاقات کرتا ہے، ان لوگوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے متعلق معلوم کرتا ہے اور انہیں ہر طرح کے آرام وسکون کے لئے اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہے اور ڈاک بنگلہ کے خدمت گاروں کو خاص تاکید ہوتی ہے کہ کسی بھی صورت میں سیاحوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

سیاحوں میں اگر کوئی لڑکی شامل ہوتی تو اس کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ روزانہ مالک خود آ کر اس لڑکی سے دن بھر اور رات بھر کی روداد سنتا تھا بلکہ کرید کرید کر پوچھتا کہ ”آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، کسی نے خدمت بجالانے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی، کھانے پینے کی چیزوں میں سوا کی کمی تو آپ نے محسوس نہیں کی، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میرا جو خاص مہمان خانہ ہے اس میں تشریف لے چلیں۔“ جو کمزور ذہن کی ہوتی تھیں وہ مالک کی باتوں میں آ جاتی تھیں۔

مالک اس لڑکی کو اپنے خاص مہمان خانہ میں لاتا۔ اس لڑکی کے آرام وسکون، رہنے سہنے، کھانے پینے اور دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھتا تھا۔

لڑکی کے دل ودماغ پر اپنی شرافت اور ہمدردی کا ایسا سکہ بٹھاتا تھا کہ وہ لڑکی اپنے آپ کو بھول کر مالک کے گن گانے لگتی۔

جب وہ دیکھتا کہ لڑکی اب بالکل مطمئن ہو چکی ہے اس کے ذہن پر کوئی ڈر خوف نہیں۔ ہمدردی اور شرافت کے شکنجے میں جکڑ چکی ہے تو اپنے پروگرام پر نظر ثانی کرنے لگتا کہ آخر میں نے لڑکی کے ساتھ اتنا تعاون کیوں کیا؟ میرا اصل مقصد لڑکی کو اپنے خاص مہمان خانے میں لانے کا کیا ہے؟

اور پھر رات کے اندھیرے میں مالک اس لڑکی کے ساتھ زبردستی اور زیادتی کے ساتھ ہوس پرستی کا کھیل کھیلنا جاتا اور پھر یہی نہیں بلکہ اسے یہ بھی تاکید کر دیتا کہ ”اگر تم نے زبان کھولی تو اپنی جان سے جاؤ گی، تمہاری لاش کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اگر عزت کو برقرار رکھنا چاہتی ہو، کسی کو تمہاری واقعہ اور عزت کے بارے میں پتہ نہ چلے تو اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا لو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“ کمزور لڑکی خاموشی کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

کبھی کبھار تو ایسا ہوتا کہ جو اس کی بات نہیں مانتی اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑی رہتی تو وہ عزت تو عزت اپنی جان سے بھی چلی جاتی۔ لڑکی کو مارنے کے بعد مختلف جگہوں پر گڑھا کھود کر منوں مٹی تلے دبا دیتا۔ اس کام میں اس کے تین کارندے بھی شامل تھے جو کہ رات کی تاریکی میں لڑکی کو مٹی تلے دبا دیتے تھے، ان تینوں کو مالک ان کی سوچ سے بڑھ کر انعام واکرام، رقم کی صورت میں دیتا تھا۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا تھا۔ علاقے کے تھانیدار بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا کیونکہ وہ تھانیدار کی مٹھی بھی گرم کرتا رہتا تھا۔ جب کوئی لڑکی غائب ہوتی تو کسی صورت اس کا سراغ نہ ملتا۔ پولیس اپنی تفتیش مکمل کرنے کے بعد لکھ دیتی کہ ”ہو سکتا ہے لڑکی کو ڈاکو وغیرہ اغوا کر کے لے گئے ہوں۔ ہم نے ہر طرح کی تفتیش کر لی مگر کسی صورت بھی لڑکی کا غائب ہونے کا نشان نہ ملا“ اور اس طرح اکثر کیس کو دبا دیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ڈاک بنگلہ میں باپ بیٹی گھومنے پھرنے کے لئے آئے۔ لڑکی خوب صورتی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی، جو بھی اسے دیکھتا تو اپنا دل پکڑ کر رہ جاتا اور نوجوان تو جب اسے دیکھتے تو رات بھر اس کی قربت کے لئے آہیں بھرنے لگتے تھے۔

ڈاک بنگلہ کے مالک نے جب اسے دیکھا تو جیسے سکتے میں آ گیا۔ لڑکی کی خوبصورتی نے اس کی رات کی نیندیں غائب کر دیں۔ دن کا چین بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا

تھا۔ وہ پل پل اس ترکیب میں لگ گیا کہ وہ لڑکی کو کیسے حاصل کرے اور پھر اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرے۔

جب بھی وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں، شرافت ور ہمدردی کا پرچار کرتا تو لڑکی کا باپ آڑے آجاتا۔ ان حالات کے پیش نظر مالک چند دن میں ہی ذہنی طور پر تھک کر چور ہو گیا۔ وہ ذہنی مریض بن گیا۔

ایک دن تو حد ہو گئی وہ اکیلے میں اپنے بال نوچنے لگا، طرح طرح کی آوازیں منہ سے نکالنے لگا، اس کی آنکھیں، چڑھ گئیں اور ان میں خون اتر آیا، اس کی شکل وحشت ناک ہو گئی، وہ حال سے بے حال ہونے لگا تو اس نے پانی سے بھرا ہوا جگ اٹھا کر اپنے سر پر انڈیل لیا۔ جگ کو ایک طرف پھینکا اور اپنے سر پر اپنے ہاتھوں کو زور سے مارا اور فرش پر بیٹھ گیا۔

اچانک اس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ اس کے جسم میں توانائی بھر گئی تھی، اس نے کمرے کی چاروں دیواروں کو بڑے غور سے دیکھا۔ اپنی آنکھیں جلدی جلدی جھپکائیں اور پھر زور سے اپنی آنکھیں موند لیں پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب شیطانی چمک جمع ہو چکی تھی۔ وہ کسی اہم فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

اس نے دیر نہیں لگائی اور فوراً سے پیشتر باتھ روم میں گھس گیا۔ اندر جا کر اس نے کپڑے اتارے اور شاور کو فل کھول کر اس کے نیچے بیٹھ گیا۔

نہ جانے وہ شاور کے نیچے کب تک بیٹھا رہا، اور اٹھا اس وقت جب شاور سے پانی گرنا بند ہو گیا۔ جب وہ باتھ روم سے نکلا تو ذہنی طور پر بالکل فریش ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے ایک کارندہ کو بلایا اور بولا۔ ”جلدی سے میرے لئے کافی بنا کر لا، کافی ذرا تیز ہونی چاہئے۔“ اچھے استری کئے ہوئے کپڑے پہنے اور سامنے کرسی پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے آنے والے وقت کے تانے بانے کے متعلق سوچنے لگا۔

نوکر نے جلدی سے کافی لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور کافی کا کپ اٹھا کر گرم گرم پینے لگا حالانکہ کافی بہت گرم تھی۔ جبکہ عام دنوں میں وہ کافی کو ٹھنڈا کر کے پیتا تھا مگر آج وہ اپنی قوت برداشت سے بڑھ کر گرم کافی پی گیا تھا۔

اس نے نوکر کو دوبارہ آواز دی اور بڑی تفصیل سے اس نے ان باپ بیٹی کے متعلق پوچھا جو ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے لڑکی کی قربت کے لئے وہ اپنے سارے ہتھکنڈے استعمال کر چکا تھا۔

نوکر نے باپ بیٹی کی دن بھر کی مصروفیات کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ سکون سے وہ پوری تفصیل کو سنتا رہا اور کسی کسی بات پر سر ہلاتا رہا۔ جب نوکر تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا تو اس نے نوکر کو بغور دیکھا اور کئی منٹ تک اسے دیکھتا رہا اور پھر انگلی کے اشارے سے بولا کہ ”اب تو چلا جا۔“

آج کئی دن کے بعد اسے ذہنی اور جسمانی سکون ملا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ آج جیسے توانائی اس کے جسم میں بھر گئی تھی۔ اس سے پہلے اس نے اپنے جسم میں کبھی بھی ایسی توانائی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ ایک نئے عزم سے اٹھا۔ کمرے سے باہر نکلا اور ڈاک بنگلے کی چھت پر چلا گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جو کہ دل و دماغ کو فرحت بخش رہی تھی۔ اس نے کرسی کھینچی اور کرسی پر پرسکون انداز میں بیٹھ گیا۔

آج پونم کی رات تھی چاند ابھی نکلا نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ آسمان کی وسعتوں میں چاند نظر آنے کی جگہ پر ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔

چاند اپنے مقررہ وقت پر نکلا اور اپنی سنہری کرنیں چاروں اور بکھیر دیں۔ آج کافی دنوں بعد وہ بھرپور چاندنی کا نظارہ کر رہا تھا۔ وہ چاندنی سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اور پھر وہ اپنے ذہن میں ایک اٹل فیصلہ کر کے خوش ہونے لگا۔

☆☆☆

دہکانی دیر تک چودھویں کے چاند کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، پھر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اوپر کو اٹھایا اور سیدھی انگلی چاند کی طرف کیئے رکھی کہ اچانک اس نے اپنی انگلی ٹیڑھی کر لی اور معنی خیز مسکراہٹ سے مسکراتا ہوا چھت سے نیچے اتر گیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے اس نے نوکر کو آواز دی تو نوکر دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ "جی سرکار!"

"ایک گرما گرم کافی لا۔"

"جی بہت اچھا۔" کہہ کر نوکر چلا گیا۔

وہ خلاؤں میں گھورنے لگا۔ دس منٹ بعد نوکر کافی لے کر آ گیا اور اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ اس نے انگلی کے اشارے سے نوکر کو چلے جانے کا اشارہ کیا تو نوکر "جی اچھا" کہتا ہوا فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ کافی کی چسکی لیتا اور آنکھیں بند کر لیتا۔ اس طرح کافی کے بیت گیا اور پھر گھڑیال نے بارہ بجنے کا اعلان کر دیا اور پھر تو متواتر ٹن ٹن کا گردان کرتا رہا۔ اس وقت اسے گھڑیال کی آواز بہت بری لگ رہی تھی لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھڑیال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیتا۔ وہ اپنے خیالوں میں نہ جانے کہاں تک پہنچا تھا کہ گھڑیال نے اس کی سوچوں میں خلل ڈالا تھا۔

وہ چونک کر فوراً اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

ڈاک بنگلہ میں موجود سارے سیاح میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ایک ملازم دبے قدموں سے اس کے پاس آیا۔ زیرو پاور کا بلب ہر طرف اپنی کمزور روشنی پھیلانے میں مصروف تھا۔ اس نے اس آدمی سے سرگوشی میں چند باتیں کیں اور قریب ہی اپنی حویلی کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے کوئی بیس منٹ بعد راہداری میں جلتا ہوا بلب اچانک بجھ گیا۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راہداری میں تین سائے نمودار ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں ایک پینسل ٹارچ تھی۔ وہ تینوں آگے بڑھے اور ایک دروازہ کے پاس جا کر رک گئے۔ بہت احتیاط سے ایک نے دروازہ میں لگے ہینڈل کے سوراخ میں چابی ڈال کر گھمایا۔ دروازہ میں لگا تالا کھل گیا۔

وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کمرے میں موجود زیرو پاور کا بلب بجھا دیا۔ ایک بیڈ پر ایک خوب صورت لڑکی محو خواب تھی۔

دوسرے بستر پر ایک زیادہ عمر شخص نیند کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

وہ تینوں لمبے تڑنگے اور مضبوط جسم والے تھے۔ ایک اس بستر کی جانب بڑھا جس پر لڑکی محو خواب تھی۔ اس شخص نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر اشارہ پاتے ہی اس نے لڑکی کو اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ لڑکی بالکل بے سدھ تھی، اس میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ لڑکی بے ہوش ہے۔

دوسرے شخص نے بوڑھے کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور پھر تینوں کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

اس تمام کارروائی کے ہونے تک ایک نے پینسل ٹارچ جلائے رکھی تھی۔

چونکہ آج باپ کی طبیعت خراب تھی لہٰذا بیٹی جس کا نام کرن تھا۔ اس نے کھانا اپنے کمرے میں ہی منگوالیا تھا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاک بنگلہ کے مالک نے ان کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملوادی تھی۔ کھانا کھاتے ہی تھوڑی دیر میں باپ بیٹی بے ہوش کر اپنے اپنے بستروں پر پڑ گئے تھے۔

گاؤں دیہات میں سرِ شام ہی موت کا سناٹا چاروں اور مسلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں نہ تو شہر جیسی گہما گہمی ہوتی ہے اور نہ ہی چکا چوند روشنی، پورے گاؤں میں صرف ڈاک بنگلہ اور حویلی ایسی تھی جہاں روشنی کا انتظام تھا۔

بہر حال وہ تینوں شخص باپ بیٹی کو لئے ہوئے حویلی میں داخل ہوئے۔ انہوں نے باپ کو ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا اور لڑکی کو ایک سجے سجائے کمرے کے بیڈ پر لٹا دیا۔ ابھی تک لڑکی بے سدھ پڑی تھی۔ لڑکی کو بیڈ

پرلٹانے کے بعد وہ تینوں کمرے سے نکلتے چلتے گئے۔

کمرے کا ایک دروازہ کھلا اور ڈاک بنگلہ کا مالک اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجائے کمرے میں داخل ہوا۔ چند منٹ تک لڑکی کو وہ بغور دیکھتا رہا۔ پھر وہ بیڈ پر لڑکی کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اپنے سیدھے ہاتھ سے لڑکی کے دونوں گال اتنے دبائے کہ لڑکی کے گال میں گڑھے پڑ گئے۔ اس کے بعد اس وہ لڑکی کے نرم و نازک گلاب کی پنکھڑی جیسے گلابی ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرنے لگا۔ چند منٹ ایسا کرنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ شاید آنے والے وقت کے لیے وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور چاروں سائیڈ دیواروں پر لگے چاروں بلب روشن کر دیئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک عود آئی تھی۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے شاید یہ سوچ کر کہ میں نے ناممکن کو ممکن کر دیا۔

پھر وہ لڑکی کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور دوبارہ لڑکی کے ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرنے لگا، چند لمحے بعد اس نے لڑکی کا گریبان بٹن سے آزاد کر دیا، اس کے بعد وہ لڑکی کو ٹکٹکی باندھے چند لمحے دیکھتا رہا پھر تو اس پر جنون سوار ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لڑکی کو کپڑوں سے بے نیام تلوار کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے اپنی نظریں لڑکی کے نشیب و فراز پر گاڑ دیں اور پھر جیسے اس کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔ اس پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے خود کو بھی کپڑوں سے آزاد کر لیا اور پھر پلک جھپکتے ہی اس نے خود کو نچ بٹن کی صورت میں ڈھال دیا۔

لڑکی کی اذیت ناک، کرب ناک اور فلک شگاف چیخیں در و دیوار کو دہلا گئیں۔

لڑکی کرب و اذیت سے ماہی بے آب ہو کر تڑپنے لگی، اس کی چیخیں ہر شے میں شگاف ڈالنے لگیں۔

لڑکی کی چیخوں سے گھبرا کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکی کے منہ پر رکھ دیئے۔

لیکن لڑکی کی چیخوں پر وہ قابو نہ پا سکا۔ لہٰذا اس کے دونوں ہاتھ لڑکی کی گردن پر آ گئے اور اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گلے پر مضبوط ہوتی گئی۔

اور پھر مزید اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گلے پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس دوران اس نے اپنے آپ کو حرکت میں رکھا ہوا تھا۔

لڑکی کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا کرب سمٹ آیا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر بڑی ہو گئی تھیں اور پھر لڑکی کی تمام تر مزاحمت دم توڑتی چلی گئی۔ اس کے ہاتھ جو اپنے بچاؤ کی صورت میں ادھر ادھر ہو رہے تھے اب بے جان ہو کر جسم کے دونوں پہلو میں گر گئے تھے۔

”بیڈ سے نیچے اتر کر وہ کھڑا ہو گیا اور بولا۔

”سالی! بہت بڑی شیرنی بنی تھی۔“

لڑکی کی وحشت سے ٹپکتی بے جان آنکھیں جیسے اس پر ٹک گئی تھیں۔ اس نے اپنے کپڑے پہنے اور کمرے سے باہر نکل کر کسی کا نام لے کر ہلکی آواز میں بلایا۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا تو اس نے سرگوشی میں اس شخص سے کچھ کہا تو وہ شخص سر ہلاتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا اور ایک چادر اٹھا کر لڑکی پر ڈال دی۔

چند منٹ بعد دروازے پر ٹک ٹک کی آواز سنائی دی تو وہ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ دو بندے کمرے میں داخل ہوئے اور اشارہ پاتے ہی انہوں نے لڑکی کو چادر سمیت اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور پھر کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

ان دونوں شخص کے کمرے سے نکلنے کے چند منٹ بعد الوؤں کی گھٹا ٹوپ اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی خوفناک اور ڈراؤنی آوازیں پورے ماحول کو لرزا گئیں۔

آدھا گھنٹہ وہ کمرے میں کرسی پر بیٹھا رہا پھر وہ اٹھا اور چادر کو دیکھنے لگا کیونکہ چادر پر کافی خون پڑا ہوا تھا۔ اس نے چادر اٹھائی اور گول گٹھری بنا کر ایک کونے میں ڈال دی۔

صبح کا اجالا کیا پھیلا کہ پورے گاؤں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص سکتے کے عالم میں تھا، لوگوں کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا، آنکھوں میں حیرت تھی۔ کسی کو یقین ہو کے نہیں دے رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاک بنگلہ سے کافی دور ایک کھائی میں ایک لڑکی اور ایک بوڑھے شخص کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ لاشوں کی حالت بہت دگرگوں تھی۔

دونوں لاشیں برہنہ تھیں اور پورے جسم پر کسی تیز دھار آلے سے لگے ہوئے بے شمار زخم نمایاں تھے۔

ڈاک بنگلہ کا عملہ آیا اور اس نے بیان داغ دیا کہ یہ باپ بیٹی کی لاشیں ہیں جو کہ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے لیکن کل شام سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ ہم دوسرے گاؤں میں اپنے ایک جاننے والے کے پاس جا رہے ہیں۔ یہی بات ڈاک بنگلہ کے رجسٹر میں درج تھی۔

پولیس آئی اور ڈاک بنگلہ کے مالک سے اس کی حویلی میں ملی۔ تفتیش، چھان بین، چند لوگوں اور ڈاک بنگلہ کے عملہ سے پوچھ گچھ، پولیس کی کارروائی مکمل ہوئی، مٹھی گرم ہوئی اور پولیس نے ڈاک بنگلہ کے مالک کو نستے کہا اور نو دو گیارہ ہو گئی۔

سارا کیس نامعلوم لٹیروں پر ڈال دیا گیا۔ ڈاک بنگلہ میں جو باپ بیٹی کا پتہ درج تھا اس پر پولیس نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نام کے یہ دونوں اس جگہ موجود نہیں۔ ان دنوں جدید نظام نہیں تھا اور نہ ہی شناختی کارڈ وغیرہ ہوتا تھا۔

ایک ہفتہ گزرا تھا کہ ایک رات پورے ڈاک بنگلہ میں تہلکہ مچ گیا۔ رات کا آدھا پہر گزر چکا تھا کہ اچانک ایک کان پھاڑ دینے والی خوفناک اور دلخراش چیخ نما آواز گونجی۔ آواز اتنی زوردار تھی کہ نیند کی وادی میں کھوئے ہوئے لوگ ہڑبڑا کر اپنے اپنے کمروں میں اٹھ بیٹھے اور بدحواسی کے عالم میں کمروں سے نکل کر باہر آ گئے۔

ہر شخص بدحواس تھا بمع ڈاک بنگلہ کے عملے کے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی ڈراؤنی اور دل دہلاتی آوازیں کیسی تھیں۔ ہر آدمی اپنی اپنی ہانک رہا تھا کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے کہ پھر اچانک وہی آواز دوبارہ چاروں طرف گونج گئی۔

اب تو تمام لوگوں کی حالت دیدنی تھی، کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے لوگ ڈاک بنگلہ کے انچارج کے گلے پڑ گئے۔ ”تم یہ بتاؤ کہ یہ آوازیں کیسی ہیں؟ کیا آج سے پہلے بھی ایسی آوازیں سنی گئی ہیں۔ ایسی آواز کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔“

”ایسا لگتا ہے یہ تو کسی آتما کی آواز ہے جو کہ غیض وغضب کے عالم میں چیخ رہی ہے۔“ کسی نے یہ کہہ دیا۔

اس بات کا لوگوں نے سننا تھا کہ وہ تو خوف اور دہشت سے کپکپانے لگے، کچھ کمزور دل لوگوں پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ فرش پر بیٹھتے چلے گئے۔

رات کا سے لوگوں پر ہیبت طاری، ہر آدمی اپنی اپنی بولیاں بول رہا تھا۔ اب تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ درست ہے کہ یہ آواز ضرور کسی آتما کی ہے، ڈاک بنگلہ کا انچارج اپنی جگہ بہت بیاکل تھا اس نے کہا۔ ”آپ لوگ گھبرایئے نہیں، آج سے پہلے کبھی یہ آواز سنائی نہیں دی، اور نہ کبھی کسی کو اس ڈاک بنگلہ میں کوئی نقصان ہوا ہے۔ ہم خود بیاکل ہیں اور ترنت پتہ لگانے کی کوشش میں ہیں کہ یہ آواز کیسی تھی؟“

کوئی بھی اپنے کمرے میں جانے کو تیار نہ تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے انچارج نے ڈاک بنگلہ کا بڑا ہال کمرہ کھلوا دیا تا کہ سارے لوگ اس کمرے میں بیٹھ جائیں۔

ادھر حویلی کی حالت بھی بڑی ابتر تھی۔ پوری حویلی میں وقفے وقفے سے کربناک اور دردناک کان پھاڑ دینے والی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ آوازیں حویلی کے اس کمرے میں ہی تھیں جس کمرے میں حویلی اور ڈاک بنگلہ کا مالک موجود تھا۔

باہر سے ایسا لگتا تھا کہ یہ خوفناک آوازیں پوری

حویلی میں گونج رہی ہیں مگر ایسا نہیں تھا، آوازیں صرف مالک کے کمرے میں گونج رہی تھیں۔

آوازیں جو کہ کسی الو کی آواز سے مشابہ تھیں، کان پھاڑے دے رہی تھیں۔ مالک نے چاہا کہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل جائے اور ملازموں کو آواز دے اور یہ معلوم کرے کہ آج یہ بھیانک آوازیں کیسی ہیں اور کہاں سے آرہی ہیں؟

لیکن یہ کیا؟ دروازہ تو باہر سے مقفل تھا۔ وہ دروازے کو دھڑ دھڑاتا رہا مگر کوئی بھی اس کی آواز سننے والا نہیں تھا۔ جب دروازہ پیٹتے پیٹتے تھک گیا تو وہ کھڑکی کے قریب آیا مگر کھڑکی بھی بند تھی، لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ کھڑکی کھولنے میں کامیاب نہ ہوا اور پھر اس نے کھڑکی کو بھی پیٹنا شروع کر دیا مگر اس میں بھی وہ ناکام رہا۔

کمرے کی لائٹ بھی اپنی روشنی کھو چکی تھی۔ اس نے سارے بٹن بار بار اوپر نیچے کیئے۔ مگر کمرے میں روشنی نہیں ہوئی۔ اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں مگر آوازوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

اچانک کمرے کے بلب جل اٹھے اور پھر اس نے دیکھا کمرے میں دو سائے متحرک تھے۔ ڈھب سے لگتا تھا، ایک سایہ کسی عورت کا تھا کیونکہ اس کے لمبے بال تھے اور دوسرا سایہ کسی مرد کا تھا۔

"گنیش! تو ہماری پہنچ سے دور نہیں بھاگ سکتا۔" مرد کی آواز گونجی۔ "تیرا سکھ شانتی آرام سکون تجھ سے دور ہو جائے گا، تو ہر رات میں مرے گا اور جیے گا، رات کا سے تیرے لئے انگارے پر لوٹنے جیسا ہو جائے گا۔ دن سے بھی تو ہماری گرفت میں رہے گا یعنی ہم تیرے سنگ سنگ رہیں گے۔ تو ظالم اور پاپی ہے تو نے کئی معصوم ناریوں کا خون کیا ہے اور پھر تو نے مجھے اور میری معصوم بیٹی کرن کو بھی اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہم باپ بیٹی کو بے دردی سے مروا دیا۔

تیری ساری لنکا تیری آنکھوں کے سامنے لٹ جائے گی۔

تو روئے گا، چلائے گا، آہیں بھرے گا، لوگوں کو اپنی مدد کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر بلائے گا مگر کوئی بھی تیری طرف نہیں آئے گا۔

تیرا دھن دولت اور یہ راج پاٹ سب مٹی میں مل جائے گا، تو نے جو اپنا روپ دھرماتما کا بھرا ہوا ہے دن کی روشنی میں اس کی قلعی کھل جائے گی۔ تو خود اپنے منہ سے اپنے کرتوتوں کا پرچار کرے گا۔"

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں سائے غائب ہو گئے، کیونکہ اب صبح کا اجالا پھیلنے والا تھا۔ صبح ہوتے ہی ڈاک بنگلہ کا انچارج بھاگتا ہوا اپنے مالک گنیش کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ گنیش کی حالت بہت خستہ تھی۔ بال بکھرے ہوئے، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی آنکھیں اپنے حلقوں سے کچھ باہر کو پھٹی پھٹی نظر آرہی تھیں اور سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے کہ ہفتوں نہ سونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

گنیش بابو! کل رات ڈاک بنگلے میں اچنبھا ہو گیا۔ آدھی رات سے اچانک ایک ڈراؤنی خوفناک آواز گونجی جس نے لوگوں کے دلوں کو دہلا کر رکھ دیا۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے سارے لوگ اپنے اپنے کمروں سے نکل پڑے اور پھر دوبارہ بھی وہی کان پھاڑ دینے والی ڈراؤنی آواز سنائی دی۔ جسے سن کر لوگوں کا دل اپنے سینے میں پھڑکنے لگا۔

کئی لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی بھٹکی ہوئی ضدی آتما ڈاک بنگلہ میں آگئی ہے، لوگ ڈر کے مارے ڈاک بنگلہ خالی کرنے کا کہہ رہے ہیں۔

آپ چل کر لوگوں کو ڈھارس بندھائیں تاکہ لوگ شانت ہو جائیں۔ لوگوں کو یہ بھی کہنا ہے کہ تم جا کر گنیش جی کو فوراً لے آؤ۔ کیونکہ گنیش جی کا کہنا ہے کہ اس ڈاک بنگلہ میں کسی کو بھی ذرا سا بھی کشٹ نہیں ہوگا۔ وہی بتائیں گے کہ رات سے ایسا کیوں ہوا؟ یعنی یہ خوفناک

آواز کیسی تھی، شاید انہیں اس آواز کے بارے میں کچھ پتہ ہو۔

گنیش جی! کسی پنڈت، کسی سادھو یا پھر کسی سیانے کو بلا کر معلوم کریں کہ رات سے جو آواز سنائی دی وہ کیسی تھی؟'' یہ بول کر انچارج خاموش ہو گیا۔

انچارج کی باتیں سن کر گنیش سکتے میں آ گیا، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا کیونکہ وہ خود بھی رات میں جو نہ ہونے کو وہ بھگت چکا تھا۔ اور اسے چتاونی دی گئی تھی کہ ''تو ہماری گرفت اور پہنچ سے دور نہیں۔''

بہر حال مرتا کیا نہیں کرتا، گنیش نے تو اپنا بھرم رکھنا تھا لہٰذا اس نے انچارج سے کہا۔ ''بگھی والے کو بلا کر لا، میں چل کر دیکھتا ہوں اور لوگوں کو ڈھارس بندھاتا ہوں کہ وہ نہ ڈریں، ڈرنے والی کوئی بات نہیں اور اس سے پہلے کبھی ایسا کچھ ہوا نہیں۔

وکرم تو بھی ڈاک بنگلہ چل اور پھر تو کوچوان کے ساتھ سامنے گاؤں میں چلے جانا اور مندر کے پجاری جی کو میرا بتانا اور بولنا کہ ''گنیش بابو نے آپ کو ترنت بلایا ہے، بہت ضروری کام ہے۔'' ان کو ساتھ لے کر ضرور آنا۔''

یہ سن کر وکرم بگھی والے کوچوان کے پاس گیا اور اسے لے کر فوراً آ گیا۔ گنیش مردار قدموں سے چلتا ہوا حویلی سے باہر نکلا اور وکرم کے ساتھ بگھی میں بیٹھ کر ڈاک بنگلہ آ گیا۔

ڈاک بنگلہ کے دروازے پر گنیش اتر گیا اور وکرم کوچوان کے ساتھ سامنے والے گاؤں کی طرف چلا گیا تاکہ وہ پجاری کو لے آئے۔

پجاری بہت پہنچا ہوا تھا اور جنتر منتر میں بہت آگے تھا۔ ایک گھنٹے میں وکرم پجاری کو لے کر ڈاک بنگلہ میں آ گیا۔

اس سے پہلے گنیش ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو دلاسہ دے چکا تھا۔ انہیں اپنی باتوں سے مطمئن کر دیا تھا کہ ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں آپ لوگ آرام سکون سے رہیں اور اگر کوئی بات ہوئی بھی تو میں نے پجاری جی کو بلا بھیجا ہے۔ پجاری جی بہت پہنچے ہوئے ہیں۔''

بگھی جیسے ہی ڈاک بنگلہ کے دروازے پر آ کر رکی تو ترنت گنیش باہر نکلا اور بگھی میں بیٹھ گیا اور کوچوان سے بولا۔ ''حویلی چل وہیں بیٹھ کر پجاری جی سے باتیں ہوں گی۔''

بگھی حویلی کی طرف چل پڑی۔ ڈاک بنگلہ کا انچارج وکرم ڈاک بنگلہ میں ہی ٹھہر گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بگھی حویلی کے دروازے پر جا کر رک گئی۔ گنیش فوراً نیچے اترا اور پجاری کو بھی نیچے اترنے کے لئے کہا۔

پجاری بگھی سے نیچے اتر گیا تو گنیش بولا۔ ''پجاری جی اندر چلیں کمرے میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' پجاری کو لے کر گنیش اپنے کمرے میں پہنچا اور پجاری سے بولا۔ ''پجاری جی آرام سے کرسی پر بیٹھیں۔''

پجاری ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ گنیش نے مجھے اتنا ترنت کیوں بلوایا ہے، بات کیا ہے؟ اس سے پہلے تو گنیش اتنا گھبرایا ہوا کبھی نظر نہیں آیا تھا۔

پجاری جب آرام سے بیٹھ گیا تو گنیش نے نوکر کو آواز دے کر ٹھنڈا شربت منگوایا اور پجاری کو پیش کیا۔ پجاری نے جب شربت پی لیا تو گنیش پجاری کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

''پجاری جی! آپ تو مجھے جانتے ہی ہیں کہ میری ذات سے کسی کو کشٹ نہیں پہنچا اور میری ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ میں سب کے کام آؤں، لیکن پتہ نہیں ایسا کیا ہوا کہ کل رات ڈاک بنگلہ میں آدھی رات سے ایک خوفناک اور ڈراؤنی گونجدار آواز سنائی دی۔ آواز اتنی زبردست تھی کہ سوئے ہوئے تمام لوگ ہڑبڑا کر اٹھ گئے اور اپنے کمروں سے بدحواس ہو کر نکل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس سے بھی زیادہ کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی تو لوگوں کا دل دہل گیا۔ لوگ سکتے میں آ گئے اور ان پر

کپکپی طاری ہوگئی۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے کوئی بھی اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ بڑے ہال کمرے میں سب ڈرے ہوئے بیٹھے رہے اور اسی طرح بیٹھے بیٹھے بھور سے ہوگیا۔

پجاری جی! اگر ڈاک بنگلہ میں ایسا ہوا ہوتا تو پھر دماغ ایک طرف ہی لگا رہتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ کل رات میرے کمرے میں میرے ساتھ بھی کچھ اس سے بڑھ کر ہوا۔ کان پھاڑ دینے والی دہشت ناک آواز سے میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کے بعد متواتر عجیب عجیب قسم کی ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں۔

میں نے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ باہر سے کسی نے بند کردیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تمام کھڑکیاں بھی کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں روشنی کرنے کے لئے تمام بٹن آن کئے مگر کمرے کی بجلی غائب تھی، میں حیران و پریشان تھا، مجھ پر خوف پوری طرح سوار ہو چکا تھا۔

اچانک کمرے میں موجود سارے بلب جل اٹھے اور پھر جو منظر نظر آیا، اس نے تو میرے حواس بھلا دیئے جسم میں دوڑتا ہوا خون جیسے جم کر رہ گیا۔

مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا اور میری آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں۔ کمرے میں دو سائے حرکت کر رہے تھے۔ ایک سایہ عورت کا تھا اور دوسرا سایہ مرد کا تھا۔

مرد کی آواز گونجی۔ ''تو پل پل سکھ شانتی کے لئے ترسے گا، پوری رات اس طرح کٹے گی جیسے کہ تو انگاروں پر لوٹ رہا ہو، تو ہماری پہنچ اور گرفت سے دور نہیں جاسکتا۔''

پجاری جی کچھ کیجئے، مجھے بچالیجئے نہ جانے یہ دونوں آتمائیں کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں؟ میں تو کسی کا برا بھی نہیں چاہتا۔ آپ کچھ کریں۔'' اور گنیش فوراً کرسی سے اتر کر نیچے پجاری کے قدموں میں بیٹھ گیا اور پجاری کے دونوں ہاتھ پکڑ کر گڑگڑانے لگا۔ گنیش کی حالت بہت بدحواس تھی۔ پجاری نے بڑے پیار سے کہا۔ ''گنیش بابو آپ چنتا نہ کریں میں سارے اپائے کروں گا تاکہ آپ سکھ شانتی سے رہیں، آج رات میں جاپ کروں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ یہ آتمائیں کون ہیں؟ اور کیا چاہتی ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں اور کیوں آئی ہیں؟

آپ نچنت ہو جائیں اور بالکل بھی فکر نہ کریں، میں کوشش کروں گا کہ یہ آتمائیں آج رات آپ کو کشٹ نہ پہنچائیں، اب میں چلتا ہوں، میں نے کچھ لوگوں کو مندر میں بلایا ہے اور ان سے ضروری بات کرنی ہے۔''

گنیش مطمئن ہوگیا تھا پجاری کی باتوں سے۔ اس نے نوکر کو آواز دی کہ بگھی والے کو بلا لائے، کوچوان جب آگیا تو گنیش بولا۔ ''پجاری جی کو ان کے گاؤں چھوڑ آ۔'' جاتے جاتے گنیش نے پجاری کو ایک بھاری رقم بھی دینا نہیں بھولا تھا۔

پجاری چلا گیا اور جب وہ اپنے گاؤں پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بہن جو دوسرے گاؤں میں رہتی تھی اس کا بیٹا یعنی پجاری کا بھانجا دریا میں نہاتے ہوئے ڈوب کر مر گیا ہے۔ یہ سنتا تھا کہ پجاری بھاگم بھاگ اپنی بہن کے گاؤں اپنی پتنی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

دن کا سورج ڈھلنے لگا، شام کے سائے پھیلنے لگے اور پھر ہر سو اندھیرے نے اپنا تسلط جمالیا۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی گھنگھور گھٹائیں امنڈ آئیں، بادل گرجنے لگے، بجلی کی چمک اور گڑگڑاہٹ نے لوگوں کو سہما کر رکھ دیا، ساتھ ہی آندھی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، لوگوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے، اپنے گھروں میں دبکے ہوئے لوگ جلدی جلدی بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگے، مندر میں بھی گھنٹیاں بجنے لگیں، مندر کے پجاری اچانک آسمانی آفت دیکھ کر بھجن گانے لگے، کیونکہ ایسے حالات میں بھگوان کی ہی ذات ایسی ہوتی ہے کہ لوگوں کو بچالیتی ہے۔ گڑگڑاہٹ کے ساتھ جب بجلی چمکتی تو ایسا لگتا کہ بجلی اب گری کہ تب گری۔ کمزور دل لوگوں کے لئے تو گھر والوں نے یہ کیا کہ ان کے سر اور کان پر کپڑا لپیٹ دیا تاکہ بجلی کی گڑگڑاہٹ وہ نہ سن سکیں۔

گنیش اپنے کمرے میں بیٹھا پجاری کو یاد کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''پجاری جی آتماؤں کی ایسی تیسی کر کے رکھ دیں گے۔'' اور وہ یوں بھی مطمئن تھا کہ اس نے پجاری کے ہاتھ پر ایک بڑی رقم رکھ دی تھی اور اسے سو فیصد امید تھی کہ ''رقم کی وجہ سے پجاری جی نے اپنا جاپ ضرور کرنا ہے اور ان آتماؤں کو وہ اپنے وش میں کر لیں گے۔''

لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ اس کا بنا بنایا پروگرام برستی ہوئی بارش کے پانی میں بہہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں سو گیا۔ باہر کے دل دہلاتے طوفانی موسم سے وہ بے خبر تھا کیونکہ وہ تو حویلی کے عالیشان کمرے میں آرام دہ بستر پر موجود تھا۔

آدھی رات کا سمے تھا۔ اچانک کمرے میں ایک کان پھاڑ دینے والی گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی، آواز میں گڑگڑاہٹ اتنی تھی کہ گنیش اچھل کر بستر پر اٹھ بیٹھا اور ہونقوں کی طرح پورے کمرے میں بدحواسی کی حالت میں دیکھنے لگا کیونکہ وہ تو کمرے کی ساری لائٹیں بند کر کے سویا تھا اور اب کمرے کے سارے بلب جل رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ بالکل ساکت تھا مگر اس کی آنکھ کی پتلیاں ضرور حرکت کر رہی تھیں، اچانک کمرے میں وہی دونوں سائے متحرک نظر آئے تو اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

''پجاری بھی مجھے چکمہ دے گیا۔'' اس نے سوچا۔

''پاپی تو یہی سوچ رہا ہے ناں کہ پجاری تجھے چکمہ دے گیا، نہیں ایسا نہیں، پجاری نے ٹھیک سوچا تھا مگر یہ تیری قسمت کا دوش ہے، اور ایسا موقع شاید پھر نہ ملے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پجاری ہماری راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

آج کی رات تیری زندگی کی آخری رات ہے۔''

یہ سنتا تھا کہ گنیش گڑگڑانے لگا، اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن گئیں۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ اپنے ہاتھ جوڑنے لگا۔ ''مجھے معاف کر دو، میں اپنے من کے آگے اندھا ہو گیا تھا، مجھ پر ہوس سوار ہو گئی تھی۔

میں بہت پاپی ہوں میں نے بہتوں کا خون بہوایا، میں نے بہت برا کیا مگر اب میں ایسا نہیں کروں گا، مجھے بھگوان کے لئے معاف کر دو۔ تم لوگ جو بولو گے میں وہی کروں گا، میری جان پر دیا کرو...... مجھ پر دیا کرو...... بھگوان......''

اور گنیش کی آواز گلے میں پھنس کر رہ گئی۔ پھر آواز سنائی دی، ''پاپی اب بھگوان کا واسطہ دے رہا ہے، معصوم ناریاں بھی تجھے بھگوان کا واسطہ دیتی تھیں، کیا تو نے ان پر دیا کیا، کیا تو نے ان کی جان بخش دی، تو نے بہت پاپ کئے۔

تیرا آج کی رات مرنا ضروری ہے۔

اور پھر گنیش ایک انجانی قوت کے تحت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹرانس کی حالت میں چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا، اس نے دروازہ کھولا اور غضب ناک طوفانی موسم میں حویلی سے باہر نکل کر ایک سمت چلتا گیا۔

صبح کے وقت پورے گاؤں میں ناقابل بیان حد تک کہرام مچ گیا تھا۔ کیونکہ گنیش کی بھیانک موت لوگوں کے سامنے تھی۔ ایسا شخص جس کے دب دبے کے آگے کوئی آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی موت؟

پورا گاؤں امنڈ آیا تھا اس کی لاش دیکھنے کے لئے۔ جس کی بھی نظر اس کی لاش پر پڑتی تو وہ دل پکڑ کر رہ جاتا، وہ یک ٹک اس طرف دیکھے جاتا، ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی ان دیکھی طاقت لوگوں کو اس طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی ہو، کیونکہ جو بھی اس طرف دیکھتا وہ اسی طرف دیکھے چلا جاتا۔ دیکھنے والے کی خواہش ہوتی کہ اپنی نظروں کو لاش پر سے ہٹا لے کیونکہ لاش کی جو بھیانک حالت تھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

گنیش کپڑوں سے آزاد ایک اونچے درخت پر

لٹکا ہوا تھا۔ اس کی گردن میں ایک پتلی رسی سی لپٹی ہوئی تھی ایک سرا گردن میں اور دوسرا سرا درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا تھا۔

پورے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کہ کسی نوکیلی چیز سے چھید نہ کیا گیا ہو۔ سرے سے لے کر گردن تک ہر جگہ کو چھید دیا گیا تھا۔ ہر سوراخ سے خون نکل کر پاؤں کی طرف آتا اور پھر پاؤں سے نیچے زمین پر ٹپکتا تھا۔

کئی لوگوں کے منہ سے نکل گیا کہ ”گنیش بابو نے آتماہتھیا کر لی ہے۔“

مگر اصل سوال یہ تھا کہ کیا کوئی آدمی اپنے جسم میں اتنے سوراخ کر سکتا ہے اور سوراخ ایسے کہ پاؤں سے لے کر گردن تک، سوراخ جسم کے اگلے حصے اور پچھلے حصے کی طرف بھی تھے۔ گردن منہ اور سر بالکل صحیح حالت میں تھے، ان پر ایک بھی زخم کا نشان نہیں تھا۔

اور پھر اچنبھے کی بات یہ بھی تھی کہ اس درخت کے نزدیک بارش کے پانی کا بھی کوئی نشان نہیں تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس جگہ بارش نہیں ہوئی۔

گنیش کی موت کی خبر آناً فاناً آس پاس کے گاؤں میں بھی پھیل گئی اور لوگ بھاگے ہوئے اس بھیانک موت کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔

اس کے پریوار والے تو اس کی لاش دیکھ کر دھاڑیں مارنے لگے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی آنکھوں سے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ درخت کے پاس لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ پریوار والوں کی خواہش تھی کہ جلد از جلد لاش درخت سے اتار کر چتا کی اگنی کے حوالے کر دیں۔

جو بھی درخت کے پاس جاتا اور درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو اسے جیسے کرنٹ سا لگتا اور وہ شخص اچھل کر درخت سے دور ہو جاتا۔

یہ اچنبھے میں ڈالتی ایک نئی مصیبت تھی۔ لاش کو درخت سے اتارنا ضروری تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ لاش اتارنے کیلئے کئی لوگوں کو درخت پر چڑھنا لازمی تھا۔ بغیر درخت پر چڑھے لاش نیچے نہیں آ سکتی تھی اور نہ ہی اتنی بڑی سیڑھی تھی کہ اسے لگا کر لاش اتاری جائے۔

ہر آدمی کی بدھی اس معاملے میں ناکام ہو گئی تھی۔

لوگوں نے یہ تو سمجھ لیا تھا کہ گنیش کو کسی انسان نے نہیں مارا ہے۔ یہ ضرور کسی بھٹکی ہوئی آتما کا کیا دھرا ہے۔

چند لوگ دوڑے ہوئے گئے اور مندر کے پرانے پجاری جو کہ اب مندر سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے الگ ہو گئے تھے ان کے پاس گئے اور ساری کتھا سنا دی۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ ”جو کوئی بھی درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے کرنٹ سا لگتا ہے اور جھٹکا کھا کر درخت سے دور جا گرتا ہے۔“

لوگوں کی باتیں سن کر پجاری کو گاؤں والوں اور گنیش کے پریوار پر دیا آ گیا۔ لہٰذا پجاری جی ان لوگوں کے ساتھ اس درخت کے پاس چلے آئے جہاں درخت پر گنیش کی لاش لٹکی ہوئی تھی پجاری نے بڑے غور سے گنیش کی لاش کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اپنے سر پر مارا۔

پجاری جی نے ایک شخص کو اپنے قریب بلایا اور اس سے کچھ کہا تو وہ شخص دوڑا ہوا پجاری جی کے گھر چلا گیا اور وہاں سے تھوڑا سا لوبان اور تھوڑا سا سیندور لیا اور پھر اپنے گھر آ کر آ کر چولہے میں سے دہکتے ہوئے انگارے ایک مٹی کے پیالہ میں لیا اور دوڑتا ہوا پجاری جی کے پاس پہنچ گیا۔

پجاری جی ترنت درخت کے پاس بیٹھ گئے آگ والا پیالہ اپنے سامنے رکھ لیا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا اور وقفے وقفے سے چٹکی بھر لوبان آگ پر ڈالتے بھی جاتے تھے۔ جب آگ پر لوبان پڑتا تو ڈھیر سارا دھواں نکلتا اور اوپر کو جا کر ہوا میں تحلیل ہو جاتا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پجاری جی نے لاش کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔

انگلی کا اشارہ ایسا تھا کہ شاید کسی کو دور ہٹا رہے ہوں۔ کئی بار انہوں نے ایسا ہی کیا تو گنیش کی لاش ایک

مرتبہ زور سے ہل گئی۔ اس کے بعد پجاری جی نے سیندور کی پڑیا لے کر درخت کی جڑ کے قریب آئے اور پھر درخت کے چاروں طرف سیندور سے دائرہ بنادیا۔ اس کے بعد کچھ پڑھ کر درخت پر پھونک ماری۔

لوگوں کی طرف پجاری جی دیکھتے ہوئے بولے۔

'جس کو اوپر چڑھنا ہے، چڑھ جائے اور لاش کو نیچے اتار لے۔"

پجاری جی کی بات سنتے ہی تین نوجوان آگے بڑھے۔ تینوں نوجوان گنیش کے ملازموں میں سے تھے، وہ درخت پر دندناتے ہوئے چڑھ گئے، ایک کے ہاتھ میں لمبی اور مضبوط رسی بھی تھی۔

انہوں نے اوپر گنیش کی گردن میں مضبوطی سے رسی باندھ دی اور پھر آہستہ آہستہ رسی کو نیچے کی طرف ڈھیلا چھوڑنے لگے۔ گنیش کی لاش آہستہ آہستہ نیچے آنے لگی اور پھر لاش بالکل نیچے آ گئی تو چار پانچ لوگ آگے بڑھے اور لاش کو پکڑ کر زمین پر لٹادیا۔ اور اس پر چادر ڈال دی گئی۔

ایک شخص دوڑا ہوا گیا اور ایک چارپائی لے آیا تو چارپائی پر گنیش کی لاش کو رکھ کر لوگ حویلی کی طرف چل پڑے۔

شام سے پہلے پہلے گنیش کا کریا کرم کر دیا گیا۔ یعنی چتا پر لٹا کر چتا کو آگ دکھلا دی گئی اور اس طرح گنیش کا خاتمہ ہو گیا۔

گنیش کے مرتے ہی ڈاک بنگلہ ویران ہوتا چلا گیا۔ کوئی ایسی رات خالی نہیں جاتی، جب آتماؤں کی دھماچوکڑی نہ ہوتی۔ لوگوں نے ڈاک بنگلہ میں آنا چھوڑ دیا اور اس طرح ڈاک "بنگلہ آسیبی ڈاک بنگلہ" مشہور ہو گیا۔

رسالے میں یہ کہانی "آسیبی ڈاک بنگلہ" پڑھ کر مجھ کو جھرجھری آ گئی۔ میں چاندنی سے بولی۔ "چاندنی یہ کہانی بہت ڈراؤنی ہے، مجھے تو بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

میری بات سن کر چاندنی مسکرانے لگی اور پھر بولی۔ "تو تو بڑے دل گردے کی مالک ہے تو تو کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔ ارے یہ من گھڑت کہانی ہے۔ اس رسالے میں ہر ماہ ایک ہارر اسٹوری چھپتی ہے۔ اس رسالے میں ہر موضوع پر کہانیاں ہوتی ہیں تاکہ رسالہ زیادہ بکے۔ ارے کہانی تو کہانی ہوتی ہے اس سے ڈرنا میری نظر میں سوائے بیوقوفی کے اور کچھ نہیں۔ شام کی چائے کمرے میں ہی منگا لیتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ راجندر جی کب تک آئیں گے۔"

"چاندنی میرے لئے کسی کا انتظار کرنا بہت کوفت ہوتا ہے اور میں نے تیرے من کے لئے حامی بھرلی تھی کہ تو راجندر جی سے ملاقات کی خواہش مند ہے، ورنہ میں تو بس......" اور میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ارے میری کٹو گلہری میں کیا کر سکتی ہوں، یہ تو اس ڈاک بنگلے کی ریت ہے کہ جب بھی کوئی سیر سپاٹے کے لئے آتا ہے تو راجندر جی اس سے ملاقات ضرور کرتے ہیں۔ اس میں میرے من کا دوش کیا ہے؟ شام ہو رہی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ راجندر جی سمے کے بہت پابند ہوں گے اور جو ٹائم ان کے لئے آنے کا ہے اس ٹائم پر وہ ضرور آئیں گے۔" چاندنی نے یہ کہا اور مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگی۔

میں نے چائے کے بجائے کافی کا آرڈر دے دیا۔ کافی کا سن کر چاندنی بولی۔ "پونم تو تو چائے کے لئے راضی تھی اور اب کافی کا کیوں کہہ دیا۔"

میں بولی۔ 'کیا بتاؤں میرے من میں اچانک کافی سما گئی اور کافی کا آرڈر دے دیا۔" یہ سن کر چاندنی مسکرانے لگی۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ گرما گرم کافی آ گئی تو چاندنی کافی بنانے لگی۔ ایک کپ اس نے مجھے پکڑادیا اور دوسرا کپ لے کر خود چسکیاں بھرنے لگی۔

ہم دونوں نے کافی ختم ہی کی تھی کہ ڈاک بنگلہ کا انچارج کمرے میں آیا اور بولا۔ "پونم جی راجندر جی آ گئے ہیں اور آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔" یہ بول کر انچارج کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم اس

کے ساتھ چل پڑیں۔

ڈاک بنگلہ میں ایک کمرہ مخصوص تھا جس میں صرف راجندر جی بیٹھتے تھے بقول انچارج کے۔

بہرحال ہم تو فریش ہو کر بالکل تیار بیٹھے تھے۔ میں نے کہا۔ ''اچھا جی انچارج جی چلئے آپ کے سرکار سے مل لیتے ہیں۔ اگر یہی یہاں کی ریت ہے تو ملنا تو پڑے گا، نہیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے سرکار ہمیں کان پکڑ کر ڈاک بنگلہ سے نکال دیں۔''

انچارج میری بات سن کر ہنسنے لگا اور بولا۔ ''نہیں جی ایسا نہیں، بس راجندر بابو نے ایک قانون قائدہ بنا رکھا ہے، اس طرح آنے والوں سے ان کی ملاقات ہو جاتی ہے اور ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والے بھی ان سے مل کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔''

خیر میں اور چاندنی دونوں انچارج بلرام کے ساتھ راجندر کے مخصوص کمرے میں چلی گئیں۔ ہمیں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر راجندر بابو ترنت اٹھ کر کھڑے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔ ان کی تقلید میں ہم دونوں نے بھی ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔

بلرام ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تھا۔ راجندر بابو نے ہم دونوں کو کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا تو میں بول پڑی۔ ''پہلے آپ بیٹھیں پھر ہم بیٹھ جائیں گے۔''

میری بات سن کر راجندر بابو نے کہا۔ ''نہیں جی، آپ لوگ مہمان ہیں ہمارے اور مہمانوں کی عزت اور آؤ بھگت ہماری ریت ہے۔ مہمانوں کی خدمت کر کے میں بہت خوشی محسوس کرتا ہوں، پہلے آپ دونوں تشریف رکھیں۔''

ان کے التجائیہ انداز کو دیکھتے ہوئے پہلے میں کرسی پر بیٹھ گئی تو پھر چاندنی بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد راجندر بابو بھی بیٹھ گئے اور بولے۔ ''آپ دونوں کیا پینا پسند کریں گی، ٹھنڈا یا گرم؟''

یہ سن کر میں جھٹ بولی۔ ''تھینک یو! تھوڑی ہی دیر پہلے ہی ہم نے چائے پی ہے۔ آپ پلیز! رہنے دیں۔ اب کسی چیز کی گنجائش نہیں۔''

راجندر بابو بولے۔ ''......! یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں برسوں کی ریت نہیں توڑ سکتا۔'' اور وہ بلرام کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''بلرام انہوں نے چائے تو پی لی ہے لہٰذا ان کے لئے خوب ٹھنڈا ولایتی شربت بنا کر لاؤ، شربت بہت خوب ہونا چاہئے تاکہ پی کر یہ دونوں خوش ہو جائیں۔'' حکم سنتے ہی بلرام شربت لینے چلا گیا۔

راجندر بابو بولے۔ ''آپ لوگوں کو کوئی کشٹ تو نہیں پہنچا، یہ میرا خاص حکم ہے ڈاک بنگلہ کے عملہ کو کہ اگر ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والوں کو کوئی ذرا سا بھی کشٹ پہنچا تو میں کھال کھینچ لوں گا اور یہی وجہ ہے کہ میں خود مہمانوں سے ملاقات کر کے آرام وسکون کے متعلق معلوم کرتا رہتا ہوں۔ کھانے پینے رہنے سہنے سے لے کر گھومنے پھرنے تک کی میں خبر رکھتا ہوں۔

اور ہاں اس بات کا آپ لوگ خیال رکھنا کہ رات سے ڈاک بنگلہ سے زیادہ دور نہیں جانا کیونکہ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی کبھی کبھار ڈاکوؤں کا ڈر رہتا ہے، ناریوں کو اکیلا دیکھتے ہی ان پر جھپٹ پڑتے ہیں اور ان کی عزت خراب کر دیتے ہیں کئی دفعہ تو چند کیس ایسے بھی ہو چکے ہیں کہ کسی کھائی میں ناری کی لاش ملی ہے یا پھر بھی یہ بھی ہوا ہے کہ ناری کا پتہ بھی نہیں چلا۔ انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اکثر مہمانوں سے ملتا رہتا ہوں۔

ڈاک بنگلہ میں آنے والے تو خود کو سیاح سمجھتے ہیں مگر میں ان کو سیاح نہیں بلکہ اپنا مہمان سمجھتا ہوں۔ سب کو میں اپنی فیملی کا فرد جانتا ہوں۔

میری تو خواہش ہے کہ آپ دونوں میری حویلی میں آ جائیں، میں کبھی کبھی ان مہمانوں کو جو مجھے اچھے لگتے ہیں انہیں حویلی میں ٹھہرا لیتا ہوں تاکہ وہ زیادہ آرام وسکون سے رہیں۔ آپ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر کے میں زیادہ خوشی محسوس کروں گا۔''

اتنے میں بلرام تین بہت ہی خوب صورت گلاسوں میں لال رنگ کا شربت ایک ٹرے میں رکھ کر

لے آیا اور ٹرے میز پر رکھ دی۔ ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا لیکن راجندر بابو نے اس سے کہا۔ ''بلرام اب تم جاؤ اور کام وام کو دیکھو۔'' یہ سنتے ہی بلرام فوراً چلا گیا۔

''آپ لوگ شربت پئیں اور بتائیں کہ شربت کیسا ہے؟''

میں نے اور چاندنی نے اپنا اپنا گلاس اٹھا لیا اور گھونٹ گھونٹ شربت پینے لگے۔ شربت واقعی بہت مزیدار تھا۔ شربت پینے تک راجندر بابو کی نظریں ہم دونوں پر ہی مرکوز رہیں اور اس دوران انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

شربت ختم ہوتے ہی وہ بولے۔ ''تو آپ نے کیا فیصلہ کیا؟''

''راجندر جی! کیسا فیصلہ؟'' میں نے کہا۔ ''آپ کا بہت دھنے واد، آپ نے بہت سواد والا شربت پلایا اور پھر آپ بڑے دل والے ہیں کہ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والوں کو اپنا سمجھتے ہیں اور ان کی خیر خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ میں بھی بہت سارے علاقے گھوم چکی ہوں مگر جیسا آپ آنے والوں کا خیال رکھتے ہیں ایسا کہیں اور نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''بس جی! میری خوشی بلکہ میری بنتی ہے کہ آپ دونوں میری حویلی میں قیام کریں' آپ لوگ میری بات مان لیں گی تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔'' راجندر بابو نے کہا۔

میں بولی۔ ''آپ کا بہت بہت دھنے واد، ہم دونوں ڈاک بنگلہ میں بہت خوش ہیں اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس جگہ اور بھی لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں، سب ایک دوسرے سے گپ شپ کرتے رہتے ہیں تو اس طرح من بہلتا رہتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ حویلی میں آپ ہوں گے اور ہم دونوں، اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی باتیں کریں گے۔ آپ چند منٹ ہمارے پاس بیٹھیں گے، ویسے بھی آپ بہت مصروف وقت گزارتے ہیں، ڈاک بنگلہ اور پھر پورے گاؤں کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔

آپ پلیز! ہمیں ڈاک بنگلہ میں ہی رہنے دیں۔ ویسے جب آپ کا دل چاہے آ کر ہم سے مل لیا کریں، بلکہ آپ ہمیں بلوا لیا کیجئے گا، ہم خود آپ کے پاس آ جائیں گے، ویسے بھی حویلی اور ڈاک بنگلہ میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ویسے آپ لوگوں کی مرضی، لیکن اگر آپ ہماری بات مان لیتیں تو اچھا ہوتا، میں نے دل میں مان رکھ کر آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔''

اچانک کمرے میں دل دہلا دینے والی آوازیں گونجنے لگیں، الوؤں کی دہشت ناک آوازیں دماغ کو منتشر کر گئیں، ساتھ ہی بلیوں کی رونے کی آوازیں بھی دل میں شگاف ڈالنے لگیں۔

میری اور چاندنی کی حالت تو بیان سے باہر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی راجندر بابو بھی بدحواس ہو گئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، ان کی آنکھوں میں وحشت صاف طریقے سے دیکھی جا سکتی تھی۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ کر پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔

ایسا لگتا تھا کہ یہ آوازیں کمرے کی دیواروں کے اندر سے نکل رہی ہوں۔ ہم دونوں خوف سے کپکپا رہی تھیں، کاٹو تو ہمارے بدن میں خون نہیں، آوازوں میں اس قدر خوف و دہشت تھا کہ میں کیا بتاؤں۔ راجندر بابو بدحواسی کے عالم میں کمرے کی دیواروں کو دیکھ رہے تھے۔

''راجندر جی! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ میری آواز جیسے گلے میں اٹک رہی تھی۔

ہم دونوں کی بدحواسی دیکھ کر راجندر بابو بولے۔ ''آپ لوگ گھبرائیں نہیں، پتہ نہیں یہ اچانک کیا ہو رہا ہے؟ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میں بلرام کو بلاتا ہوں۔'' یہ بولتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئے، تو ہم نے بھی غنیمت جانا اور ہم دونوں بھی ترنت کمرے سے نکل گئیں۔

جب ہم کمرے سے باہر راہداری میں آئیں تو

سوائے حیرانی کے ہمارے ذہنوں میں کوئی بات نہیں تھی۔ راجندر بابو کا کوئی پتہ نہیں تھا اور پھر سب سے بڑھ کر اچنبھے والی بات یہ تھی کہ ان خوفناک آوازوں کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ راہداری بلکہ پورے ڈاک بنگلہ میں سکون تھا، کسی قسم کی کوئی بھی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

کاؤنٹر پر بیٹھا بلرام کہیں موجود نہیں تھا بلکہ کوئی اور بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''جناب بلرام جی اور راجندر بابو جو کہ ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلے تھے، آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟''

کاؤنٹر پر بیٹھا شخص نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور جھجکتے ہوئے بولا۔ ''بلرام ذرا کسی کام سے راجندر بابو کے ساتھ ترنت حویلی چلے گئے ہیں۔''

''چاندنی یہ چکر کیا ہے؟ انہوں نے تو بولا تھا۔

''میں بلرام کو بلاتا ہوں کہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟'' میں نے کہا۔

چاندنی بولی۔ ''پونم چھوڑ بھی، تجھے کیا ایسی آوازوں سے، گاؤں دیہات میں ایسی آوازیں آتی رہتی ہیں۔'' خیر میں نے اپنے سر کو جھٹکا اور میں بولی۔ ''اچھا چل! ہال میں جا کر بیٹھتے ہیں، جہاں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہال میں بیٹھے لوگوں نے بھی یہ آوازیں سنی ہیں کہ نہیں۔''

میری بات سن کر چاندنی مجھے گھورنے لگی اور بولی۔ ''ارے بھئی یہ آوازیں نہ ہوئیں، جیسے کہ ایٹم بم پھٹ گیا ہے آوازیں...... آوازیں...... بس کر...... اب تیرے منہ سے آوازوں کے متعلق میں نہ سنوں اور ہال میں جا کر کسی اور سے اس معاملے میں ذکر بھی نہ کرنا۔''

میں نے چاندنی کے بازوؤں پر زور سے چٹکی بھری اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''اچھا بابا اب آوازوں کے متعلق میری زبان بند، کیوں ٹھیک ہے ناں۔'' میں نے کہا۔

ہال میں بڑی گہما گہمی تھی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، ہال میں بہت ہی مدہوش کن روشنی تھی، ایک عجیب سرور کا احساس ہو رہا تھا، میں نے اپنی انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''وہ جگہ ٹھیک رہے گی۔'' کیونکہ کونے میں ایک میز خالی تھی، ہم دونوں اس طرف بڑھ گئے اور جا کر اس میز پر بیٹھ گئے۔

کرسی پر بیٹھتے ہی میں نے ایک لمبا سانس کھینچا تو مجھے قدرے سکون محسوس ہوا۔ پورے ہال میں بہت ہی من موہنی ہلکی سریلی آواز میں میوزک بج رہا تھا۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ بہت ہی خوابناک ماحول تھا۔ سونے پر سہاگہ کہ ماحول کے مطابق پورے ہال میں گونج رہا تھا مدھ بھرے میوزک کا سر۔ میں نے اندازہ کیا کہ ہال میں بھی وہ خوفناک دل دہلاتی آوازیں سنائی نہیں پڑی تھیں۔ ویٹر ہمارے قریب آیا تو میں نے سوپ کا آرڈر دے دیا۔ آرڈر لے کر ویٹر چلا گیا۔

میں نے سرگوشی کی۔ ''چاندنی میں وثوق سے کہہ رہی ہوں کہ یہ راجندر بابو مجھے اچھے نہیں لگے، تو نے محسوس کیا ہو کہ نہ کیا ہو لیکن میں نے کافی غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ راجندر بابو دل کے ٹھیک نہیں۔ وہ جتنی دیر باتیں کرتے رہے تو ان کی نظریں صرف میرے سراپے پر ٹکی رہیں اور کسی بھی عورت کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگتی کہ سامنے والا مرد اس عورت کے متعلق کیا خیال رکھتا ہے بلکہ میں تو ان سے بھی آگے کی سوچ رہی ہوں کہ وہ ہوس پرست انسان ہیں۔

خوب صورت اور جوان عورتیں ان کی کمزوری ہیں اور شاید اس معاملے میں وہ حد سے گزر جاتے ہوں گے۔ اپنائیت، فیملی فرد اور پھر حویلی میں رہنے کے لئے زور دینا یہ سب ان کی چالبازی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کمزور دل اور لالچی عورتیں ان کے شکنجے میں جکڑ جاتی ہوں گی۔ بہت سی ایسی ہوتی ہیں جو کہ مرد کی چال کو سمجھتی نہیں ہیں اور پھر دھن دولت کی چکا چوند میں کھو جاتی ہیں۔

میرا پختہ یقین یہ بھی ہو گیا ہے کہ جو بھی حویلی میں گئی، وہ اپنے آپ سے گئی اور اس طرح راجندر بابو سے

اپنی چال میں پھانس لیتے ہوں گے۔"

"ارے چل ہٹ تو بہت دور کی کوڑی ہانکنے لگی، تیرا دماغ تو جتنا ایکسپریس سے بھی تیز چل رہا ہے، ارے بہت سے مرد عورت کے ساتھ ہنس بول کر خوش ہو لیتے ہیں اور اس عمل کو اپنی فتح سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عورت کے دماغ پر اپنا قبضہ جما لیا اور سب سے بڑھ کر ایسے لوگ اپنی دولت اور شاہ خرچی کا زیادہ پرچار کرتے ہیں، بس یہ عورت کے قریب رہ کر خوشی محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگ اپنی بدنامی سے بھی بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی عزت پر لوگوں کی انگلیاں نہ اٹھ جائیں۔" چاندنی بولی۔

"چاندنی تو صحیح کہہ رہی ہے لیکن راجندر بابو وہ نہیں جو تو سمجھ رہی ہے۔ ارے میں نے بھی بہت خاک چھانی ہے، قسم قسم کے مردوں کی نظروں کو دیکھا ہے، ہوس پرست نظروں کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ویٹر ٹرے میں سوپ کے دو پیالے رکھ کر لے آیا۔ اس نے احتیاط سے دونوں پیالے رکھے اور ساتھ ہی سوپ میں ڈالنے والے لوازمات رکھ کر چلا گیا۔ تو میں نے کہا۔

"اچھا اب سوپ پی، باقی باتیں بعد میں۔" اور میں نے سوپ پینے کے لئے سوپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سوپ واقعی بہت مزیدار تھا۔ چمچہ چمچہ میں سوپ چکھتی رہی لیکن میرا دماغ راجندر بابو کی آنکھوں میں الجھا رہا۔ ان کی آنکھوں سے ان کی نیت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں نے سوپ ختم کیا۔ لیکن میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ میں کسی صورت بھی راجندر بابو کی بات نہیں مانوں گی یعنی حویلی میں شفٹ ہونے کی۔

اچانک میرے دماغ میں "آسیبی بنگلہ" والے مالک کا خیال آ گیا تو میں جسم سہم گئی کیونکہ اس کہانی میں بھی بالکل ایسا ہی واقعہ تھا کہ "ڈاک بنگلہ کا مالک خوب صورت عورتوں اور لڑکیوں کو اپنائیت، محبت اور خلوص کا جھانسہ دے کر حویلی میں لے جاتا اور پھر ان کی عزت لوٹ لیا کرتا تھا۔

اس خیال نے میرے دل و دماغ پر سکتہ طاری کر دیا۔ میں نے اپنے وجود میں ایک زبردست جھرجھری محسوس کی اور پھر لرز کر رہ گئی۔ میری آنکھیں بند تھیں۔

"پونم یہ آنکھیں بند کر کے کیا سوچنے لگی۔"

چاندنی کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "ارے کیا کوئی سپنوں کا راجا دماغ میں گھس گیا تھا؟"

"چل ہٹ...... میں آزاد رہنا چاہتی ہوں...... میرے دماغ میں کوئی راجا واجا نہیں آتا، اور نہ ہی میں اس معاملے میں سوچتی ہوں، جو مزہ آزاد رہ کر گھومنے پھرنے میں ہے وہ شادی کے بعد نہیں۔ جب میں اپنے شوق اور گھومنے پھرنے سے بالکل تھک کر کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہوں گی تو پھر راجا اور شہزادہ کے متعلق سوچوں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے چاندنی سے کہا۔ تو چاندنی مسکرانے لگی اور بولی۔

"بھئی میں تو ابھی سے سوچنے لگی ہوں کہ کب تک ماتا پتا پر بوجھ بنی رہوں، میں تو اکثر بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ جلدی سے کوئی میرے آگے سر جھکانے والا آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔

میری نانی کا ایک بہت زور کا فلسفہ ہے اور وہ اکثر جوان لڑکیوں کو دیکھ کر کہتی تھیں کہ "عورت بھینس اور گھسی۔"

"بھئی یہ بھینس اور گھسی کا مطلب میں نہیں سمجھی، اس کا مطلب تو سمجھا۔" میں نے چاندنی سے کہا۔

چاندنی بولی۔ "نانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ عورت بیس سال کی عمر تک بالکل اسمارٹ، مضبوط اور رنگ روپ کی مالک ہوتی ہے، اس عمر تک عورت پر جوانی کا خمار رہتا ہے، اس عمر تک عورت کے گال چمکتے اور دمکتے رہتے ہیں۔

بیس سال کے گزرتے ہی عورت کا چہرہ ماند پڑنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر جیسے جیسے عمر آگے کو بڑھتی ہے تو

عورت سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں اترتی چلی جاتی ہے اور پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس عمر تک رشتے بھی بہت آتے ہیں، ورنہ تو پھر۔ ''عمر یا بیتی جائے اور کوئی رشتہ نہ آئے۔'' کے انتظار میں لڑکی والے گھلنے لگتے ہیں اور جب محلے و خاندان میں کسی کی سگائی ہوتی ہے تو گھر والے اور لڑکی خود سوچتی ہے کہ کاش! ہمارے ساتھ ایسا ہو، یعنی میری بھی شادی جلد ہو جائے۔ لڑکی پر ایسا نفسیاتی اثر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد لڑکی اندر سے مرجھانا شروع ہو جاتی ہے۔

پونم میں نے نانی کی ان باتوں پر بہت غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچی کہ نانی کی باتیں سو فیصد درست ہیں۔ خیر میں تو ابھی انیس کی ہوئی ہوں اور ابھی سے من میں لڈو پھوٹنے لگے ہیں۔''

''تو تو بالکل عقل سے پیدل ہو گئی ہے، ارے مجھے دیکھ میں تو بائیس کی ہو کر بھی سوچ سے بہت دور ہوں۔ نا تو میرا چہرہ ماند پڑ رہا ہے نا میں نفسیاتی ہو گئی ہوں اور نا ہی میں رات میں جاگ جاگ کر کسی کے آنے کا انتظار کرتی ہوں۔ ارے پاگل یہی تو زندگی ہے کہ کھاؤ پیو اور خوش رہو، شادی بیاہ بہت بڑا جھنجھٹ ہے، اس میں پڑ کر لڑکی کہیں کی نہیں رہتی ہے بلکہ یہ سمجھو کہ اس کے پاؤں میں حکم کی زنجیر پڑ جاتی ہے۔ پتی کا حکم، ساس نند اور دیور کا حکم، یہ کرو یہ نا کرو بلکہ اٹھو بیٹھو اور کھاؤ تو بھی ہم سے پوچھ کر ہماری اچھا کے مطابق...... بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو اپنی مثال نہ دے، سینکڑوں میں اگر تو اکیلی ایسی ہے تو سب تو ایسی نہیں ہیں۔ بہر حال زیادہ لوگوں کی یہی رائے ہے کہ بہر حال میں بیس سال تک لڑکی کی شادی ہو جانی چاہئے۔''

خیر یہ باتیں بعد کی ہیں، بعد میں سوچوں گی، ابھی تو میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے کی سوچ رہے ہیں اور ابھی میں اس کے متعلق سوچ رہی ہوں۔'' میں نے کہا تو چاندنی نے اشارے سے ویٹر کو قریب بلایا اور کھانے کا آرڈر دیا۔

اس وقت رات دس کا سے ہو رہا تھا۔ ہال میں موجود اور لوگ بھی کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ ویٹر کھانا لے آیا۔ ہم دونوں نے کھانا کھا لیا تو ویٹر برتن اٹھانے آیا تو میں نے دو کافی کا آرڈر دے دیا، کافی بھی بہت جلد آ گئی اور ہم دونوں کافی کی چسکیاں لینے لگیں۔ جب کافی ختم ہو گئی تو میں نے کہا۔ ''چاندنی میرا من کر رہا ہے کہ آج ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوئیں۔''

چاندنی بولی۔ ''ٹھیک ہے اس میں فرق ہی کیا ہے، چل اٹھ میں تیرے کمرے میں سو جاتی ہوں۔''

ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ ''آسیبی ڈاک بنگلہ'' کی اسٹوری اور راجندر بابو کے کمرے میں جو خوفناک آوازیں سنائی دی تھیں، یہ سب کے سب میرے دماغ میں بیٹھ گئے لہٰذا میں جانتی تھی کہ چاندنی میرے قریب رہے گی اور ہم باتوں میں لگے رہیں گے تو میرے دماغ سے یہ خوفناک باتیں نکل جائیں گی اور ایسا ہی ہوا چاندنی میرے کمرے میں سوئی تو کافی رات گئے تک ہم دونوں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہے، لہٰذا میرے دماغ سے وہ باتیں نکل گئیں اور میرا ذہن فریش ہو گیا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ میں نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی۔

اس دن صبح کے وقت کافی دیر سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چاندنی فریش ہو کر کرسی پر بیٹھی ایک انگلش میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ مجھ پر نظریں پڑیں تو بولی۔ ''بھگوان کا شکر ہے کہ تمہاری آنکھ کھلی...... اب جلدی سے اٹھ کر فریش ہو جاؤ...... کیونکہ اس وقت میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے شروع ہو گئے ہیں۔''

میں فوراً اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی جب پورے جسم پر پڑا تو مجھے بہت مزہ آیا۔ خیر میں واش روم سے نکلی اور تھوڑی دیر بعد میں نے کمرے

میں ناشتہ منگوالیا۔
ناشتہ کرنے کے بعد میں چاندنی سے بولی۔
''بھئی آج تو میرا دل کر رہا ہے کہ میں گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر علاقے کی سیر کروں، تیرا کیا خیال ہے؟''
چاندنی بولی۔ ''جو حکم سرکار کا۔''
ہم نے کپڑے چینج کیے اور ڈاک بنگلہ سے پرے۔ مین سڑک پر اکثر گھوڑا گاڑی والے کھڑے رہتے تھے اس لئے کہ زیادہ تر سیاح بگھی میں بیٹھ کر سیر کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ میں نے ایک زیادہ عمر کوچوان سے کہا۔ ''بابا ہم نے سیر کرنا ہے۔''
کوچوان بولا۔ ''میری بچیو! شوق سے بیٹھ جاؤ۔''
میں نے پوچھا۔ ''بابا جی آپ کتنے پیسے لیں گے تو وہ بولا۔ ''آپ لوگ جو خوشی سے دے دیں گی، میں لے لوں گا، میں اس معاملے میں کبھی ضد نہیں کرتا، جو بھگوان دلا دیتا ہے، وہ خوشی خوشی رکھ لیتا ہوں۔''
خیر ہم دونوں گھوڑا گاڑی پر بیٹھ گئیں تو بابا نے بگھی کو آگے بڑھا دیا۔ علاقے کی ہریالی کمال کی تھی۔ جدھر نگاہ اٹھ جاتی تا حد نگاہ ہوا کے دوش پر جھومتے کھیتوں میں پودے دل کو اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔ خراماں خراماں بگھی چل رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں دل کو لبھا رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ بگھی والے بابا تمام علاقے کے بارے میں بتاتے جا رہے تھے۔
آج ہمارا دل جلدی سیر سے واپس آنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا، ایک ایسی جگہ سے بگھی گزرنے لگی جہاں کہ گاؤں کا ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ سوندھی سوندھی مچھلی کی خوشبو آ رہی تھی۔ خوشبو سے میرا دل مچل اٹھا تو میں نے بابا سے کہا۔ ''بابا بگھی کو روک لیں اور ہوٹل سے مچھلی لے آئیں۔''
بابا نے بتایا۔ ''پتر یہ ہے تو بہت چھوٹا ہوٹل مگر اپنی صفائی اور ذائقے کی وجہ سے بہت مشہور ہے، اس راستے سے گزرنے والے لوگ اپنی گاڑی روک کر یہاں کی چیزیں ضرور کھاتے ہیں یا پھر چائے تو پیتے ہی ہیں۔''
میں نے بابا کو پیسے دیئے تو بابا مچھلی لینے ہ
چلے گئے۔ چند منٹ بعد بابا آئے اور بولے۔
''پتر ہوٹل والا کہہ رہا ہے کہ بی بی کو یہیں بلا
کیونکہ گرم گرم مچھلی اور گرم گرم روٹیاں یہاں پر کھانے کا
ہی کچھ اور ہوگا، کتنی چیزیں اٹھا کر آپ لے جاؤ گے
پھر پانی بھی لانا پڑے گا۔''
بابا کی بات معقول تھی، میں نے کہا۔ ''ٹھیک
پھر چلیں۔'' بابا نے بگھی کو ہوٹل کی جانب موڑ لیا اور
منٹ میں ہم ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ ہوٹل والے
ہمیں ایک طرف بٹھایا۔ ہوٹل واقعی صاف ستھرا
بمشکل چار پانچ افراد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔
آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہمارے آگے گ
گرم مچھلی اور گرم روٹیاں آ گئیں۔ میں نے ساتھ وا
ٹیبل پر بابا کو بیٹھنے کا کہا اور ویٹر سے بولی۔ ''بابا کے
بھی یہی چیزیں لاؤ۔''
بغیر کانٹے کی مچھلی بہت عمدہ طریقے سے فرائی
گئی تھی گرم گرم روٹیاں اور ساتھ میں چٹنی سلاد نے
بھی مزہ دوبالا کر دیا۔ کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پی کر اور بھی
خوش ہو گیا۔ ہم دونوں نے خوب پیٹ بھر کر مچھلی کھ
کیونکہ شہر میں ایسی سواد والی مچھلی ملتی نہیں۔
ہوٹل سے واپسی پر بگھی میں بیٹھنے کے بعد
نے بابا سے سوال کر دیا۔ ''بابا یہ جو آپ کے ٹھاکر راج
بابو ہیں یہ کیسے آدمی ہیں، اوپر سے تو یہ بہت محبت کر
والے اور دیالو اپنے آپ کو ثابت کرتے ہیں، کیا یہ وا
ایسے ہیں؟''
''میری بات سن کر بابا کسی گہری سوچ میں پڑ
اور پھر بہت غور سے مجھے دیکھا اور ایک بہت لمبا سا
کھینچا۔ پھر بولے۔ ''پتر تم دونوں میری اپنی بچی
برابر ہو، میں تم دونوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا، ٹھ
راجندر جو نظر آتے ہیں اس کے بالکل الٹ ہیں، گا
والوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے، بھگوان بچائے ہر ک

اس کی نظر سے، تم لوگ اس کی باتوں میں نہیں آنا نہیں تو دھوکا اٹھاؤ گی، بس میرا کم کہنا زیادہ سمجھنا اس سے آگے میں اور کچھ نہیں بتا سکتا۔'' یہ بتا کر بابا خاموش ہو گئے۔

میں نے چاندنی کو ٹھوکا دیا اور بولی۔'' دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ اس آدمی نے اپنے اوپر اچھائی کا خول چڑھا رکھا ہے۔ خیر بھگوان نے ہمیں بچالیا کہ ہم نے حویلی میں قیام کرنے والی بات نہیں مانی۔''

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہم گھوم پھر کر آ گئے۔ میں نے اپنی خوشی سے بابا کو پیسے دیئے تو بابا بہت خوش ہو گئے کیونکہ میں نے ان کی سوچ سے کہیں بڑھ کر پیسے دیئے تھے۔ انہوں نے خوش ہوتے ہوئے ہمیں نمستے کہا اور ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے لیکن جاتے جاتے یہ بول گئے کہ۔'' پتر اپنا خیال رکھنا اور ٹھاکر کی باتوں میں نہیں آنا بلکہ اس کی کسی بھی بات پر یقین نہیں کرنا۔''

ڈاک بنگلہ میں آ کر ہم نے شام کی چائے پی اور پھر گپ شپ میں وقت ایسے کٹا کہ ہمیں خبر نہیں ہوئی اور کھانے کا وقت ہو گیا تو ہم نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمرے میں آ کر سو گئیں۔ کیونکہ سیر میں پورا دن نکل گیا تھا اور پھر بگھی میں بیٹھے بیٹھے تھکن بھی کافی ہو گئی تھی۔

بستر پر گرتے ہی مجھے تو نیند آ گئی مگر چاندنی بستر پر گرنے کے کتنی دیر بعد سوئی مجھے معلوم نہیں کیونکہ وہ اپنے کمرے میں تھی۔

دوسرے دن بھی ہم بابا کی بگھی میں خوب گھومے پھرے، تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، چوتھے دن کے لئے میں نے بابا کو منع کر دیا کہ'' بابا آپ کل نہیں آنا کیونکہ میں نے سوچا ہے کہ کل ہم آرام کریں گے۔'' بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' پتر کوئی بات نہیں آپ لوگ آرام کریں۔''

دن بھر ہم نے آرام کیا کیونکہ متواتر تین دن سیر کرتے کرتے ہم واقعی تھک چکے تھے۔ اچانک پانچ بجے بلرام آ گیا اور بولا۔'' پونم جی آپ دونوں کو راجندر بابو نے اپنی حویلی میں یاد کیا ہے اور میں بگھی بھی لیتا آیا ہوں۔ آپ دونوں پلیز! چلئے چلیں کیونکہ اس میں میری بھی عزت کا سوال ہے۔ آپ دونوں کے ساتھ وہ چائے پینا چاہتے ہیں، چائے پیتے ہی میں آپ دونوں کو ڈاک بنگلہ میں لے آؤں گا۔'' بلرام کی بنتی بھری باتیں میرے دل میں اتر گئیں تو میں نے چاندنی سے کہا۔'' چاندنی چل اس کی بات مان لیتے ہیں اور پھر راجندر کی بات مان لینے میں ہی بہتری ہے۔''

ہم دونوں تیار ہو کر بلرام کے ساتھ حویلی میں پہنچ گئے۔ تو دیکھا کہ راجندر بابو بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں اور بولے۔'' آپ نے ہماری بات رکھ لی اس کے لئے بہت بہت دھنے واد۔''

ہمیں اپنے کمرے میں بٹھایا اور بلرام کو چائے لانے کا کہا۔ تھوڑی دیر میں چائے آ گئی تو انہوں نے اشارہ کیا کہ'' بلرام تم برابر والے کمرے میں بیٹھو، میں ان سے چند باتیں کرلوں، پھر انہیں ڈاک بنگلہ میں پہنچا دینا۔'' یہ سنتے ہی بلرام کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

راجندر بابو! بس یہ راگ الاپنے لگے کہ'' آپ لوگ حویلی میں آ جائیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کو زیادہ سے زیادہ آرام وسکون ملے۔'' اور مزید اس قسم کی باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ جلد از جلد ان سے جان چھوٹ جائے اور ہم ڈاک بنگلہ میں آ جائیں۔

اچانک کمرے میں بلیوں کی رونے کی کرخت اور خوفناک آوازیں گونجنے لگیں اور ساتھ ہی کئی الوؤں کے چیخنے کی آوازیں دل کو دہلانے لگیں۔ ہم دونوں کا جو حال تھا وہ تو تھا ہی لیکن ہم سے زیادہ خراب حالت راجندر بابو کی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑے اور بدحواسی کے عالم میں اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا، ان کی حالت دیدنی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے پاؤں پر بچھو ڈنک مار دیا ہو۔

اور میں اپنے آپ کو اس طرح محسوس کر رہی تھی، جیسے کوئی ہرنی شکاری کے جال میں پھنس گئی ہو۔ میں ذہنی طور پر بہت زیادہ حیران و پریشان تھی کہ پہلے روز بھی جب راجندر بابو ڈاک بنگلہ میں ہم سے ملنے آئے تھے تو اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ الوؤں کی کرخت چیخ اور بلیوں کی بین کرنے کی آوازیں درودیوار سے نکلنے لگی تھیں۔

اور آج بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ''آخر یہ راز کیا ہے؟''

میرے ساتھ ساتھ چاندنی بھی حیران و فکرمند تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ہم دونوں کا ذہن چکرا رہا تھا، بدن پر لرزش طاری تھی اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ دماغ میں سائیں سائیں ہو رہا تھا، پورا کمرہ ہمیں گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی تھیں اور ٹکر ٹکر ایک دوسرے کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ہماری نگاہیں راجندر بابو پر بھی مرکوز تھیں۔

راجندر بابو کے چہرے کا رنگ یکلخت فق ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھے ایسا لگ رہا تھا کہ موت ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی ہو، وہ بار بار اپنے گلے کو پکڑ رہے تھے کہ جیسے کوئی چیز گلے میں پھنس گئی ہو یعنی کہ نہ نگلتے بنے اور نہ نکلتے بن رہی تھی۔

''آپ لوگ فوراً یہاں سے چلی جائیں۔'' انہوں نے کہا اور اچانک بے چینی کے عالم میں کمرے سے نکلتے چلتے گئے۔ ان کے پیچھے ہم نے بھی کمرے سے نکلنے میں عافیت سمجھی اور گھبراتے ہوئے ہم دونوں بھی کمرے سے نکل گئیں۔

''بلرام!'' راجندر بابو کی آواز چیختے ہوئے سنائی دی۔ بلرام فوراً دوسرے کمرے سے ترنت نکلا تو وہ بھی راجندر بابو کی حالت دیکھتے ہوئے اچنبھے میں پڑ گیا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ راجندر بابو کی ایسی حالت کیوں ہو گئی ہے؟

ہم دونوں نے باہر نکل کر اندازہ لگایا کہ نہ تو الو چیخ رہے تھے اور نہ ہی بلیاں رو رہی تھیں۔ باہر کا ماحول ایک دم پرسکون تھا اور سب سے زیادہ سوچنے والی یہ بات تھی کہ برابر کے کمرے میں بلرام بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے بھی کوئی ایسی آواز نہیں سنی تھی۔

کیا یہ اچنبھے میں ڈالنے والی بات نہیں تھی کہ دونوں مرتبہ جب میں اور چاندنی راجندر بابو کے کمرے میں موجود تھی تو یہ حالات پیش آئے تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ یہی حیران کن سوچنے والی بات تھی۔

''بلرام انہیں فوراً ڈاک بنگلہ میں چھوڑ آؤ۔'' یہ کہا اور سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

بلرام نے بگھی والے کو آواز دی جو حویلی سے کچھ دوری پر کھڑا اپنے گھوڑے کو چنے کھلا رہا تھا۔ بلرام کی آواز سن کر بولا۔ ''بلرام بابو ابھی آیا۔'' چند منٹ میں بگھی آ کر حویلی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ''چلیں جی!'' بلرام نے کہا تو ہم دونوں فوراً بگھی پر چڑھ کر سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ بلرام کوچوان کے ساتھ بیٹھ گیا تو بگھی ڈاک بنگلہ کی طرف چل پڑی۔

حویلی کے کونے پر پہنچتے ہی گھوڑا بہت زور سے ہنہنایا اور خوفزدہ ہو کر اپنے دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اچانک ایسا ہوا تھا اور بگھی پیچھے کو الٹتے الٹتے بچی تھی۔

گھوڑا بہت گھبرایا ہوا تھا اور وقفے وقفے سے اب بھی ہنہنا رہا تھا۔ کوچوان کے بروقت سنبھالا دینے اور زور سے لگام کھینچنے پر گھوڑا اپنی جگہ رک گیا تھا۔ اگر کوچوان ذرا بھی لگام ڈھیلی کرتا تو گھوڑا کب کا کسی اور طرف سرپٹ بھاگ چکا ہوتا۔

بلرام نیچے گرا تھا اور پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کافی چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنا بایاں ہاتھ پکڑ کر کراہ رہا تھا۔

میری اور چاندنی کی حالت بھی بہت بگڑی ہوئی تھی۔ میرے منہ سے اچانک نکلا۔ ''بھگوان ہماری رکھشا کر۔''

اس کے بعد میں نے کوچوان سے پوچھا۔
''کوچوان اچانک یہ کیا ہوگیا، تمہیں گھوڑے کو کنٹرول کرنا نہیں آتا کیا؟''
''نہیں جی! ایسی کوئی بات نہیں، میں نے تو گھوڑے کو فوراً سنبھال لیا، اور ایسا نہ کرتا تو گھوڑا تیزی سے بھاگ کھڑا ہوتا اور نہ جانے کیا ہو جاتا۔ ہم سب کی خیر نہیں تھی اور بگھی بھی چکنا چور ہو جاتی۔''
''گھوڑے کو اچانک ایسا کیا ہوگیا تھا کہ یہ کنٹرول سے باہر ہوگیا؟'' میں نے پوچھا۔
''بی بی جی! میرے خیال میں اسے کوئی ہوائی چیز نظر آ گئی ہے۔ گھوڑے جب اچانک ایسی حرکت کرتے ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ ضرور کوئی ہوائی چیز ان کے سامنے آ گئی ہے یا پھر ایسی چیز سامنے سے گزری ہے، میں نے گھوڑے کی لگام ابھی تک پوری طاقت سے کھینچ رکھی ہے۔ اگر ڈھیلی چھوڑ دوں تو یہ آپے سے باہر ہو کر یہاں سے بھاگ نکلے گا۔ میں اس کی گرفت اس وقت تک مضبوط رکھوں گا جب تک یہ شانت نہیں ہو جاتا۔ اور افسوس ہے کہ بلرام بابو کو چوٹ بھی لگ گئی ہے۔
فرسٹ ایڈ بکس بھی ڈاک بنگلہ میں ہوتا ہے، یہ ڈاک بنگلہ میں ہی جا کر کوئی دوا لگا سکیں گے۔''
اچانک ایک گونجدار لیکن خوفناک آواز سنائی دی۔ ''راجندر خونی ہے پاپی ہے، ظالم ہے، یہ اپنے عبرت ناک انجام کو ضرور پہنچے گا۔ اس پاپی نے لوگوں کا بھرم کھو دیا ہے، اوپر سے یہ دھرماتما بنا رہتا ہے اور اندر سے یہ دشٹ ہے راکھشش ہے۔'' اور ایک سایہ آگے کو نکلتا چلا گیا۔ پھر آواز نہیں آئی۔
چند منٹ بعد گھوڑا شانت ہوگیا تو کوچوان بولا۔
''دیکھا آپ لوگوں نے، میں نا کہتا تھا کہ گھوڑے نے ضرور کوئی نادیدہ قوت دیکھ لی ہے، بلرام بابو کیسی باتیں ہیں راجندر بابو کے لئے۔''
بلرام بولا۔ ''بھائی میں بھی تو آپ سب کے ساتھ ہوں' جو آپ نے سنا وہ میں نے بھی سن لیا، پاپ کا انت پاپ پر ہوتا ہے جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ خیر اب جلدی سے چلو، ڈاک بنگلہ، اور بی بی جی میرا تو مشورہ ہے کہ اس بات کا ذکر آپ لوگ کسی اور سے مت کیجئے گا۔''
بلرام کی بات سن کر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کوچوان نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے ہلکا سا اشارہ دیا تو آہستہ آہستہ گھوڑا آگے کو چلنے لگا۔
پندرہ منٹ میں بگھی ڈاک بنگلہ کے گیٹ پر رک گئی تو میں اور چاندنی ترنت بگھی سے اتر کر تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا اور چاندنی کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ٹھنڈا پانی منگایا اور پورا گلاس غٹاغٹ پی گئی۔ چند منٹ بعد میرے من کو شانتی ملی تو مسکرا کر میں چاندنی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''چاندنی دیکھ لیا تو نے میرا اندازہ اس راجندر کے لئے کتنا درست تھا۔''
''ہاں پونم! اب تو میں بھی قائل ہوگئی ہوں کہ راجندر واقعی اچھا آدمی نہیں اور میرا تو خیال ہے کہ ہم کل ہی ڈاک بنگلہ چھوڑ دیں، میں تو بہت ڈر گئی ہوں، کیوں کہ جب بھی راجندر ہم سے ملنے آیا تو ان خوفناک آوازوں کا در و دیوار سے نکلنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔ تو بھی سوچ لے اور یہاں سے ترنت چلنے کی اوپائے کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔'' چاندنی بولی۔
''ہاں چاندنی اب تو میرا بھی من کر رہا ہے کہ یہاں سے چلے چلیں۔ ایسا کرتے ہیں، کل شکروار (جمعہ) ہے کل تک ٹھہر جاتے ہیں اور پرسوں سنڈے ہے، صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد یہاں سے نکل جائیں، شام تک گھر پہنچ جائیں گے۔ اگلا دن سنڈے ہوگا، پورا دن آرام کرنے کے بعد دوسرے دن سے زندگی کی معروفیات دوبارہ شروع، اس معاملے میں تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے چاندنی سے پوچھا۔
چاندنی بولی۔ ''پروگرام تو تیرا ٹھیک ہے، بس یہ

سوچ لے کہ پرسوں ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''اچھا بابا پروگرام پکا، پرسوں ہر حال روانگی۔''

میں نے کہا۔ اندر سے میرا من بھی بہت بیاکل تھا حالانکہ میں تو بہت مضبوط دل و دماغ کی مالک تھی۔ ڈر خوف اور چھوٹے موٹے معاملات کو تو میں خاطر میں بھی نہیں لاتی تھی۔ لیکن دو مرتبہ راجندر سے ملاقات کے وقت جن حالات سے پالا پڑا تھا اور پھر حویلی سے نکلتے وقت گھوڑے کا اچھلنا اور پھر حویلی کے کونے پر کسی سایہ کی آواز راجندر کے بارے میں، تو ان باتوں نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم دونوں انگلش رسالے کی ورق گردانی کرتی رہیں پھر ہال کمرے میں جا کر بیٹھ گئیں۔ ہال میں من موہنی میوزک سے سارے لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہال میں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر میں میرا من شانت ہوگیا۔ تو میں نے کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا کھاتے کھاتے دس کا ٹائم ہوگیا تھا۔ کھانا کھا کر میں نے گرما گرم کافی منگائی اور پھر ہم کافی کا مزہ چسکی چسکی لینے لگے۔ ساڑھے دس بجے میں چاندنی سے بولی۔ ''چاندنی کیا ارادے ہیں؟ ابھی اور بیٹھنا ہے یا کمرے میں چلیں، بھئی مجھے تو نیند آرہی ہے۔'' میری بات سن کر چاندنی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ ''مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے، اپنے کمرے میں اکیلے نہیں سوؤں گی، آج تیرے کمرے میں ڈیرہ ڈالوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تو اچھا پروگرام ہے۔ ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے، چل ٹھیک ہے۔ دونوں ساتھ سو جاتے ہیں۔''

چاندنی میرے کمرے میں آگئی۔ تھوڑی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے، اور پھر چاندنی نے چادر نیچے بچھائی اور تکیہ لے کر لیٹ گئی۔ میں نے کہا۔ ''ارے اوپر سوجا، کیا نیچے نیند آجائے گی؟''

چاندنی بولی۔ ''بھئی مجھے تو نیچے سونے کی عادت ہے، میں بڑے آرام سے سوجاؤں گی، اب تم بھی سونے کی کوشش کرو، اور گڈ نائٹ۔''

میں بھی بستر پر لیٹ گئی، تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کے خیالوں میں گم رہی اور پھر نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، کمرے میں زیرو کا بلب روشن تھا۔ چاندنی میٹھی نیند میں غرق تھی۔ مجھ پر کپکپی طاری تھی۔ اور میں پسینے میں شرابور تھی۔

میں نے خواب دیکھا تھا اور اسی وجہ سے دہل کر رہ گئی تھی۔

میں نے ترنت چاندنی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اپنی آنکھیں مسلنے لگی اور پھر غور سے مجھے دیکھا۔ ''پونم کیا ہوا؟ تیری طبیعت تو ٹھیک ہے، کیا بات ہے؟''

''چاندنی میں نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔''

''ارے رات کے اندھیرے میں کیا دیکھ لیا اور مجھے بھی اٹھا دیا۔ سوجا، یہ خواب ماب بے کار ہوتے ہیں۔'' چاندنی بولی۔

''نہیں چاندنی میرا دل بہت بیاکل ہو رہا ہے۔ مجھے چین نہیں مل رہا ہے، خواب بہت ڈراؤنا تھا۔'' میں بولی۔

''میں نے دیکھا، میں ایک بہت بڑے اجاڑ اور ویران میدان میں کھڑی ہوں، جگہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا ہے کہ کون سی جگہ ہے؟ ہر طرف روشنی پھیلی ہے، سرخ رنگ کی روشنی۔

اچانک روشنی ختم ہوجاتی ہے اور چاروں اور اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ میں اپنی آنکھیں مسلنے لگتی ہوں لیکن اندھیرا اتنا ہے کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

میں کیا کروں...... میں کیا کروں......؟ یہ سوچنے لگتی ہوں، پھر میرے دماغ میں آیا کہ سامنے کی طرف میں چلوں...... یہ سوچ کر میں نے اپنا قدم آگے کو بڑھا دیا۔ میں آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔ خوف و دہشت کا مجھ پر غلبہ تھا۔ اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ اپنا ہاتھ بھی بجھائی

نہیں دے رہا تھا۔ میں چلتے چلتے تھک کر چور ہو گئی تھی۔ چاروں طرف سے بلیوں کے رونے کی پرسوز دل دہلاتی آوازیں دل و دماغ پر سکتہ طاری کر رہی تھیں۔

میں چلتے چلتے تھک گئی، پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے، زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ بہرحال جینے کی آرزو ہمت بڑھا رہی تھی۔ نہ جانے میں کتنی دور نکل آئی تھی، تھکن کی وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا، قدموں میں لڑکھڑاہٹ آ گئی تھی، میری آنکھیں بھی بوجھل ہونے لگی تھیں، کان میں سائیں سائیں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

اچانک ایک کوئی بڑا سا پرندہ میرے سر کے اوپر سے پھڑ پھڑاتا ہوا گزرا تو میں سکتے میں آ گئی، میرے حواس بالکل مفلوج ہونے لگے کہ پھر جسم میں جھرجھری پیدا کرتی ایک طرف کرخت اور ہیبت ناک آواز میرے سر کے اوپر گونجی شاید کسی الو کی آواز تھی۔

میں سہم کر زمین پر بیٹھ گئی اور اس طرح بیٹھے بیٹھے کچھ منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک میرا ذہن جھنجھنا اٹھا تو میں اپنی بچاؤ اور جینے کی خواہش کو دل میں لئے، سرپٹ بھاگنے لگی۔

اچانک زوردار بجلی کڑکی اور اس کی روشنی کی جھلک میں، میں نے دیکھا ایک بہت بڑا گڑھا تھا، میں چونکہ بہت تیز دوڑ رہی تھی، لہٰذا گڑھے کے کنارے پہنچتے ہی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور میں گر پڑی، گڑھے کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا، میں عمیق گہرائی میں گرتی جا رہی تھی کہ اچانک گڑھے میں روشنی کا ایک جھماکہ ہوا اور پھر آنکھوں کو چکا چوند کرتی روشنی گڑھے میں پھیل گئی اس کے بعد مجھے گرتے ہوئے کو دو ہاتھوں نے تھام لیا اور پھر میرے پیر ٹھوس زمین پر رک گئے۔

میں نے جھٹ آنکھیں کھول کر دیکھا تو میری زبردست فلک شگاف چیخ نکل گئی کیونکہ جن ہاتھوں نے مجھے تھاما تھا وہ کوئی اور نہیں راجندر تھا۔ اس کا سر انسان کا اور تمام دھڑ ایک قوی الجثہ سانپ کا تھا۔

اور میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی کیونکہ میری آنکھ کھل گئی۔

بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنے بستر پر تیرے سامنے موجود ہوں۔ چاندنی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میرا سارا جسم اندر سے کپکپا رہا ہے۔ اور میں زار و قطار رونے لگی۔ روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ چاندنی اٹھ کر میرے پاس آئی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

چاندنی نے گلاس میں پانی بھرا اور میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ تو میں ایک ہی سانس میں پورا پانی پی گئی۔ پانی پینے کے بعد میرے حواس کچھ بحال ہوئے۔

چاندنی بولی۔ ''پونم تو نے راجندر کو اپنے دماغ میں بسا لیا ہے، تو ہر وقت اسی کے متعلق سوچنے لگی ہے۔ اسی لئے راجندر کا وجود تیرے دماغ پر چھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خواب میں تجھے راجندر نظر آیا۔

''نہیں چاندنی مجھے اس کی طرف سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے اور اس بھیانک خواب......'' میری بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ چاندنی بول پڑی۔

''ارے بابا اس میں گھبرانے والی کون سی بات ہے، صرف کل ہی کی تو بات ہے، پرسوں ہم اس ڈاک بنگلہ سے روانہ ہو کر کوسوں دور چلے جائیں گے تو شانت ہو جا اور فکر کرنا چھوڑ دے، آرام سکون سے سو جا اس وقت رات کے چار بج رہے ہیں۔'' چاندنی نے کہا۔

''چاندنی میں تیرے پاس سوؤں گی۔'' میں نے کہا تو چاندنی بولی۔ ''چل آ کر لیٹ جا۔''

میں نے تکیہ اٹھایا، چادر لی اور چاندنی کے برابر میں لیٹ گئی۔

صبح جب میں اٹھی تو بہت نڈھال تھی، ایسا لگتا تھا کہ پورے جسم سے طاقت نچوڑ لی گئی ہو، میں اپنے اندر کافی کمزوری محسوس کر رہی تھی، نہا دھو کر فریش ہوئی تو چاندنی نے گرم گرم چائے پلائی، چائے پی کر کچھ توانائی میں نے محسوس کی۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے ناشتہ کیا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر میں ڈاک بنگلہ میں موجود

ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ ڈاکٹر کو بتایا۔ ''ڈاکٹر صاحب پتہ نہیں کیوں میں اپنے اندر کافی جسمانی کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔''

ڈاکٹر نے میرا بلڈ پریشر چیک کیا تو چونک گیا اور بولا۔ ''آپ کا بلڈ پریشر تو کافی لو ہے۔ اس وجہ سے آپ کمزوری محسوس کر رہی ہیں۔ اتنا بلڈ پریشر لو تو نہیں ہونا چاہئے، لگتا ہے آپ نے کچھ زیادہ ہی کسی بات کی ٹینشن لے لی ہے۔''

ڈاکٹر نے ایک انجکشن لگایا چند گولیاں دیں اور بولا۔ ''آپ گرم گرم کافی پی لیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور یہ گولیاں کھا لیجئے گا۔ رات میں بھی آ کر چیک کرا لیجئے گا۔''

میں ڈاکٹر کے پاس سے واپس آ گئی۔ چاندنی بھی میرے ساتھ تھی۔

کمرے میں آ کر میں بستر پر لیٹ گئی۔ اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور خیالوں میں گم ہو گئی۔ چاندنی میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں چاندنی نے کافی منگوائی تو میں نے گولیاں کھا لیاں اور پھر کافی پینے لگی۔ کافی پینے کے بعد میں دوبارہ بستر پر لیٹ گئی اور نیند کی وادی میں پہنچ گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو دن کے دو بج رہے تھے۔ میں واش روم میں گئی اور شاور کھول کر شاور کے نیچے بیٹھ گئی۔ کافی دیر تک میں شاور کے نیچے بیٹھی رہی، مجھے بہت مزہ آ رہا تھا کیونکہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی میرے پورے وجود پر گر رہا تھا۔ میں اپنے اندر کافی بہتری محسوس کر رہی تھی کہ اتنے میں چاندنی نے دروازہ کھٹکھٹا دیا تو میں چونکی اور کپڑے پہن کر باہر آ گئی۔

چاندنی بولی۔ ''میں تو ڈر گئی تھی کہ بھگوان خیر کرے اتنی دیر لگا دی۔''

''شاور کے نیچے بیٹھ کر مجھے بہت مزہ آ رہا تھا، اگر تو دروازہ نہ کھٹکھٹاتی تو نہ جانے میں اور کب تک نہیں نکلتی۔''

''بھئی میرا تو بھوک سے دم نکل رہا ہے اور جلدی سے بال بنا اور چل کھانے کے لئے۔'' چاندنی بولی۔

میں نے جلدی جلدی تولیہ سے بال خشک کئے اور چاندنی کے ساتھ ہال کمرے میں چلی گئی۔ جاتے ہی فوراً کھانا منگا لیا، کھانا کھایا اور پھر ہم دونوں اپنے کمرے میں آ گئیں اور میں بستر پر لیٹ گئیں۔

کمرے میں بستر پر لیٹے لیٹے پانچ بج گئے تو میں چاندنی سے بولی۔ ''یار کہیں باہر چلتے ہیں۔ کمرے میں لیٹے لیٹے تو اب کمر اور پیٹھ بھی اکڑ گئی ہے۔''

باہر کا نام سن کر چاندنی خوش ہو گئی۔ وہ اپنے کمرے میں گئی اور فوراً ہی کپڑے چینج کر کے آ گئی۔ میں نے چاندنی کا ہاتھ پکڑا اور سیر کے لئے میں نکل پڑی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم دونوں باتوں میں اس قدر محو تھے کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ ہم کتنی دور آ گئے ہیں۔ خیر ہم سرسوں کے کھیت کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ سرسوں کے پیلے پیلے پھول کھلے تھے ایسا لگتا تھا کہ پورے کھیت کے پودوں پر پیلی چادر بچھائی گئی ہو۔ ہوا جب چلتی تو پودے جھوم جھوم جاتے۔ اتنا دلکش منظر پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چاندنی بھی بہت خوش تھی۔ اب شام کے جھٹپٹے کا وقت تھا اور ہم دونوں اپنے آپ میں مگن تھے کہ اچانک پانچ آدمی اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر ہمارے تو پسینے چھوٹ گئے۔ ان آدمیوں کے انداز بڑے خطرناک تھے۔

میں بولی۔ ''کون ہیں آپ لوگ اور اس طرح ہمارے سامنے کیوں کھڑے ہیں، میں اس کی شکایت راجندر بابو سے کروں گی۔'' میری بات سن کر وہ ہنسنے لگے۔

ان میں سے دو آگے بڑھے اور ہم دونوں کی کلائی پکڑ لی۔ میں نے اور چاندنی نے بہت کوشش کی لیکن ہماری ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، آخر انہوں نے ہمارے دونوں ہاتھ پکڑ لئے وہ کافی مضبوط

اور گٹھیلے جسم کے مالک تھے۔

ان میں سے اور دو آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں رومال پکڑ رکھے تھے اور رومالوں پر شیشی میں سے کوئی دوانما چیز ڈالی تھی۔ ان دونوں نے رومال چاندنی اور میری ناک پر رکھ دیئے۔ چند منٹ تو ہماری مزاحمت جاری رہی لیکن پھر میں آہستہ آہستہ اپنے ہوش سے بیگانہ ہوتی چلی گئی۔ یقیناً چاندنی کی حالت بھی مجھ جیسی ہی ہوگی۔ مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

اچانک ایک کربناک اذیت ناک چیخ کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی۔ میرے دونوں ہاتھ پیچھے کو مضبوط رسی سے پلنگ کے پائے سے بندھے ہوئے تھے۔ راجندر کپڑوں سے آزاد میرے اوپر تھا اور مجھے سخت اذیت دینے میں مبتلا تھا۔ مجھے بھی کپڑوں سے آزاد کردیا گیا تھا۔

تکلیف اور اذیت سے میں تڑپنے لگی تھی مگر اس ظالم اور پاپی کو مجھ پر دیا نہیں آرہا تھا۔ میری چیخیں کمرے کی چھت اور دیواروں کو دہلا رہی تھیں۔ میری چیخیں جب زیادہ بڑھیں تو اس کمینہ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا لیکن میری اذیت ناک چیخوں پر اس کا ہاتھ رکھنا بے مقصد ثابت ہوا۔ پھر طیش میں آکر میں نے اپنا سیدھا پاؤں پوری قوت سے دے مارا تو وہ بلبلاتا ہوا بیڈ سے نیچے جا گرا، پاؤں بڑی زور کا لگا تھا۔ وہ بڑی طیش میں اٹھا اور میرے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کردی۔

میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے میں تو ویسے ہی تکلیف سے تڑپ رہی تھی اور اس کے تھپڑوں کی بارش نے میری جان کو اور بھی ہلکان کر کے رکھ دیا۔ میں اپنے آپ میں نہ تھی اور ماہئی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی لیکن اس ذہنی بیمار اور ہوس پرست کو مجھ پر ذرا بھی دیا نہیں آرہی تھی۔

کمینے ظالم پاپی میں تیرا جینا دوبھر کر کے رکھ دوں گی۔ تیرا دھرماتما بنا رہنا خاک میں ملا کر رکھ دوں گی۔ تیری اونچی حویلی اور تیرے رکھ رکھاؤ کو ملیامیٹ کر کے رکھ دوں گی، تیری عزت شان وشوکت کی ارتھی نکال کے رکھ دوں گی تو یہ ناممکن ہے، میں زخمی ناگن بن کر تجھے پل پل ڈسوں گی، تو مرنا چاہے گا تو مر نہیں پائے گا، حرامی مجھے آزاد کر کے دیکھ، میرے ہاتھ کھل جائیں تو میں تجھے بتاؤں کہ تو کتنا طاقتور ہے۔

وہ مجھ پر جھکنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے نفرت اور حقارت سے اس کے منہ پر تھوک دیا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور طیش میں آگیا۔ اس نے ایک زبردست تھپڑ میرے منہ پر مارا اور الماری سے ایک بڑا سا رومال نکال کر میرا منہ سختی سے باندھ دیا۔ اس صورت میں میرا سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ میرا دم گھٹنے لگا اور اس کمینہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔

مجھے دوبارہ اذیت اور تکلیف دینے لگا۔ اب تو میں چیخ بھی نہیں سکتی تھی، تکلیف کی وجہ سے میری آنکھ سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں، سوائے ٹانگیں چلانے کے میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی، دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے، منہ پر کپڑا باندھا ہوا تھا اور پھر ٹانگیں اس کمینہ کے قبضے میں تھیں۔

میں بے کس و مجبور پنجرے میں قید فاختہ کی طرح پھڑپھڑاتے پھڑپھڑاتے آخر کار ٹھنڈی ہوگئی۔ میری آتما میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ میں مجبور تھی مگر میری آتما تو آزاد ہوگئی۔

میں آتما کی صورت میں ایک جگہ حسرت ویاس سے چور کھڑی تھی۔ میرے جسم کو ایک بڑی بوری میں ڈالا گیا اور پھر ایک بہت بڑا وزنی پتھر بھی بوری میں ڈال کر بوری کا منہ مضبوط کر کے ایک رسی سے باندھ دیا گیا۔ اس طرح ایک دوسری بوری بھی تیار کی گئی۔ وہ بوری چاندنی کی تھی۔ چار آدمی دونوں بوریوں کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر کہیں لے چلے۔

میں آتما کی صورت میں ساتھ ساتھ تھی۔ کافی دیر بیل گاڑی چلتی رہی، پھر وہ گاڑی دریا کنارے پہنچ کر رک گئی۔ پہلے سے ایک بڑی کشتی کھڑی تھی۔ ان آدمیوں

نے دونوں بوریاں اٹھا کر کشتی میں ڈالیں اور پھر تین آدمی کشتی میں سوار ہو گئے تو کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانی کی طرف بڑھتی گئی۔ جب کشتی کافی دور پہنچ گئی تو ملاح نے کشتی روک دی۔ تینوں آدمیوں نے دونوں بوریاں جس میں میری اور چاندنی کی لاشیں تھیں، اٹھا کر پانی میں پھینک دیں۔

اس پر اکتفا نہیں کیا گیا ایک اور منظر دل دہلا دینے والا نمودار ہوا۔ ان تینوں آدمیوں نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملاح کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش بھی دریا میں ڈال دی۔ ملاح کو یوں قتل کیا گیا کہ وہ راز کو فاش نہ کر دے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ تینوں آدمی کشتی کو لے کر کنارے آ گئے اور بیل گاڑی میں بیٹھ کر جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔

ہم دونوں کی آتمائیں ٹکر ٹکر دیکھنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔ ہماری آتماؤں کے لئے یہ ایک انجان دنیا تھی، نہ ہم آتما کی صورت میں کہیں جا سکتے تھے۔ ہماری لاشیں تو پانی میں ڈوب گئی تھیں اور ہم دونوں کی آتمائیں دریا کنارے کھڑی یہ سوچ رہی تھیں کہ اب ہم جائیں تو جائیں کہاں۔

ہم آتماؤں کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کہ اتنے میں ایک بہت ہی نرم و شفیق آواز سنائی دی۔ پتری تو گھبرائیں نہیں! اب تم دونوں کا ناطہ سنسار سے ٹوٹ گیا ہے۔ تم دونوں کو اذیت دے کر مار دیا گیا ہے۔ اب تمہارا سنسار میں کوئی ٹھکانہ نہیں، تمہاری آتمائیں بھٹکتی رہیں گی۔ اگر تمہارا کریا کرم کر دیا جاتا اور چتا کی اگنی میں تمہارا شریر جل جاتا تو تمہاری آتمائیں سورگ باشی ہو جاتیں، مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ تم دونوں میرے ساتھ چلو۔ میرا نام شنکر ہے، میرے ساتھ بھی اس ظالم اور پاپی راجندر نے بہت ظلم کیا تو میری آتما بھی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے شریر کو چھوڑ دیا۔

آتما حویلی میں ہم آتماؤں نے ایک استھان بنا رکھا ہے۔ اس حویلی میں سینکڑوں آتمائیں موجود ہیں اور دربدر بھٹکنے سے بچ گئی ہیں۔

تم دونوں مجھ پر وشواش کرو اور میرے ساتھ چلو۔ آتما حویلی میں تم دونوں کو بھی شانتی ملے گی۔ تم بھی دربدر بھٹکنے سے بچ جاؤ گی۔

میں چاندنی سے بولی۔ ''چاندنی چل ان کے ساتھ چلتے ہیں اب اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ بھروسہ تو کرنا ہی پڑے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آتمائیں جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔''

شنکر نے کہا۔ ''پتری اس ظالم راجندر کا بہت جلد بھیانک انت ہونے والا ہے۔ ایسا بھیانک انت ہو گا کہ دیکھنے والے کانپ جائیں گے کہ اس کی آتما شانتی کے لئے پل پل ترسے گی۔''

اور اس طرح ہماری آتمائیں رات کے اندھیرے میں آتما حویلی میں آ گئیں۔''

پونم کی بات ختم ہوئی تو اچانک سنیل کی طبیعت خراب ہو گئی اس کی کرب و اذیت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ وہ پلنگ سے نیچے گر پڑا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی ایسی حالت تھی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔

اتنے میں رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''شنکر! اب بس کر، میں تیری اور تیری ساتھی آتماؤں کی بپتا خاموشی سے سن رہا ہوں۔ پھر تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ تو سنیل کو تکلیف سے دوچار کرے۔ میری بات مان لے اور سنیل کو تکلیف دینا بند کر دے، نہیں تو پھر میں مجبور ہو کر کچھ کرنے پر حق بجانب ہوں گا۔ اسی میں تیری اور تیری ساتھی آتماؤں کی بھلائی ہے، میری بات مان کر سنیل کو اب تکلیف دینا چھوڑ دے، نہیں تو بہت پچھتائے گا۔

اور تیرے ساتھ ساتھ تیری ساتھی آتمائیں بھی تکلیف اٹھائیں گی۔ میں مانتا ہوں اور تم سب کی باتیں بالکل درست ہیں کہ واقعی راجندر نے تم سب پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔

راجندر نفسیاتی خواہشات کا غلام بن گیا تھا۔ وہ

دولت اور طاقت کے چکر میں فرعون بن بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے خاندان اور عزت دار باپ کا بھی خیال نہیں کیا۔ راجندر کے باپ کا عزت اور انصاف کا ڈنکا ہر طرف بجتا تھا۔ میں نے سنا ہے اور شنکر تمہیں بھی پتہ ہے کہ ٹھاکر رنجیت کتنے ہمدرد، انصاف پرور، کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے والے ہر کسی کی عزت کو اپنی عزت سمجھنے والے، فراخ دل کے مالک اور دیالو قسم کے آدمی تھے۔

کاش! راجندر یہی خیال کر لیتا کہ میرے باپ کی کتنی عزت ہے اور پھر میں بھی تو ایک بیٹے کا باپ ہوں میرا بیٹا کیا سوچے گا میرے کرتوتوں کے متعلق۔

شنکر داس! راجندر کو تم نے بھیانک اور عبرتناک انجام تک پہنچایا۔ وہ گاؤں والوں اور گاؤں سے باہر کے لوگوں کے لئے عبرت بن گیا۔ اس کی موت جس بھیانک اور رونگٹے کھڑے کرتے طریقے سے ہوئی وہ ناقابل فراموش ہے۔

شنکر داس! تم ہی بتاؤ کہ قصور اس کا تھا، اس کے گھر اور خاندان کے لوگوں کا قصور کیا ہے؟ اور تم لوگ جو انہیں اذیت دے رہے ہو کیا اس سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا، کیا تمہاری روحوں کو سکون مل جائے گا؟ کیا خاندان کے چند لوگوں کو مار کر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے؟ کیا تمہاری بھٹکتی روحوں کو قرار آ جائے گا۔

تمہارا جواب یقیناً نفی میں ہوگا، میرے خیال میں کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس سے تم تمام روحوں کو سکون مل جائے، تم لوگوں کا بھٹکنا ختم ہو جائے۔ تم لوگ اصل منزل پر پہنچ جاؤ جو کہ انسان کیلئے آخری آرام گاہ ہے۔'' بس شنکر داس! تم میرا کہنا مان لو اور اس خاندان کی جان چھوڑ دو تو زیادہ اچھا ہے۔'' اور رولوکا خاموش ہو گیا۔

''مہا پرش! یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس پریوار کی جان نہیں چھوڑیں گے۔ انہیں اذیت دے کر، سسکا سسکا کر یں ماریں گے، ہم نے ہر وہ حربہ استعمال کرنا ہے جس سے اس پریوار کی سکھ شانتی ختم ہو، یہ لوگ سکون کے لئے پل پل ترسیں، ہم کسی بھی صورت انہیں معاف نہیں کریں گے اور میں پھر تمہیں چتاونی دیتا ہوں کہ تم جھنجھٹ میں نہ پڑو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، تم ایک دو، دس بیس پچاس کو ختم کر دو گے لیکن یہاں تو کئی سو آتمائیں ہیں۔

راجندر کی آتما کو بھی ہم نے قابو میں کر رکھا ہے، میرا تمہیں آخری مشورہ ہے کہ تم اس معاملے سے ہٹ جاؤ۔ میں تمہیں آتما حویلی میں آنے کے لئے بنتی کرتا ہوں کہ تم آتما حویلی میں آؤ، اور اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ آتماؤں کا کیا حال ہے۔

آتمائیں کس بیاکل طریقے سے وقت گزار رہی ہیں۔

مہا پرش! تم سب کی بپتا سنتے سنتے تھک جاؤ گے، تمہارا سینہ پھٹ جائے گا، تمہاری آنکھیں پتھرا جائیں گی، ان آتماؤں کی حالت دیکھ کر اس حرامی راجندر نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ صرف اور صرف ہوس پرستی کے چکر میں۔

مہا پرش! مجھے اور تمام آتماؤں کو مجبور نہ کرو کہ ہم تمہارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں اور پھر تمہیں ہم سے شکایت ہو۔ صرف میں ہی نہیں ہوں کہ میں مان جاؤں۔

تمہیں ہم سب کی طاقت کا اندازہ نہیں۔

میں جب چاہوں پل بھر میں سنیل کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ مگر خود ایسا نہیں چاہتا، اسے تڑپتا دیکھ کر مجھے شانتی ملتی ہے۔

میں تمہاری بات مان کر خود کو یا پھر تمام آتماؤں کو بیاکل نہیں کر سکتا۔

میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ آتما حویلی کے تہہ خانے میں راجندر نے بے شمار ہیرے جواہرات اور سونا چاندی چھپا رکھے تھے اس نے اپنے پریوار تک کو وہ دھن دولت نہیں دی۔

مہا پرش! اب تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ جو شخص اپنے سگے اور خونی رشتوں کا نہیں ہوا، وہ غیروں کا ہمدرد

کیا ہو سکتا ہے۔

مہاپرش! میں نے راجندر کے چھپائے ہوئے دھن دولت کے متعلق بتادیا، لیکن اس بدذات نے اپنی زندگی میں اپنی پتنی اور بیٹے تک کو نہیں بتایا تھا۔

سنیل کو ہر حال میں مرنا ہے۔ لیکن تم نے میری بات بھی مانی ہے کہ تم آتما حویلی میں ضرور آؤ، تمہیں آتما حویلی میں آنا پڑے گا ہم دکھیاری آتماؤں کے حال جاننے کے لئے۔ اور پھر تمہیں ہمارے راستے سے ہٹنا پڑے گا۔ نہیں تو ہم تمہیں عبرت ناک انجام کو پہنچادیں گے۔ ایک بات اور...... سن لو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ اگر سنیل کو اور اس پریوار کو بچا سکتے ہو تو بچالو۔"

رولوکا رعب دار آواز میں بولا۔ "شنکر داس میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں اور میں کل آتما حویلی میں ضرور آؤں گا اور اگر تم میں ہمت ہے تو سنیل کو مزید تکلیف دے کر دیکھو۔

"کل میں آتما حویلی میں آؤں گا...... میرا انتظار کرنا۔"

☆☆☆

رولوکا مہیش سے بولا۔ "آپ لوگ کسی قسم کی بھی فکر نہ کریں، میں نے سنیل پر سوار شنکر داس کی آتما سے وعدہ کرلیا ہے اور میں کل آتما حویلی ضرور جاؤں گا، میرے ساتھ آپ، سنیل، آپ کے پتا اور تین افراد بھی چلیں۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ان تمام آتماؤں سے آخری مرتبہ بات چیت ہوگی۔"

باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ سنیل کسمسا کر اٹھ بیٹھا، وہ اپنی آنکھیں مسلنے لگا اور پھر بولا۔ "بھیا! مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے کچھ کھانے کو دیں۔" یہ سنتے ہی مہیش نے کمرے میں موجود ایک شخص سے بولا۔ "جلدی سے جاکر سنیل کے لئے کھانا لے آؤ۔"

رولوکا آگے بڑھا اور سنیل سے بولا۔ "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ کوئی فکر کی بات نہیں اوپر والے نے چاہا تو کل کے بعد تمہاری طبیعت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہوجائے گی۔ میں نے اپنے دماغ میں اٹل فیصلہ کرلیا ہے کہ کل ان تمام آتماؤں سے فیصلہ کن بات ہوگی، اگر وہ سب مان گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ......" اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو، حکیم صاحب آپ ہمارے لئے بھگوان کے کسی اوتار سے کم نہیں ہیں، میں اور ہماری نسل رہتی دنیا تک اور پھر جب بھی ہم جنم لیں گے آپ کا احسان مانتے رہیں گے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم سارے خاندان والے سسک سسک کر مرجاتے، کوئی ہمارا نام لیوا باقی نہ بچتا۔ کیا آپ کل تک یہیں رہیں گے، میں آپ کے لئے مہمان خانہ کھلوادیتا ہوں۔"

"نہیں میں رک نہیں سکتا، میں چلا جاؤں گا اور کل وقت مقررہ پر آجاؤں گا، یہ میری ڈیوٹی ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

رولوکا سے مہیش بولا۔ "جیسی آپ کی خوشی۔"

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دیں اور حویلی کے باہر تک مجھے چھوڑ دیں۔" رولوکا بولا۔

"مہیش بابو، مہیش بابو، شرفو چاچا آئے ہیں، بہت گھبرائے ہوئے اور پریشان لگ رہے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بھی نکل رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ مجھے ترنت مہیش بابو سے ملنا ہے۔" دروازے پر باہر کھڑے ہیں۔" ایک ملازم نے آکر بتایا۔

یہ سن کر رولوکا نے مہیش سے پوچھا: "شرفو چاچا کون ہیں اور کیا بات ہے کہ بہت پریشان ہیں؟ تم ان سے فوراً ملو اور اگر کوئی تکلیف میں ہیں تو ان کی مدد کرو، یہی انسانیت ہے، جو دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ تو اوپر والا اس کی مدد کرتا ہے۔"

"شرفو چاچا، دراصل ان کا نام تو شرف الدین ہے مگر گاؤں والے انہیں شرفو چاچا کہتے ہیں کافی عمر رسیدہ ہیں، چلئے آپ کو باہر چھوڑتا ہوں اور پھر ان سے بھی پوچھتا ہوں کہ کیا بات ہے؟ وہ بھی باہر دروازے پر کھڑے ہیں، آپ کے سامنے ہی میں ان سے حال

احوال معلوم کر لیتا ہوں کہ کیا مسئلہ ہے؟" مہیش نے رولوکا سے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو۔" رولوکا مہیش کے ساتھ حویلی کے مین دروازے سے باہر آ گیا۔

جب دونوں باہر آئے تو مہیش کو دیکھتے ہی ایک عمر رسیدہ شخص جو کہ شرف الدین تھے۔ مہیش کا ہاتھ پکڑ کر گڑ گڑانے لگے تو مہیش بولا۔ "چاچا خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"مہیش بابو کل رات سے اچانک سعیدن کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے، وہ اپنے آپے میں نہیں ہے اور اول فول بک رہی ہے، کئی بار باہر بھاگنے کے لئے زور لگا چکی ہے لہذا ہم نے اسے رسیوں سے باندھ رکھا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس پر کوئی ضدی جن سوار ہو گیا ہے۔ وہ مردانی آواز میں بولنے لگی ہے۔ میری پھول سی بچی کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے، کل اپنی سہیلیوں کے ساتھ آم کے باغ میں گئی تھی۔ وہاں سے واپسی پر وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

مسجد کے مولوی صاحب کو میں بلا کر لے آیا تھا۔ مولوی صاحب نے پانی پر دم کر کے اس پر چھڑکا تو وہ مزید بپھر گئی اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں، غصہ کی وجہ سے اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اس کے بال ایسے کھڑے ہو گئے جیسے بال نہ ہوں بلکہ لمبے لمبے تنکے ہوں، اور آگے بڑھ کر مولوی صاحب کو گلے سے پکڑ لیا اور جھٹکے دینے لگی۔

ہم نے بہت زور لگا کر مولوی صاحب کو اس کی گرفت سے چھڑایا، اگر ہم نہیں چھڑاتے تو شاید مولوی صاحب کو اس نے گلا گھونٹ کر مار دینا تھا۔

پھر گرجدار مردانی آواز میں بولی۔ "مولوی فوراً یہاں سے بھاگ جا نہیں تو تجھے موت کے گھاٹ اتار دوں گا، تیری ہمت کیسے ہوئی کہ تو مجھے ہٹانے کے لئے آ گیا۔ میرا تعلق قوم جنات سے ہے۔ یہ لڑکی مجھے پسند آ گئی ہے میں کسی صورت بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا، یہ کل شام کے وقت آم کے باغ میں گئی تھی، اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے، مجھے اس کے بال بہت اچھے لگے، اور پھر جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو اس کی خوبصورتی اور معصوم شکل دیکھ کر میں اپنا حواس کھو بیٹھا، یہ مجھے بہت اچھی لگی، مولوی جس راستے آیا ہے چلا جا نہیں تو تیری خیر نہیں۔"

یہ سنتے ہی مولوی صاحب فوراً چلے گئے اور جاتے جاتے بولنے لگے۔ "شرف الدین یہ معاملہ میرے بس کا نہیں آپ کسی پہنچے ہوئے کو بلا لیجئے گا۔"

"مہیش بیٹا تم سنیل کو دلی لے گئے تھے کسی حکیم صاحب کے پاس، میں نے سنا ہے کہ سنیل پر جو روح سوار تھی اب اس نے بولنا شروع کر دیا ہے اور اب سنیل کی طبیعت میں ٹھہراؤ آ گیا ہے، میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ دلی والے عامل صاحب واقعی قابل ہیں، جن کی وجہ سے اتنے سالوں سے جس روح نے پریشان کر رکھا تھا اس سے کوئی بھی منہ نہیں کھلوا سکا لیکن دلی والے عامل صاحب نے اس کا منہ کھلوا دیا، مہیش بیٹا تم مجھے ان کا پتا بتا دو تا کہ میں دلی چلا جاؤں۔

دلی کوئی دور تو نہیں، تین گھنٹے کا راستہ ہے، بیٹی کا معاملہ ہے اور وہ بھی جوان بیٹی، میں عامل صاحب کے آگے گڑ گڑاؤں گا تو یقیناً میرے بڑھاپے پر ترس کھاتے ہوئے ضرور میری سنیں گے۔"

شرف الدین کی باتیں سن کر مہیش نے رولوکا کی طرف دیکھا تو رولوکا نے اپنا سر ہلا دیا۔ رولوکا کی رضا مندی دیکھ کر مہیش بولا۔ "چاچا دلی والے عامل صاحب یہی ہیں جو میرے برابر میں کھڑے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ شرفو چاچا فوراً ہی رولوکا کے پاؤں پر جھک گئے تو رولوکا نے جھٹ ان کا کندھا پکڑ کر انہیں اوپر اٹھایا اور بولا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

شرف الدین نے رولوکا کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں میں نمی لاتے ہوئے بولے۔ "جناب میرے بڑھاپے پر

نم کھاتے ہوئے میری مدد کریں، نہیں تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ جوان بیٹی کا مسئلہ ہے، میں تو زندہ درگور ہو جاؤں گا، یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ آپ یہیں پر مل گئے، میں دعا کے سوا کچھ اور تو نہیں دے سکتا، میں تا حیات احسان مند رہوں گا، اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔

آپ کی بہت مہربانی، چل کر میری بچی کو دیکھ لیں، اور اس اذیت ناک مصیبت سے چھٹکارا دلوا دیجئے۔''

رولوکا بولا۔'' آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، مہیش تم بھی میرے ساتھ چلو، یہ بھی نیکی کا کام ہے، اچھا ہے کسی کی مصیبت میں کام آنا۔''

مہیش بولا۔'' چلئے میں چلتا ہوں، یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ آپ مل گئے، نہیں تو شرفو چاچا بہت پریشان ہوتے، بھگوان جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔''

مہیش نے اپنے ساتھ اپنے دونوں ملازموں کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں بھی ساتھ ساتھ سب سے پیچھے چلنے لگے۔

چند منٹ میں یہ لوگ شرفو چاچا کے گھر پہنچ گئے۔ کیونکہ گھر زیادہ دور نہیں تھا، تیسری گلی میں تھا۔ وہاں پر لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔

شرفو چاچا کا بڑا بیٹا آگے بڑھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔'' بابا سعیدن گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ اور گھر سے نکلتے ہی نہ جانے اتنی جلدی کس طرف گئی کہ نظر نہیں آئی ہم اس کے پیچھے ہی گھر سے نکلے تھے مگر اچانک ایسا لگا کہ اسے زمین نگل گئی ہو،

جس رسی سے اسے باندھا گیا تھا اچانک ساری رسیاں ٹوٹ کر ٹکڑوں کی شکل میں نیچے گر گئیں جیسے کہ کسی نے انہیں کاٹ دیا ہو۔ ہم نے سارا علاقہ چھان مارا ہے مگر کہیں بھی سعیدن کا پتا نہیں لگ رہا ہے۔''

یہ سنتے ہی شرف الدین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا اور حسرت بھری نگاہوں سے رولوکا کی جانب دیکھا تو رولوکا نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کر بولا۔'' آپ گھبرائیں نہیں، میں ابھی دیکھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے، اور آپ کی بچی کس طرف گئی ہے؟ آپ کی بچی اپنے آپے میں نہیں ہے، وہ چونکہ ان دیکھی طاقت کے زیر اثر ہے، اور وہی طاقت اسے کسی طرف لے گئی ہے۔ آپ سکون سے بیٹھ جائیں اور بیٹھک کھول دیں تاکہ ہم بھی بیٹھ جائیں۔''

شرف الدین نے فوراً کہا اپنے بیٹے سے۔'' بیٹا بیٹھک کا دروازہ اندر جا کر کھول دو۔'' یہ سنتے ہی بیٹا اندر کی طرف گیا اور فوراً ہی بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی شرف الدین نے رولوکا سے کہا۔'' جناب تشریف لائیں، مہیش بیٹا تم اور یہ تمہارے بندے بھی اندر چل کر بیٹھیں۔'' یہ لوگ بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس جگہ کھڑے لوگ باہر ہی کھڑے رہے۔

کمرے میں دری بچھی تھی۔ رولوکا ایک طرف کونے میں بیٹھ گیا اور پھر اس نے کمرے میں موجود شرف الدین، ان کا بیٹا، مہیش اور اس کے دونوں ملازموں کو بھی بیٹھنے کا کہا تو وہ لوگ بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ رولوکا نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا سر بھی ہلاتا رہا، ایسے کہ وہ شاید کسی سے ہم کلام ہو۔

اس حالت میں رولوکا نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر کو کیا اور شہادت کی انگلی سے اوپر ایک دائرہ سا بنایا اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔'' تم فوراً جاؤ اور اپنے ساتھ جتنے بھی کارندے چاہو لے جاؤ۔'' رولوکا نے جاگتے الو کو خفیہ پیغام دیا تھا کہ فوراً جاؤ اور اپنے ساتھ جتنے خفیہ کارندے درکار ہیں لے جاؤ، اور لمحہ لمحہ کی خبر مجھے دیتے رہو۔''

رولوکا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بولا۔

'' شرف الدین صاحب وہ بہت ضدی اور سرکش جن ہے، اس کی ضد اور نافرمانی کی وجہ کر اس کے قبیلہ والوں نے اسے قبیلہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ وہ بھٹکتا پھر رہا تھا، اسے کہیں اطمینان کی جگہ نہیں مل رہی تھی اور وہ آم کے

باغ میں مقیم تھا کہ آپ کی بچی اس کی نظروں میں آ گئی۔ آپ گھبرائیں نہیں، میں نے اپنے کارندوں کو ڈیوٹی پر لگا دیا ہے۔

وہ کم بخت آپ کی بچی کو لے کر اپنے قبیلہ میں چلا گیا ہے، قبیلہ میں اس کے اپنے کچھ ہم خیال ساتھی موجود ہیں اور انہوں نے اسے پناہ دے دی ہے، اس معاملے کی خبر قبیلہ کے سردار کو نہیں ہے۔ آپ کی بچی واپس آ جائے گی، فکر نہ کریں۔''

رولوکا یہ بول کر مہیش کی طرف متوجہ ہوا۔ مہیش تمہیں تھوڑی سی تکلیف کرنی ہوگی، جب تک یہ معاملہ ٹھیک نہیں ہو جاتا تمہیں ہمارے ساتھ ہی ٹھہرنا ہے اور اپنے ان دونوں ملازموں کو بھی روکے رکھو، ان کی بھی ضرورت پڑے گی۔''

مہیش بولا۔ ''حکیم صاحب آپ کا حکم سر آنکھوں پر، آپ کے حکم پر میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں، جب تک میری یا میرے ملازموں کی ضرورت ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ حکم کریں، ہم ویسے بھی شرفو چاچا کی بہت عزت کرتے ہیں، میں ہی کیا گاؤں کا ہر فرد شرفو چاچا کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔''

''اس وقت دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ تقریباً ساڑھے تین چار بجے تک حل ہو جائے گا۔''

رولوکا شرف الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ ''شرف الدین صاحب جتنی جلدی ہو سکے ایک عدد گرم روٹی پکوائیں اور پھر اس روٹی پر دونوں طرف گھی اچھی طرح لگوا دیں، جب گھی لگ جائے تو فوراً میرے پاس لے آئیں۔''

یہ سنتے ہی شرف الدین فوراً گھر کے اندر گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹ میں مطلوبہ روٹی لا کر رولوکا کے سامنے پلیٹ میں رکھ دی۔

رولوکا نے ایک چھری منگائی اور پھر روٹی کے چار ٹکڑے کر دیئے۔ اور شرف الدین کے بیٹے سے بولا۔ ''گاؤں کی مسجد سے ہٹ کر جو بڑا درخت ہے اس کے پاس ایک خارش زدہ لہولہان کتا بیٹھا ملے گا، کتے کے جسم پر مکھیاں بھنک رہی ہوں گی، وہ بہت خونخوار انداز میں دیکھے گا اور بھونکتے ہوئے تم لوگوں کی طرف لپکے گا مگر کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے پاس پھینک دینا۔

روٹی کا ٹکڑا قریب گرتے ہی وہ آپے سے باہر ہو کر اتنا بھونکے گا کہ جیسے زمین و آسمان دہلنے لگیں مگر تم لوگ گھبرانا نہیں۔ وہ روٹی کو منہ نہیں لگائے گا اور پھر تھوڑی دیر میں وہ اپنے جسم پر بیٹھتی مکھیوں کو بھگانے میں لگ جائے گا اور جب وہ چند منٹ کے لئے شانت ہو جائے تو روٹی کا دوسرا ٹکڑا اس کے پاس پھینک دینا۔

روٹی کا دوسرا ٹکڑا بھی اپنے قریب گرتا دیکھ کر وہ تم لوگوں کی طرف بھونکتے ہوئے دوڑے گا مگر تھوڑی دور آ کر پھر اپنی جگہ پر پلٹ جائے گا۔ اور مٹی میں لوٹ لگانے لگے گا۔

پھر اپنی خونخوار نظروں سے تم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش ہو جائے تو روٹی کا تیسرا ٹکڑا بھی اس کے قریب پھینک دینا۔ اس مرتبہ وہ کچھ زیادہ ہی خونخوار انداز میں تم لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا مگر قریب آتے آتے وہ پھر پلٹ جائے گا۔ گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

تم تین آدمی اس عمل میں شریک ہونا اور تینوں اپنے ساتھ سائیکل رکھنا یعنی تم تینوں الگ الگ سائیکلوں پر جانا۔

روٹی کے تیسرے ٹکڑے کو بھی وہ منہ نہیں لگائے گا، اس کے بعد روٹی کا چوتھا ٹکڑا اس کے سامنے پھینک دینا۔ روٹی کا چوتھا ٹکڑا پاس گرتے ہی وہ اس ٹکڑے کو منہ میں دبا کر ایک طرف سرپٹ بھاگنا شروع کر دے گا۔

تم تینوں اپنی اپنی سائیکلوں پر فوراً اس کے پیچھے لگ جانا۔ وہ اپنی پوری رفتار سے ویرانے کی طرف بھاگتا

چلا جائے گا۔ بس تم لوگوں نے اس کا پیچھا کرنا ہے۔

ویرانے سے باہر چند درختوں کا ایک جھنڈ ملے گا ۔وہ ایک درخت کے قریب جا کر روٹی کو اس جگہ رکھ دے گا اور بہت ہی بپھرے ہوئے انداز میں درخت کے قریب زمین کو اپنے دونوں پنجوں سے کھرچنا شروع کر دے گا۔ اس کا انداز ناقابل یقین حد تک جارحانہ ہوگا۔ اور پھر اپنے پنجوں سے مٹی میں ایک گڑھا کھود کر اس گڑھے میں سما کر غائب ہو جائے گا۔

تم لوگوں نے تھوڑی دوری پر ٹھہر کر یہ سب دیکھنا ہے۔ کچھ بولنا نہیں ہے صرف کھڑے ہو کر اس طرف دیکھتے رہنا ہے۔ تھوڑی دیر تک ہم بھی تم لوگوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

ان تینوں نے اپنی اپنی سائیکل لے کر رولوکا کے سامنے کھڑے ہو گئے تو رولوکا نے چاچا شرفو کے بیٹے کو روٹی کے چاروں ٹکڑے دے دیئے اور بولا۔" اب تم تینوں اس جگہ فوراً پہنچو اور جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا۔ گھبرانا بالکل بھی نہیں۔ کتا تم لوگوں کو بہت زیادہ ڈرائے گا لیکن تم لوگوں کے قریب نہیں پہنچے گا۔ تھوڑی سی محنت تو ہے مگر نتیجہ حسب منشا نکلے گا۔ اب تم لوگ فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

رولوکا کی بات سنتے ہی وہ تینوں اپنی اپنی سائیکلوں پر روانہ ہو گئے۔ ان تینوں میں ایک تو شرفو چاچا کا بیٹا اور باقی دو مہیش کے ملازم تھے۔

مہیش نے اپنے دونوں آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ" دیکھو چاہے جان چلی جائے مگر کسی طرح غفلت نہیں برتنا اور نہ ہی تم لوگوں سے شکایت ملے۔"

مہیش کی باتیں سن کر ان دونوں نے اپنے سینے کو ٹھونک کر کہا۔" مہیش بابو آپ کی بات ہماری جان سے زیادہ عزیز ہے، آپ فکر نہ کریں جیسا آپ نے کہا ہے ہم ویسا ہی کریں گے۔"

تینوں کے جانے کے بعد رولوکا مہیش سے بولا۔

" مہیش اب تم اپنے گھوڑا گاڑی والے کو بلا لو تا کہ اس میں بیٹھ کر ہم بھی چلیں۔ بگھی میں ہم تینوں جائیں گے یعنی میں تم اور شرف الدین۔"

رولوکا کی بات سننے کے بعد مہیش تو گھوڑا گاڑی والے کو بلانے چلا گیا۔ شرف الدین اپنی جگہ پر سر جھکائے بیٹھے رہے اور رولوکا کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

پڑھائی کے درمیان رولوکا اپنا سر بھی ہلاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی دائیں ہاتھ کی انگلی سے کچھ اشارے بھی کرتا رہا۔

دراصل رولوکا اپنے نادیدہ خفیہ کارندوں کو اس مقام تک بھیج دیا تھا جہاں کہ وہ ضدی جن اپنے قبیلہ میں شرف الدین کی بیٹی سعیدن کو لے گیا تھا۔

تھوڑی دیر میں مہیش آ گیا اور بولا۔" حکیم صاحب میں بگھی والے کو لے آیا ہوں، آپ تشریف لے چلیں۔" رولوکا بولا۔" ابھی نہیں تھوڑی دیر میں یہاں سے چلیں گے۔ یعنی جب وہ کتا روٹی کا ٹکڑا لے کر اس مقام کی طرف بھاگے گا جہاں اسے پہنچنا ہے۔ اور اس کے پیچھے وہ تینوں بھی جائیں گے۔ ابھی تم خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

مہیش ایک طرف ہو کر کونے میں بیٹھ گیا۔ بگھی والا باہر بگھی کے پاس ہی موجود رہا۔ گاؤں کے لوگ آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے کیونکہ رولوکا کے کہنے پر مہیش نے سب کو کہہ دیا تھا کہ" آپ لوگ اپنے گھر چلے جائیں کیونکہ ابھی کئی گھنٹے لگیں گے۔ لیکن یہ پکی بات ہے کہ جس طرف سعیدن گئی ہے، وہ ہمیں ایک جگہ مل جائے گی، اور ہم اسے ساتھ لے کر آ جائیں گے۔"

رولوکا بدستور اپنی آنکھیں بند کیے مصروف عمل رہا ۔کوئی پون گھنٹہ بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بولا۔" مہیش اب چلنے کی تیاری کریں۔" رولوکا، شرف الدین اور مہیش کمرے سے باہر نکلے اور باہر آ کر بگھی میں بیٹھ گئے تو رولوکا نے ایک طرف بگھی والے سے چلنے کو کہا

۔" بھائی گھوڑوں کو زیادہ تیز نہیں بھگانا۔ بس نارمل رفتار سے چلانا اور جب میں کہوں تو تیز بھگانا۔"

بگھی والا بولا۔ "جی حضور! آپ کی مرضی کے مطابق گھوڑے چلتے رہیں گے۔ بگھی میں دو گھوڑے جتے ہوئے تھے جو کہ اپنے کوچوان کے اشارے پر اس طرف چلنے لگے جس طرف کوچوان نے اشارہ کیا تھا۔

روٹی لے کر جانے والے رولوکا کی بتلائی ہوئی جگہ جو کہ گاؤں کی مسجد کے قریب تھی۔ جب وہ تینوں اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ واقعی ایک کتا خارش زدہ بیٹھا تھا۔

کتے کی حالت بہت ہی دیگر گوں تھی۔ پورے جسم پر خارش تھی جسے کتا بہت بری طریقے سے اپنے منہ اور پنجوں سے کھجا رہا تھا۔ کھجانے کی وجہ سے اس کے جسم سے کئی حصے سے خون رس رہا تھا۔ ان تینوں کو اپنے سے تھوڑی دوری پر دیکھ کر اس نے گلا پھاڑ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ اس کی خونخوار آنکھیں دیکھ کر وہ تینوں دہل کر رہ گئے مگر انہیں پتا تھا کہ کتے کی یہ سب گیدڑ بھبکی ہے۔ کیونکہ رولوکا نے انہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔

شرفو چاچا کا بیٹا کمال نے فوراً ہی روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے قریب پھینک دیا۔ ٹکڑے کا کتے کے قریب گرنا تھا کہ کتا آپے سے باہر ہو گیا اور غیض و غضب کی حالت میں بھونکنے لگا۔ وہ درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ کتے کا بھونکنا اس زور کا تھا کہ قرب و جوار دہلتا ہوا لگنے لگا۔

اس کتے کی جسامت اور ڈیل ڈول عجیب طرح کا تھا، وہ عام کتوں سے بالکل الگ نظر آیا تھا۔ بے شمار مکھیاں اس کے جسم پر بھنک رہی تھیں اور وہ کچکچا کر مکھیوں کو بھگانے کی کوشش کرتا مگر مکھیاں کہاں بھاگنے والی تھیں۔

کتے کی حالت ایسی تھی کہ کوئی بھی اس طرف سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ہر کوئی اس سے گھن کھاتے ہوئے اس کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ سے خون رستا نظر آ رہا تھا۔ پورے جسم پر خارش کی وجہ سے بال نہیں تھے جسم تو جسم بلکہ سر کے بال بھی اڑ چکے تھے۔

ان تینوں نے اپنی زندگی میں زخم اور خارش زدہ ایسا کتا نہیں دیکھا تھا۔ اس کتے کو دیکھ کر انہیں گھن بھی آ رہی تھی مگر حالات ہی ایسے تھے کہ اس سے تھوڑی دوری پر ٹھہرنا لازمی تھا۔

بھونکتے بھونکتے جب وہ ذرا شانت ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو کمال نے روٹی کا دوسرا ٹکڑا اس کے قریب پھینک دیا۔ روٹی کا دوسرا ٹکڑا قریب گرنا تھا کہ وہ بھونکتے ہوئے تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا مگر آدھے راستے تک آتے آتے اس کی رفتار سست پڑ گئی اور پھر وہ اس جگہ کھڑے ہو کر بے تحاشہ بھونکتا رہا۔ اور پھر وہ درخت کے نیچے آ گیا مگر اس کی غضب ناک نظریں ان تینوں پر جمی رہیں۔ وہ چند منٹ بھوں بھوں کرتا رہا پھر بھوں بھوں کرنا چھوڑ کر شانت ہو گیا۔

رولوکا کے کہنے کے مطابق کمال نے روٹی کا تیسرا ٹکڑا اس کے سامنے پھینک دیا۔ اب تو وہ غضبناک طریقے سے بھونکتے ہوئے ان کی طرف تیزی سے دوڑ پڑا۔ اس کا انداز اتنا خطرناک تھا کہ وہ تینوں ایک لمحہ کے لئے تو واقعی خوف کھا گئے، ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے مگر پھر جب انہیں خیال آیا کہ اس کا یہ انداز صرف ہمیں بھگانے کے لئے ہے تو وہ اپنی جگہ ڈٹے رہے۔

کتا ان کے قریب آتے آتے اچانک ٹھٹک کر رک گیا جیسے کہ کوئی نادیدہ قوت نے اسے پکڑ لی ہو۔ وہ ایک جگہ کھڑے کھڑے خونخوار انداز سے بھونکتا رہ گیا اور پھر چند منٹ بعد اپنی جگہ پر چلا گیا، لیکن اپنی جگہ درخت کے نیچے جا کر جارحانہ انداز میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں مکھیوں نے اسے پریشان کرنا شروع کیا تو وہ اپنے جسم سے مکھیوں کو بھگانے میں لگ گیا۔ مکھیوں کو بھگانے کا اسکائل چند منٹ جاری رہا پھر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کمال نے موقع غنیمت جان کر روٹی کا چوتھا ٹکڑا اس کے قریب پھینک دیا۔

ٹکڑے کا اس کے قریب گرنا تھا کہ اس نے

وحشت ناک انداز میں ان تینوں کی طرف دیکھا اور پھر روٹی کے ٹکڑے کو منہ میں دبا کر ایک طرف کو بھاگنا شروع کر دیا۔

ان تینوں نے جب یہ دیکھا تو اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہو کر اس کے پیچھے اپنی سائیکل کو بھگانے لگے۔ اس کتے کی دوڑ اتنی تیز تھی کہ وہ تینوں سائیکل بھگا بھگا کر بہت جلد ہانپنے لگے مگر مجبوری تھی، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق، پوری جسمانی طاقت لگا کر کتے سے تھوڑے فاصلے پر سائیکل کو دوڑاتے رہے۔

کتا سرپٹ ایک طرف کو بھاگتا جا رہا تھا، شدت کی گرمی، سورج سر پر، ان تینوں کی حالت بہت بری ہونے لگی مگر ہر حال میں اس کتے کے پیچھے لگے رہنا تھا۔ اور وہ تینوں جان توڑ کوشش کرتے ہوئے اس کے پیچھے لگے رہے۔

کتا گاؤں کے حدود سے نکل کر ویرانے کی طرف بھاگنے لگا مگر وہ تینوں بھی اس کے پیچھے لگے رہے۔ ویرانے سے تھوڑی دوری پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ کتا ایک درخت کے پاس جا کر رک گیا اور اس نے روٹی کا ٹکڑا زمین پر رکھ کر اپنے پنجوں سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا۔ وہ بہت تیزی کی حالت میں اپنے پنجوں سے زمین کی مٹی کو ادھر ادھر ہٹانے لگا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک چھوٹا سا گڑھا کھود ڈالا، پھر اس نے روٹی کے ٹکڑے کو منہ میں دبایا اور گڑھے میں اتر گیا۔ گڑھے میں اسے اترنا تھا کہ وہ اچانک غائب ہو گیا۔ وہ کہاں گیا، کیا ہوا؟ گڑھا اتنا زیادہ گہرا نہیں تھا کہ وہ غائب ہو جاتا پھر اس گڑھے میں کوئی ایسا بڑا سوراخ بھی نہیں تھا کہ وہ اس سوراخ میں گھس گیا ہو۔

چند منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ ان تینوں نے دیکھا کہ ایک بگھی بہت تیزی سے اس طرف آ رہی ہے جب بگھی بہت قریب آ گئی تو انہوں نے دیکھا کہ بگھی میں رولوکا، مہیش اور شرفو چاچا تھے۔ بگھی ان کے قریب آ کر رک گئی تو سب سے پہلے بگھی پر سے رولوکا نیچے اترا۔ پھر مہیش اور شرفو چاچا اترے، سب سے آخر میں بگھی والا بھی اتر گیا۔

لیکن بگھی والے سے رولوکا بولا۔ ''بھائی صاحب آپ بگھی لے کر یہاں سے کچھ دور چلے جائیں، وجہ یہ ہے کہ آپ کے دونوں گھوڑے تھوڑی دیر تک بدکتے رہیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گھوڑے اپنے آپے سے باہر ہو جائیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ بگھی کو اس جگہ لے جائیں، رولوکا نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ بگھی والا بے چوں چراں بگھی پر بیٹھا اور گھوڑوں کا رخ اس طرف کر دی جس طرف رولوکا نے اشارہ کیا تھا۔ بگھی کا اپنی جگہ پر جانا تھا کہ رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ تینوں جو سائیکل پر آئے تھے اور شرفو چاچا، مہش اور رولوکا نے دیکھا کہ اچانک ایک بہت زوردار بگولا ایک طرف سے اڑتا ہوا، اس طرف آ رہا ہے۔

رولوکا بولا۔ ''آپ لوگ گھبرانا نہیں اور اپنی جگہ ڈٹے ہوئے کھڑے رہیں۔''

بگولا قریب سے قریب تر ہوتا رہا، اور پھر اس جگہ آ کر چکرانے لگا جس جگہ پر کتے نے گڑھا کھودا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بگولا چکراتا ہوا گڑھے میں اترنے لگا۔ اور چشم زدن میں گڑھے میں پورے کا پورا غائب ہو گیا۔

بگولا کا گڑھے میں اترنا تھا کہ باہر کی ہوا تیز ہو گئی، جھکڑ چلنے لگے گرد و غبار اڑنے لگے مگر وہ گرد و غبار ان لوگوں سے دور ہی دور رہے جہاں کہ وہ چھ آدمی کھڑے تھے۔ رولوکا بدستور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ گرد و غبار میں اس قدر مٹی اڑ رہی تھی کہ چاروں طرف کی کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی تھی، چند منٹ میں گرد و غبار اڑنا بند ہو گیا۔ پھر اچانک ایک تیز سیٹی نما آواز گونج گئی۔

سیٹی کی آواز کا گونجنا تھا کہ رولوکا نے منہ میں نہ جانے کیا پڑھ رہا تھا کہ اس نے پڑھنا بند کر دیا۔ اس کے بعد اس جگہ چاروں طرف دھندی چھا گئی۔ اور جب دھند

چھٹی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ درخت کے قریب ایک باریش بزرگ کھڑے ہیں۔ ان کا چہرا نورانی تھا، اور چہرے پر رعب و دبدبہ بہت تھا۔ سر پر انہوں نے عمامہ باندھا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں کی چمک کافی زیادہ تھی۔ لمبا قد اور جبہ پہن رکھا تھا۔ ان کی آواز سنائی دی۔ ''شفیق مہربان ہمدرد اور روحانیت کے ماہر میرے قریب آئیں۔''

رولوکا چلتا ہوا ان بزرگ کے قریب گیا اور با ادب تھوڑا سا جھک کر آداب بجالایا۔ بزرگ زیر لب مسکرانے لگے۔ بزرگ کے قریب اور بھی کئی سفید داڑھی والے لوگ کھڑے تھے۔

بزرگ بولے۔ ''آپ کا پیغام مجھ تک پہنچ گیا تھا۔ اور میری خواہش تھی کہ میں بالمشافہ آپ سے ملاقات کروں، میں آپ کے اندر چھپی مخفی قوت کا قائل ہو گیا ہوں۔ اگر آپ چاہتے تو غصہ کی حالت میں بہت کچھ کر سکتے تھے مگر آپ نے بردباری کا ثبوت دیا ہے۔

آپ کا جس مقصد کے لئے میرے پاس پیغام پہنچا تو میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، میرے قبیلہ کا وہ بدکردار، نافرمان اور خوف خدا نہ رکھنے والا جن ہے جس نے یہ گھٹیا اور بدکرداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارا قبیلہ باایمان اور خوف خدا رکھنے والا ہے۔

اس کی نافرمانی اور بدکرداری کی وجہ سے ہم نے اسے اپنے قبیلہ سے نکال دیا تھا مگر مجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں اگر اسے اس وقت نار جہنم کر دیا ہوتا تو آج مجھے اور میرے قبیلہ والوں کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔ اس بدبخت نے ندامت سے ہمارا سر جھکا دیا۔ جب میں نے سنا کہ وہ ایک آدم زادی کو اٹھا کر لے آیا ہے تو میں کانپ کر رہ گیا۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے کس طرح جوابدہ ہوں گا۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب سے میں اس قبیلے کا سردار بنا ہوں اس وقت سے لے کر آج تک سوائے اس مردود کے کسی اور نے آدم زاد کے ساتھ نازیبا حرکت یا پھر کوئی بدسلوکی نہیں کی ہوگی، میں اپنے قبیلہ والوں کی ہر وقت خبر گیری کرتا رہتا ہوں۔

لیکن چونکہ میں نے اسے قبیلہ بدر کر دیا تھا لہٰذا قبیلہ کا کوئی بھی جن اس سے رابطے میں نہیں رہتا تھا۔ لیکن آج مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ اس کے چند ہمدرد اور خیر خواہ جن اب بھی اس قبیلہ میں موجود ہیں جو کہ اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بغیر میری اجازت کے اس نا ہنجار کو قبیلہ میں پناہ دی۔

جب مجھے اس کا علم ہوا کہ مردود نے ایک معصوم اور پاک دامن آدم زادی کو اپنے نفس شیطانی سے مجبور ہو کر اٹھا کر لایا ہے اور جنہوں نے اسے قبیلہ میں پوشیدہ کیا تو میں نے فوراً ہی حکم دیا کہ ان سب کو گرفتار کر لیا جائے۔ اسے ملا کر مزید چار جن ہیں جو کہ اس کا ساتھ دیا۔

میں ہر وقت خدا سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہتا ہوں کہ یا خدا اگر میری ذات یا پھر نگہداشت سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہو نادانستگی میں تو مجھے معاف کر دے۔

ہمارا قبیلہ مسلمان ہے اور ہم سب شریعت کے پابند ہیں۔ میں نے قبیلہ میں یہ عام اعلان کر رکھا ہے کہ کسی کی بھی ذات سے کسی آدم زاد کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ آدم زاد کے پاس اتنی قوت نہیں کہ وہ ہمیں دیکھ سکیں مگر ہم تو آدم زاد کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے نادانستہ طور پر بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

میں اور میرا پورا قبیلہ آپ سے معافی کا طلبگار ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس مردود کی غلطی کی وجہ سے ہمیں معاف کر دیں گے، آپ کی بچی ہمارے پاس بحفاظت خیر خیریت سے موجود ہے۔ میں نے اس کی ذہنی صلاحیت کو سلا دیا ہے تاکہ وہ ہمیں اور قبیلہ والوں کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائے اور ایسا ہو جاتا کیونکہ ایک عام انسان اور قوم جنات میں فرق ہوتا ہے۔''

پھر ان بزرگ نے اپنے قریب کھڑے ہوئے دو کو کچھ اشارہ کیا تو وہ گڑھے کی طرف بڑھے اور پھ

گڑھے میں غائب ہو گئے۔

بزرگ کی پھر آواز سنائی دی۔ ''محترم میں نے اس مردود اور اس کے چار ساتھیوں کو آپ کے سامنے لانے کا حکم دے دیا ہے اور وہ جیسے ہی سامنے آئیں گے تو میں آپ سب کے سامنے انہیں عبرتناک سزا دوں گا تاکہ ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روئے زمین پر سے ختم ہو جائے، تاکہ وہ آئندہ کسی اور آدم زاد کو تکلیف نہ پہنچا ئیں۔ وہ لوگ معافی تلافی کے لئے بہت گڑگڑائیں گے مگر انہیں معاف کر کے چھوڑ دینا بہت فاش غلطی ہو گی کیونکہ ایسے نفسانی خواہشات کے غلام اپنی عادتوں سے مجبور ہوتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد اوروں کو اپنے ساتھ ملا کر کوئی اور بڑا نافرمانی اور بدکرداری کا کام کر گزرتے ہیں۔''

اتنے میں کئی لوگ پانچ افراد کو پکڑ لائے۔ ان پانچوں کو زنجیر میں جکڑا گیا تھا، ہاتھ پاؤں اور گردن میں بھی موٹی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ ان کو لا کر سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔

بزرگ کی آواز آئی۔ ''اپنی زبان سے تم لوگ ایک لفظ بھی نہیں نکالنا کیونکہ تمہارا جرم ناقابل معافی ہے۔'' اور پھر ایک کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولے۔'' اس نافرمان اور بدکردار نے یہ جرم کیا ہے۔ اور آج اس کی وجہ سے میں شرمندہ ہوں اور ساتھ ہی ہمارا سارا قبیلہ بھی شرمندہ ہے۔ اس بدذات نے یہ بھی نہ سوچا کہ میرے قبیلہ اور میرے اہل خانہ پر کیا گذرے گی، آج میں اس کا اور اس کے ساتھیوں کا وجود اس دنیا سے ختم کر دیتا ہوں۔'' یہ بول کر بزرگ نے ان پانچوں کو چند قدم کے فاصلے پر کھڑا کرا دیا اور پھر انہوں نے نہ جانے کیا پڑھ کر اپنی شہادت کی انگلی پر پھونک مار کر انگلی کو ان کی طرف کر دیا۔

انگلی کا ان کی طرف ہونا تھا کہ ان کے جسموں میں آناً فاناً آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان پانچوں کی چیخیں قرب و جوار کو دہلانے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پانچوں جل کر راکھ کی شکل اختیار کر گئے۔ نہ جانے اس آگ میں کتنی حدت اور زور تھا کہ آگ نے چند منٹ میں ہی انہیں جلا کر بھسم کر دیا۔

بزرگ کی آواز سنائی دی۔'' محترم! ان کا وجود اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، ایک مرتبہ پھر میں اور اپنے قبیلہ کی جانب سے آپ سے معافی طلب کرتا ہوں، آپ ہمیں معاف کر دیں اور اپنی بچی کو لے جائیں جو کہ ہمارے پاس خیر و عافیت سے موجود ہے۔''

بزرگ نے اشارہ کیا تو ان میں سے ایک اس گڑھے میں اتر گیا اور پھر چند منٹ بعد نظر آیا تو دو کہار ایک ڈولی اٹھائے ہوئے درخت کی اوٹ سے نمودار ہوئے۔ اور بزرگ کے اشارے پر انہوں نے ڈولی کو رولوکا کے قریب رکھ دیا۔

''عزت مآب قابل ہستی!'' بزرگ نے رولوکا کو مخاطب کیا۔'' اس ڈولی میں آپ کی بچی موجود ہے۔ ہمارے غائب ہوتے ہی اسے ہوش آ جائے گا اور پھر یہ تمام سابقہ حالات کو بھول جائے گی، اس کے ساتھ اس نافرمان اور بدکردار نے جو سلوک کیا تھا۔ اب میں چلتا ہوں ایک بار میں پھر معافی طلب کرتا ہوں، آپ ہمیں معاف کر دیں۔

میرا ایمان ہے کہ صوم وصلوٰۃ اور شریعت کے پابند جنات کسی آدم زاد کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن کبھی کبھار کوئی بدکردار کوئی غلط قدم اٹھا لیتا ہے تو جنات برادری اسے قرار واقعی سزا دیتی ہے۔ اور یہ صرف مسلمان جنات میں ہوتا ہے۔ آپ لوگ آگے بڑھیں اور اپنی بچی کو سنبھال لیں، ہم رخصت ہوتے ہیں خدا حافظ۔''

اتنے میں اس جگہ گہری دھند چھا گئی جہاں بزرگ اور ان کے ہمراہ چند جنات کھڑے تھے۔ جب دھند چھٹی تو انہوں نے دیکھا کہ اب اس جگہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

رولوکا بولا۔'' شرف الدین صاحب آپ آگے

بڑھ کر اپنی بچی کو ڈولی سے نکال کر بگھی میں بیٹھا دیں۔"
شرف الدین آگے بڑھے اور ڈولی میں جھانکا تو اس میں سعیدن موجود تھی۔ وہ اپنے والد کو دیکھتے ہی بولی۔ "بابا آپ اور میں کہاں ہوں، یہ جگہ اور یہ ڈولی کیسی؟"
شرف الدین بولے۔ "بیٹا باہر نکلو۔" اور انہوں نے سعیدن کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈولی سے باہر نکالا۔
سعیدن ڈولی سے جب باہر نکلی تو اپنے بھائی مہیش، دو بندے اور پھر رولوکا کو دیکھ کر چونک پڑی، اور پھر ویران جگہ۔ وہ سب کو اور قرب و جوار کو دیکھ کر حیران و پریشان ہونے لگی اور بولی۔ "بابا یہ جگہ اور پھر آپ لوگ، ہم یہاں کیسے پہنچے اور بات کیا ہے؟"
شرف الدین بولے۔ "بیٹا بس ہم کہیں اور جا رہے تھے کہ اس جگہ ٹھہر گئے، خیر اب اس جگہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ بیٹا چلو گھر چلتے ہیں، یہ حکیم صاحب ہیں میرے جاننے والے اور مہیش بابو کو تو تم جانتی ہی ہو اور یہ دونوں مہیش بابو کے ملازم ہیں اور بھیا کمال الدین۔"
رولوکا کے اشارے پر مہیش نے بگھی والے کو قریب بلالیا تو بگھی میں رولوکا، مہیش، شرف الدین اور سعیدن بیٹھ گئے تو کوچوان نے گھوڑوں کو اشارہ کیا تو گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے گاؤں کی طرف۔ وہ تینوں افراد جو اپنی سائیکلوں پر یہاں تک آئے تھے وہ اپنی سائیکلوں پر واپسی کے لئے چل پڑے۔
پورے راستے سعیدن ہونقوں کی طرح قرب جوار کو دیکھتی رہی مگر زبان سے کچھ بولی نہیں۔ پون گھنٹہ گذرے ہوں گے کہ بگھی گاؤں میں داخل ہوئی۔
بگھی اور بگھی میں چاچا شرفو اور سعیدن کو دیکھ کر سارا گاؤں جیسے امنڈ آیا۔ چاچا شرفو کے گھر کے پاس لوگوں کا ایک ہجوم لگ گیا۔ ہر آدمی اچنبھے میں تھا اور اشارے کنائے میں رولوکا کی تعریف کر رہا تھا اور ساتھ ہی رولوکا کو دعائیں بھی لوگ دے رہے تھے۔
رولوکا بگھی سے نیچے اتر گیا پھر شرفو چاچا نے ہاتھ پکڑ کر سعیدن کو بھی بگھی سے نیچے اتار لیا اور سعیدن کو گھر میں جانے کا کہا۔
رولوکا اور مہیش ایک طرف کھڑے تھے، جلدی سے شرفو چاچا نے بیٹھک کھلوائی، مہیش اور رولوکا کو بیٹھک میں بیٹھایا۔
سعیدن کی اماں اور دو بہنیں گلے مل کر رو پڑیں۔ انہیں روتا دیکھ کر سعیدن حیران و پریشان اور اچنبھے میں تھی۔ شرفو چاچا فوراً گھر میں آئے، انہیں رولوکا نے یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ "سعیدن سے سوال جواب نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے بتایا جائے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا، اس کی حالت کیسی ہوگئی تھی بلکہ بالکل بھی فی الفور اس واقعہ کا اس سے ذکر نہ کیا جائے۔"
شرفو چاچا نے اپنی بیوی کو ایک طرف بلا کر سختی سے منع کر دیا کہ "سعیدن سے اس واقعہ کا بالکل بھی ذکر نہ کیا جائے کیونکہ عامل صاحب کا یہی حکم ہے۔" بیوی سے یہ بول کر شرف الدین بیٹھک میں آئے اور رولوکا کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے، ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
رولوکا نے شرف الدین کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "شرف الدین صاحب، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ سب اوپر والے کی مہربانی ہے کہ میں بروقت اس جگہ موجود تھا۔ اوپر والا جو چاہے ہوسکتا ہے، اوپر والا بھی اپنے بندوں کو تکلیف نہیں دیتا، بلکہ انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے، اگر انسان احتیاط برتے اور اپنے حدود میں رہے تو اس کا نقصان نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ پریشانی سے دوچار ہوتا ہے،
اب آپ اس واقعہ کو لے لیں کہ جوان لڑکیوں کے کھلے سر اور کھلے بال گھر سے نکلنے کے لئے بڑے اور بزرگوں نے منع کر رکھا ہے کیونکہ بہت سی نادیدہ قوتیں جو کہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں وہ پھرتی رہتی ہیں اور خاص کر وقت زوال اور مغرب کے وقت تو بالکل بھی لڑکیوں کو باہر یا چھت پر جانا نہیں چاہئے۔ بلکہ جوان

لڑکیوں کو پھول گجرے اور خوشبو سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ خوشبو اور پھول وغیرہ کا استعمال جو لڑکیاں کرتی ہیں وہ نادیدہ ہستیوں کی نظر میں اکثر آ جاتی ہیں۔

میں ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔ پچھلے ماہ میں تاریخ کو میں حکیم وقار کے ساتھ مطب میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ باریش بہت ہی گھبرائے ہوئے آئے اور آتے ہی حکیم وقار کا ہاتھ پکڑ کر روہانسی آواز میں بولے ”حکیم صاحب میں بہت پریشان ہوں، آپ کچھ کریں میری بچی پر کوئی جن سوار ہو گیا ہے۔

میں آپ کی شہرت سن کر آیا ہوں، بہت آس و امید سے، خدا کے واسطے میری مدد کریں۔“

حکیم وقار بولے۔ ”جناب میں تو دواؤں سے علاج کرتا ہوں یہ میرے بھائی حکیم کامل ہیں جو کہ ہوائی چیزوں کا علاج کرتے ہیں۔“

یہ سن کر وہ حضرت میری جانب متوجہ ہوئے اور جھٹ میرا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ ”کامل صاحب میری مدد کریں جوان بچی کا معاملہ ہے، اس کا ہم نے رشتہ بھی طے کر دیا ہے، اگر ان لوگوں کو پتہ چلے گا تو طرح طرح کی باتیں بنیں گی اور خدا نہ کرے وہ لوگ......“

اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ان کا مقصد تھا کہ اگر لڑکی کے سسرال والوں کو اس واقعہ کا پتہ چل گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ رشتہ ہی ختم کر دیں۔

خیر میں نے حکیم وقار سے کہا۔ ”حکیم صاحب میں ان حضرت کے ساتھ چلتا ہوں۔ جا کر دیکھوں کہ معاملہ کیا ہے۔ میں دو گھنٹے تک آتا ہوں، پھر ساتھ ہی کھانا کھائیں گے، اس وقت صبح کے دس کا وقت تھا۔ میں ان حضرت کے ساتھ ان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بچی ایک طرف خاموش پڑی تھی۔

میں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تو وہ غضبناک طریقے سے اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کی آنکھوں سے دہشت ٹپکنے لگی، آنکھوں میں خون اتر آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سر کے سارے بال ایسے کھڑے ہو گئے کہ وہ جیسے بال نہ ہوں بلکہ جھاڑو کے لمبے لمبے تنکے سر پر لگے ہوں۔

اس کی بھاری اور گونجدار آواز کمرے میں گونجی ”اوئے تو کیوں آیا ہے، یہاں سے فوراً چلا جا نہیں تو میں تیرا ٹیٹوا دبا دوں گا۔ تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میرا تعلق قوم جنات سے ہے۔ جا...... چلا جا...... ورنہ تیری خیر نہیں۔“

وہ حضرت جو مجھے لے کر گئے تھے وہ سکتے کی حالت میں بت بن کر کھڑے تھے، کمرے میں اور بھی ان کے دو بھائی اور دو پڑوسی موجود تھے۔ سب کی حالت لڑکی کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر بڑی غیر ہو رہی تھی۔ ”نکل جا یہاں سے۔“ بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

وہ حضرت میری طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے تو میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا ”گھبرائیں نہیں، اوپر والے پر بھروسہ رکھیں۔“

میں نے لڑکی پر سوار جن کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”کیا یہ اچھی بات ہے کہ آپ کسی کو پریشان کر رہے ہیں، کیا اوپر والا یہ اجازت دیتا ہے کہ کوئی طاقتور کسی کمزور اور مظلوم کو تکلیف پہنچائے، میں مانتا ہوں کہ آپ طاقتور ہیں اور یہ گھر والے آپ کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی اگر آپ اس ---- سے چلے جائیں، اور اگر ایسا آپ نے نہیں کیا تو پھر......“

اور میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ورنہ کیا...... تو میرا کیا کر لے گا...... ارے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی خیر منا اور یہاں سے چلا جا۔ میں اس لڑکی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔

میں پارک میں موتیا کے جھنڈ کے نیچے محو خواب تھا کہ اس نے مجھے ٹھوکر ماری، اور پھر اس پر سے پھول توڑنا شروع کر دیا، پھول اور کلیوں کو یہ توڑتی رہی، میں نے نظر انداز کیا مگر بدستور کئی مرتبہ اس نے ٹھوکر ماری تو میں نے غصے کی حالت میں اسے گھور کر دیکھا تو پھر اس کا حسن اور دلکشی دیکھتے ہی میں اپنا دل پکڑ کر رہ گیا، اس کی خوبصورتی

اور حسن نے مجھے متاثر کر دیا۔

میں اپنا غصہ بھول کر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ میرا دل میرے قابو میں نہیں رہا اور میں اس کے ساتھ لگ گیا۔ اور خاص طور سے اس کے لمبے بالوں نے تو مجھے جکڑ لیا ہے، میں کسی طور اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ تو خود ہی بتا کیا کوئی شخص اس کا حسن دیکھ کر اپنا دل قابو میں رکھ سکتا ہے، میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تو چلا جا...... مجھے تنگ نہ کر ...... ورنہ تو پچھتائے گا۔"

یہ بول کر وہ چند سیکنڈ خاموش رہا پھر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں جو کہ ہماری طرف بڑھیں، چنگاریوں کو دیکھ کر کمرے میں موجود لوگ گھبرا کر میرے پیچھے ہو گئے اور کونے میں دبک گئے۔

چنگاریاں جیسے ہی میرے قریب آئیں تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ چنگاریوں کی طرف کر دیا وہ چنگاریاں واپس پلٹ پڑیں اور پھر اس کی آنکھوں میں پیوست ہو گئیں۔

چنگاریوں کا آنکھوں میں پیوست ہونا تھا کہ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔ اس کی حالت بہت غیر ہونے لگی اور پھر چند منٹ بعد وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

دوبارہ مردانہ آواز سنائی دی۔ "میں نے اپنے کئی دوست اور خاندان والوں کو پیغام بھیج دیا ہے، وہ لوگ میری حفاظت اور تیری تباہی کے لئے آنے ہی والے ہیں، اب تیرا بچنا محال ہے، لیکن اگر تو چاہے تو بچ سکتا ہے اس صورت میں کہ یہاں سے فوراً بھاگ جا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔"

پھر میں بولا۔ "تو کیا مجھے بے وقوف سمجھتا ہے، ارے جب میں یہاں آیا تھا تو سارے انتظامات کر کے آیا تھا، میں سمجھ گیا تھا کہ تو کس کس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے دکھائے گا۔ اس گھر میں قدم رکھنے سے پہلے میں نے اپنے کارندوں کو چاروں طرف پہرے پر لگا دیا ہے۔ تیری مدد کو آنے والے کچھ نہیں کر سکتے، وہ اپنی خیر مناتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ میں نے تجھے پیار و محبت سے سمجھایا بلکہ تیرے حق میں شائستہ زبان استعمال کی مگر تو نے خود کو طرم خان سمجھتے ہوئے مجھ پر وار کیا۔

کیا یہی شرافت ہے کہ ایک تو چوری اور پھر سینہ زوری، تو نے کمزوروں پر اپنی طاقت کا ڈھونس جمایا، کیا تو نہیں سمجھتا کہ جوان لڑکی پر کسی جن کا سوار ہونا اس لڑکی کی زندگی اذیت ناک بن جاتی ہے، لوگ اس سے خوف کھا کر دور بھاگتے ہیں، اسے ہر کوئی اپناتے ہوئے ڈرتا ہے۔

کسی جن کو کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی آدم زاد کو تکلیف پہنچائے، اکثر نافرمان جنات یہ بھول جاتے ہیں کہ اوپر والے نے سیر پر سوا سیر پیدا کر رکھا ہے۔

اگر تو طاقتور ہے تو اپنے برابر والے سے ٹکرا کر دیکھ کہ وہ تیرے چھکے چھڑا دے گا۔"

میری بات سن کر وہ بولا۔ "ارے اس نے مجھے مجبور کیا اگر یہ مجھے ٹھوکر نہ مارتی تو مجھے کیا پڑی تھی کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ لیکن پھر میں اپنے دل و دماغ سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ ہو گیا۔ میں اب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا، سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کا نام بھی خوشبو ہے۔

میری مدد کے لئے میرے اپنے چل پڑے ہیں، بس وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔ پھر تو اپنا انجام سوچ لے، تیرا انجام بہت بھیانک ہوگا۔"

اس کی باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک آسمان پر کالے بادل چھا گئے، اور پھر جھکڑ چلنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے جھکڑ نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔

میں سمجھ گیا تھا کہ اس کے چاہنے والے آ چکے تھے، میں نے فوراً اپنے کارندوں کو خفیہ طریقے سے ہدایات کر دی کہ ان کو قریب نہ آنے دینا" اور میرے کارندے اس معاملے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

اس کے چاہنے والوں نے بہت زور لگانا شروع کر دیا۔ ان کی ذات سے جو آندھی چل رہی تھی اس نے

خوفناک شکل اختیار کرلی۔ آندھی میں ایک خوفناک اور گونجدار آواز شامل تھی جسے سن کر لوگوں کے دل دہل جائیں اور پھر اس کے بعد بڑے بڑے اولے گرنے شروع ہوگئے۔

وہ بولا۔''دیکھ لے میرے مددگار آگئے ہیں اور اب تیری خیر نہیں۔''

اس کی بات سن کر میں بولا۔''اپنے حمائتیوں کو بول کہ اپنا سارازور لگادیں، کہیں دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ اگر یہ کم ہیں تو اور بھی زیادہ بلالے۔ تیرے مددگار تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتے، اپنا سامنہ لے کر واپس چلے جائیں گے اور ہمیشہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اگر تو شروع میں ہی میری بات مان لیتا تو تیرے حق میں اچھا تھا، اب تو یہ سمجھ لے کہ''تنگ آمد بجنگ آمد۔''

میری بات سن کر اور حالات دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔

آندھی اتنی خطرناک تھی کہ ایسا لگتا تھا کہ پورے گاؤں کو تہس نہس کرکے رکھ دے گی۔ اس گھر کی یہ حالت تھی کہ اب پورا گھر زمین بوس ہوجائے گا۔

میں بخوبی جانتا تھا کہ جو کچھ بھی ہورہا تھا، آندھی چل رہی تھی، اولے برس رہے تھے بارش کے ساتھ، آسمان پر کالے بادل امنڈ امنڈ کر آرہے تھے کڑاکے کی بجلی اودھم مچارہی تھی۔

وہ ساری چیزیں صرف دکھاوے کی تھیں، حقیقت سے ان کا کوئی بھی واسطہ نہ تھا۔ ان حالات اور واقعات کا گاؤں والوں کو کوئی علم نہ تھا۔ وہ تو صرف اس گھر میں موجود لوگوں کو پتہ چل رہا تھا۔

چند منٹ بعد لڑکی نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور مجھے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر اس کے منہ سے مردانہ آواز نکلی۔''اب بول تو کیا چاہتا ہے، لیکن یہ نہ بولنا کہ میں اس لڑکی کو چھوڑ کر چلا جاؤں، تو کب تک اس کا پہرہ دے گا، بہرحال جیت میری ہی ہوگی۔ ایک وقت آئے گا کہ تو تھک جائے گا اور پھر تھک ہار کر چلا جائے گا۔ اب تو اپنی خواہش بتا، لیکن لڑکی کو چھوڑنے کا مجھ سے نہ کہنا۔''

میں اس کی باتیں سن کر بولا۔''اچھا تو اپنا نام بتا، تیرا نام کیا ہے؟''

وہ بولا۔''میرا نام شمران ہے، اور تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے قبیلے اور برادری کے مطابق شمران کا مطلب زورآور ہوتا ہے۔''

میں بولا۔''شمران تجھے یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ کوئی بھی تیری مدد کے لئے تجھ تک نہیں پہنچ سکتا، اور پھر تجھ میں کتنی طاقت اور زور ہے کہ تو میرا مقابلہ کرسکتا ہے، یہ تو بالکل حقیقت ہے کہ تجھے اس لڑکی پر سے ہلنا ہے، کسی صورت بھی تو لڑکی کے ساتھ نہیں رہ سکتا، اگر تو میری بات مان کر چلا گیا ہوتا تو اس میں تیرا فائدہ تھا۔

تو اگر اپنی مدد کے لئے اپنے پورے قبیلے کو بھی بلالے تو وہ سب تیری مدد نہیں کرسکتے اور نہ میرا بال تک بے کا کرسکتے ہیں اور نہ ہی اب اس لڑکی کا تو کچھ کرسکتا ہے۔ اب تو چاروں طرف سے اپنی ضد کی وجہ سے شکنجے میں جکڑ چکا ہے۔ تیرے فرار کی ساری راہیں مسدود ہوگئی ہیں۔

خیر اب بھی میں تجھے ایک آخری موقع دیتا ہوں کہ اگر تو اپنی بقا چاہتا ہے تو قسم اٹھا کر بتا کہ آئندہ تو کبھی اس لڑکی، اس خاندان یا پھر اس گاؤں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کرے گا کہ اپنی رہتی زندگی تک کسی آدم زاد کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ آدم زاد کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔ تو میں تجھے جانے دوں گا، بول کیا یہ شرطیں منظور ہیں؟''

وہ بولا۔''میں جان تو دے سکتا ہوں مگر اس لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر تجھ میں طاقت ہے تو زور لگا کر دیکھ، میں اپنی حفاظت ضرور کروں گا۔ جنات بار بار نہیں بولتے۔''

میں نے کہا۔''اپنی ضد چھوڑ دے، مجھے تیری بیوقوفی پر افسوس ہورہا ہے، تو ضد میں آکر اندھا ہوگیا ہے، تیری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوکر رہ گئی ہے۔ میری بات مان لے ورنہ پچھتائے گا۔''

مگر وہ بہت ضدی تھا بلکہ ناسمجھ بھی، اس نے میری باتوں پر غور نہیں کیا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اپنی دونوں بڑی انگلیوں پر پھونک ماری اور اپنے چاروں طرف ایک گول دائرہ کھینچ دیا۔ اس کی نظر میں بلکہ میری نظر میں بھی وہ حصار بہت مضبوط تھا۔ ایسا مضبوط کہ عام اور چھوٹے موٹے عامل اسے توڑ ہی نہیں سکتے۔ میری نظریں دیکھ رہی تھیں کہ ایک دودھیا دیوار اس کے گرد کھڑی ہوگئی۔

جب اس نے حصار کھینچ لیا تو مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”دیکھ لے میری طاقت، اب اگر تجھ میں طاقت ہے تو، تو میرا یہ حصار توڑ کر دکھلا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرا تو نے یہ حصار توڑ دیا تو میری موت یقیناً ہے، اور اگر تو نے میرا حصار نہ توڑ سکا تو تیری موت یقیناً ہے۔“

اس کی بات میں واقعی وزن تھا، کیونکہ جنات کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور حصار نہیں ہوتا، اور ایسا حصار کوئی عام جنات نہیں کھینچ سکتا، جو بہت زور آور، طاقتور اور روحانیت سے واسطہ رکھتا ہے بلکہ جو جنات عامل ہوتے ہیں وہی یہ حصار کھینچتے ہیں اور اپنے سامنے والے عامل کو ناکوں چنے چبوا دیتے ہیں۔ اور اس صورت میں یا تو عامل کی موت ہو جاتی ہے یا پھر وہ سرکش ضدی جن موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔“

حصار میں مقید ہو کر وہ خاموش ہو گیا اور مجھ پر نظریں گاڑ دیں۔ میں بھی خاموش ہو گیا اور پھر میں نے ذہنی طور پر اپنے استاد اور اپنے بڑوں سے رابطہ کر لیا۔

میرے استاد کی روح نے مجھے بتایا کہ فلاں عمل کو یاد کرو، وہ عمل تمہاری حفاظت کرے گا اور اس ضدی جن کا کام تمام ہو جائے گا، گھبراؤ بالکل بھی نہیں، ہر حال میں اس جن پر تم ہی بھاری رہو گے اور تمہاری جیت ہوگی۔

کیونکہ تم حق کے لئے کوشش کر رہے ہو، ہمیشہ حق کی فتح ہوئی ہے اور ناحق پسپا ہو جاتا ہے۔“ اور پھر استاد کی روح سے میرا رابطہ منقطع ہو گیا۔

اب میرے دماغ سے ہر طرح کا اندیشہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اس عمل کا سہارا لیا جس کے متعلق استاد کی روح نے بتایا تھا۔

میں نے منہ ہی منہ میں وہ عمل پڑھنا شروع کر دیا۔ عمل جب ختم ہوا تو میں نے اپنے سیدھے ہاتھ کی بڑی انگلی پر پھونک ماری اور انگلی کا رخ اس حصار کی جانب کر دیا۔ میری انگلی سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکل کر حصار کی جانب بڑھنے لگیں۔

انگلی سے نکلی ہوئی شعاعوں کا اس دودھیا حصار جسے اس جن نے اپنے گرد کھینچ دیا تھا، ٹکرانا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا، دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ میرے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے،

جو کچھ بھی ہو رہا تھا یہ صرف میں اور وہ جن ہی محسوس کر سکتا تھا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ صرف مجھے دیکھ رہے تھے، انہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ میں خاموش بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہوں، یا پھر وہ لوگ وہ باتیں سن رہے تھے جو باتیں میں اس جن سے کر رہا تھا۔

جن کا کھینچا ہوا حصار پاش پاش ہو چکا تھا۔ جب حصار ختم ہو گیا تو اس جن کی حالت بڑی غیر ہونے لگی، اسے ذرہ برابر بھی یقین نہیں تھا کہ میں اس کا کھینچا ہوا مضبوط حصار توڑ دوں گا۔ وہ ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگا کیونکہ جن شعاعوں کی وجہ سے حصار میں دھماکہ ہوا تھا، اب وہ شعاعیں اس کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔

ان شعاعوں کا اس کے جسم میں پیوست ہونا تھا کہ وہ تڑپتا ہوا، لڑکی کا جسم چھوڑ کر ایک طرف کرب و اذیت کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی جو حالت ہو رہی تھی اسے دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہوا کہ کاش وہ شروع میں میری بات مان لیتا تو اپنی جان سے نہ جاتا۔

اب وہ کسی صورت بھی نہیں بچ سکتا تھا، اب اس کی موت یقینی تھی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچانک اس کے جسم میں پیوست شعاعوں کی وجہ سے اس کے گرد ایک

سرخ دیوار قائم ہو گئی، اب وہ اس سرخ دیوار میں قید ہو چکا تھا۔ وہ تکلیف سے تڑپنے لگا، اس کی تکلیف نا قابل برداشت ہونے لگی تھی۔ تکلیف کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابل پڑی تھیں، کبھی وہ اپنا پیٹ پکڑتا تو کبھی اپنی گردن اور پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے دباتا۔

سرخ شعاعوں کی دیوار آہستہ آہستہ اس کے گرد تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ جوں جوں دیوار تنگ ہو رہی تھی اس کی تکلیف اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

میں اگر جلدی کرتا تو وہ دیوار فوراً اسے جلا کر خاکستر کر دیتی مگر اس طرح آگ کے شعلے زیادہ بھڑک سکتے تھے جس سے لڑکی کو بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے سب سے پہلے اسے لڑکی سے جدا کر کے الگ کھڑا کر دیا تھا۔

میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں اور سارا معاملہ نظروں کے ذریعہ اختتام پذیر ہو رہا تھا۔ اس کی آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی، اب وہ بولنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

اچانک مجھے اپنے جاگتے الو اور دیگر کارندوں کی طرف سے سگنل ملا کہ اس کے مددگار جو اس کی مدد کو آئے تھے ان کا کہنا ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں، اور وہ اسے لے کر چلے جائیں گے اور وہ اس کی گارنٹی بھی دے رہے ہیں کہ وہ آئندہ اس طرف کا سوچے گا بھی نہیں۔

لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اتنی دیر ہو چکی تھی کہ اب ان شعاعوں پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا۔ اب وہ چند گھڑی کا رہ گیا تھا۔

پھر شعاعوں کی اس سرخ دیوار نے اسے جکڑ لیا تو وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ ایک ہلکا سا شعلہ لپکا اور اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس کے وجود کی راکھ کو میرے کارندے فوراً ایک برتن میں سمیٹ کر غائب ہو گئے۔

شعلہ لپکتے ہوئے کمرے میں موجود لوگوں نے بھی ایک لمحے کو دیکھا تو وہ سب چونک پڑے اور انہوں نے اپنی نظریں مجھ پر مرکوز کر دیں۔

لڑکی بیٹھے بیٹھے اچانک فرش پر نڈھال ہو کر گر پڑی، وہ ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اسے اپنا کوئی ہوش نہ تھا۔ فرش پر لڑکی آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اب معاملہ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ کسی قسم کا کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا۔

میں نے لڑکی کے والد کو کہا۔ ”آپ بچی کو اٹھا کر اندر لے جائیں، اب یہ ہر طرح کے خطرے سے باہر ہے، اب اس جن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ جب تک اپنی نیند سوئے سونے دینا، اسے جگانا نہیں، یہ خود بخود جاگے گی۔ اور آئندہ خیال رکھئے گا کہ یہ پھولوں کے باغ میں نہ جائے اور نہ ہی مغرب یا مغرب کے بعد چھت پر جائے، اور میرا مشورہ یہ بھی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کی شادی کر دیں تو یہ اس کے حق میں اچھا ہو گا۔“

اس کے والد اور بھائی نے پہلے اس پر ایک چادر ڈالی اور پھر اسے سہارا دے کر گھر کے اندر لے گئے۔ میں نے ابھی تک گھر کے باہر جو حصار کھینچ رکھا تھا اسے توڑا نہیں تھا۔ میرے کارندے سگنل دے رہے تھے کہ اس جن کے ساتھی اس کی موت پر زار و قطار بین کر رہے ہیں۔ اور ان کا انداز بپھرا ہوا ہے۔ ان کے ارادے اچھے نہیں۔

تھوڑی دیر بعد مجھے پھر پیغام ملا کہ ان کا کوئی ایک ہارلیش بزرگ آیا اور اس نے وہاں پر موجود جنات سے کہا۔ ”اب کیا کر رہے ہو، تم لوگ واپس چلو، میری نظر میں سراسر قصور مرنے والے کا ہے۔

آدم زاد نے بہت کوشش کی کہ شمران اپنی ضد چھوڑ دے اور راہ راست پر آ کر لڑکی سے علیحدہ ہو کر اپنی راہ لے، مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، غلطی بھی اس کی تھی اور پھر اس نے اپنی مدد اور آدم زاد کو نیست و نابود کرنے کے لئے تم لوگوں کو طلب کر لیا۔

خفیہ طور پر میں نے بھی اسے شروع میں ذہنی لہروں کے ذریعے پیغام بھیجا تھا کہ ”شمران اپنی ضد اور

ہٹ دھرمی چھوڑ دو، تم قصوروار ہو، تم اس آدم زاد سے ہار جاؤ گے، تمہیں اس کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم نے جو اپنے دوست احباب سے مدد طلب کی ہے تو تمہارے مددگار تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔

یہ آدم زاد شفیق مہربان ہمدرد اور اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والا ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور جنات قبیلہ کی عزت ہے کہ تم اس سے معذرت کر لو اور اپنی ضد چھوڑ دو، میں قبیلہ کا سردار ہوں مگر اس نافرمان نے میری بات بھی نہیں مانی، اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہا، اس کے دماغ میں تھا کہ میں عامل ہوں، اور ''شاما'' حصار پر دسترس رکھتا ہوں۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ''شاما'' حصار عامل جنات کے لئے بہت طاقتور ہوتا ہے۔ مگر خدا نے آدم زاد کو بھی بہت طاقت بخشی ہے۔

ہمارا تعلق چونکہ مسلمان جنات سے ہے اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور انسان کے تصرف میں دنیا کی ہر شئے کو دے دیا ہے۔

بڑا دکھ مجھے بھی بہت ہے کہ شمران اگر ضد نہ کرتا تو آج اپنی موت کے انجام کو نہیں پہنچتا۔ چلو واپس اور یہ ہم تمام قبیلہ والوں کے لئے سبق ہے کہ ضد اور انا کے چکر میں خود اپنا نقصان ہو جاتا ہے۔'' بزرگ سردار کے کہنے پر وہ جنات واپس چلے گئے۔

لڑکی کے والد نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور روہانسی آواز میں بولے۔ ''کامل صاحب آپ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے اور میں کیا میری نسل بھی آپ کا احسان مند رہے گی، ہم آپ کے لئے شب و روز دعا گو رہیں گے، جس طرح آپ لوگوں کی بھلائی کر رہے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے۔''

ان لوگوں نے مجھے بہت روکا، خاطر تواضع کے لئے بولا مگر میں نے منع کر دیا اور واپس دلی مطب میں آ گیا۔ حکیم وقار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور بولے۔

''اور سناؤ کیا بنا اس جنات کا جس کی سرکوبی کے لئے گئے تھے۔''

میں نے جواب دیا۔ ''حکیم صاحب! بہت ہی ضدی تھا، اس کا کہنا تھا کہ ''یہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگی اور میں اس کی خوبصورتی اور حسن پر مرمٹا ہوں، میں کسی صورت اس لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

میں نے اسے بہت سمجھایا، ہر طرح سے منت سماجت کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، وہ اتنا اڑیل تھا کہ اس نے جان دے دی مگر اپنی ضد نہیں چھوڑی۔ مجبوراً مجھے اس کے خاتمہ کے لئے انتہائی قدم اٹھانا پڑا، اور وہ اپنی موت سے ہمکنار ہو گیا۔''

حکیم وقار میری بات سن کر بولے۔ ''خیر چلو کھانے کا وقت بھی ہو گیا ہے، ضدی اور ہٹ دھرم ہمیشہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں۔''

تو شرف الدین صاحب دراصل یہ واقعہ بتانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ انسان اگر احتیاط برتے تو وہ ٹھیک ٹھاک اور خوش و خرم رہتا ہے۔ جن باتوں سے بزرگوں نے منع کر رکھا ہے اسے گرہ میں باندھ لینی چاہئے اور حتی الامکان کوشش ہونی چاہئے اور ان باتوں کو ذہن سے نکال نہیں دینا چاہئے۔ اگر وہ لڑکی اپنے بڑوں کا کہنا مانتی تو وہ شام کے وقت کھلے بال کی حالت میں باغ میں نہ جاتی اور پھر پھول نہ توڑتی۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی پریشانیوں کا سارا دارومدار قسمت پر ڈال دیتے ہیں۔ اپنا عمل نہیں دیکھتے کہ ہم خود کیا کر رہے ہیں۔

بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غلطیاں بڑے کرتے ہیں اور بھگتنا چھوٹوں کو پڑتا ہے۔ کبھی کبھی تو بڑوں کی دانستہ غلطیوں کا خمیازہ نسل در نسل دوسرے بھگتتے ہیں۔ لہٰذا بڑوں کو اور چھوٹوں کو بھی اپنے عملی اقدام پر نظر رکھنی چاہئے۔

یہ بھی لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ تو میری نظر میں جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہوتے ہیں۔

شرف الدین صاحب، مہیش کے خاندانی مسئلے کو ہی لے لیجئے۔ مہیش کے بڑے نے فاش غلطی کی اپنی نفسانی خواہشات کے لئے، وہ تو اپنی جان سے چلے گئے مگر افسوس در افسوس کہ ان کی غلطیوں کی سزا ان کے بعد کی نسل بھگت رہی ہے۔ اس چکر میں یہ لوگ تباہ برباد ہو گئے، پل پل کا چین وسکون ختم ہو کر رہ گیا، کئی جانیں ضائع ہو گئیں پھر بھی اس فیملی کو سکون نہیں مل رہا ہے۔

یہ تو اوپر والے کی مہربانی ہے کہ مہیش کی ملاقات مجھ سے ہو گئی۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس خاندان کی جان چھوٹ جائے، اس آتما سے جو سنیل پر سوار ہے، اب میرا مہیش سے یہی کہنا ہے کہ آئندہ اپنی نسل کو اور خود بھی یہ کوشش کرنا کہ تمہاری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، بلکہ اپنے لئے ایک سنہرا اصول بنا لینا، مصیبت زدہ اور ضرورتمندوں کے کام کرنا، یہی انسانیت ہے، اور اسی میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔

ضد ہٹ دھرمی اور من مانی سے خود کو نقصان ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی لوگ برے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور بددعائیں دیتے ہیں۔

اچھے کردار باعمل لوگ مر بھی جاتے ہیں تو لوگ ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ کیا فائدہ کہ چند روزہ زندگی کے لئے انسان دنیا میں برے کام کرے، لوگوں کا دل دکھائے، زور زبردستی دھوکہ دہی اور قتل وغارت گری سے مال بٹورے۔ مال و دولت کو کوئی بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا ہے، سارا مال اسباب اور دھن دولت یہیں چھوڑ جاتا ہے اور خود گناہوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے جاتا ہے، دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ "سامان سو برس کا ہے، اور پل کی خبر نہیں۔"

خیر باتیں تو بہت ہیں، ساری زندگی انسان باتیں کرتا ہے اور باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ اب مجھے اجازت دیں، میں چلتا ہوں، اوپر والے کے آگے سر جھکاتے رہنا، اسی میں اپنی ذات کی بھلائی ہے۔"

شرف الدین نے رولوکا کا ہاتھ پکڑا اور چوم کر بولے۔ "حکیم صاحب میں آپ کا یہ احسان تا زندگی نہیں بھولوں گا۔ خدا نے آپ کو ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا۔ کاش! آپ ہمیں خدمت کا موقع دیتے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا، خیر میں آپ کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

رولوکا بولا۔ "شرف الدین صاحب اب میں چلتا ہوں، آپ اوپر والے کا شکر ادا کرتے رہیں۔" رولوکا نے شرف الدین اور ان کے بیٹے سے مصافحہ کیا اور مہیش کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

باہر آ کر مہیش سے رولوکا بولا۔ "مہیش اب میں چلتا ہوں، کل تم سنیل اور اپنے پتا کو تیار رکھنا آتما حویلی چلنا ہے، اپنے ساتھ چار پانچ ملازموں کو بھی لے لینا، میں کوشش کروں گا کہ کل ہی آتما حویلی کا معاملہ اپنے انجام کو پہنچ جائے، اور سنیل کی جان کے ساتھ تمہارے خاندان کی جان بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پنڈت شنکر داس اور دیگر تمام آتماؤں سے تم سب کی جان چھوٹ جائے۔

"میں اپنے وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا، تم لوگ تیار رہنا، اب مجھے اجازت دو، میں چلتا ہوں۔"

مہیش بولا۔ "حکیم صاحب میں آپ کو اکیلے نہیں جانے دوں گا، میں نے بگھی والے کو بلا لیا ہے، وہ دیکھیں سامنے ہی بگھی کھڑی ہے، آپ برائے مہربانی انکار نہ کریں، یہ میری خوشی اور خواہش ہے کہ آپ بگھی پر جائیں، اور میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، آپ کو مطب پر اتار کر ہم واپس آ جائیں گے۔ میری خوشی کی خاطر، میری یہ بات رکھ لیں۔ چلئے بگھی تیار کھڑی ہے۔"

مہیش کی باتیں سن کر رولوکا بولا۔ "مہیش تم فکر نہ کرو، میں چلا جاؤں گا، جب میں آ سکتا ہوں تو چلا بھی جاؤں گا، تم خواہ مخواہ تکلیف اٹھاؤ گے، خیر چلو آج میں تمہاری بات رکھ لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" یہ بول کر رولوکا مسکرانے لگا۔ اور پھر چلتے ہوئے دونوں بگھی کے قریب پہنچ گئے۔ دونوں بگھی پر سوار ہو گئے تو کوچوان نے گھوڑوں کو اشارہ دیا تو گھوڑے تیز چلنے لگے۔

مہیش بگھی والے سے بولا۔ ''رامو گھوڑوں کو تیز چلاؤ کیونکہ شام سے پہلے پہلے واپس بھی آنا ہے۔ کیونکہ حکیم صاحب کی اچھا ہے کہ ہم شام سے پہلے اپنے گھر واپس آ جائیں۔''

مہیش کی بات سن کر کوچوان نے گھوڑوں کو چابک سے اشارہ دیا تو گھوڑے ایسے ہو گئے جیسے کے واقعی ہوا میں اڑ رہے ہوں۔

گھوڑوں کی تیز رفتاری دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''بھئی یہ گھوڑے بہت شاندار ہیں، انہیں چابک کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اشارہ پاتے ہی اپنے مالک کی مرضی سمجھ چکے ہیں اور اسی لئے ہوا سے باتیں کرنے لگے ہیں۔''

گھوڑے تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ آدھے راستے میں درختوں کا ایک جھنڈ پڑتا تھا۔ جب گھوڑے ان درختوں کے پاس پہنچے، درخت سڑک سے کنارے لگے تھے کہ دونوں گھوڑے زور سے ہنہنائے اور اچانک رک گئے۔ گھوڑوں کو دیکھ کر کوچوان بھی بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے گھوڑوں کو چابک سے اشارہ کیا مگر گھوڑے آگے بڑھ کر نہیں دے رہے تھے۔

''رامو کیا بات ہے، گھوڑے کیوں رک گئے؟'' مہیش نے پوچھا۔

''ابھی یہ تو میرے سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے، لگتا ہے گھوڑوں کو کوئی ہوائی چیز نظر آ گئی ہے، اس وجہ سے گھوڑے اچانک رک گئے ہیں، کیونکہ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب گھوڑوں کو کوئی ہوائی چیز نظر آ جائے۔'' کوچوان بولا۔

یہ سن کر مہیش رولوکا کی طرف دیکھنے لگا۔ رولوکا کی آنکھیں بند تھیں لہٰذا مہیش نے رولوکا کو مخاطب نہیں کیا۔ اتنے میں رولوکا نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مسکرانے لگا، اس نے اپنی گردن بگھی سے باہر نکال کر ایسے دیکھنے لگا جیسے اس نے کسی خاص شئے کو دیکھ لیا ہو، پھر وہ بگھی سے نیچے اتر گیا۔

مہیش بھی بگھی سے اترنے لگا تو اس نے مہیش سے کہا۔ ''مہیش تم بگھی میں ہی بیٹھے رہو، میں دیکھتا ہوں معاملہ کیا ہے؟''

رولوکا کی بات سن کر مہیش بولا۔ ''اچھا جی!'' کہہ کر بگھی میں ہی بیٹھا رہا۔ رولوکا نے کوچوان سے کہا۔ ''تم بھی اپنی سیٹ پر بیٹھے رہو، اور ذرا دھیان سے گھوڑوں کی لگامیں کھینچے رکھنا، اس لئے کہ یہ کہیں بدک نہ جائیں۔''

کوچوان بولا۔ ''ٹھیک ہے جی! میں نے ویسے بھی لگامیں کھینچ رکھی ہیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے اس لئے اسی طرح گھوڑے رک گئے ہیں۔''

بگھی سے نیچے اتر کر رولوکا نے اپنی نظریں درختوں کے گرد گاڑ دیں، کئی منٹ تک وہ ٹکٹکی باندھے اس طرف دیکھتا رہا۔ بگھی سے درخت تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھے۔ رولوکا نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر اس پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور اس مٹی کو درختوں کی طرف ہاتھ گھما کر پھینک دی۔

چند منٹ بعد ایسا لگا کہ جیسے درختوں کے قریب بھونچال آ گیا ہو، سارے درختوں کی بڑی چھوٹی ساری شاخیں ایسے ہلنے لگیں جیسے کہ کوئی بہت ہی زوردار طوفان آ گیا ہو، درختوں کے پتے جھڑ جھڑ کر زمین پر گرنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گرد و غبار کا ایک زبردست طوفان نظر آیا۔

مہیش اور کوچوان تو درختوں کی حالت اور گرد و غبار کا طوفان دیکھ کر سکتے کی حالت میں آ گئے، ان دونوں کے دل دھڑکنے لگے کیونکہ انہوں نے یہ سب اچانک دیکھا تھا۔

رولوکا نے جیسے ہی مٹی اس طرف پھینکی تھی تو درختوں کی ایسی حالت ہو گئی تھی اور پھر گرد و غبار کا طوفان چشم زدن میں نظر آیا تھا۔ کوچوان نے پوری طاقت سے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ رکھی تھیں۔ کیونکہ اگر گھوڑوں کی لگامیں ڈھیلی ہوتیں تو اب تک گھوڑے بدک کر کسی طرف بھی سرپٹ بھاگ چکے ہوتے اور اس صورت میں بگھی کو ناقابل تلافی نقصان ہو جاتا۔ ایسے حالات میں اکثر گھوڑے

بدک جاتے ہیں۔ کوچوان نے بتایا۔

رولوکا نے زمین سے اور مٹی اٹھائی اپنی مٹھی میں لے کر اس پر بھی کچھ پڑھ کر درختوں کی جانب پھینک دی۔ چند لمحے بعد اس سے بھی کہیں بڑھ کر جھکڑ چلنے لگے جو پہلے چل رہے تھے۔ اب کی بار تو ان درختوں میں بجلی بھی کڑکنے لگی تھی۔

درختوں کے جھنڈ میں بہت ہی وحشت ناک، دہشت ناک اور خوفناک دل دہلا دینے والا منظر رونما تھا۔ یہ دیکھ کر رولوکا کوچوان کی طرف مڑا، اور ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی جگہ بے فکر رہو، گھبرانے اور خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پانچ منٹ تک درختوں کے پاس بہت ڈراؤنا منظر رونما ہوتا رہا۔ اسے دیکھ کر رولوکا نے ایک مرتبہ پھر زمین سے مٹھی میں مٹی اٹھائی اور اس پر بھی کچھ پڑھ کر درختوں کی جانب پھینک دی۔ چند لمحے بعد اس مرتبہ ان درختوں پر ایک تیز کڑکتی ہوئی روشنی پڑی اور پھر اس روشنی نے کئی درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اچانک سارے درختوں میں زوردار شعلے بھڑک اٹھے، شعلے ایسے تھے کہ جیسے آسمان سے باتیں کر رہے ہوں۔ جب یہ منظر رونما ہوا تو رولوکا واپس بگھی کے پاس آ گیا اور کوچوان سے بولا۔ ”گھبراؤ نہیں، بس تم گھوڑوں کی لگامیں کھینچے رکھو، چند منٹ میں سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، بس دیکھتے جاؤ۔“

پھر رولوکا بگھی پر چڑھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مہیش ابھی تک اچنبھے کی حالت میں خاموش بیٹھا تھا۔ ”کیوں بھئی! کیا خوف محسوس ہو رہا ہے؟“

رولوکا کی بات سن کر مہیش چونک پڑا اور بولا۔ ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”بالکل کوئی بات ہے تم ڈر رہے ہو، ڈرو نہیں! میں موجود ہوں ناں۔ قطعی گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ سب بس نظروں کا دھوکہ ہے۔ درخت پر چند بھٹکی ہوئی روحیں تھیں اور اس وجہ سے گھوڑے ہنہناتے ہوئے رک گئے تھے میں نے ان کا صفایا کر دیا ہے، اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ چند منٹ میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ویسے تو ان سب کا کام ہو گیا ہے اور پھر میرے کارندے چوکس ہیں، میں نے ان کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ گھبراؤ نہیں کچھ بھی نہیں ہوگا، اور یہ بھی اس لئے ہوا کہ میں ساتھ ہوں۔

مجھے دیکھ کر ان روحوں نے اپنی موجودگی ظاہر کی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں روحوں کا مسکن ہوتا ہے، اس جگہ سے کوئی عامل، یا پہنچا ہوا گزرتا ہے تو ان روحوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے، ان کی بے چینی بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے اسے روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وجہ یہ کہ اس عامل کے ساتھ پوشیدہ طور پر اس کی نگہبان طاقتیں ہوتی ہیں۔“

چند منٹ بعد درختوں پر بھڑکتے ہوئے شعلے بالکل بجھ گئے تو رولوکا کوچوان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”بھئی گھوڑوں کو آگے کی طرف بڑھاؤ، خطرے کی کوئی بات نہیں، اب گھوڑے آرام سکون سے آگے چلتے رہیں گے۔“

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ کوچوان نے چابک سے گھوڑوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے آرام اور سکون سے آگے کی جانب بڑھنے لگے۔ جب بگھی درختوں کے قریب پہنچی تو کوچوان سے رولوکا بولا۔ ”چند منٹ کے لئے گھوڑوں کو روکو۔“

رولوکا کی بات سن کر کوچوان نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ دیں تو گھوڑے رک گئے۔ گھوڑوں کے رکتے ہی رولوکا بگھی سے نیچے اترا، اور با بلند آواز میں بولا۔ ”آج سے تم سب کا مسکن ان درختوں سے ختم ہو گیا، اب آئندہ ان درختوں پر آنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تم سب کا بہت نقصان ہوگا، کسی کو بھی آتے جاتے پریشان نہ کرنا، اور جو تم سب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس پر قائم رہنا۔ میں اپنے کارندوں کا پہرہ لگا کر جا رہا ہوں، میرے کارندے تم سب کی خبر گیری رکھیں گے۔“ اس کے بعد رولوکا بگھی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اور کوچوان سے بولا۔ ”ذرا

تیز گھوڑوں کو لے چلو۔تھوڑا وقت زیادہ ہو گیا ہے۔''

کوچوان نے گھوڑوں کو تیز رفتاری کا اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے بہت تیز سرپٹ بھاگنے لگے۔اور پھر ایک گھنٹہ تک حکیم وقار کے مطب کے سامنے جا کر رک گئی۔رولوکا بگھی سے اتر گیا اور مہیش سے بولا۔''مہیش اب تم واپس جاؤ، راستے میں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، بے خوف ہو کر جاؤ، میں چائے پانی کے لئے روکتا مگر وقت زیادہ ہو رہا ہے لہذا جلد از جلد گھر پہنچو۔میں صبح وقت مقررہ پر تمہاری حویلی کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا، ٹھیک صبح کے ساڑھے دس بجے، تم سب تیار رہنا کیونکہ آتما حویلی میں جلد از جلد پہنچنا ہے، میں نے پنڈت شنکر داس کی آتما سے وعدہ کیا ہے۔''

مہیش نے ہاتھ جوڑ کر رولوکا کو نمسکار کیا اور کوچوان سے بولا۔''رامو واپس گاؤں چلو۔'' مہیش کی بات سنتے ہی رامو نے گھوڑوں کو واپسی کے لئے موڑا اور اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

مہیش دل ہی دل میں ایشور سے پرارتھنا کرنے لگا۔''ایشور تمہارا شکر ہے کہ تم نے ہمیں ایک مہان شکتی شالی پرش سے ملوادیا، یہ تمہارا ہی کام ہے ورنہ اتنے سالوں سے ہم مصیبت میں پڑے تھے، ورنہ جانے اور کب تک ہمارا سکھ چین غارت ہوتا رہتا، ایشور تم سب کی سنتے ہو، کاش ہم بہت پہلے تمہارے آگے ماتھا ٹیک دیتے تو اتنی مصیبت نہ جھیلتے، ہم لوگوں کی باتوں میں پڑ کر ادھر ادھر بھاگتے رہے، اور جب ہم نے تمہارے آگے اپنا ماتھا ٹیکا تو تم نے صحیح راستہ دکھلا کر شکتی دان سے ملوادیا۔''

پھر شام سے کافی پہلے ہی بگھی گاؤں میں داخل ہو گئی، اور حویلی کے مین گیٹ پر رک گئی۔

رولوکا بگھی سے اتر کر مطب میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حکیم وقار اپنی کرسی پر براجمان ہیں اور ان کے سامنے میز پر چائے کا کپ پڑا تھا۔ملازم نے چند لمحہ پہلے ہی چائے لا کر رکھی تھی۔رولوکا کو دیکھ کر حکیم مسکرانے لگے اور بولے۔''اچھے وقت پر آئے ہو، بیٹھو اور چائے پیو۔''

حکیم وقار نے ملازم کو آواز دے کر ایک کپ اور چائے لانے کا کہا۔رولوکا ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تو حکیم وقار گویا ہوئے۔''اور سناؤ! مہیش کی حویلی میں گئے تھے کیا بنا!''

حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔''وہاں کا منظر تو بہت ہی عجیب تھا، شنکر داس کی آتما جو کہ سنیل پر سوار ہے اس نے تو ظلم و زیادتی اور شکایت کا پورا پنڈ ولا کھول دیا، مہیش کے دادا نے اپنی رعایا اور دیگر لوگوں پر بھی بہت ظلم کیا تھا۔ڈاک بنگلہ میں جو بھی خوبصورت لڑکی ٹھہرتی تھی پہلے تو وہ اس سے ہمدردی اور اپنائیت کا جھانسہ دے کر اپنے ریسٹ ہاؤس میں بلاتے تھے اور جب وہ لڑکی ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر ریسٹ ہاؤس میں چلی جاتی تو اس کی عزت لوٹ لیتے تھے۔

اور جو لڑکی ان کے جھانسے میں نہیں آتی تھی تو وہ اس لڑکی کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور پھر آخر کار اس لڑکی کو کسی نہ کسی بہانے اغواء کرا کر اس کی عزت لوٹ کر اسے موت سے ہمکنار کر دیتے تھے۔گاؤں میں دیگر لوگوں کی ماں بہنوں کی عزت بھی پامال کر دیتے تھے، جو بھی ان کے خلاف اپنی زبان کھولتا تو اسے بھی موت کا مزا چکھا دیتے تھے۔

ایک کے بعد ایک روح آن دھمکتی تھی اور اپنے پر بیتے ہوئے ظلم و زیادتی کی کہانی سنانے لگتی تھی۔سب کے ساتھ انہوں نے اس قدر ظلم کیا کہ ان کی داستان سن کر آدمی دہل جاتا ہے، تمام روحوں کی کہانی اتنی طویل ہے کہ آدمی سنتے سنتے تھک جائے اور پھر اپنا دل پکڑ کر رہ جائے۔

پنڈت شنکر داس کی روح سرغنہ بنی ہوئی ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ ان سب نے مل کر مہیش کے دادا کی روح کو بھی اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔

مہیش کے دادا کو بھی شنکر داس اور دیگر کئی روحوں نے مل کر مارا تھا۔اور جب ان کی موت ہو گئی تو سب نے مل کر ان کی روح کو اپنے قبضے میں کر کے قیدی بنا لیا

۔ اس وقت سے لے کر ابھی تک ان کی روح اسی حویلی میں قید ہے، جس میں تمام روحوں نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے، چونکہ وہ حویلی روحوں کا مسکن بنی ہوئی ہے لہذا قرب وجوار کے لوگوں نے اس حویلی کو آتما حویلی کا نام دے دیا تھا۔

حویلی کے اردگرد بلکہ جہاں حویلی قائم ہے اس کے قرب وجوار میں بھی آبادی نہیں ہے، اس طرف جاتے ہوئے لوگ خوف کھاتے ہیں اور پھر جو بھی بھولا بھٹکا اس طرف چلا جاتا ہے تو حویلی کی روحیں جو کہ حویلی کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں وہ سب اس شخص کا نقصان کر دیتی ہیں۔

اس حویلی میں سینکڑوں روحیں رہتی ہیں، تمام مرنے والوں کو بے دردی سے مارا گیا اور پھر انہیں گڑھا کھود کر مٹی میں دبا دیا گیا یا پھر انہیں دریا برد کر دیا گیا۔

تمام کی تمام روحیں بہت ہی غضبناک حالت میں بپھری ہوئی ہیں، وہ کسی بھی صورت اس خاندان کو چھوڑنے سے انکار کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سب اس نسل کو سسکا سسکا کر ماریں گے۔ اور اب ان کا نشانہ سنیل ہے۔

اگر ان روحوں کو روکا نہیں گیا تو کسی بھی وقت وہ سب سنیل کو مار دیں گی اور پھر سنیل کے بعد کسی اور کا نمبر ہوگا۔

میں بہت ہی کشمکش و پیچ میں ہوں کہ کیا قدم اٹھاؤں کہ مہیش کی پوری فیملی بچ جائے اور پھر ان روحوں کو بھی آزادی مل جائے، وہ سب اس حویلی کو چھوڑ دیں۔ لیکن جب تک وہ سب کی سب حویلی میں ایک جگہ رہیں گی اس وقت تک وہ سب مل کر پورے علاقے میں اور علاقہ سے باہر بھی اودھم مچاتی رہیں گی۔

سنیل کو بچانا بہت ضروری ہے، میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ چاہے مجھے جتنی بھی محنت کرنی پڑے میں جان توڑ کوشش کر کے ان آتماؤں سے مہیش کی فیملی کی جان بچاؤں گا۔ آپ میرے حق میں دعا کریں کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔''

یہ سن کر حکیم وقار بولے۔ ''میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں تو ہر نماز میں آپ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں کیونکہ آپ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے کوشاں ہیں۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈال کر خطرناک سے خطرناک بھٹکی ہوئی روحیں، ظالم بھوت چڑیل اور پھر سر پھرے جنات سے لوگوں کو چھٹکارا دلاتے ہیں۔

آپ کے سامنے میں تو اپنے آپ کو بہت ہی ہیچ سمجھتا ہوں کیونکہ میں تو دواؤں کے پیسے لے لیتا ہوں مگر آپ راہ خدا میں مسلسل خدمت کئے جا رہے ہیں اور کسی سے ٹکا پیسہ بھی نہیں لیتے بلکہ اگر کچھ لگتا ہے تو اپنے پلے سے لگا دیتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی دے، حوصلہ ہمت دے تاکہ آپ شب و روز انسانیت کی خدمت کریں۔''

اتنے میں ملازم چائے کا دوسرا کپ لے آیا۔ اس نے میز پر رکھا اور چلا گیا تو حکیم وقار نے کہا۔ ''چلیں چائے پئیں۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔''

چائے پینے کے درمیان بھی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد ایک ملازم آیا اور اس نے اطلاع دی کہ ''ایک مریض کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی ہے۔'' یہ سنتے ہی حکیم وقار اپنی کرسی سے اٹھ گئے تاکہ مریض کو دیکھ سکیں۔

حکیم وقار سے ردلوکا بولا۔ ''چلئے آپ کے ساتھ میں بھی چلتا ہوں، دیکھوں کہ اس مریض کو کیا تکلیف ہے؟ میں اکیلا اس جگہ بیٹھ کر کیا کروں گا۔ بولتے ہیں ناں کہ ایک سے دو بھلے اچھے ہوتے ہیں۔'' ردلوکا بھی اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور حکیم وقار کے ساتھ مریض کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔

ردلوکا اور حکیم وقار دونوں مریض کے کمرے میں

داخل ہوئے تو دیکھا کہ مریض کی حالت بہت ابتر تھی، مطب کے کئی کمروں میں مریض ٹھہرے ہوئے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دور دراز سے آئے ہوئے مریض کو دو تین دن کے لئے حکیم وقار مطب میں ٹھہرا لیتے تھے اس لئے کہ دور دراز کا کوئی بھی مریض آ جا نہیں سکتا تھا۔

مریض کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابلی پڑی تھیں، اس کا چہرا ایسا نظر آتا تھا کہ جیسے چہرے پر ہلدی مل دی گئی ہو، مریض نے رولوکا کو بھر پور نظروں دیکھا اور پھر چونک گیا، اس کے چونکنے کا عمل بہت ہی عجیب تھا جسے حکیم وقار نے بھی محسوس کیا۔

رولوکا نے بھی مریض پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں تو مریض کے پورے وجود میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مریض کسمسانے لگا۔ رولوکا نے مریض پر سے اپنی نظریں ہٹائیں نہیں۔

مریض نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں تو حکیم وقار نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا لیکن مریض نے اپنی آنکھیں نہیں کھولیں، حکیم وقار نے کئی مرتبہ اس کا نام لیا اور بولے۔ ”مختار اپنی آنکھیں کھولو، بتاؤ کیا تکلیف ہو رہی ہے! چلو شاباش آنکھیں کھولو اور مجھے بتاؤ اپنی تکلیف کے متعلق تا کہ میں دوا کھلاؤں، دوا کھاتے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

مگر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس نے حکیم وقار کی بات سنی نہیں ہو۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ بس کچھ بھی نہیں یعنی میں ٹھیک ہوں۔

رولوکا آگے بڑھا اور اس نے مریض کی کلائی پکڑ لی اور دو تین مرتبہ اس کے ہاتھ کو ہلایا تو مریض غصے کی حالت میں اپنی آنکھیں کھول دیں اور جیسے پھنکارتے ہوئے اپنی ناک سے بہت زور سے سانس باہر کو نکالی، اور رولوکا کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔ تو رولوکا نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اور بولا۔ ”اچھا خیر! سو جاؤ! ہم چلے جاتے ہیں۔“

حکیم وقار نے ملازم سے کہا۔ ”آب شفا لا کر اسے پلا دو، ذرا جلدی لانا۔“ ملازم دوڑتا ہوا گیا اور چند منٹ میں آب شفا لے آیا۔ حکیم وقار مریض سے بولے۔ ”چلو اٹھ کر یہ پی لو، اس سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

رولوکا حکیم وقار سے بولا۔ ”چلیں ہم چلتے ہیں، جب تک میں یہاں رہوں گا تو یہ آب شفا نہیں پیئے گا، ہمارے جاتے ہی یہ ملازم کے ہاتھ سے پی لے گا۔“ اور ایسا ہی ہوا۔ رولوکا اور حکیم وقار جیسے ہی کمرے سے نکلے تو مریض نے آب شفا پی لیا۔

حکیم وقار کے کمرے میں آ کر دونوں کرسی پر بیٹھ گئے، حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھا۔ ”بھئی معاملہ کیا ہے مریض نے آپ کو دیکھتے ہی چونک کیوں گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس نے آب شفا بھی نہیں پیا۔“ رولوکا افسردہ لہجے میں بولا۔ ”حکیم صاحب، اس پر بہت سخت کالا جادو کیا گیا ہے، اور یہ کافی دنوں سے جادو کا شکار ہے، جادو کرنے والے نے بہت سخت عمل کیا ہے، اور اب اس کا توڑ ممکن نہیں۔ عمل اس کے نس نس میں سرایت کر گیا ہے، اس عمل کا بیر بہت ظالم اور خطرناک ہوتا ہے، وہ بہت آہستگی سے اپنا کام کرتا ہے، مطلوب کو مرض میں مبتلا کر کے مریض بنا دیتا ہے، مریض کے جسم کا خون آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتا ہے۔ اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ مریض موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اس عمل کا بیر چوبیس گھنٹے مریض کے جسم پر قابض رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے دیکھتے ہی وہ چونک گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ایسا مریض کسی بھی عامل سے نظریں نہیں ملاتا اور اگر غلطی سے اس کی نظر عامل پر پڑ بھی جائے تو فوراً اپنی نظریں پھیر لیتا ہے۔

آپ کل صبح ایسا کریں کہ اسے تھوڑی بہت دوا دے کر چلتا کر دیں اور یہی اس کے حق میں بہتر ہوگا، کیونکہ میرے خیال میں اب یہ دو تین دن ہی جی پائے گا، تیسرے دن تا یہ موت کے منہ میں چلا جائے گا، اگر یہ یہاں رہا تو بہت ہی پیچیدہ مسئلے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

حکیم وقار نے کہا۔ ''اگر کچھ ہو سکتا ہے تو آپ کچھ کر دیں، اس پر جو جادو کیا گیا ہے، اس کا کسی صورت تو توڑ ہوگا، اگر کسی کی زندگی بچتی ہے تو یہ بھی نیکی کا کام ہے۔''

''حکیم صاحب اب وقت گزر چکا ہے، اگر ایک فیصد بھی چانس ہوتا تو میں سنبھال لیتا، جب کسی انسان کے جسم میں خون ہی نہ ہو تو، وہ بھلا کیسے جی سکتا ہے۔ اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہے، دل اور جگر کے ارد گرد جو رگیں ہیں، صرف انہی میں خون دوڑ رہا ہے، اس کے علاوہ سارے جسم میں دوران خون ختم ہو چکا ہے اور اس لئے جسم کی ساری رگیں سکڑ گئی ہیں۔ اب علاج ممکن نہیں رہا۔ آپ کل صبح پہلی فرصت میں دوا وغیرہ دے کر چھٹی کر دیں۔''

حکیم وقار بولے۔ ''ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔''

رولوکا بولا۔ ''اچھا اب میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، کل صبح مجھے بھی مہیش کے گاؤں جانا ہے، میں نے آتما حویلی کے لئے وعدہ کر لیا ہے، آپ دعا کرنا کہ کل ہی مہیش والا معاملہ ٹھیک ہو جائے۔'' یہ بول کر رولوکا نے حکیم وقار سے مصافحہ کیا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

رولوکا اپنے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھ گیا، اس کا ذہن بہت ہی الجھا ہوا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ آتما حویلی میں مقید روحوں کا خاتمہ کر دیا جائے یعنی ان روحوں کا وجود ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے، اس کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے پنڈت شنکر داس کی روح راہ راست پر آ جائے تو دیگر بھی راہ راست پر آ جائیں گی۔ کیونکہ شنکر داس کی ہی روح سب کی نگراں تھی اور تمام روحیں اس کے قابو میں تھیں۔

یہ کام اتنا آسان بھی نہیں تھا کیونکہ رولوکا اکیلا تھا اور مدمقابل کئی سو روحیں تھیں، سب کو بیک وقت شکنجے میں جکڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

لیکن رولوکا نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان بد روحوں سے مہیش فیملی کی جان چھڑا کر رہوں گا۔

رولوکا اپنے کمرے میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنے بڑوں سے ذہنی رابطہ کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ زیادہ دیر نہیں لگی کہ اپنے استاد کی روح سے اس کا رابطہ ہو گیا۔ اس نے ذہنی لہروں کے ذریعہ استاد سے مشورہ کرنے لگا کہ ''کل آتما حویلی میں پنڈت شنکر داس اور اس کی ساتھی جو سینکڑوں روحیں ہیں ان سے میرا واسطہ پڑے گا، اور میں نے حق کے لئے قدم اٹھایا ہے، ایک ایسا خاندان جو کہ ایک طویل عرصہ سے ان روحوں کے ظلم و زیادتی کا شکار ہو رہا ہے۔

استاد میں آپ سے مدد کا طلبگار ہوں، میری تو کوشش ہو گی کہ وہ تمام روحیں سکھ شانتی سے راہ راست پر آ جائیں اور اگر انہوں نے میری بات نہیں مانی تو ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟''

استاد کی روح نے جواب دیا۔ ''گھبراؤ نہیں، ہم اور ہمارے بڑے بھی تمہارے ساتھ ہیں، تم کوشش تو یہی کرنا اور انہیں سمجھانا کہ جو ہونا تھا ہو گیا، ان کے بڑوں نے غلطیاں کیں اور وہ اب اس دنیا میں نہیں۔ اس شخص کی روح بھی تمہارے پاس قید ہے، اور تم لوگ ایک طویل عرصہ سے اسے اذیت دے رہے ہو، اور ابھی تک تمہارے پاس قید ہے، اور تم لوگ ایک طویل عرصہ سے اسے اذیت دے رہے ہو، اور ابھی تک تمہارا انتقام پورا نہیں ہوا، چلو ہم مانتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ پورا پریوار تمہارے انتقام کا بھینٹ چڑھ کر ختم ہو جائے گا، پھر تمہیں کیا ملے گا، اس کے بعد تم پھر کسی سے انتقام لو گے۔

اسے سمجھانے کے باوجود وہ تمام روحیں اور خاص طور سے پنڈت شنکر داس کی روح نہ مانے تو بس پھر تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل پیرا ہو جانا۔

میں کالا باری کے ویرانے میں موجود جنات قبیلہ کے سردار سے رابطہ کرتا ہوں تاکہ وہ تمہاری مدد کو حاضر ہو جائیں، اور مجھے امید ہے کہ وہ یقیناً میری بات مان کر

تمہاری مدد کو آئیں گے، تم کسی قسم کی فکر مت کرو۔ تم میرے جواب کا انتظار کرو۔''

پھر چند منٹ تک استاد کی روح کا رابطہ رولوکا سے منقطع ہو گیا۔ یعنی استاد کی روح نے کالا ہاری کے ویرانے میں موجود جنات کے قبیلہ کے سردار سے رابطہ میں لگ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی استاد کی روح نے خوشخبری سنائی کہ ''جنات قبیلہ کے سردار نے میری بات مان لی ہے اور وہ تمہاری مدد کے لئے سینکڑوں جنات روانہ کر دے گا، اس کا کہنا ہے کہ ''آپ نے کیوں تکلیف کی اگر آپ کا شاگرد رولوکا بھی ہم سے رابطہ کرتا تو میں بخوشی اس کی مدد کے لئے اپنے جنات نوجوانوں کو بھیج دیتا، میں اسے جانتا ہوں، کئی مواقع پر ہم نے اسے دیکھا ہے۔''

''بہر حال تم گھبراؤ نہیں اور بے خوف و خطر آتما حویلی جاؤ۔ میرا ابھی مشورہ ہے کہ شنکر داس کی روح اور پھر تمام دیگر روحوں سے مشورہ کرنا کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور راہ راست پر آ جائیں۔ تم ہر طرح کی کوشش کر لینا سمجھا کر اور اگر وہ نہ مانیں تو پھر مجبوراً ان کے وجود کے خاتمہ کے لئے انتہائی قدم اٹھا دینا۔''

استاد کی روح نے دلاسہ دیا تو رولوکا مطمئن ہو کر اپنی آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بالکل بے فکر ہو چکا تھا کہ استاد کی روح نے بھی فیصلہ کن بات کر دی تھی کہ پہلے شنکر داس کی آتما اور دیگر آتماؤں کو ضد چھوڑنے کے لئے مشورہ دینا اور اگر وہ سب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہیں تو پھر ان کے خلاف انتہائی قدم اٹھا دینا کہ ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

رولوکا صبح سویرے اٹھ گیا اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد حکیم وقار کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر گپ شپ کرتا رہا اور پھر پونے دس بجے وہ حکیم وقار کے پاس سے مصافحہ کرنے کے بعد اٹھ گیا اور بولا۔ ''حکیم صاحب میں اب مہیش کے گاؤں جانے کی تیاری کرنے جا رہا ہوں، آپ میرے حق میں دعا کریں کہ اس مسئلے میں میں کامیاب ہو جاؤں۔''

حکیم وقار بولے۔ ''میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں ہر نماز میں آپ کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتا ہوں، آپ جائیں، اللہ حافظ۔''

رولوکا اپنے کمرے میں آ گیا اور پھر اس نے مہیش کے گاؤں کا تصور کر کے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر پلک جھپکتے ہی وہ گاؤں کی حدود پر کھڑا تھا۔

وہ چلتا ہوا گاؤں میں داخل ہوا، اور مہیش کی حویلی کی طرف چلنے لگا، چند منٹ میں وہ حویلی کے پاس پہنچ گیا۔ حویلی کے پہریداروں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور خیر خیریت دریافت کرنے لگے۔ اسی اثناء میں مہیش حویلی کے اندر سے مین دروازے پر آیا تو رولوکا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور گلے سے لگ گیا۔

''حکیم صاحب آپ نے کل کہا ہوتا تو میں صبح ہی صبح جیپ روانہ کر دیتا، خیر آپ کس لاری سے آئے، آنے میں کوئی تکلیف تو نہ ہوئی۔''

رولوکا بولا۔ ''ایک لاری آ رہی تھی میں اس پر بیٹھ گیا اور پھر آرام سکون سے لاری نے مجھے بڑی سڑک پر اتار دیا، اور اب میں تمہارے سامنے ہوں۔''

''حکیم صاحب آپ کا بہت بہت دھنے واد، اس کا اجر تو آپ کو بھگوان ہی دیگا، آپ ہمارے لئے کشٹ اٹھا رہے ہیں، مرتے دم تک ہم آپ کا احسان نہیں بھولیں گے۔'' مہیش بولا۔

''مہیش میاں اس میں احسان والی کوئی بات نہیں۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے، اگر میری کوشش سے آپ لوگوں کی اذیت ناک تکلیف سے جان چھوٹ جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر انسانیت کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے، یہ تو اوپر والے نے بھی فرما رکھا ہے کہ کسی کی مصیبت کے وقت آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنی چاہئے۔ خیر اب تم لوگ چلنے کی تیاری کرو کیونکہ یہاں سے اب فوراً نکلنا ہے۔ اپنے پتا، سنیل اور پانچ بندوں کو ساتھ لے لو، کیونکہ تمہارے ملازموں کی اس جگہ ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' رولوکا نے مہیش

سے کہا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس جگہ تین گھوڑا گاڑیاں آ گئیں اور پھر آتما حویلی جانے والے افراد حویلی کے گیٹ پر جمع ہو گئے۔ تو رولوکا بولا۔ ''آپ لوگ بگھی میں بیٹھ جائیں۔''

ایک بگھی پر مہیش کے ملازم، دوسری پر سنیل اور اس کے پتا سوار ہو گئے جبکہ تیسری بگھی پر رولوکا اور مہیش سوار ہو گئے۔

رولوکا جس بگھی میں موجود تھا وہ بگھی سب سے آگے تھی، درمیان میں سنیل والی بگھی اور سب سے آخر میں ملازموں کی بگھی تھی۔ پندرہ منٹ میں ہی تینوں بگھی ایک ویران حویلی سے کچھ دور پہنچ کر رک گئیں۔

مہیش بولا۔ ''حکیم صاحب یہی آتما حویلی ہے۔''

سب سے پہلے رولوکا بگھی سے اترا، تو اس نے اپنی نظروں سے دیکھا کئی سونا دیدہ قوتیں حویلی کے اوپر فضا میں اور حویلی کے اردگرد موجود تھیں۔ وہ سب جنات تھے جو کہ وقت ضرورت رولوکا کی مدد کے لئے آن پہنچے تھے، انہیں دیکھ کر رولوکا نے اپنی مخفی طاقتوں کے ذریعہ ان کا شکریہ ادا کیا۔

رولوکا کے اپنے غائب کارندے بھی چوکس موجود تھے، جاگتا الو بھی مستعد نظر آ رہا تھا۔ رولوکا آگے کی طرف بڑھا، اس کے پیچھے مہیش سنیل، اس کے پتا اور ملازم تھے۔

حویلی سے چند قدم پہلے رولوکا رک گیا اور زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر کچھ منہ ہی منہ میں پڑھا اور مٹھی پر پھونک مار کر، مٹھی کھول دی اور پھر مٹھی کی مٹی حویلی کی طرف اچھال دی۔ مٹی نے ایک دودھیا لکیر میں بدل گئی اور پھر وہ لکیر حویلی کی طرف بڑھی۔ حویلی کے قریب جا کر وہ لکیر بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم گئی۔ یعنی رولوکا نے اس طرح حویلی کے گرد ایک مضبوط حصار کھینچ دیا تھا۔

رولوکا پھر زمین پر جھک کر چند چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا کر اپنے دایاں ہاتھ میں پکڑ لیا، پھر ان پتھروں پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے والوں کو پیچھے آنے کا کہا۔

رولوکا حویلی کے گیٹ کے قریب پہنچ کر رک گیا اور پھر اس نے سارے پتھر بائیں ہاتھ میں رکھ لئے، اس کے بعد چند پتھر سیدھے ہاتھ میں لے کر ان پتھروں کو حویلی کے دروازے پر بہت زور سے مارا۔ پتھروں کا دروازے پر لگنا تھا کہ حویلی کے اندر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا اور اچانک حویلی کا دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

جب وہ دروازہ کھل گیا تو رولوکا آگے بڑھا اور دروازے پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں پکڑے ہوئے باقی پتھروں کو بھی حویلی کے صحن میں بہت زور سے اس طرح پھینکا کہ کچھ پتھر اندرونی دیواروں سے ٹکرا گئے۔ تو اچانک حویلی کے پورے صحن میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا اور پھر چند منٹ میں سارا دھواں غائب ہو گیا۔

دھوئیں کے غائب ہونے کے بعد رولوکا، مہیش، سنیل اس کے پتا اور ملازموں سے بولا۔ ''آپ لوگ کسی قسم کا بھی خوف دل میں نہ لائیں، میرے پیچھے پیچھے اندر آ جائیں اور جب میں مخاطب کروں تو بولنا۔ اگر میں مخاطب نہ کروں نام لے کر تو آپ سب بالکل خاموش رہنا۔ اور پھر رولوکا نے کچھ پڑھ کر ان سب پر پھونک ماری۔ اس کے بعد کچھ اور بھی پڑھ کر اپنے دونوں کندھوں کے سائیڈ پھونک ماری اور ساتھ ہی ہاتھ پر بھی پھونک مار کر دونوں ہاتھوں کو اپنے سر پر پھیر لیا، اس کے بعد رولوکا نے حویلی کے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ اور آگے صحن میں بڑھنے لگا، اس کے پیچھے سارے افرد خاموشی سے چل رہے تھے۔

صحن میں پہنچ کر رولوکا رک گیا۔

حویلی کے اندر نیچے کچھ دروازے تھے، رولوکا آگے بڑھا اور خود اپنے ہاتھ سے ہر دروازے کو کھول دیا۔ برسوں سے سارے دروازے بند پڑے تھے اور ان کے قبضے زنگ آلود ہو چکے تھے مگر رولوکا کا ہاتھ لگتے ہی

بے چوں چرا سارے دروازے کھل گئے۔ دروازے کھولنے کے بعد رولوکا واپس تن میں اپنی جگہ پر آ گیا اور باآواز بلند آواز میں بولا۔

''شنکر داس! میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کل میں آتما حویلی میں ضرور آؤں گا، دیکھ میں وعدہ کے مطابق آ گیا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تو اور تیری ساتھی ساری آتمائیں کسی قسم کا کوئی چھل نہیں کریں گی۔''

سامنے دالان میں جب رولوکا نے دیکھا تو چونک گیا کیونکہ دالان میں ایک ڈھانچہ لٹکا ہوا جھول رہا تھا۔ اس کی گردن میں ایک مضبوط رسی بندھی تھی اور وہ اس رسی کے سہارے جھول رہا تھا۔ رسی اوپر ایک کنڈے میں بندھی پڑی تھی۔

رولوکا پھر بلند آواز میں بولا۔ ''شنکر داس مجھے جواب چاہئے کہ اب تو کیا چاہتا ہے؟ اپنی مرضی بتا، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور دیکھ میں سنیل کو بھی ساتھ لایا ہوں۔ مجھے فوری جواب دے۔''

حویلی کے ایک کونے والے کمرے میں بہت ہی اندھیرا تھا۔ اس کمرے میں سے شنکر داس کی آتما کی آواز گونجی۔ ''میں مانتا ہوں کہ تو مہان شکتی ہے، تو وعدے کا پکا ہے، تو نے وعدہ کیا کہ تو اس حویلی میں ضرور آئے گا اور تو آ گیا۔ یہ تیرا جگرا ہے کہ تو نے اس حویلی میں قدم رکھا اور وہ بھی ظالم راجندر کی نسل کے ساتھ۔ اگر تیری جگہ کوئی اور آج ہوتا تو حویلی کے دروازے پر ہی اس کا کلیجہ پھٹ جاتا اور ترنت جل کر راکھ ہو جاتا۔ مگر تیری شکتی مہان ہے اس لئے تو حویلی میں ان لوگوں کے ساتھ موجود ہے۔

یہ جو ڈھانچہ جھول رہا ہے یہ ڈھانچہ ٹھاکر راجندر کا ہے، اب تو خود ہی اس سے سوال جواب کر لے کہ اس ظالم اور پاپی نے ہم سب کے ساتھ ظلم کیوں کیا؟ یہ اپنے منہ سے بتائے گا اپنے کرتوتوں کے بارے میں، تو اس کی زبانی سن کر خود ہی فیصلہ کر کہ ہم سچے ہیں کہ غلط'' اور شنکر داس کی آواز آنا بند ہو گئی۔

رولوکا ڈھانچے کی طرف متوجہ ہوا، اور بولا۔ ''راجندر تو دیکھ تیرے سامنے تیرا اکلوتا بیٹا بلونت تیری وجہ سے کس قدر اذیت ناک زندگی سے دوچار ہے، اور یہ تیرے دو پوتے مہیش اور سنیل بھی تیرے سامنے ہیں، تو سنیل کو دیکھ کہ تیری زیادتیوں اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے یہ کس حالت کو پہنچ گیا ہے۔ تیرے خاندان کے افراد روزانہ پل پل مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ تیری موت کے بعد سے لے کر آج تک ان لوگوں نے سکھ شانتی کا منہ نہیں دیکھا، ان تمام عرصے میں انہوں نے یہ نہیں جانا کہ سکھ چین کیا ہوتا ہے؟ کئی افراد ان آتماؤں کے ہاتھوں گھٹ گھٹ کر مر چکے ہیں، اور ان کے بقول اب سنیل کی باری ہے مرنے کی۔

تو نے اپنے نفس کی خاطر جو ظلم کے پہاڑ لوگوں پر توڑے، اس کارن اس کے بدلے میں تیرے خاندان والے اذیت بھگت رہے ہیں، تو تو مر کر اذیت بھگت رہا ہے اور یہ لوگ زندہ رہتے ہوئے بھگت رہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دے کہ خفیہ طور پر کہاں کہاں دھن دولت کو چھپا رکھا ہے؟''

''شکتی وان مہارش! میں تجھے نمسکار کرتا ہوں، میں مانتا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ظلم کے پہاڑ توڑے، میں اپنے نفس کا غلام بن کر رہ گیا تھا۔ میرے خاندان والے، میرا اکلوتا بیٹا، میرے پوتے اور دیگر لوگ میری غلط کرنی کا بھوگ بھگت رہے ہیں، میں اس کے لئے سب سے معافی مانگتا ہوں۔ میں بہت شرمندہ ہوں، میں بھی موت سے پہلے اور موت کے بعد سے ابھی تک اذیت ناک تکلیف سے دوچار ہوں، ان آتماؤں کے ہاتھوں، میں نے شنکر داس اور اس کی پتری کے ساتھ بھی بہت انیائے کیا۔

مہارش! میری آپ سے بنتی ہے کہ آپ مجھ سمیت سب کا خاتمہ کر دیں۔ سامنے والے بڑے کمرے میں کونے میں ایک لکڑی کا بڑا سا لٹو لگا ہوا ہے، اسے زور سے گھمانے سے اس کے برابر میں ایک دروازہ نمودار ہوگا، اس دروازے کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اس

کمرے میں چار صندوق پڑے ہیں، ان صندوقوں میں دھن دولت رکھا ہوا ملے گا، ان صندوقوں کو یہ میرے پریوار والے لے جائیں تاکہ آئندہ کی ان کی زندگی سکھ شانتی سے بسر ہو، میں اپنے بیٹے بلونت اور پوتے مہیش و سنیل اور تمام پریوار والوں سے معافی مانگتا ہوں۔'' اور راجندر کے ڈھانچے کے اندر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

''شنکر داس! تو نے بھی راجندر کی باتیں سن لیں، جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب تو بتا کہ تیری مرضی کیا ہے۔ کیا تو اس خاندان کو تکلیف پہنچانے سے رک سکتا ہے کہ نہیں اور پھر تیری ساتھی تمام آتمائیں بھی ان لوگوں کو کوئی اذیت نہیں دیں گی، میں نے تم لوگوں پر ظلم کیا وہ خود بھی تم لوگوں کے ظلم کا شکار ہوا، اور اب تک اذیت بھگت رہا ہے شنکر داس میری بات مان لے اور اس خاندان کا تم سب پیچھا چھوڑ دو، اس میں تم سب کی بھلائی ہے، نہیں تو پھر......'' اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

شنکر داس اور اس کی ساتھی آتماؤں نے کسی صورت بھی یہ مان کر نہیں دیا کہ وہ سب راجندر پریوار کا پیچھا چھوڑ دیں گی۔ سب میں پیش پیش شنکر داس کی آتما تھی۔

سب نے مل کر ناقابل برداشت حد تک اودھم مچایا، سارے ہتھکنڈے استعمال کر لئے کہ حویلی میں رولوکا سمیت جتنے بھی افراد موجود تھے ان کا خاتمہ کر دیں مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی ان سب نے کسی کا بال تک بیکا نہ کر سکیں۔ لیکن سب کی سب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑی رہیں، ان کا ایک ہی کہنا تھا کہ ''ہم اس خاندان کو پل پل سسکا کر ماریں گے۔''

رولوکا نے ان سب کو ہر طرح سے سمجھایا، بہت منت سماجت کی کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں مگر وہ سب اپنی ضد پر قائم رہیں۔

راجندر کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کمرے سے چاروں صندوق نکال لئے گئے تھے، ان صندوقوں میں چاندی سونے کی اینٹیں، زیورات اور بے شمار جواہرات موجود تھے۔ چاروں صندوق حویلی میں لائے گئے۔

رولوکا آخرکار جب تھک گیا، شنکر داس کی آتما اور دیگر تمام آتماؤں کی منت کر کے تو پھر بولا۔ ''شنکر داس اب میں چلتا ہوں، آگے تم سب کی مرضی۔'' رولوکا نے اپنے ساتھ آئے سنیل، اس کے پتا اور مہیش کو اشارہ کیا کہ حویلی سے باہر نکلو۔ پانچوں ملازم پہلے ہی صندوق لے کر باہر جا چکے تھے۔

سب سے پیچھے رولوکا آتما حویلی سے باہر نکلا تو خود بخود حویلی کا دروازہ بند ہوگیا۔ اور پھر کان پھاڑ دینے والے زوردار دھماکے حویلی میں سنائی دینے لگے، ایسا لگتا تھا کہ جیسے حویلی کے اندر طاقتور بم پھٹ رہے ہوں۔

اچانک پوری آتما حویلی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، پوری حویلی میں کربناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اور پھر پوری حویلی شعلوں کی لپیٹ میں زمین بوس ہوگئی۔ پھر بھی شعلے بھڑکتے رہے۔ آدھا گھنٹہ تک شعلے بھڑکنے کے بعد ٹھنڈے پڑ گئے۔

آتما حویلی میں موجود تمام آتمائیں جل کر خاکستر ہوگئی تھیں، ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا تھا۔ ان آتماؤں سمیت راجندر کی آتما کا بھی وجود ختم ہوگیا تھا۔

سارے افراد بگھی پر سوار ہو کر مہیش کے گاؤں آ گئے۔ اب سنیل کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کبھی اس کی طبیعت خراب تھی ہی نہیں۔ مہیش کے پتا رولوکا کے پاؤں پر جھک گئے مگر رولوکا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور بولا۔ ''بلونت جی اب آپ کا خاندان بالکل محفوظ ہوگیا ہے، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اب آپ لوگ خوش و خرم زندگی گزاریں، کمزوروں اور دکھی لوگوں کے ساتھ ہمدردی کریں، لوگوں کے کام آنا بھی انسانیت ہے۔ تمام روحوں کا خاتمہ ہوگیا ہے۔''

رولوکا نے سب سے مصافحہ کیا اور دلی حکیم وقار کے مطب میں آ گیا۔

☆☆☆

حکیم وقار کے مطب میں جمعہ کے دن آؤٹ ڈور یعنی باہر سے آنے والے مریضوں کے لئے چھٹی ہوتی تھی۔ چونکہ مطب میں دور دراز سے آنے والے مریض دو تین دن کے لئے اگر ان کی بیماری زیادہ پیچیدہ ہوتی تو انہیں ٹھہرا لیا جاتا تھا۔ آج جمعہ کا دن تھا اور وقت ساڑھے دس بجے کا تھا رولوکا اور حکیم وقار بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

رولوکا۔ حکیم وقار سے بولا۔ ''حکیم صاحب اکثر آپ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات ہیں اور یہ کتنی ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

میں آپ کی باتوں پر اکثر غور کرتا ہوں کہ دنیا بنانے والے نے انسان کو تمام مخلوقات پر برتر بنایا ہے یعنی انسان کا درجہ بہت زیادہ اونچا ہے۔ لیکن اکثر نظر آتا ہے کہ انسان مفاد پرستی میں اس قدر پستی میں گر جاتا ہے جس کی مثال نہیں ملتی، کیا انسان کو زیب دیتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے فائدے کے لئے ناتلافی نقصان پہنچائے؟''

حکیم وقار بولے۔ ''آپ کی باتیں بالکل سو فیصد درست ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر اشرف بنایا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بعد انسان کو ہی افضل قرار دیا ہے، انسان کو جو مقام دیا ہے اس کی برتری کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا بنائی ہے اس وقت سے اپنے نبی اور پیغمبروں کے ذریعہ یہی پیغام دیا کہ ''انسان اپنے رب کی عبادت کرو، احکام خداوندی پر چلو، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، کسی کا دل نہ توڑو، کسی کمزور پر اپنی طاقت و بہادری کا دھونس نہ جماؤ، کیونکہ دنیا کے تمام انسان برابر ہیں، لیکن کسی کی بڑائی اس کے عمل میں ہے۔ کیونکہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی، یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے اور نہ ناری ہے۔''

آپ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی بھی چیزیں پیدا کی ہیں سب کی سب انسان کے لئے ہیں، تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ انسان کے تصرف میں دے دیا ہے۔ زمین میں طرح طرح کے خزانے اور ضروریات زندگی کے لئے دیگر چیزیں چھپادی ہیں اور فرمایا ہے کہ انسان اپنی عقل کے مطابق اور ضرورت کے مطابق ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے۔

انسان ناحق کسی کا خون نہ بہائے، زبردستی کسی کے مال پر قبضہ نہ جمائے، اپنے شرعی حدود میں رہے، ہر انسان کو دنیا میں خوشی سے وقت گزارنے کا حق ہے۔

کوئی انسان اپنے عمل یا اپنی سوچ سے کسی کو تکلیف پہنچا کر خود خوش و خرم نہیں رہ سکتا ہے۔ انسان کی اپنی خوشی، بھلائی اسی صورت میں ہے کہ وہ اپنی ذات سے دوسروں کو خوشی پہنچائے۔

اب اس کو لے لیجئے کہ ایک ملک نے اپنے دشمن ملک پر ایٹم بم گرایا جس سے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن گئے، مرنے والے سارے انسان خراب عمل کے نہیں تھے، سب کے سب معصوم اور بے گناہ تھے، ایک ملک میں صرف چند لوگ خراب ہوتے ہیں جو کہ دوسرے ممالک کو اپنا دشمن گردانتے ہیں کسی بھی ملک کے سارے عوام غلط سوچ کے حامل نہیں ہوتے۔ اور پھر جو ملک ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا ہے اس ملک کے بھی سارے لوگ اس کے حق میں نہیں ہوتے کہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

مہلک ہتھیاروں کا یہ ابتدائی دور ہے اور ہمارے خیال میں ایسا بھی دور آئے گا کہ مہلک ہتھیاروں کے دوڑ میں ایک ملک دوسرے ملک سے آگے نکلنے کے لئے عجیب عجیب مہلک ہتھیار بنائے گا۔ تاکہ وہ ہتھیار اور بم وغیرہ کمزور ممالک پر گرائے جائیں اور اس طرح جہاں

کہ ایسے بم یا ہتھیار استعمال ہوں گے وہاں کے بے گناہ اور معصوم لوگ اذیت ناک موت سے ہمکنار ہوں گے۔ تو کیا ایسا کرنے والے لوگ جو کہ اپنی طاقت و بہادری سے دوسروں کو موت کے منہ میں دھکیل دیتے ہیں، وہ قدرت کی کرم نوازی کے حقدار ہوں گے۔ کیا دوسروں کو موت سے ہمکنار کرنے والے دنیا میں یا پھر دنیا سے جانے کے بعد خوش رہ سکتے ہیں؟

جبکہ دنیا تو چند روز ہے اور مرنے کے بعد جہاں ہمیشہ رہنا ہے تو کیا وہاں دوسروں پر ظلم کرنے والا آرام و سکون سے رہ سکے گا۔ جب ایک ملک کوئی بھی مہلک بم یا ہتھیار بناتا ہے تو یہ سوچ کر اور حتمی فیصلہ کر کے بناتا ہے کہ یہ ہتھیار اور یہ بم دشمن ممالک پر استعمال ہوں گے اور جب یہ استعمال ہوں گے تو ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان موت سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

تو کیا ایسا سوچ کر عملی قدم اٹھانے والے دین و دنیا میں فلاح پا سکتے ہیں؟ کیا ایسے لوگوں کو مرنے کے بعد یا پھر زندہ رہتے ہوئے دوسرے لوگ اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، برا کرنے والوں کو لوگ برے نام سے یاد کرتے ہیں اور جو لوگ دنیا میں اچھائی کا پرچار کرتے ہیں اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اپنے عمل سے دوسروں کو خوش کرتے ہیں، ان لوگوں کو لوگ اچھے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اچھے لوگوں کو دنیا سے گزرے ہوئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بیت چکے ہیں مگر آج بھی لوگ ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں۔ ان کے نام پر دھن و دولت لٹاتے ہیں، ان کی یاد میں روتے ہیں خوش ہوتے ہیں، اپنے اپنے مذہب کے طور طریقے سے ان کے حق میں دعائیں کرتے ہیں اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔

لہٰذا برا سوچنے اور برا کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کیوں اپنی چند روپوں کے لئے دین و دنیا دونوں کو خراب کریں، انسان اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاتا۔ صرف اچھے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں یا پھر وہ دعائیں جو کہ اس کے مرنے کے بعد چند لوگ ایک جگہ بیٹھ کر اپنے اپنے مذہب کے طریقے سے کرتے ہیں۔"

خلیم وقار یہاں تک بول کر خاموش ہو گئے۔

ردلوکا بولا۔ "آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسان اگر اپنے حدود میں رہے اور قناعت پر قائم رہے تو خوش و خرم زندگی گزار سکتا ہے۔ اپنے حدود سے تجاوز کرنا ہی انسان کے لئے پریشانی کا باعث ہے، انسان اپنے مالک کے بنائے ہوئے قانون پر کاربند نہیں رہتا اور پھر اسی لئے انسان آئے دن کسی نہ کسی پریشانی سے دوچار رہتا ہے۔ دنیا بنانے والے نے انسان کو تمام مخلوقات میں برتر بنایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسان سے بے پناہ انسیت رکھتا ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو انسان کو برتر نہیں بناتا۔

دنیا میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کے لئے دنیا بنانے والے نے ایک مستحکم حدود متعین کر دیا ہے اور انسان کے علاوہ تمام جاندار اپنے مالک کے بنائے گئے قانون کے حدود میں ہیں مگر صرف انسان ہی ایسا ہے کہ اپنے مالک و خالق کے بنائے ہوئے قانونی حدود سے باہر نکلتا ہے اور پھر اذیت ناک دکھ میں گھر جاتا ہے۔ مالک نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے اور پھر یہی وجہ ہے کہ دنیا ختم ہونے کے بعد جب انصاف کا دن آئے گا تو انسان سے ہی حساب کتاب لیا جائے گا کہ اے انسان تو نے دنیا میں اپنے عمل سے کیا کیا کام کیا، تیرے لئے میں نے جو حدود شرعی متعین کیا تھا اس حدود سے تو نے تجاوز کیا اور میرے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے پیدا کردہ مخلوق کو نقصان پہنچایا بلکہ یہاں تک کیا کہ میری دی ہوئی طاقت و عہدہ سے تو نے بے شمار لوگوں کو اذیت سے ہمکنار کر دیا۔

اے انسان میں نے تجھے بڑائی دی، عزت دی، دولت دی، شہرت دی مگر تو نے میرا حکم نہیں مانا بلکہ۔۔۔"

اور بات ادھوری رہ گئی۔

یہ سن کر وہ حکیم وقار کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''حکیم صاحب ایک صاحب آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر حکیم وقار بولے۔ ''تم نے انہیں بتایا نہیں کے آج مطب کی چھٹی ہے۔''

ملازم بولا۔ ''حکیم صاحب میں نے انہیں بتایا کہ آج مطب کی چھٹی ہے کیونکہ آج جمعہ ہے اور جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے۔ مگر وہ بہت عاجزی وانکساری سے بلکہ گڑگڑاتے ہوئے بولا کہ۔ ''مجھے پتا تو نہیں کہ جمعہ کے دن مطب کی چھٹی ہوتی ہے، میں کافی دور سے آیا ہوں اور بڑی امید وآس سے آیا ہوں، اب اتنی دور جانا اور پھر دوبارہ آنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ آپ حکیم صاحب تک میرا پیغام پہنچادیں کہ ان کی بہت مہربانی ہوگی اور مجھ پر احسان بھی ہوگا، میں بہت پریشان ہوں، مجھ پر نظر کرم کریں اور میری بات سن لیں۔''

یہ سن کر رولوکا بولا۔ ''حکیم صاحب آپ ان سے مل لیں، لگتا ہے بے چارے بہت زیادہ پریشان ہیں اور ویسے بھی انہیں معلوم نہیں کہ جمعہ کے روز مطب بند رہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ بھی بول رہے ہیں تو انہیں بلا لیتے ہیں، پتہ نہیں کیا پریشانی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ایک آدمی دکھ مصیبت اور پریشانی سے دوچار ہوجاتا ہے تو وہ بہت بے چین رہتا ہے، چلئے اگر ہماری تھوڑی سی نگہداشت مدد یا تعاون سے کسی کی پریشانی دور ہوجاتی ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔'' حکیم وقار بولے ملازم سے۔ ''اچھا میاں انہیں بلا کرلے آؤ۔''

یہ سنتے ہی ملازم چلا گیا اور پھر چند منٹ میں واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک باریش بزرگ تھے۔

بزرگ نے آتے ہی سلام کیا اور اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے رولوکا اور حکیم وقار کی طرف بڑھادیا۔ مصافحہ کے بعد حکیم وقار کی اجازت سے وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو حکیم وقار بولے۔ ''اب آپ حکم کریں کیسے تشریف لائے اور کیا مسئلہ ہے؟''

بزرگ نے جواب دیا۔ ''حکیم صاحب میرا نام شرافت علی ہے اور میں اپنے بیٹے سلامت کو لایا ہوں، میرا یہ اکلوتا بیٹا ہے، جوان ہے صحت مند ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پورے گاؤں میں اس کی قد کاٹھ اور اٹھان میں کوئی اور نوجوان نہیں۔

میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ آج میں چھٹی والے دن آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ مجھے دراصل معلوم نہیں تھا کہ جمعہ کے دن مطب کی چھٹی ہوتی ہے۔ اور یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ میری بات سن رہے ہیں، میں تو کسی لائق نہیں مگر اس کا اجر آپ کو اللہ ضرور دے گا، کسی مجبور پریشان اور مصیبت زدہ کی بات سننا اور اس کے ساتھ تعاون کرنا بھی میری نظر میں بڑا کار ثواب ہے۔''

آپ بے فکر ہوکر اپنا مدعا بیان کریں، میری کوشش ہوگی کہ میں آپ کی تکلیف دور کروں۔'' حکیم وقار خوشدلی سے بولے۔

حکیم وقار کی بات سن کر بزرگ نے کہا۔'' جناب میں کہہ رہا تھا کہ ایک باپ ہونے کہ ناطے میں محسوس کررہا ہوں کہ، سلامت دن بدن اپنی صحت سے محروم ہورہا ہے۔ اب تو اس کا رنگ بھی زردی مائل ہورہا ہے، اس کی صحت ایسی تھی کہ اگر زمین پر پاؤں مارے تو زمین سے پانی نکل آئے، میری کچھ زمینیں ہیں کھیتی باڑی ہمارا آبائی پیشہ ہے۔ کھیت کھلیان کی ساری ذمہ داری اس نے سنبھال رکھی ہے، فصلیں کٹنے کے بعد آئے دن یہ کھلیان میں غلے کی حفاظت کے لئے پڑا رہتا تھا۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ اب تو ہر وقت جیسے خلاؤں میں گھورتا رہتا ہے، اپنے دوست یاروں سے بھی زیادہ تر کٹا کٹا رہتا ہے۔ تنہائی پسند ہوگیا ہے۔ میں بے شمار حکیموں کے پاس لے کر جاچکا ہوں مگر اس کی صحت سنبھلنے کے بجائے دن بدن مزید گرتی جارہی ہے۔ صحت

منڈی کے پیش نظر میں نے اسے رات کے وقت کھلیاں میں رکنے سے بھی منع کر دیا۔ اس کے دوست یار بھی بہت پریشان ہیں کہ اچانک سلامت آدم بے زار کیوں ہو گیا ہے؟ ہر روز میرے کہنے پر گرم پانی سے غسل کرتا ہے، رات کا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سو جاتا ہے مگر جب صبح کے وقت یہ اپنے کمرے سے نکلتا ہے تو اس کی حالت بہت غیر ہوتی ہے، تھکا تھکا نڈھال قدموں سے چلتا ہوا نظر آتا ہے، اس کے جسم سے صبح کے وقت عجیب قسم کی بساند کی بو بھی آتی ہے۔

اسے دیکھ دیکھ کر سارا گھر پریشان ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں ہیں، والدہ کا سکون ختم ہو گیا ہے، اور پھر میری تو کمر ٹوٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے، جوان اولاد کی تکلیف والدین کے لئے ویسے بھی جان لیوا ہوتی ہے۔

میں بہت امید و آس لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ کے پاس سے لا علاج مریض بھی صحت یاب ہو کر جا چکے ہیں اور پھر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کے پاس روحانی علاج بھی ہوتا ہے، آپ کو اللہ کا واسطہ برائے مہربانی میرے بڑھاپے پر رحم کھاتے ہوئے میرے بچے کو بچالیں۔ میں تازندگی آپ کے لئے دعا گو رہوں گا۔'' یہ بول کر بزرگ حسرت بھری نظروں سے حکیم وقار اور رولوکا کی طرف دیکھنے لگے۔

'' جناب آپ مطمئن رہیں، فکر نہ کریں، آپ کے بچے کو میں دیکھتا ہوں، مریض کو بغیر دیکھے کسی بھی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں، مجھے امید ہے کہ آپ کا بچہ انشاء اللہ صحت یاب ہو گا، میں آپ کے بچے کو یہیں بلاتا ہوں اور اس کی نبض چیک کرتا ہوں۔'' حکیم وقار بولے۔

حکیم وقار نے ملازم کو آواز دی تو ملازم فوراً حاضر ہو گیا اور بولا۔'' جی فرمایئے۔'' تو حکیم وقار بولے۔'' باہر جو نوجوان بیٹھا ہوا ہے اسے بلالاؤ۔'' ملازم واپسی کے لئے فوراً پلٹ گیا اور چند منٹ میں جب حاضر ہوا تو اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔

نوجوان نے آتے ہی رولوکا اور حکیم وقار کو سلام کیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر دونوں سے مصافحہ کیا۔ حکیم وقار بولے۔'' اس کرسی پر تشریف رکھیں۔'' کرسی حکیم وقار کے بہت قریب پڑی تھی۔ نوجوان جب کرسی پر بیٹھ گیا تو حکیم وقار بولے۔'' آپ اپنا دایاں ہاتھ میز پر رکھیں۔'' نوجوان نے اپنا دایاں ہاتھ میز پر رکھ دیا تو حکیم وقار نے نوجوان کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ دیں۔ نوجوان کی کلائی پر نبض کی جگہ انگلیاں رکھ کر حکیم وقار نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر یکسوئی سے نوجوان کی نبض کی رفتار چیک کرنے لگے۔ اس دوران رولوکا کی بھرپور نظریں نوجوان پر مرکوز تھیں۔ چند منٹ تک حکیم وقار نوجوان کی نبض چیک کرتے رہے پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر اوپر اٹھایا اور پھر انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

حکیم وقار بولے۔'' جسمانی کمزوری بہت بڑھ گئی ہے اور جسم میں خون کا دوران بھی بہت سست ہے، اور میرے اندازے کے مطابق جسم کی چربی بھی تیزی سے کم ہو رہی ہے، اور اس کے لئے علاج جم کرانا ہو گا اور پھر ساتھ ہی ساتھ علاج کے دوران پرہیز بھی لازمی کرنا ہو گا۔ میں تین دن کی دوا دے دیتا ہوں پابندی سے کھائیں اور وقت مقررہ پر ضرور تشریف لائیں۔'' پھر حکیم وقار بولے۔

'' یہ حکیم کامل ہیں، روحانی علاج بھی کرتے ہیں، آپ گھبرائیں نہیں، یہ بھی اپنے تئیں دیکھ لیں گے کہ کوئی ایسا ویسا مسئلہ تو نہیں تاکہ آپ کا شک اس معاملے میں دور ہو جائے۔''

یہ سن کر رولوکا بولا۔'' حکیم صاحب بچے کو آپ پرسوں بلالیں، تاکہ میں اپنے تجربے کے بنا پر بچے کو دیکھ لوں، میرا دماغ اب کچھ اور بھی سوچ رہا ہے، بہر حال بزرگوار! آپ فکر نہ کریں آپ کا بچہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔'' یہ بول کر رولوکا خاموش ہو گیا۔

حکیم وقار نے دوا دی تو شرافت علی نے ممنون نگاہوں سے حکیم وقار اور رولوکا کی طرف دیکھا اور

ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ ان کے پاس اپنی گھوڑا گاڑی تھی۔

دونوں باپ بیٹوں کے جانے کے بعد ردولو کا حکیم وقار سے بولا۔ ''حکیم صاحب! میں نے اپنے تئیں کچھ سوچا ہے کہ اس نوجوان کے ساتھ کچھ اور چکر بھی لگتا ہے، خیر آج رات، میں معلوم کروں گا۔''

☆......☆......☆

چاول کی فصل کٹ چکی تھی۔ کھلیان میں دھان کے پودے کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ ایک بہت بڑا میدان جس میں گاؤں بھر کے لوگ اپنے اپنے کٹے ہوئے فصل کی ڈھیر لگا چکے تھے۔ کھلیان میں رات کے وقت ہر آدمی اپنے اپنے غلہ کی نگہبانی کے لئے رکتا تھا۔ کہ کہیں ہمارا غلہ کوئی اور نہ اٹھالے۔

سلامت بھی اسی غرض کے تحت رات دن اپنے غلہ کی نگرانی کے لئے کھلیان میں موجود ہوتا تھا۔ گاؤں میں فصل کٹنے کے بعد کھلیان میں کسان اپنی فصل کی ڈھیر لگا دیتے ہیں، اس طرح ایک ہفتہ تک وہ کٹی ہوئی فصل دھوپ میں پڑی رہتی ہے اور پھر جب وہ سوکھ کر تیار ہو جاتی ہے تو کسان اپنے طریقے پر پودے سے دانہ الگ کر لیتے ہیں۔

رات کا ایک دن نہ جانے کونسا پہر تھا کہ ایک نرم و نازک ہاتھ سوتے میں سلامت کو اپنے چہرے پر محسوس ہوا۔ ''کون!'' اس آواز کے نکلتے ہی وہ نرم و نازک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا اور پھر فوراً ہی ایک نسوانی آواز اس کے کان کے قریب ''سرگوشی'' میں گونجی۔ ''خاموش رہو کوئی آواز سن لے گا۔''

نسوانی آواز سن کر سلامت اچنبھے میں پڑ گیا کہ اس وقت رات کے سمے یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے جو کہ اس کے قریب ہے۔

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو مسلط تھا، ایسا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ان دنوں ویسے بھی اندھیرا کچھ زیادہ ہی تھا کیونکہ اماوس کی تاریخیں چل رہی تھیں جس کی وجہ سے چاند آسمان سے غائب تھا، اور جب اماوس کی راتیں شروع ہوتی ہیں تو چاند کا وجود آسمان پر نظر نہیں آتا، چاند کی بالکل آخری تاریخیں ستائیس اٹھائیس اور انتیسویں کی ہوتی ہیں۔ جب آسمان پر چاند تارے ہوتے ہیں تو ہلکی یا تیز روشنی یعنی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی نظر آتی ہے،

وہ نسوانی آواز اتنا بولنے کے بعد کہ ''آواز کوئی سن لے گا'' پھر اس کے بعد وہ نسوانی وجود سلامت کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد سلامت نے محسوس کیا کہ یہ کوئی نوجوان لڑکی ہے جو اس کے پاس آئی ہے۔

پھر اس لڑکی نے اپنا سر سلامت کی چھاتی پر رکھ دیا اور پھر کھسک کر وہ سلامت کے اور قریب ہوگئی اس نے اپنا چہرہ سلامت کے چہرے کے مزید قریب کر لیا، ابھی تک سلامت کچھ زیادہ ہی ہلکان و اچنبھے میں تھا کہ رات کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نہ جانے یہ کون آگئی ہے؟

اس لڑکی کی سرگوشی سنائی دی۔ ''تم گھبراؤ نہیں، میرا نام مدھو ہے، میں تمہاری چاہت میں بے قرار ہو کر آج آ ہی گئی۔ تم بڑے کٹھور ہو، میں اکثر تمہیں آتے جاتے دیکھتی تھی مگر تم نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھنے تک کا گوارہ نہیں کیا۔

تم گھبرا کیوں رہے ہو، ارے مجھے دیکھو کہ میں لڑکی ہو کر رات کے اس اندھیرے میں تمہاری محبت میں بے چین ہو کر تمہارے پاس اور وہ بھی کھلیان میں آگئی۔ تم بالکل بھی گھبراؤ نہیں، کسی نے مجھے تمہارے پاس آتے ہوئے دیکھا نہیں اور نہ ہی مجھے تمہارے پاس آتے ہوئے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ ارے کیا تم اس طرح لیٹے ہی رہو گے چلو اٹھ کر بیٹھو تو۔''

''تمہارا گھر کس طرف ہے، اور تم کس کی بیٹی ہو، اگر کسی نے دیکھ لیا تو نہ جانے کیا طوفان آ جائے۔ ایسا کرو تم جلدی سے چلی جاؤ، کھلیان میں اور بھی لوگ موجود ہیں کوئی اس طرف آ گیا تو؟'' اور سلامت کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ لڑکی نے اپنی انگلی اس کے منہ پر

رکھ دی تھی۔

''تم فکر کیوں کر رہے ہو؟ میں نے بول دیا ناں کہ اس طرف کوئی بھی نہیں آسکتا اور نہ ہی میری بات یا پھر تمہاری بات کوئی سن سکتا ہے، ہم دونوں کیا چیخ رہے ہیں کہ کوئی ہماری بات سن لے گا۔ رات کا آخری پہر ہے ہر کوئی گہری نیند میں پڑا ہے۔ چلو اٹھ کر بیٹھو۔'' لڑکی بولی۔

سلامت اٹھ کر بیٹھ گیا تو وہ لڑکی مزید آگے کی طرف کھسک کر سلامت کے اور بہت قریب ہوگئی اور پھر وہ سلامت کی آغوش میں جیسے سماگئی۔ اب تو لڑکی کی سانسیں سلامت کے چہرے سے ٹکرانے لگیں۔ گرم گرم سانسیں اب سلامت کے چہرے پر [illegible] رہی تھیں۔ سلامت نوجوان صحت مند یعنی [illegible] اس قدر قریب کسی لڑکی کو موجود پا کر اس کی اندرونی کیفیت بہت غیر ہونے لگی۔ اس کا پورا جسم بلکی سردی کے باوجود گرم محسوس ہونے لگا۔

لڑکی نے اپنی بانہیں سلامت کے گلے میں حمائل کر دیں اور پھر سلامت کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اور پھر اپنے تپتے ہوئے ہونٹ سلامت کے ہونٹوں پر رکھ دیئے تو سلامت کی حالت نا قابل برداشت ہونے لگی کہ اچانک لڑکی نے سلامت کو چھوڑ دیا۔ اور پھر سلامت کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''بھئی تم تو عجیب مرد ہو، جو ڈر رہے ہو، مرد تو بہادر ہوتے ہیں اور تم.....'' اور اس کی بات درمیان میں ہی رک گئی۔ کیونکہ سلامت بول پڑا۔

''بات دراصل مرد یا جوانی کی نہیں بلکہ بات عزت کی ہے، دیکھو عزت سے بڑھ کر انسان کی زندگی میں کچھ نہیں، اور پھر میرے ابا کی گاؤں میں کتنی عزت ہے، اگر کسی نے شکایت کر دی تو وہ مجھے زندہ درگور کر دیں گے، اب تم جلدی سے چلی جاؤ یہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔''

''یہ تم نے تم تم'' کیا لگا رکھی ہے، میرا نام مدھو ہے اور تم مجھے میرا نام مدھو لیا کرو۔ ٹھیک ہے تمہاری بات میں مان لیتی ہوں اور واپس جا رہی ہوں، بس میں تمہاری چاہت و محبت میں پاگل ہو گئی ہوں، جب مجھے چین نہیں آیا تو مجبور ہو کر تمہارے پاس آگئی۔

ایک بات میری کان کھول کر سن لو، اگر تم نے مجھے اپنے سے الگ کیا تو میں تمہارے لئے اپنی جان دے دوں گی، ارے تم میری محبت اور میرا حوصلہ دیکھو کہ میں رات کے اس پہر اس گھور اندھیرے میں بھاگتی ہوئی تمہارے پاس آگئی۔ یہ میں تمہیں پکا یقین کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ کوئی بھی مجھے تمہارے پاس آتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ خیر اب میں تمہاری بات مانتے ہوئے جا رہی ہوں۔ تم آرام سکون سے سو جاؤ۔'' اس لڑکی نے سلامت کے گال پر ایک چٹکی بھری اور پھر ہاتھ ملاتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہوگئی۔

سلامت اپنی جگہ بیٹھا ہوا گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ''یہ مدھو! میں نے آج سے پہلے تو یہ نام سنا نہیں اور نہ ہی کسی اور کے منہ سے ہی یہ نام سنا جبکہ اس گاؤں میں میں بھی پلا بڑھا ہوں۔'' پھر اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ ہوسکتا ہے یہ کسی کے گھر کافی دنوں سے مہمان آئی ہو؟'' وہ جتنا اس لڑکی کے متعلق سوچتا رہا اتنا ہی اس کا ذہن الجھتا رہا۔ اور جب اس کا ذہن یہ سوچتے سوچتے تھک گیا تو وہ اپنی جگہ پر لیٹ گیا، اور یہ سوچ کر اپنے ذہن کو جھٹکا کہ'' خیر جو بھی ہو، چلی تو گئی اور میں کل یہ اپنے دوستوں سے معلوم کروں گا کہ یہ مدھو کون ہے؟'' وہ کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ اپنے ذہن کو جتنا جھٹکتا اس سے کہیں زیادہ اس لڑکی کا خیال اس کے دماغ میں جڑ پکڑ لیتا۔ اور پھر اس ادھیڑ پن میں مسجد سے آتی ہوئی اذان کی آواز سنائی دی۔ تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اپنی جگہ پر وہ بیٹھا آنکھیں بند کئے اس لڑکی کے ہی بارے میں سوچتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور گھڑے میں پڑا ہوا پانی نکال کر اپنے منہ پر چھینٹے مارے اور مسجد کی طرف چل پڑا

۔ مسجد میں جا کر اس نے مسواک کیا، وضو بنایا اور پھر ایک کونے میں بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا۔ وقت مقررہ پر نماز کے لئے صف بندی شروع ہوگئی تو وہ اٹھا اور نماز کے لئے صف میں کھڑا ہو گیا۔ اور پھر فجر کی نماز اس نے ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر آ گیا۔ مسجد میں سلامت کے والد صاحب بھی موجود تھے۔ مسجد سے واپس آ کر گھر میں سلامت نے ناشتہ کیا۔ اتنی دیر میں اس کے والد صاحب بھی گھر میں آ گئے اور پھر انہوں نے سلامت سے کھیت کھلیان کی باتیں کیں۔ انہوں نے بتایا کہ ''فصل کٹے ابھی دو دن ہوئے ہیں ابھی ہمارے پاس تقریباً ایک ہفتہ ہے، اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ پرسوں دوسرے کھیت کی فصل کٹائی کر لی جائے، میں نے چند لوگوں کو بتا دیا ہے وہ پرسوں سیدھے کھیت میں پہنچ جائیں گے، بس تم اس کا خاص خیال رکھنا کہ ٹھیک طور پر سارا کام مکمل ہو جائے۔

اب تم ایسا کرو کہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں لیٹ جاؤ تاکہ نیند آ جائے کیونکہ اصل نیند اپنے بستر پر ہی آتی ہے، کھلیان میں اتنا آرام تو نہیں مل سکتا جتنا کہ اپنے گھر میں ملتا ہے، میں اب کھلیان جا رہا ہوں، تم گھر پر ہی رہو یا پھر اپنے دوستوں سے ملاقات کر لو تھوڑی دیر گھوم پھر آنے کے بعد اپنے بستر پر پڑ کر سو جاؤ تاکہ نیند پوری ہو اور جسم تھکاوٹ سے محفوظ رہے۔ بیٹا یہی زندگی کا مقصد ہے کہ اپنے کام کو وقت پر انجام دو، اخلاق اور شرافت کا دامن کبھی نہ چھوڑو، احکام خداوندی پر چلو گے تو دین و دنیا میں فلاح پاؤ گے، اچھا اب میں کھلیان میں جا رہا ہوں، میرا کھانا لے کر نہیں آنا، میں خود ہی تھوڑی دیر کے لئے آ جاؤں گا اور سلیم سے بولوں گا کہ تھوڑی دیر وہ دیکھ بھال کرتا رہے۔'' یہ بول کر سلامت کے والد خدا حافظ کہتے ہوئے کھلیان کے لئے گھر سے نکل پڑے۔

سلامت اپنے دوست یاروں سے ملنے کے لئے باہر چلا گیا۔ ایک گھنٹہ بعد وہ واپس آیا، نہایا دھویا اور پھر اپنے کمرے میں بستر پر جا کر لیٹ گیا، بستر پر لیٹتے ہی پھر اس کے دماغ میں رات کا مدعو والا واقعہ گھومنے لگا۔ مدعو کے جسم ہاتھ سے اور پھر اس کی من موہنی آواز سے تو اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بہت خوبصورت بھی ہے، وہ بستر پر لیٹے لیٹے اس کے متعلق سوچتا رہا اور کروٹ پر کروٹ بھی بدلتا رہا اور پھر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

دوپہر میں اس کے والد گھر آئے اور اس کا پوچھا تو چھوٹی بہن نے بتایا کہ ''بھائی سو رہے ہیں۔'' یہ سن کر اس کے والد مطمئن ہو گئے اور پھر ظہر کی نماز کے لئے مسجد چلے گئے۔ نماز کے بعد وہ گھر آئے کھانا کھایا اور پھر دوبارہ کھلیان چلے گئے۔

دن کے ڈھائی بجے سلامت کو اس کی والدہ نے نیند سے اٹھایا اور بولیں۔ ''بیٹا ڈھائی بج رہے ہیں اٹھو اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو۔'' ماں کی بات سن کر وہ اٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ کھانا کھاتے کھاتے اس نے پوچھا۔ ''بابا آئے تھے، کھانا کھایا؟'' تو والدہ نے بتایا کہ ''ہاں آئے تھے، نماز کے بعد کھانا کھا کر کھلیان چلے گئے ہیں۔''

گھنٹہ گھنٹہ کر کے دن گزر گیا، شام کی آمد ہوئی، اس نے والدہ سے کہا۔ ''امی روٹیاں اور سالن دے دیں، کھلیان ہی میں رات کا کھانا کھا لوں گا، مجھے جلدی جانا ہے کیونکہ بابا آج صبح سے کھلیان میں ہیں، میں جلدی جا کر انہیں بھیج دوں گا۔''

ویسے بھی گاؤں دیہات میں سرِ شام ہی ہر سو سناٹا چھا جاتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں یا پھر چند لوگ ایک جگہ مل بیٹھتے ہیں وہ بھی ڈیڑھ دو گھنٹہ کے لئے ایک دوسرے سے ہنس بول کر وقت پاس کر کے اٹھ جاتے ہیں اور پھر گھروں میں جا کر بستر کے ہو جاتے ہیں۔ دراصل گاؤں والے دن کا اجالا پھیلتے ہی کام کاج کے لئے گھروں سے نکل پڑتے ہیں۔ لیکن شہر میں زندگی اس سے مختلف زیادہ تر شہری لوگ دن

کے آٹھ نو بجے تک سوتے رہتے ہیں اور رات کے بارہ بجے تک گھومنا پھرنا، گپ شپ لگانا یا پھر ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت پاس کرتے ہیں۔

دن ڈھل گیا اور سلامت کھلیان پہنچ گیا، کھانا وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، گاؤں میں چونکہ تیل گھی اصلی ہوتا ہے جس کی وجہ سے سالن جمتا نہیں اور پھر آٹا بھی ایسا ہوتا ہے کہ روٹی سوکھ کر سخت نہیں ہوتی۔ کھلیان میں جا کر سلامت نے اپنے والد کو گھر کے لئے بھیج دیا۔ تھوڑی دیر تک کھلیان میں موجود چند دوست ایک جگہ بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہے کہ اچانک سلامت کو یاد آ گیا تو اس نے پوچھا۔ ''یار ہمارے گاؤں میں کوئی مدھو نام کی بھی لڑکی رہتی ہے؟''

''ارے بھئی یہ تجھے اچانک مدھو کا خیال کیسے آ گیا، کیا کوئی چکر وکر تو نہیں۔'' ایک دوست بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، بس میرے دماغ میں آج صبح ہی سے یہ نام جیسے گردش کر رہا ہے۔'' سلامت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک اور دوست بولا۔ ''بچو اگر کوئی معاملہ ہے تو بتا دے تا کہ ہم سب مل کر تیرے من کی شانتی کے لئے کوئی اپائے کریں۔''

ایک اور بول پڑا۔ ''واہ جی واہ! سلامت تیرے منہ سے ہم آج پہلی مرتبہ کسی لڑکی کا نام سن رہے ہیں، تو تو پورے گاؤں میں ایسا ہے کہ تو جانتا ہی نہیں کہ مرد کے علاوہ ایک دوسرا وجود بھی ہے جس کا نام ''عورت یا لڑکی ہے یا پھر ایسا تو نہیں کہ کسی لڑکی نے تیرے خواب میں آ کر اپنا مکھڑا دکھلا دیا ہے۔ اور وہ بھی کسی ہندو لڑکی نے کیونکہ مدھو نام تو غالباً ہندوؤں میں ہی ہوتا یا پھر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مدھو نام بنگال میں بھی رکھے جاتے ہیں مسلمان گھرانوں میں۔''

''تو کیا تو آج کل روٹی سالن کے بجائے بادام کھانے لگا ہے کہ تیرا دماغ زیادہ کام کر رہا ہے، تو نے مدھو نام پر فلسفہ جھاڑنا شروع کر دیا۔'' سلامت بولا۔

''بھئی بات تو ہے فکر اور سوچنے کی کیونکہ اتنی عمر ہونے کے بعد تیرے منہ سے پہلی مرتبہ کسی لڑکی کا نام سنا گیا ہے۔'' ایک اور دوست بولا۔

''چل خواہ مخواہ کی لنترانی تو کر رہا ہے، میرے دماغ میں ایسا کچھ بھی نہیں۔ اب اس مسئلے کو چھوڑ اور اپنا اپنا کھانا لے آؤ تا کہ آج ساتھ بیٹھ کر کھائیں ویسے بھی ابھی تک آگ اپنا جوبن دکھلا رہی ہے۔ جسے ہم نے جلائی تھی۔'' سلامت بولا۔

سب کے سب اپنا اپنا کھانا لے آئے اور جلتی آگ کے قریب بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے ایک دیگچی میں اصلی دودھ کی چائے بنائی اور مزے مزے سے چائے پینے لگے۔ اکثر کھلیان میں موجود جو کہ اپنے فصل اور غلے کی رکھوالی کیا کرتے تھے وہ سب مل کر ساتھ کھانا کھاتے اور پھر چائے بنا کر چائے پیتے تھے۔

چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد سب کے سب اٹھ گئے جلتی آگ بجھائی اور اپنی اپنی جگہ پر آ کر سونے کے لئے لیٹ گئے۔ بستر پر لیٹتے ہی اچانک سلامت کو مدھو والا واقعہ یاد آ گیا اور اس نے سوچا۔ ''عجیب نڈر بہادر اور ہمت والی لڑکی ہے جو کہ کھلیان میں اندھیری رات اور کسی کے دیکھ لئے جانے سے بے خوف ہو کر آ گئی، اپنے ارادے کی تو وہ واقعی بہت ہی پکی ہے اور پھر اس کا یہ کہنا کہ اگر تم نہ ملے تو میں تمہارے نام پر اپنی جان دے دوں گی۔''

وہ یہ سوچتے ہوئے کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا، مدھو کے خیالوں نے اسے نیند سے بہت دور کر دیا تھا۔ وہ اس اچنبھے میں زیادہ تھا کہ نہ آج سے پہلے اس نے اس لڑکی کو گاؤں میں دیکھا اور نہ ہی اس نے کبھی اس کا یہ نام سنا تھا۔ اس کے دماغ میں بار بار یہی آ رہا تھا کہ ''آخر یہ لڑکی ہے کون؟'' کافی دیر تک یہی سوچتے سوچتے وہ گہری نیند میں سو گیا۔

آج پھر رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا کہ اس کی

آنکھ اچانک کھل گئی کیونکہ کسی نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اس نے جب آنکھ کھولی تو سوائے اندھیرے کے اسے کچھ نظر نہیں آیا، تو اس نے خود اپنے ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرا تو اس کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ اس کے بعد کسی نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

''گھبراؤ نہیں میں ہوں مدھو۔'' یہ سننا تھا کہ وہ گھبرا کر اپنی جگہ اٹھ بیٹھا۔ پھر سرگوشی سنائی دی۔ ''کتنے مزے سے نیند کے مزے لے رہے تھے اور ایک میں، میرا من کتنا پاگل اور بے چین ہو رہا تھا تمہارے بغیر تم مرد ہوتے ہی ہو سخت دل کے۔''

سلامت فوراً بولا۔ ''مدھو تمہارے آنے سے میرا دل بہت دھڑک رہا ہے یہ سوچ کر کہ اگر کسی نے تمہیں آتے اور پھر میرے پاس دیکھ لیا تو میرا انجام اتنا بھیانک ہوگا کہ میں یہ سوچ کر دہل رہا ہوں۔ تم رات کے وقت اس طرح یہاں نہیں آیا کرو، جس گھر میں بھی تم رہتی ہو اور پھر اس قدر فاصلہ طے کر کے آنا، یہ ٹھیک نہیں ہے، ہوسکتا ہے کھلیان میں سوتا ہوا کوئی اٹھ جائے اور پھر اس کی نظر تم پر پڑ جائے تو تم خود ہی سوچو کہ اس وقت کیا ہوگا۔ میں تو یہی سب سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں، لگتا ہے تم تو پاگل ہوگئی ہو، تم انجام کے متعلق کچھ بھی نہیں سوچ رہی ہو۔''

''تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو، جب میں نے یہ کہہ دیا کہ مجھ پر کسی کی بھی نظر نہیں پڑ سکتی اور پھر نہ ہی کوئی میری یا تمہاری آواز سن سکتا ہے کیونکہ رات کے اس سمے ہر کوئی گہری نیند میں پڑا ہوتا ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی میری باتوں پر یقین کرو، اور یہ ڈرنا دہلنا چھوڑ دو ہمت والے بنو، حوصلہ رکھو میرے ہوتے ہوئے تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا، اگر کسی نے تمہیں میلی آنکھ سے بھی دیکھا تو میں اس کی آنکھ نکال دوں گی، اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا تو میں اس کا ناطہ اس دنیا سے توڑ دوں گی، اگر کسی نے تم پر ہاتھ اٹھایا تو میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبرت کا نشان بنا کر رکھ دوں گی، یہ میری گیدڑ بھبکی نہیں بلکہ میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں، کسی دن یہ تم دیکھ لینا کہ اگر کسی نے تمہارے خلاف غلط سوچا بھی تو اس کی خیر نہیں۔

میں نے تمہیں چاہا ہے، میں نے تم سے پیار کیا ہے، میرے من میں صرف اور صرف تمہاری صورت بس گئی ہے۔ میں نے اٹل فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اپنا تن من تم پر نچھاور کر دوں گی، یہ مدھو کا تم سے وعدہ ہے۔ تم نڈر ہو کر مجھ سے ملو، میری اور تمہاری ملاقات صرف رات میں ہی ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی رہے گی۔''

سلامت بولا۔ ''تم نے مجھے سوچ کے سمندر میں غرق کر دیا ہے، میں یہ سوچ سوچ کر بے چین ہوں کہ تم ہو کون؟ اور اس طرح بے باکی سے رات کے وقت آنا، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے، ایسا ممکن ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم دونوں کا ملنا کسی کو معلوم نہ ہو اور یہ کھلیان میں اپنا تھوڑے دنوں کی بات ہے جب کھلیان کا کام ختم ہو جائے گا تو پھر تم رات کے وقت مجھ سے کس طرح مل سکتی ہو، رات میں گھر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، گھر میں سارے افراد موجود ہوتے ہیں۔''

''ابھی جب تک تم کھلیان میں موجود ہو، اس وقت تک تو میں تم سے مل سکتی ہوں۔ کھلیان سے جب تمہارا کام ختم ہو جائے گا تو پھر اس کے متعلق سوچوں گی، یہ سوچنا تمہارا کام نہیں۔ تم میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ میرا دل تمہارے لئے کس قدر زور زور سے دھڑک رہا ہے۔'' اور پھر مدھو نے سلامت کا سیدھا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پر رکھ لیا۔

سلامت نے محسوس کیا کہ مدھو کا دل واقعی دھونکنی کی طرح ہو رہا تھا۔ آج مدھو بہت ہی چھوٹا گھاگرا اور پھر چولی بہت ہی چھوٹی پہن رکھی تھی۔ کیونکہ جب سلامت نے اپنے ہاتھ اس کے جسم پر پھیرے تو اسے اس کا اندازہ ہوا۔

''مدھو کسی دن مروا نہیں دینا، بس میری عزت

تمہارے ہاتھ میں ہے، مدھو نے سلامت کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لئے، اور پھر وہ بیسے سلامت کی آغوش میں سما گئی۔ سلامت صحت و تندرستی میں پورے گاؤں میں یکتا تھا، کوئی اور اس جیسا خوبرو، جیہہ، طاقتور، گٹھیلا جسم والا اور بانکا نہیں تھا۔ گاؤں میں موجود زیادہ تر لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ سلامت ہمارا داماد بن جائے۔

اندھیری رات، بے خوف وخطر کی تنہائی،" جوان جسم ایک جگہ ہوں تو کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت انسان کی ذہنی، جسمانی اور اندرونی کیفیت کیا ہو سکتی ہے۔

مدھو نے اور قریب ہو کر اپنے ہونٹ سلامت کے ہونٹ پر رکھ دیئے اور پھر سلامت اپنے جذبات سے بے قابو ہو کر مدھو کو بھینچ لیا اور پھر بپھرا ہوا طوفان نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سلامت تمہارا بہت بہت دھنے واد، تم نے میرے بیاکل من کو شانت کر دیا، اب میں چلتی ہوں، بھور ہونے والی ہے۔" اور مدھو جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو سلامت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔" کل ضرور آنا، میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

اذان فجر سنائی دی مگر سلامت اپنی جگہ گہری نیند ہی پڑا رہا، وہ جس طرح اذان فجر کے وقت اٹھ جاتا تھا اور پھر مسجد کی راہ لیتا۔ صبح ہوئی تو کھلیان میں موجود اس کے کئی دوستوں نے پوچھا" سلامت آج تو مسجد نہیں گیا " تو سلامت بولا۔" آج پتہ نہیں کیا ہوا، میری آنکھ نہیں کھلی، میں سوتا رہ گیا۔" سلامت جب گھر کے لئے کھلیان سے روانہ ہوا تو وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ نڈھال محسوس کر رہا تھا اور یہی نہیں بلکہ اس کے جسم اور کپڑوں سے عجیب قسم کی بو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے والد مسجد سے نماز پڑھ کر آ چکے تھے انہوں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔" بیٹا آج تم مسجد میں نظر نہیں آئے؟"

"جی بابا! پتہ نہیں آج میری آنکھ کیوں نہیں کھلی، میں خود بھی حیران ہوں۔"

یہ سن کر سلامت کی والدہ نے کہا۔" تم زیادہ تھک گئے ہو گے اور تھکن کی وجہ سے تمہاری آنکھ نہیں کھلی، خیر چھوڑو، آئندہ کوشش کرنا کہ اذان فجر پر تمہاری آنکھ کھل جائے۔ اچھا بیٹھو میں ناشتہ پکا کر دستر خوان پر لگاتی ہوں۔"

"نہیں امی ابھی دل نہیں کر رہا ناشتہ کے لئے، کل رات میں ہم نے ایک جگہ کھانا کھایا تھا اور اس طرح میں نے کھانا کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ میرے کپڑے آپ نکال دیں، میں کنوئیں پر جا کر پہلے نہاؤں گا، پھر ناشتہ کروں گا۔" یہ سن کر اس کی امی نے آواز دی۔" ارے نگہت ذرا سلامت کے کپڑے نکال دو، میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔" نگہت سلامت کی چھوٹی بہن تھی۔ نگہت جھٹ اٹھی اور دوسرے کمرے سے سلامت کے کپڑے لا کر سلامت کو دے دیئے۔ سلامت نے کپڑے پکڑے اور نہانے کے لئے باہر کنوئیں پر چلا گیا۔ گاؤں دیہات میں لوگ عموماً کنوئیں پر یا پھر تالاب میں غسل کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد سلامت نہا کر آ گیا اور اپنے اتارے ہوئے کپڑے نگہت کو آواز دے کر پکڑا دیا۔ کپڑے پکڑتے ہی نگہت بولی۔" بھیا آپ کے کپڑوں سے صندل کی خوشبو آ رہی ہے، آپ کے کپڑوں میں صندل کیسے لگ گیا؟"

"ارے بھئی ایک دوست عطر لایا تھا، اس نے کپڑوں پر عطر والا ہاتھ پھیر دیا تھا۔" یہ بول کر سلامت ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس کی والدہ نے اس کے سامنے اصلی گھی میں بنے ہوئے دو پراٹھے، سرسوں کا ساگ اور ایک گلاس لسی کا بھر کر اس میں مکھن ڈال دیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد اس نے کہا۔" امی میں کھلیان جا رہا ہوں۔" یہ سن کر اس کے والد بولے۔" بیٹا کھلیان میں جا رہا ہوں، تم گھر پر آرام کرو، دوپہر میں میرا کھانا نہیں لانا، میں خود آ کر کھا لوں گا اور نماز بھی تو پڑھنی ہے۔" یہ بول کر اس کے والد کھلیان چلے گئے۔ سلامت کی امی نے کہا۔" بیٹا اب تم آرام کرو، اور کوشش

کرنا کہ جلدی سے نیند آ جائے۔"

والدہ کی بات سن کر وہ بولا۔ "ٹھیک ہے امی، میں اپنے کمرے میں جا کر سو رہا ہوں۔" اور وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹ کر وہ رات والے واقعے میں کھو گیا، وہ مدھو کے متعلق سوچنے لگا۔ "عورت ذات ہو کر کس قدر نڈر اور بہادر ہے، میں تو مر کر دوبارہ پیدا بھی ہو جاؤں تو شاید اتنا ہمت والا نہیں بن سکوں، اندھیری رات، سنسان راستے اور گھر سے چل کر اتنی دور کھلیان میں آنا۔" یہ باتیں سوچتے ہوئے اس کا دماغ جھنجھنانے لگا تو اس نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور نیند کے سمندر میں ڈوب گیا۔

دوپہر میں اس کی بہن نے اسے اٹھایا کھانا کھانے کے لئے، وہ اٹھا کھانا کھایا اور پھر باہر اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ ایک گھنٹہ بعد واپس آیا اور پھر دوبارہ اپنے بستر پر پڑ کر سو گیا۔

دن ڈھلا شام ہوئی اور سلامت اپنا رات کا کھانا لے کر کھلیان میں پہنچ گیا اور کھلیان میں موجود اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں لگ گیا۔ سب نے اس جگہ پھر آگ جلا دی جہاں روزانہ آگ جلایا کرتے تھے۔ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد دودھ پتی کی چائے بنی اور سب چائے پینے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔

ان میں سے ایک بولا۔ "سلامت، تم نے کل رات کسی مدھو کے بارے میں پوچھا تھا، تو کیا اس کا کوئی سراغ ملا۔"

دوسرا بولا۔ "ارے ہاں یاد آیا، سلامت کیا بنا تمہاری مدھو کا، پتہ چلا جو کہ تمہارے دماغ پر چھا گئی ہے۔"

یہ سن کر سلامت بولا۔ "تم لوگ خواہ مخواہ پوچھ پاچھ کر رہے ہو، مدھو ودھو کوئی نہیں میں نے تو بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا، کیونکہ یہ نام اچانک میرے دماغ میں آ گیا تھا۔"

ایک اور بولا۔ "تو مان یا نہ مان میں نے آج دن بھر کئی لوگوں سے معلوم کیا ہے کہ کیا اس نام کی کوئی لڑکی ہمارے گاؤں میں ہے، ویسے تو ہم گاؤں کے سارے لوگوں کے متعلق تو جانتے ہیں، میرے دماغ میں یہ بات بھی آئی تھی کہ ہو سکتا ہے اس نام کی کوئی لڑکی کسی کے گھر کسی اور جگہ سے مہمان آئی ہو، مجھے تو لگتا ہے کہ یہ ......" اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

آدھا گھنٹہ تک وہ سب آگ کے گرد بیٹھے گپ شپ کرتے رہے اور پھر سونے کے لئے اس جگہ سے اٹھ گئے۔ سلامت اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گیا، بستر پر جیسے ہی لیٹا تو رات میں بیتے ہوئے مدھو کے خیالات نے اسے آن گھیرا، وہ ابھی تک اچنبھے میں تھا کہ "آخر یہ لڑکی ہے کون، کہاں سے آتی ہے، کس کے گھر میں موجود ہے؟"

بہر حال آج اسے مدھو بہت شدت سے یاد آ رہی تھی۔ کہاں تو وہ پہلے روز خوف کی شدت سے ڈر رہا تھا، ڈر اس پر اس قدر سوار تھا کہ جیسے وہ کپکپا رہا تھا اور اسے جلدی تھی کہ مدھو جلدی سے چلی جائے مگر آج وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

رات کے تقریباً ڈیڑھ کا وقت تھا اور ابھی تک اسے نیند نہیں آئی تھی کہ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کی جگہ موجود ہے، اس نے آہستہ سے بولا۔ "کون؟"

"تمہاری جان!" یہ آواز سنتے ہی سلامت اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "آج تم نے آنے میں اتنی دیر کر دی میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج تم آؤ نہیں اور یہ سوچ سوچ کر میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔"

وہ سلامت کے قریب بیٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"میں تو تم سے کہیں زیادہ بے چین تھی آنے کے لئے، اگر میرا بس چلے تو میں تمہیں چھوڑ کر جاؤں نہیں، میں تو سوچتی ہوں کہ دن رات تمہارے پاس ہوں مگر افسوس کہ

میں ایسا نہیں کرسکتی، میں بے بس ہوں، کاش! میں ہر پل تمہارے قریب رہوں۔ کاش! دن کے اجالے میں بھی ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں مگر کبھی کبھی انسان کی مجبوریاں انسان کو اذیت سے دوچار کر دیتی ہیں۔ کاش! کہ دنیا کے سامنے ہم دونوں کا ملن ہو جائے، خیر تم گھبراؤ نہیں، میں تمہیں کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی، اور اگر تم نے بے وفائی کی تو میں تمہارے سامنے اپنی جان دے دوں گی۔"

"ایسی بات مت کرو مدھو، اگر میری جان کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں، اب تو میں بھی تمہاری جدائی برداشت نہیں کرسکتا، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت میرے قریب رہو، اب تو تمہارے بغیر میرا دل کہیں اور نہیں لگتا اور میں بڑی شدت سے انتظار کرتا ہوں کہ جلدی سے رات آجائے، میں تو یہ بھی سوچنے لگا ہوں کہ دن کا اجالا نہیں پھیلے بلکہ ہر وقت رات ہی رات رہے۔" اور یہ بول کر سلامت نے مدھو کو خود سے لپٹا لیا۔

دونوں کے درمیان میل ملاپ کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر ان دونوں نے حدود کی ساری حدیں پھلانگ ڈالیں۔ دونوں صحت مند تھے جوان تھے۔ دونوں کی خوشیاں اور امنگیں دیکھنے کے قابل تھیں۔ کھلیان میں موجود سارے لوگ خواب خرگوش میں پڑے تھے اور یہ دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے میں مست تھے۔

سلامت کو تو کچھ ہوش ہی نہیں تھا کہ مدھو بولی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں، میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی جیسے سلامت مچل گیا اور بولا۔ "بھئی اتنی جلدی جانے کی بات نہ کرو، ابھی تمہیں آئے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ یہ تم نہیں کہا کرو کہ "میں جا رہی ہوں۔"

"تمہیں نہیں معلوم! میں زیادہ بہتر جانتی ہوں کہ مجھے کتنا وقت رکنا ہے، اگر میں زیادہ دیر تک رک گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے دن آنے میں میرے سامنے کوئی رکاوٹ یا پریشانی کھڑی ہو جائے۔ لہٰذا میری تمہاری خوشی اس میں ہے کہ میں وقت پر آؤں اور وقت پر جاؤں، یہ جدائی تمہیں برداشت کرنی پڑے گی، ابھی سے کل رات ڈیڑھ دو بجے تک، اب تم آرام سے سو جاؤ، اور میں چلتی ہوں۔" یہ بول کر وہ اس جگہ سے باہر نکل گئی۔

سلامت کے دل میں ابھی بھی یہ ڈر تھا کہ کہیں کوئی اسے آتے یا جاتے وقت دیکھ نہ لے، مگر وہ بھی کیا کرسکتا تھا۔ خیر اس نے یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن کرلیا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" اور مدھو کا خیال دل میں کرتا ہوا اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔

کب فجر کی اذان ہوئی، کب صبح ہوئی اسے پتہ نہ چلا۔ صبح کے ساڑھے سات بجے اس کا ایک دوست جو کہ وہ بھی کھلیان میں اپنے غلے کی پہریداری کرتا تھا اس نے اسے سوتے سے اٹھایا تو سلامت اٹھ گیا۔ دوست جس کا نام رمضان تھا بولا۔ "ارے بھئی آج کیا بات ہے تو اٹھا نہیں، تو تو سب سے پہلے فجر کے وقت اٹھ جاتا ہے، تو دوسروں کو اٹھاتا ہے اور آج......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

سلامت فوراً بولا۔ "ابے کیا بتاؤں، رات میں نیند نہیں آئی اور کافی رات گئے آنکھ لگی، آج بابا بھی باز پرس کریں گے۔"

"چل فکر نہ کر بول دینا بس آنکھ نہ کھلی، تیرے بابا کونسا ظلم کریں گے، تیرے بابا کو پتہ ہے جوانی کی نیند کیسی ہوتی ہے، اگر تجھے ڈر لگ رہا ہے تو میں چلوں تیرے ساتھ، بابا سے تیری سفارش کر دوں گا۔"

"ارے رمضان ایسی بات نہیں، میرے بابا بہت اچھے ہیں، اچھا اب میں چلتا ہوں۔ ذرا دیکھ بھال رکھنا، تھوڑی دیر میں میں خود آجاؤں گا۔" یہ بول کر سلامت اپنے گھر آ گیا۔

سلامت جب گھر آیا تو اس کی والدہ راہ تک رہی تھیں، اس کی بہنیں اور بابا بھی بے چین تھے کہ

آج سلامت نے کیوں اتنی دیر کر دی۔ سلامت کو دیکھتے ہی اس کی والدہ بولیں۔ ''بیٹا! خیریت تو ہے ناں آج اتنی دیر!''

''امی پتہ نہیں آج بھی میری آنکھ نہ کھلی، مجھے اتنی دیر سوتا دیکھ کر رمضان بھی اچنبھے میں تھا۔''

''چلو کوئی بات نہیں کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ رات میں جلدی سویا کرو، لگتا ہے تمہارے سر میں خشکی ہوگئی ہے، جب دماغ میں خشکی بڑھ جاتی ہے تو ایسا ہوتا ہے، چلو میں تمہارے سر میں روغن بدام کی مالش کر دیتی ہوں، چند دن ایسا کرنے سے یہ خشکی دور ہو جائیگی، اور پھر وقت پر نیند آئے گی اور وقت پر ہی نیند سے اٹھ جاؤ گے۔''

''ارے امی آپ پریشان نہ ہوں، خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہوگی۔''

''بیٹا! تمہاری امی ٹھیک کہہ رہی ہیں، روغن بادام سے مالش کے بعد تمہارے سر میں تازگی آجائے گی۔'' سلامت کے والد نے کہا۔ تو سلامت نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''نگہت میرے کپڑے نکال دو، میں ذرا غسل کرلوں۔'' سلامت نے کہا۔

یہ سن کر اس کی والدہ نے نگہت سے کہا ''بیٹا بھائی کے کپڑے نکال دو، یہ جلدی سے نہا کر آجائے تو میں ناشتہ دوں۔''

نگہت نے اس کے کپڑے نکال دیئے۔ اس نے کپڑے لئے اور نہانے کے لئے باہر کنوئیں پر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ نہا کر آ گیا۔ تو اس کی والدہ نے ناشتہ لگا دیا۔ اس نے ناشتہ کیا اور بولا۔ ''امی رات میں تیل کی مالش کر دیجیے گا، میں ابھی کھلیان جا رہا ہوں، میں نے رمضان سے بولا تھا، ذرا تو خیال رکھنا میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

''بیٹا میں چلا جاتا ہوں۔'' اس کے والد بولے۔

''نہیں بابا میں جا رہا ہوں۔ آپ جا کر کھیت کو دیکھ لیں، اور خاص طور سے اس نالی کو دیکھ لیجئے گا۔ جس سے کھیت میں پانی جاتا ہے، یہ کام بھی کل ہو جائے تو اچھا ہے، کل صبح کے وقت کھیت میں پانی لگا دیں گے۔'' سلامت نے کہا تو اس کے بابا بولے۔ ''ٹھیک ہے تم چلے جاؤ اور میں کھیت کی طرف جا رہا ہوں، اور دوپہر میں تمہارا کھانا لے کر آجاؤں گا۔''

''آپ تکلیف مت کیجئے گا، میں خود ہی آ کر کھانا کھا لوں گا، چند منٹ کی تو بات ہے۔ آپ کھیت سے واپسی پر آرام کر لیجئے گا۔'' اور یہ بول کر سلامت کھلیان کے لئے نکل چلا گیا۔

سلامت کے جانے کے بعد اس کے بابا کھیت کی طرف چلے گئے اور اس کی والدہ دوپہر کا کھانا پکانے میں مصروف ہوگئیں۔ سلامت جب کھلیان میں پہنچا تو رمضان بولا۔ ''ارے بھئی اتنی جلدی کیوں آ گیا، میں تو دیکھ بھال کر ہی رہا تھا، گھر میں آرام کر لیتا۔''

''ارے آرام کیسا، بابا کھیت کی طرف گئے ہیں، کل صبح کھیت میں پانی لگانا ہے، اور میں یہاں چلا آیا۔'' یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس جگہ جمال آ گیا، اسے لوگ جمالا، جمالا کہہ کر پکارتے تھے۔ سلامت کی بات سن کر جمالا بولا۔ ''کل تو ہماری باری ہے کھیت میں پانی لگانے کی۔''

سلامت بولا۔ ''میں نے ایک ہفتہ پہلے کل کے لئے بول دیا تھا، جس پر تو بھی راضی تھا، ارے بھئی کنواں ایک ہے اور پھر جب بھی پانی لگایا جاتا ہے سب ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں تو، ایک دوسرے کا کام چلتا ہے۔ کئی لوگوں کے سامنے یہ بات ہوئی تھی، اور اس جگہ رمضان بھی موجود تھا۔ کیوں رمضان! تیرے سامنے بھی یہ بات ہوئی تھی، کل کا دن ہمارا ہے پانی لگانے کا۔''

''ہاں! یہ بات تو میرے سامنے ہوئی تھی، جمالا تو بھی راضی تھا۔ اگر تو کہہ دیتا تو، کل تو پانی لگا لیتا، سلامت ایک دن بعد اپنے کھیت میں پانی لگا دیتا۔''

''نہیں یہ نہیں ہو سکتا! کل پانی میں ہی لگاؤں گا،

سلامت تو ایک دن بعد یعنی پرسوں پانی لگالینا۔" جمالا بولا۔

"دیکھ بھئی جمالا! میرا پانی تو کل ہی لگے گا، کئی لوگوں کے سامنے تیری رضا مندی سے میں نے اپنے لئے کل کا دن مقرر کیا تھا۔ میں نے سارا انتظام کرلیا ہے، کام کرنے والوں کو میں نے ایڈوانس پیسے بھی دے دیئے ہیں۔" اتنے میں اس جگہ چند لوگ اور بھی جمع ہوگئے تھے، سب انہوں نے سنا کہ جمالا بدتمیزی کررہا ہے تو سب نے یہی بولا کہ "جمالا یہ فیصلہ ایک ہفتہ پہلے ہوگیا تھا، اور تو بھی راضی تھا مگر آج اچانک تو کیوں پیچھے ہٹ رہا ہے۔" یہ سنتے ہی جمالا مشتعل ہوگیا اور سلامت کا اس نے جھٹ گریبان پکڑ لیا۔ اور بولا۔ "میں دیکھوں گا تجھے کون روکتا ہے کل پانی لگانے سے۔ اور اگر تجھ میں ہمت ہو تو کل صبح آ جانا کنویں پر۔"

یہ دیکھ کر اس جگہ موجود چند لوگوں نے جمالا سے سلامت کا گریبان چھڑایا اور بولے۔ "جمالا یہ تیری زیادتی ہے، سلامت چونکہ شریف ہے اس لئے تو دھونس جما رہا ہے۔"

"جو میں کہہ رہا ہوں یہی ہوگا، کل پانی میں لگاؤں گا، اگر کسی میں ہمت ہے تو روک لے۔"

یہ سن کر چند لوگ بولے۔ "ٹھیک ہے پھر تیرے والد کے پاس چلتے ہیں، انہیں بھی یہ بات معلوم ہے کہ پرسوں تمہاری باری ہے۔"

جمالا آپے سے باہر ہوگیا اور بولا۔ "کسی کو میرے بابا کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، جو میں نے بول دیا وہی ہوگا اور میں اپنے فیصلے سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹوں گا، اب جس کا جو دل چاہے کرے۔" اور یہ کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس جگہ موجود سب نے کہا۔ "سلامت تو فکر نہ کر، پانی لگانے کی باری کل تیری ہے، تو ہی پانی لگائے گا، جب یہ فیصلہ ایک ہفتہ پہلے ہو چکا ہے تو یہ کون ہوتا ہے، ہم جمالا کے والد کے پاس جاتے ہیں تو فکر نہ کر۔"

سلامت بولا۔ "رمضان چھوڑو اس بات کو، لڑائی جھگڑا ٹھیک نہیں، تم لوگ تو جانتے ہی ہو کہ جمالا کس قماش کا آدمی ہے، میں اپنے بابا کو بول دوں گا، وہ میری بات مان لیں گے، ایک دن کی تو بات ہے کل نہ سہی پرسوں سہی۔"

"نہیں یہ نہیں ہوسکتا، یہ تیرا مسئلہ نہیں پورے گاؤں کا مسئلہ ہے، اگر جمالا زیادہ ہیکڑی دکھاتا ہے تو ہم اس کی ہیکڑی نکالنا بھی جانتے ہیں، تو یہاں رک جا اور دیکھ بھال رکھنا ہم تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں، ہم جانتے ہیں چاچا جمن اچھے آدمی ہیں، جو اصل بات ہے وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ کل پانی تیرا ہی لگے گا۔" یہ بول کر وہ لوگ جمالا کے والد کی طرف چلے گئے۔

سب لوگ جمالا کے والد کے پاس گئے اور ساری روداد سنائی اور یہ بھی بتایا کہ جمالا نے خواہ مخواہ سلامت کے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے تو جمال کے والد جمالا پر بہت برہم ہوئے اور بولے۔ "جمالا جب ایک ہفتہ پہلے یہ بات طے ہوگئی تھی کہ کل پانی کی باری ان کی ہے تو تو کیوں بیچ میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔ کل پانی انکا ہی لگے گا، تو کل اپنا پانی لگالینا۔"

یہ سن کر جمالا طیش میں آ گیا اور بولا۔ "بابا جو میں نے بول دیا ہے، وہ ہوگا، کل میں پانی لگاؤں گا۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو روک کر دکھائے۔"

"دیکھ میری بات مان لے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، یہ تیرا مسئلہ نہیں، یہ میرا مسئلہ ہے، بلکہ یہ پورے گاؤں کا مسئلہ ہے، میں تیری بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتا، سارے گاؤں میں میری بھی عزت ہے، جب سب کے سامنے ایک بات طے ہوگئی تو بس ہوگئی، اگر ایسی بات تھی تو تو اس روز آج کے لئے راضی ہو جاتا، تیری رضا مندی سے یہ بات سب کے سامنے طے ہوگئی تھی، اور جو بات ہوگئی وہی ہوگا۔ یہ میرا بھی فیصلہ ہے کہ تو پرسوں پانی لگائے گا۔"

یہ سن کر وہ مزید طیش میں آ گیا اور بولا۔ "بابا یہ آپ کا مسئلہ نہیں، جو بھی مجھے پانی لگانے سے روکے

گا اسے میں دیکھ لوں گا، اور ہوگا وہی جو میں نے کہہ دیا۔

"اور پھر وہ غصے سے باہر نکل گیا۔ اس کی باتیں سن کر سب کے سب بالکل خاموش تھے کہ اس کے والد بولے۔" بیٹے آپ لوگ جائیں، ہم پرسوں پانی لگالیں گے، کل سلامت ہی پانی لگائے گا، میں خود جمالے کو دیکھ لوں گا، اور آج رات میں خود کھلیان میں آؤں گا، میں دیکھتا ہوں کہ وہ کیسے نہیں مانے گا۔" یہ باتیں سن کر سب کے سب واپس آ گئے۔ اور کھلیان میں آ کر جمالے کے والد کا فیصلہ سلامت کو سنا دیا۔

دوپہر میں سلامت کھانا کھانے کے لئے گھر آیا، اور پھر اس نے جمالے کی ساری باتیں اور اس کے والد کے فیصلے سے اپنے بابا کو آگاہ کیا، تو اس کے والد بولے۔

"سلامت بیٹے، کیا فرق پڑتا ہے، ایک دن آگے یا پیچھے، چلو کوئی بات نہیں، ہم پرسوں پانی لگالیں گے، میں جا کر جمن کو سمجھا دوں گا کہ وہ جمالے پر سختی نہ کریں۔ چلو تم کھانا کھاؤ"

شام ہوئی، مغرب کی نماز کے بعد سلامت کے والد سلامت کا کھانا لے کر کھلیان گئے، سلامت کو کھانا دیا اور سمجھایا۔ "بیٹا جمالے سے زیادہ بات نہیں کرنا، میں نے جمن کو بھی سمجھا دیا ہے کہ کوئی بات نہیں ہم پرسوں پانی لگالیں گے، ایک دن میں کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ "نہیں جو بات ایک بار طے ہوگئی وہی ہوگا، انہوں نے کہا ہے کہ میں جمالے کو سمجھا لوں گا۔"

سلامت بولا "ٹھیک ہے بابا، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ جائیں۔" سلامت کے والد کھلیان سے واپس گھر آ گئے۔

رات کے تقریباً آٹھ بجے جمالے کے والد کھلیان پہنچے، جمالا کھلیان میں ہی موجود تھا، اپنی جگہ پر جہاں اس کا غلہ پڑا تھا۔ اس کے والد کو دیکھتے ہی چند بندے ان کے قریب آ گئے تو وہ بولے۔ "میں نے سختی سے جمالے کو سمجھا دیا ہے کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے، ویسے سلامت کے بابا آئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ لوگ کل پانی لگالیں، ہم پرسوں پانی لگالیں گے۔ تو میں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی شرافت ہے، لیکن کل ہی آپ پانی لگائیں گے، میں پرسوں پانی لگا لوں گا، اور جمالے کی میرے آگے نہیں چل سکتی، ابھی میں زندہ ہوں، جو بات پنچ کے سامنے ہو جائے وہی اٹل ہے۔"

"چاچا آپ چھوڑیں، دراصل جمالا بہت ضدی ہے، ہم بھی اسے سمجھا دیں گے، اب اس کی مرضی جو چاہے کرے، آپ درمیان میں نہیں بولئے گا، سلامت بھی اس میں خوش ہے کہ لڑائی جھگڑا نہ ہو، ایک دن میں بھلا کیا فرق پڑ جائے گا۔ آپ یہیں بیٹھ جائیں، آگ بھی جل رہی ہے، اور آج تو ہمارے ہاتھ کی چائے پینی پڑے گی، ہم نے چائے کا انتظام کر رکھا ہے۔" رمضان بولا۔

رمضان کی باتیں سن کر جمالا کے والد اس جگہ بیٹھ گئے، جہاں آگ جل رہی تھی، اس جگہ اور بھی کئی لڑکے موجود تھے جن میں سلامت بھی موجود تھا۔ رمضان دوڑا ہوا گیا اور دیگچی دودھ اور چائے کی پتی لے آیا تاکہ دودھ پتی کی چائے بنائی جائے۔

تھوڑی دیر میں چائے تیار ہوگئی اور وہ سب چائے پینے لگے۔ چاچا جمن بولے۔ "رمضان تم نے تو بڑے مزے کی چائے بنائی ہے، ایسی مزیدار چائے ہے کہ بس بندہ پیتا ہی رہے، اب دل چاہتا ہے کہ میں روزانہ چائے پینے کے لئے آجایا کروں، بھئی ایسی مزیدار چائے تو گھر میں بھی نہیں ملتی۔ اس چائے کا ذکر میں گھر میں بھی کروں گا۔"

رمضان بولا۔ "چاچا آپ ہمت والے بنو، آپ روزانہ آجایا کریں، آپ کے لئے حاضر ملے گی چائے، ویسے ہم ہر روز اپنے لئے چائے بناتے ہیں، جمالا بھی روزانہ چائے پیتا ہے سب کے ساتھ ہنس بول کر رہتا ہے مگر پتہ نہیں آج اس کی کھوپڑی پر بھوت کیوں سوار ہوگیا۔"

اچانک دل کو ہلانی فلک شگاف چیخیں سنائی دیں۔

چیخیں جمالے کی تھیں۔ بچاؤ...... بچاؤ...... ارے مجھے بچالو...... یہ بولتا ہوا وہ جھونپڑی سے نکل کر باہر کو بھاگا۔

چائے پیتے پیتے سارے لوگ ہڑ بڑا کر اٹھے اور اس طرح بھاگے جس طرف سے جمالے کی چیخیں سنائی دی تھیں ۔ جب سب لوگ اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ جمالا ادھر ادھر بھاگ رہا ہے ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی نادیدہ طاقت اس پر کوڑے برسا رہی ہو۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... کی آواز نکالتا ہوا وہ چاروں طرف ایک دائرے کی شکل میں دوڑ رہا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ کبھی آگے تو کبھی پیچھے اور کبھی سر پر یا پھر کبھی بازوؤں پر بھی مارتا جاتا تھا کہ پھر اچانک اس کا وجود نیچے سے اوپر کو ہوا میں اچھلا جیسے کسی نے اسے نیچے سے اوپر کو اچھال دیا ہو۔"

اس کی فلک شگاف اذیت ناک اور دلدوز چیخیں بدستور جاری تھیں، وہاں پر موجود ہر کوئی جیسے سکتے میں تھا ۔ اس کے والد بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمالے کو دیکھ رہے تھے ۔ اچانک وہ دھڑام سے اوپر سے نیچے زمین پر گرا، پھر وہ فوراً نیچے سے اوپر کو اچھلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوبارہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ اور پھر ایسا متواتر ایسا ہونے لگا، وہ نیچے سے اوپر کو اچھلتا اور پھر دھڑام سے نیچے گر پڑتا۔

یقیناً کوئی نادیدہ قوت تھی جو کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی تھی، اب اس کی فلک شگاف چیخیں دم توڑ گئی تھیں، پھر وہ اوپر سے نیچے دھڑام سے گرا۔ وہ بے سدھ ہو کر زمین پر پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ اوپر کو نہیں اچھلا، نیچے پڑا دیکھ کر اس کے والد دوڑتے ہوئے اس کے قریب گئے اور اس سے لپٹ گئے اور ان کی زوردار آواز سنائی دی۔ "جمالے۔"

اب وہ جمالے سے لپٹ کر دھاڑیں مارتے ہوئے رو رہے تھے ۔ "جمالا بیٹا...... جمالا بیٹا......" وہ مسلسل جمالے کو پکارے جا رہے تھے ۔ مگر جمالے کی آواز نہیں نکل رہی تھی ۔ وہاں پر موجود سارے لوگ جمالے کے قریب گئے ۔ رمضان دوڑ کر لالٹین اپنی جھونپڑی سے اٹھا لایا۔ لالٹین کی روشنی میں سب نے دیکھا۔ جمالے کے منہ اور ناک سے گاڑھا گاڑھا خون نکل رہا تھا۔ وہ بے سدھ پڑا تھا، اس کی آنکھیں خوف سے جیسے پھٹی ہوئی تھیں۔ اسے ہلایا گیا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی تھی۔

جمالا کے والد رو رہے تھے ۔ "جمالا...... بیٹا اٹھو، ...... تجھے کیا ہو گیا...... بیٹا آنکھیں کھول...... بیٹا کل تو ہی پانی لگا لینا...... ارے آنکھیں کھول...... ارے مجھے کیوں جیتے جی مار گیا...... ارے میں تیرا غم کیسے سہاروں گا...... تیری شادی کا کیا ہوگا...... سسرال والوں کو میں کیا جواب دوں گا...... ارے اگلے ماہ ہی تو تیرا سہرا بندھنا تھا...... بیٹا تجھے کیا ہو گیا۔"

جمالے کے گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور صد افسوس کہ جمالا مر گیا تھا۔

جمالا کے والد اس سے لپٹے ہوئے رو رہے تھے ۔ دو لڑکوں نے مل کر انہیں جمالا کے جسم سے الگ کیا...... ان کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی ۔ ہر کوئی سکتے کے عالم میں تھا۔ کسی کے دماغ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ اچانک جمالے کو کیا ہو گیا۔ بہرحال اب کیا ہو سکتا تھا۔

دو لڑکوں نے جمالے کے والد کو سنبھالا اور پھر ایک نے جمالے کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور گھر میں لے آئے، گھر میں آتے ہی ایک کہرام مچ گیا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی جمن چاچا غش کھا کر گر پڑے ۔ جمالے کی ماں بہنیں اور بھائی بچھاڑے کھانے لگے ۔ رونے اور بین کرنے کی آواز سے پاس پڑوس کے سارے لوگ اپنے گھروں سے باہر آ گئے ۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ سارا گاؤں سکتے کے عالم میں تھا، کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیسے ہو گیا۔

اچھا بھلا تو جمالا تھا اور پھر اس کی موت کا جو طریقہ کار سامنے آیا تھا اس نے پورے گاؤں والوں کو اچنبھے میں ڈال دیا تھا۔ جمالے کے والد چند منٹ کے لئے ہوش میں آتے اور پھر غش کھا کر گر پڑتے ۔ کیونکہ جمالے کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ ان کے سامنے ہوا تھا۔ اور یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ جمالے پر جو کچھ بیتی وہ ان کی

نظروں کے سامنے تھا۔ ورنہ کوئی بھی شک شبہ کر سکتا تھا۔
ماں بہنوں کا رونا اور بین کرنا لوگوں کا دل مسوس رہا تھا، ان لوگوں کے آنسو اور تکلیف دہ حالت لوگوں سے دیکھی نہیں جاتی تھی، پورے گاؤں والوں کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ اور پھر پورے گاؤں والوں کی رات آنکھوں میں کٹ گئی۔
صبح ہوئی اور پھر کفن کا انتظام کیا گیا، ظہر کی نماز کے بعد جمالے کو قبر میں ڈال کر مٹی ڈال دی گئی۔ گاؤں والوں نے دلاسے دیئے، آنسو پونچھے اور ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔
کھیت میں پانی والی بات کو یاد کر کے جمالے کے والد، دھاڑیں مار کر رونے لگتے۔
بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ لیکن کھلیان میں موجود جتنے بھی افراد تھے وہ اب تک خوف و ہراس میں تھے، ان کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا کہ جو کچھ بھی جمالے کے ساتھ ہوا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ ہر کسی کے دماغ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ ''یہ سب کچھ کیوں ہوا، اور کیسے ہوا؟''
کھلیان میں موجود تمام لوگوں سے گاؤں والے جب اصل حقیقت سنتے تو جیسے کانپ کر رہ جاتے تھے، گاؤں کے سارے افراد چاہے ہندو یا مسلمان سب ہی چمن چاچا کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ پورے گاؤں پر ماتم بچھ گیا تھا۔ گاؤں کے لوگ کھلیان میں جاتے ہوئے گھبرانے لگے تھے، کئی دن تو ایسا ہوا کہ صبح سے شام تک لوگ کھلیان میں رہتے اور شام ہوتے ہی کھلیان سے واپس اپنے گھر آ جاتے۔ مگر ایسا سدا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ چند روز گزرے اور پھر آہستہ آہستہ لوگوں نے کھلیان میں کام دوبارہ شروع کر دیا۔ رات میں اپنے غلے کی رکھوالی کرنے لگے تھے۔
چوتھے روز حسب معمول سلامت کھلیان کی اپنی جھونپڑی میں سویا پڑا تھا۔ جمالے کے حالات کے پیش نظر وہ مدھو کو یکسر بھول چکا تھا۔ آج بھی جب وہ جھونپڑی میں سویا تو مدھو کا خیال اس کے ذہن سے کوسوں دور تھا۔
بستر پر لیٹتے ہی وہ گہری نیند میں جا پہنچا۔ رات کے ٹھیک دو بجے اسے اٹھا دیا گیا۔ اسے اٹھانے والی مدھو تھی۔
مدھو کی سرگوشی سنائی دی۔ ''تم کتنے کٹھور ہو، تین چار دنوں میں تم نے بھولے سے بھی مجھے یاد نہیں کیا، اور میرا یہ حال رہا جیسے کہ ''جل بنا مچھلی'' ویسے دیکھا گیا ہے کہ مرد ہوتے ہی ہیں سخت دل، آج تمہیں یہاں دیکھ کر میرے من کو شانتی ملی۔ رات میں میں نے بہت چاہا کہ تمہارے پاس آ دٔں مگر میں اپنی جگہ مجبور تھی۔ سوائے تڑپنے اور بے چین ہونے کے۔ میں کر بھی کیا سکتی تھی۔
مجھے معلوم ہے کہ مرنے والا بہت ضدی تھا، اس نے تمہارا گریبان پکڑا تھا اور تمہیں دھمکی بھی دی تھی، یہ دیکھ کر میرا تو خون کھول اٹھا، کوئی تمہیں تکلیف پہنچائے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا، بدذات کہیں کا، اس نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا اور اپنے بھیانک انجام کو پہنچا، جس نے بھی تمہارے ساتھ بدتمیزی کی یا پھر تمہیں نقصان پہنچایا تو میں اس کے لئے قہر بن جاؤں گی، چاہے جو بھی ہو تمہیں تکلیف پہنچا کر بچ نہیں سکتا۔'' وہ روانی میں بولتی جا رہی تھی۔
سلامت کو جیسے ہوش آ گیا تھا، اس نے مدھو کی باتوں پر غور کیا اور بولا۔ ''تم تو ایسے بول رہی ہو جیسے کہ تم نے اسے مارا ہے۔ تم یہ تو سوچو کہ تم بول کیا رہی ہو۔''
''میں تو تمہارے پیار میں جیسے پاگل ہو رہی ہوں، جب میں نے دیکھا، ارے نہیں جب سنا تو میں آپے سے باہر ہو گئی لیکن.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''خیر چھوڑو جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا، جمالے کی موت پر مجھے بھی بہت دکھ ہے، بے چارے کے ساتھ نہ جانے ایسا کیوں ہوا، ہر کوئی ابھی تک حیران ہے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی زندہ وجود ایسا کرتا تو میں اس کا گلا دبا دیتا۔'' سلامت بولا۔
''تو میرا گلا دبا دو۔'' مدھو بولی۔

''کیا مقصد، تم کہنا کیا چاہ رہی ہو، لگتا ہے واقعی تمہارا دماغ اپنی جگہ نہیں۔'' سلامت بولا۔

''بس تم اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ میں تمہیں کتنا چاہنے لگی ہوں، میرے منہ سے کیسے کیسے عجیب طرح کے الفاظ نکل رہے ہیں، بس مجھے غصہ ہے کہ اس نے تمہیں برا کہا اور تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور یہی مجھے بہت برا لگا ہے۔'' مدھو بولی۔

''اچھا اب غصہ تھوک دو، گذری ہوئی باتوں میں الجھنے سے فائدہ کیا۔ یعنی سانپ گزر گیا اور ہم بیٹھے لکیر کو پیٹتے رہے، اس سے کوئی فائدہ ہے۔'' سلامت بولا۔

''کیا تم بھی مجھے اتنا ہی چاہنے لگے ہو جتنا میں تمہیں چاہنے لگی ہوں، میرا تو تمہارے بغیر ایک پل بھی گزارنا بہت مشکل ہے۔'' مدھو بولی۔

''دل تو میرا بھی چاہنے لگا ہے کہ تم ایک پل کے لئے بھی مجھ سے دور نہ جاؤ، لیکن چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے، ہوگا تو وہی جو وقت چاہے گا، ہم رسم و رواج اور دنیاوی نیم کے پابند ہیں، بس تم میرے لئے ہر روز آ جایا کرو، یہ تین دن بھی میں نے تمہارے بغیر بہت کٹھن طریقے سے گذارا ہے، اب تو شام ہوتے ہی تمہارا انتظار شروع ہو جاتا ہے، کل سے تم جلدی آ جایا کرو۔'' سلامت روانی میں بولتے چلا گیا۔

''میں چاہ کر بھی جلدی نہیں آ سکتی، بس تم یہ سمجھ لو کہ میرا ایک وقت مقرر ہے آنے کا اور جانے کا، اس سے جلدی آنا میرے بس میں نہیں اور پھر دیر سے تمہارے پاس سے جانا ممکن نہیں۔'' مدھو بولی۔

''تم یہ کیسی باتیں کر رہی ہو کہ جلدی آ نہیں سکتی، چلو میں مانتا ہوں کے دیر سے جانا ٹھیک نہیں کیونکہ کچھ لوگ صبح ہونے سے پہلے بھی اٹھ جاتے ہیں۔'' سلامت بولا۔

''دیکھو میرا جو آنے کا وقت ہے وہ بالکل صحیح ہے کیونکہ یہ ایسا وقت ہے کہ کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا اور نہ ہی جاتے وقت مجھے کوئی دیکھ سکتا ہے۔'' مدھو بولی۔

''ارے اب چھوڑو بھی یہ آنے جانے کا چرچا، جو میں کر رہی ہوں ٹھیک کر رہا ہوں، بس مجھے صرف یہ پتہ ہے کہ میں تمہیں چاہنے لگی ہوں، میرا بس چلے تو میں تمہیں ابھی اپنے ساتھ لے جاؤں، لیکن یہ ممکن نہیں، تم کچھ کر دیا نہ کرو لیکن میری کوشش ہوگی کہ میں تمہیں اپنے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے کر چلی جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ چلو گے ناں۔''

''مدھو آج تم یہ کیسی بہکی باتیں کر رہی ہو، لگتا ہے تمہارا دماغ کچھ زیادہ تھک گیا ہے یا پھر الجھ گیا ہے، دماغ پر زیادہ زور نہیں ڈالا کرو، اور پھر ایسا نہ ہو کہ اوروں کے سامنے بھی تمہاری زبان کچھ زیادہ ہی حقیقت اگل دے اور تمہارا یہ راز یعنی مجھ سے روزانہ ملنے والی بات تم کسی اور کے سامنے کہہ دو، اس لئے میرا مشورہ ہے کہ کھاؤ پیو اور خوش رہو، ویسے بھی سنا گیا ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کا دل دماغ کمزور ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت اپنے سینے میں زیادہ راز چھپا کر نہیں رکھ سکتی، لہذا کم بولا کرو، دوسروں کے سامنے ذرا احتیاط کرنا، کم بولنے میں ہی میری اور تمہاری بہتری ہے۔'' سلامت بولا۔

''تم بے فکر رہو، میں کسی ایسے ویسے کے قریب جاتی ہی نہیں کہ میری زبان پھسلے، میری خوشی ہے کہ تم خوش رہا کرو، تمہاری خوشی مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' مدھو نے کہا۔

بہر حال سلامت اور مدھو کافی دیر تک ایک دوسرے کی قربت میں مست رہے، اور پھر مدھو نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ''اب میرے جانے کا وقت ہو گیا، اب میں چلتی ہوں، تم اپنا خیال رکھنا، کل تک کے لئے میں جدا ہو رہی ہوں، کل پھر ہماری ملاقات ہوگی، تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، خیر اب مجھے اجازت دو۔'' مدھو نے کہا۔

''اگر میرے دل کی بات مانو تو میں کس دل سے اجازت دوں، میرا دل نہیں چاہتا کہ تم جاؤ مگر مجبوری بھی ہے، کل زیادہ انتظار نہیں کرانا اور جلدی آ جانا۔'' سلامت بولا۔

ان حالات کے تحت سلامت کی صبح جلدی اٹھنے کی روٹین خراب ہو گئی تھی، جب ایک آدمی رات کے چار بجے تک روزانہ جاگتا رہے تو بھلا وہ صبح پانچ بجے کیسے اٹھ سکتا ہے۔ اور یہی حال سلامت کا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ یعنی میری آنکھ نہیں کھلتی کا کہہ کر پوچھنے والوں کو ٹال دیا کرتا۔ گھر والے بھی ایسی باتیں سن کر مطمئن ہو جاتے، گھر والوں کے دماغ میں یہ بات تھی کہ جو آرام سکون اپنے گھر اور اپنے بستر پر ملتا ہے ویسا آرام کھلیان میں کہاں مل سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلامت کی آنکھ نہیں کھلتی۔

لیکن اپنی اولاد کو باپ ماں زیادہ جانتے ہیں، سلامت کے والد کی جہاندیدہ نظریں سلامت کے رکھ رکھاؤ، کھانے پینے اور پھر صحت مندی کے معاملے میں کچھ اور بھی دیکھ رہی تھیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ گھر والوں کے پاس بیٹھا بیٹھا ذہنی طور پر کہیں کھو جاتا۔

بہر حال وقت بہت تیزی سے گذر رہا تھا۔

گاؤں دیہات میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب فصل کٹتی ہے تو اسے کھلیان میں کچھ دنوں کے لئے رکھا جاتا ہے اور پھر جب دانے نکل جاتے ہیں تو ان دانوں کو بوریوں میں بھر دیا جاتا ہے، ضرورت کے مطابق غلے کو گھر میں محفوظ کر لیا جاتا ہے اور ضرورت سے زیادہ غلہ منڈی میں فروخت کر دیا جاتا ہے جس سے اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے یہاں بھی یہی کیا گیا، دانہ نکلنے کے بعد انہیں بوریوں میں بھرا جانے لگا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی میں غلہ لوٹنے والے لٹیرے زور بازو اور اسلحہ کے زور پر غلہ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور سال بھر محنت کرنے والا کسان بے چارہ منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔

ایک دن ایسا ہی ہوا، پورے کھلیان میں غلہ کی بے شمار بوریاں پڑی ہوئی تھیں اور پروگرام یہ تھا کہ کل ان بوریوں کو کھلیان سے ہٹا کر کچھ گھر میں رکھ لیں گے اور باقی منڈی میں فروخت کر دیں گے کہ اس رات غلہ کے لٹیرے آ گئے، ان کے ساتھ کئی بیل گاڑیاں تھیں جن پر وہ غلہ بھر کر لے جاتے۔

مدھو کے ساتھ سلامت اپنی جھونپڑی میں موجود نفسانی خواہشات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک پتہ لگ گیا کہ کھلیان میں لٹیرے آ گئے ہیں۔ سب کے سب اپنی اپنی جھونپڑی میں محو خواب تھے۔'' مدھو لگتا ہے لٹیرے آ گئے ہیں، اور غلہ اٹھا کر لے جائیں گے۔ یہ تو بہت برا ہے، ہماری سال بھر کی محنت اور جمع پونجی آج ختم ہو جائے گی، اگر شور مچایا تو ہو سکتا ہے کہ یہ لٹیرے ہم نہتے لوگوں پر بندوقیں چلا دیں، اب کیا ہو سکتا ہے؟''

''تم فکر نہ کرو، اب میں چلتی ہوں، تم آرام سے اس جگہ لیٹے رہو، باہر نہ نکلنا کیونکہ ہو سکتا ہے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔ تمہیں میری قسم تم باہر نہ نکلنا اور بالکل خاموش رہو، تم میری فکر نہ کرنا، میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دوں گی، اور کوئی میرا بال تک بے کا نہیں کر سکتا، بس تم تماشہ دیکھتے رہنا'' مدھو نے یہ بولا اور جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

مدھو کے باہر نکلنے کے چند منٹ بعد سلامت کو ایسا محسوس ہوا کہ چند لوگ کسی تکلیف کی وجہ سے کراہ رہے ہیں اور پھر ان کی کراہیں فلک شگاف چیخ میں بدل گئیں۔ وہ چیخیں ان لٹیروں کی تھیں جو کہ غلہ لوٹنے آئے تھے۔

چیخیں سن کر جھونپڑی میں موجود سارے لوگ باہر نکل آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ کل چھ افراد تھے جو کہ نیچے زمین سے اوپر فضا میں اچھلتے اور دھڑام سے نیچے زمین پر گر پڑتے، اور یہ سلسلہ مسلسل ہو رہا تھا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھ کے چھ افراد اپنے ہاتھ پیر توڑ روا کر بے سدھ زمین پر پڑ گئے۔ ''بچاؤ ...... بچاؤ'' کی آوازیں ان کے منہ سے نکلتی رہیں ایسا لگتا تھا کہ ''جیسا جمالے کیساتھ ہوا تھا وہی سین ان لٹیروں کے ساتھ بھی ہوا تھا۔'' ان لٹیروں میں سے ایک کی بھی جسمانی ہڈی سلامت نہیں بچی تھی۔ وہ سب کے سب حرکت کرنے سے بھی قاصر تھے۔

ان میں سے ایک نے پوچھنے پر بولا۔ ''ہم غلہ لوٹنے آئے تھے، اور ہمارے ساتھ کسی ہوائی مخلوق نے ایسا کیا ہے۔'' پاس ہی ان کی چار بیل گاڑیاں بھی موجود تھیں، اور بیل مردہ حالت میں پڑے تھے۔ ان لٹیروں کی حالت بہت خستہ تھی۔ وہ چلنے پھرنے بلکہ بولنے اور حرکت کرنے سے بھی مجبور تھے۔ یہ سب کیسے ہوا، اور کیوں ہوا؟ اس کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔

کھلیان میں موجود سب لوگ اب جان گئے تھے کہ ''یقیناً یہ کام کسی انسان کا نہیں بلکہ یہ کام کسی ہوائی مخلوق کا ہے۔ اور وہ ہوائی مخلوق کسی کی زیادتی برداشت نہیں کر سکتی، وہ ہوائی مخلوق ہم کھلیان والوں پر مہربان ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دن جمالے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اور آج ان لٹیروں کو بھی اپنے بھیانک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔''

صبح ہوئی اور یہ خبر پورے گاؤں میں آناً فاناً پھیل گئی۔ دو بندے گئے اور تھانیدار کو بلا لائے۔ پولیس آئی اور اس کے پوچھنے پر ان لٹیروں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا، اور ساتھ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو بھی من وعن بتلا دیا۔ پولیس ان لٹیروں کو بیل گاڑیوں میں ڈال کر اپنے ساتھ لے گئی، مردہ بیلوں کو لوگوں نے اٹھا کر کھلیان سے کچھ فاصلے پر گڑھے کھود کر مٹی میں دبا دیا۔

پورے گاؤں میں اچنبھے کی حالت تھی، ہر کوئی سکتے میں تھا۔ اور یہ راز جاننے سے قاصر تھا۔

دن ڈھل گیا اور رات آ گئی۔ وقت مقرر، پر سلامت کی جھونپڑی میں مدھو آ گئی۔ اب اماوس کی دو بارہ راتیں شروع ہو چکی تھیں، یعنی ایک ماہ کا عرصہ ہونے والا تھا۔ مدھو اور سلامت کو ملتے ہوئے مہینہ ہو چلا تھا۔

سلامت بولا۔ ''کل رات میں اچھا ہوا کہ تم حفاظت نکل گئی تھیں اگر تم پر کسی کی نظر پڑ جاتی تو بہت برا ہوتا، ان لٹیروں کے ساتھ بھی ایسا ہوا جیسا اس دن جمالے کے ساتھ ہوا۔ وہ کل چھ لٹیرے تھے، وہ ہوا میں اوپر کو اچھلتے اور دھڑام سے زمین پر گر پڑتے، کافی دیر تک ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا، لگتا تھا کہ ان کے جسم کی ساری ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ وہ اس حالت میں بھی نہیں تھے کہ اپنا ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی ہوائی چیز نے ان کے ساتھ ایسا کیا۔ اور میرے دماغ میں بھی یہی بات آ رہی ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا، مجسم ہوا میں اچھلنا اور پھر دھڑام سے نیچے گرنا یہ بالکل کسی نادیدہ ہوائی مخلوق کا کیا دھرا ہے، تمہارا دماغ کیا کہتا ہے؟'' سلامت نے مدھو سے پوچھا۔

''میرا دماغ تو کہہ رہا ہے کہ تمہاری بات درست ہے، اور میں بھی وثوق سے کہہ رہی ہوں کہ یہ کیا دھرا کسی ہوائی چیز کا ہے۔ تمہیں جو بھی نقصان پہنچائے گا اس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔'' مدھو بولی۔

''ارے مجھ میں کیا لعل لگ گیا ہے، کہ یہ سب میرے لئے ہو رہا ہے، تم بھلا وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟ مجھے تو لگ رہا ہے کہ ایسی کوئی چیز ہم پورے کھلیان والوں پر مہربان ہو گئی ہے کہ جو بھی کھلیان والوں کے ساتھ برا کرنا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ برا ہو رہا ہے۔'' سلامت نے کہا۔

''خیر چھوڑو جو ہو رہا ہے ہونے دو، ہم کیوں اپنا دماغ سوچ سوچ کر خراب کریں۔ زیادہ نہ سوچا کرو، زیادہ سوچنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے، کھاؤ پیو خوش رہو، بس تم صرف اور صرف میرے لئے سوچا کرو۔ ہم تم خوش تو سارا سنسار خوش۔'' اور یہ بول کر مدھو سلامت سے لپٹ گئی۔ پھر طوفان آیا اور گزر گیا۔

اپنے وقت پر مدھو چلی گئی، کل پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے۔ مدھو کے جانے کے بعد سلامت تھوڑی دیر تک جاگتا رہا اور مدھو کی بے سروپا باتوں پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا۔ اور جب سوچتے سوچتے دماغ تھک گیا تو اسے نیند آ گئی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اب کھلیان میں کام بھی تقریباً ختم ہو چکا تھا، لوگ اپنی اپنی چیزیں سنبھال رہے

تھے۔ تمام لوگوں کا سارا غلہ اٹھ چکا تھا۔ لیکن سلامت کا دماغ زیادہ الجھ گیا تھا اس لئے کہ چند دن میں اسے کھلیان چھوڑنا پڑے گا یعنی اسے گھر میں رات کے وقت رہنا پڑے گا اور اس حالت میں وہ مدھو سے مل نہیں سکتا، مدھو کے گھر بار کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتی ہے کس کی بیٹی ہے یا پھر کس کے گھر مہمان آئی ہوئی ہے؟

وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مدھو سے دور ہو جائے، بلکہ وہ تو مدھو سے دور ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جس دل بستگی سے مدھو نے اسے روشناس کرایا تھا، اب بھلا وہ مدھو سے الگ کیسے ہو سکتا تھا۔ اس سوچ نے اسے گھائل کر کے رکھ دیا تھا۔ ”بغیر کام کے تو وہ کھلیان میں نہیں رہ سکتا تھا۔“ یہی کچھ سوچ سوچ کر سلامت ہلکان ہونے لگا۔ ”جب میں اپنے گھر میں مسلسل رہنے لگوں گا تو مدھو کسی صورت بھی میرے پاس نہیں آ سکتی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ میں اسے دن میں کہیں دیکھ سکوں۔“

دن ڈھل گیا اور پھر رات آ گئی۔ کھلیان میں سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا، ایک ساتھ چائے پی اور پھر تھوڑی دیر تک گپ شپ کرنے کے بعد اپنی اپنی جھونپڑی میں سونے کے لئے چلے گئے۔ سلامت اپنی جھونپڑی میں اپنے بستر پر لیٹ کر مدھو کی یاد میں کروٹیں بدلنے لگا۔ اس نے لاکھ کوشش کی کہ نیند آ جائے مگر آج اس سے نیند کوسوں دور تھی۔

وقت دھیرے دھیرے آگے کھسکتا رہا اور پھر وقت مقررہ پر مدھو کی آواز سنائی دی۔ ”جانو آج تو تم ابھی تک جاگ رہے ہو، میں نے تو ہر حال میں آنا ہی تھا، تم سو جاتے، میں آ کر تمہیں جگا لیتی، میں تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم بے سکون رہو۔“

”مدھو! کھلیان میں چند دن کا کام رہ گیا ہے، جب یہاں کا کام ختم ہو جائے گا تو یقیناً کھلیان میں مجھ سمیت کوئی بھی نہیں رہے گا، پھر مجھے اپنے گھر میں رہنا پڑے گا۔ اس صورت میں ہم دونوں کا ملنا بالکل ختم ہو جائے گا، اور میں اب تو تمہاری جدائی کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا، تمہیں نہیں پتہ کہ تمہارے بغیر میں دن اور پھر رات کا اتنا وقت کیسے کاٹتا ہوں، جب تک تم نہیں آتی اس وقت تک میں ماہی بے آب رہتا ہوں۔“ سلامت بولا۔

”تمہارے بغیر یہی حال تو میرا بھی ہوتا ہے۔ خیر تم فکر مند اور پریشان نہ ہو، وہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا، میں کوئی نہ کوئی اپائے نکال لوں گی، جب تم سے دل لگا لیا ہے تو پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا، تم پر جب میں اپنا جیون نچھاور کر سکتی ہوں تو یہ کون سا مشکل ہے کہ میں تم سے نہ مل سکوں، میں تم سے ملنے کے لئے میں ہر جگہ جا سکتی ہوں، تم دنیا کے چاہے کسی کونے میں بھی چلے جاؤ، میں اس جگہ حاضر ہو جایا کروں گی۔“ مدھو نے کہا۔

”مدھو تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں کہ تم بھلا مجھ سے ملنے میرے گھر میں کیسے آؤ گی؟ گھر والے اندر سے دروازے میں کنڈی لگا لیتے ہیں اور پھر یہی نہیں میرے بابا دروازے کے قریب والے کمرے میں سوتے ہیں اور میرا کمرہ بالکل آخر میں ہے تو ایسی صورت میں تمہارا میرے پاس آنا.....“ اور سلامت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کیونکہ مدھو نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی تھی۔ ”اب تم خاموش ہو جاؤ، یہ سوچنا تمہارا کام نہیں بلکہ تمہارے پاس آنا میرا کام ہے۔ تم زیادہ نہ سوچو، نہیں تو تمہارا دماغ کچھ زیادہ ہی الجھ جائے گا، اب اس معاملے میں سوچنا بند کر دو، جب میں تمہارے پاس رات سے آؤں گی تو پھر دیکھنا۔“ یہ بول کر وہ سلامت سے لپٹ گئی۔

پھر دونوں کے من میں طوفانی سرکش لہروں نے سر ابھارا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، دونوں ان بپھری ہوئی لہروں کے تھپیڑے میں غوطہ زن ہو گئے۔ کافی دیر تک دونوں اپنے ہوش سے بیگانہ

رہے اور پھر بپھری ہوئی طوفانی لہروں میں ٹھہراؤ آ گیا۔ دونوں بپھری ہوئی لہروں کے درمیان سے کنارے لگ چکے تھے۔ سلامت تو بالکل بے حس و حرکت پڑ گیا تھا۔

مدعو کی مدہوش کن گنگناتی ہوئی آواز سنائی دی ۔''اچھا اب میں چلتی ہوں، اپنے آپ کو سنبھالو۔''

یہ سننا تھا کہ جیسے سلامت کو کرنٹ سا لگا اور وہ کسمسا کر اٹھ بیٹھا اور بولا۔''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم نہ جاؤ، میرا دل تمہیں جانے دینے پر تیار نہیں، آج تم نہ جاؤ ...... میری بات مان لو...... تمہاری جدائی اب مجھ سے ناقابل برداشت ہے۔''

''میرا تمہارے پاس رکنا ناممکن ہے، دن کا اجالا میرے وجود کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا، دن کی روشنی مجھے فنا کر دے گی، ہم دونوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی ہو جائے گی، ہم تم چاہ کر بھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے، لہٰذا اگر اس طرح ہم روزانہ ملتے رہنے پر قائم رہیں تو میرا جانا ضروری ہے، روز ملنے کے لئے یہ تھوڑا سا وقت جدائی کا تمہیں برداشت کرنا پڑے گا، اب تم آرام کرو میں چلتی ہوں۔'' اور یہ بول کر وہ جھونپڑی سے نکلی اور اچانک اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

کھلیان میں رہتے ہوئے غلے کی رکھوالی کے لئے سلامت کو ایک ماہ کا عرصہ ہونے والا تھا۔ اور اب کھلیان میں ہر طرح کا کام ختم ہو چکا تھا۔

صبح کے وقت وہ گھر آیا تو آج اس کی طبیعت بہت نڈھال ہو رہی تھی، آج تو اسے چکر بھی کچھ زیادہ ہی آ رہے تھے، اس کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی۔ اس کی والدہ نے کہا۔''سلامت کیا بات ہے؟ تم تو بہت زیادہ تھکے تھکے لگ رہے ہو، اور پھر تمہارا رنگ بھی زرد ہو رہا ہے، بیٹا ایسا تو نہیں کہ......'' اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''امی ایسی تو کوئی بات نہیں، بس پتہ نہیں میں اپنے اندر کمزوری محسوس کر رہا ہوں اور چلنے پر مجھے چکر آ رہے ہیں۔ آپ میرے لئے ایک گلاس دودھ گرم کر دیں، دودھ پیوؤں گا تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔''

اس کی امی نے فوراً ایک گلاس گرم دودھ دیا اس میں اصلی شہد ملا کر، اس نے گلاس کا پورا دودھ پی لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی طبیعت بحال ہو گئی تو وہ اٹھا اور نہانے کے لئے کپڑے لیکر کنوئیں پر چلا گیا۔ جب وہ نہا کر آیا تو اس کی طبیعت بحال ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر میں اس کے بابا کھیتوں کی دیکھ بھال کر کے آ گئے تو اس کی امی نے بتایا کہ''سلامت بول رہا تھا کہ میں اپنے اندر کچھ کمزوری محسوس کر رہا ہوں اور چلنے پر چکر بھی آ رہے ہیں، میں نے گرم دودھ میں شہد ڈال کر پلا دیا ہے، اور ابھی تھوڑی دیر پہلے نہا کر آ گیا ہے اور اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ میں نے ناشتہ کا کہا تو جواب دیا کہ''تھوڑی دیر میں کروں گا۔''

یہ سن کر اس کے والد بولے۔''بھئی کھلیان میں رہنا کوئی معمولی بات نہیں، خیر اب وہاں کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اس سے کہنا کہ آج سے کھلیان میں نہ جائے، آج وہ گھر میں سوئے گا، اور میں جا کر حکیم صاحب سے دوا لے آؤں گا، اگر انسان کو مکمل آرام نہ ملے تو اچھے اچھے کمزوری محسوس کرنے لگتے ہیں، اور یہ بات تو میں خود کئی دن سے محسوس کر رہا ہوں۔''

انہوں نے تو بیوی کو سمجھا دیا تھا مگر ان کی جہاندیدہ نظریں بہت دور دیکھ رہی تھیں، ان کے دل میں ایک پھانس چبھ گئی تھی۔''جوان اولاد ہے، اور جوانی منہ زور ہوتی ہے، جوانی پر مکمل کنٹرول رکھنا بہت دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ ہو نہ ہو اس کی اندرونی کیفیت متزلزل ہے، خیر میں حکیم صاحب سے بات کروں گا۔''

سلامت کے والد ایک گھنٹہ بعد گاؤں میں موجود حکیم صاحب کے پاس پہنچ گئے اور حکیم صاحب سے اپنے دماغ کے مطابق سلامت کی کمزوری کے بارے میں بتایا۔

ان کی باتیں سن کر حکیم صاحب بولے۔''ارے شرافت بھائی، جوان اولاد ہے، من سے محنت کرتا ہے،

کھلیان میں رہنا اور وہ بھی ایک ماہ تک، بہت مشکل کام ہوتا ہے، آرام نہیں سکون نہیں وقت پر نیند نہیں، اور کھلیان میں یقیناً یہ سب دوست یار ایک جگہ بیٹھ کر گپ شپ بھی کرتے ہوں گے کافی رات گئے تک اور پھر صبح اذان کے وقت اٹھ جانا، ان حالات کے پیش نظر جوان بہت زیادہ بے آرامی کا اثر اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں، میں دوا دے رہا ہوں چند روز استعمال سے طبیعت بالکل بحال ہو جائے گی، اور ہاں ذرا کھانے پینے پر خیال رکھئے گا، طاقت والی چیزیں کھلائیں بہت جلد چنگا بھلا ہو جائے گا۔ کسی وقت اسے بھیج دیجئے گا، میں اس کی نبض چیک کر لوں گا۔"

حکیم صاحب نے دوا دی اور سلامت کے بابا دوا لے کر گھر آ گئے، بیوی کو دوا دی اور تاکید کر دی کے اس کے کھانے پینے پر خاص خیال رکھا جائے۔ حکیم صاحب نے کہا ہے کہ "چند دن دوا کے استعمال سے صحیح ہو جائے گا۔"

دن ڈھل گیا اور شام کے بعد پھر رات ہو گئی۔ سلامت نے گھر والوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا، اس کی والدہ نے کہا "بیٹا! ابھی دروازہ بند نہ کرنا، تھوڑی دیر میں، میں تمہارے لئے گرم گرم دودھ اور دوا لے کر آ رہی ہوں، تمہارے بابا حکیم صاحب سے تمہارے لئے دوا لے آئے تھے۔

"ٹھیک ہے امی۔" کہہ کر سلامت اپنے بستر پر بغیر دروازہ بند کئے لیٹ گیا۔

اسی دوران پڑوسن خالہ گھر میں آ گئیں اور اس کی امی کے پاس بیٹھ کر اپنی بیٹی کی منگنی کی باتیں کرنے لگیں کہ "آنے والے مہینہ میں فلاں تاریخ کو سکینہ کی منگنی کرنی ہے۔" ان باتوں میں وقت گذرنے لگا اور رات کے نو بج گئے۔ کہ اتنے میں سلامت کی والدہ کو خیال آیا کہ میں نے سلامت کو دوا کے ساتھ دودھ بھی دینا ہے۔ انہوں نے پڑوسن سے اس کا ذکر کیا تو وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

سلامت کی والدہ نے سلامت کو گرم گرم دودھ دیا اور دوا پلا دی، اس کے بعد وہ اس کے کمرے سے باہر آ گئیں اور پھر اٹھ کر سلامت نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا لی۔

آج وہ ذہنی طور پر بہت پریشان تھا اس کے دماغ میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ "مدھو سے اب ملاقات ناممکن ہے۔ کاش کہ کھلیان میں کام ختم نہ ہوتا اور وہ مجھ سے ملتی رہتی۔"

وہ بستر پر لیٹے ہوئے کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا، کسی پل اسے چین نہیں مل رہا تھا، جب وہ کروٹ بدل بدل کر تھک جاتا تو اٹھ کر بستر پر بیٹھ جاتا اور پھر جب اس سے بھی تھک جاتا تو بستر سے نیچے اتر کر کمرے میں ہی ٹہلنے لگتا، ٹہلتے ٹہلتے وہ اپنے ہاتھ کی دونوں مٹھیاں بھینچ لیتا اور پھر اس کے بعد دونوں ہاتھ سے اپنے سر کو پکڑ لیتا۔ بستر پر بیٹھ جاتا اور پھر لیٹ جاتا، مسلسل چھت کو گھورتے رہنے سے آنکھوں میں درد اٹھنے لگتا تو وہ اپنی آنکھیں زور سے موند لیتا اور اس کے منہ سے آواز نکلتی "اوہ! مدھو...... کدھر ہو؟" اور پھر وقت نے بارہ بجائے۔

دروازے کے باہر موجود دونوں کتے گلا پھاڑ کر بھونکنے لگے، آج جس انداز میں کتے بھونک رہے تھے اس سے پہلے انہوں نے کبھی اس طرح نہ بھونکا تھا۔ اندھیری رات اور پوری طاقت لگا کر کتوں کا بھونکنا ......اور پھر تھوڑی دیر بعد جیسے وہ رونے کی آواز نکالتے پھر اچانک فلک شگاف آواز میں بھونکنے لگتے۔ کتوں کی آواز سے قرب و جوار کے لوگوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں، ہر کوئی اپنے گھر میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔

ویسے بھی گاؤں دیہات میں سر شام ہی سب کے گھروں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ لوگ اپنے بستروں میں دبک جاتے ہیں، رات کے بارہ بجے تک گاؤں والے کافی نیند کے مزے لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ لیکن آج اچانک کتوں کی فلک شگاف بھونکنے کی آواز

سے ان کی نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔

اور پھر رات کے ساڑھے بارہ بجتے ہی لوگوں نے ایسا محسوس کیا کہ ان کتوں کے گلے میں کسی زور آور نے پھندا ڈال دیا ہو، کتوں کی آوازیں ایسے ہو گئیں کہ جیسے ان کا گلا دبایا جا رہا ہو، تاکہ وہ بھونکیں نہیں۔ ان کی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ اب بہت زیادہ اذیت میں ہوں، پھر بھونکنے کی آوازیں اچانک کیں کیں...... میں بدل گئیں ......اس کے بعد ان کی آوازیں غراہٹ آمیز ہو گئیں۔

دونوں کتوں میں سے پہلے ایک کی آواز کرب و اذیت کے انداز میں دب گئی، پھر چند سکنڈ بعد دوسرے کی بھی آواز آنا بند ہو گئی۔

دونوں کتوں کی آوازوں کے ختم ہوتے ہی پھر تو ایسا لگا کہ گاؤں بھر کے سارے کتے سلامت کے گھر کے باہر دروازے پر جمع ہو کر ناقابل برداشت حد تک بھونکنا شروع کر دیا۔ کتوں کی آوازوں سے اب تو پورا گاؤں دہل اٹھا۔ اور پھر ان بھونکتے کتوں کی آوازیں اذیت میں ڈوبتی چلی گئیں۔

☆☆☆

کتوں کی آوازیں سن کر پورا گاؤں سہم گیا تھا۔ اس گاؤں میں کبھی بھی اس قدر تیز آواز میں کتوں نے بھونکا نہیں تھا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکل کر دیکھ لیتا کہ آج کتے کیوں اس قدر آپے سے باہر ہو کر بھونک رہے ہیں؟

اتنے سارے کتوں کی آوازیں یکدم جیسے ان کے گلے میں گھٹ گئی ہوں۔ اب کسی بھی کتے کے بھونکنے کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ گاؤں والوں کے دماغ میں یہ بات بھی گردش کر رہی تھی کہ اچانک یہ سارے کتے کیوں خاموش ہو گئے تھے؟

صبح کی پو پھوٹتے ہی گاؤں کے لوگ اپنے کام کاج کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ بارہ تیرہ کتے سلامت کے گھر کے پاس مردہ پڑے ہیں تو وہ لوگ اچنبھے میں پڑ گئے۔ تھوڑی دیر میں سلامت کے والد بھی اپنا دروازہ کھول کر باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کے دروازے کے آس پاس بارہ تیرہ کتے مردہ پڑے ہیں تو دہل کر رہ گئے۔

تھوڑی دیر میں دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا تو لوگوں نے کتوں کو بالکل مردہ دیکھ کر سارے لوگ دہل گئے، دیکھنے والا ہر شخص سکتے کے عالم میں تھا۔

لاکھ ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی ہر شخص اچنبھے میں تھا۔ اتنے سارے کتے آخر کیسے مر گئے، اور یہ خبر آناً فاناً پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ رات میں بھونکنے والے سارے کتے شرافت علی کے گھر کے آس پاس مردہ پڑے ہیں تو پورا گاؤں ان کتوں کو دیکھنے کے لئے اس جگہ جمع ہو گیا، ہر آدمی ایک دوسرے سے سوال کر رہا تھا۔

"یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ کسی بری آتما نے ان کتوں کو مارا ہے۔" گاؤں کے ایک عمر رسیدہ شخص گردھاری لال نے کہا۔ گردھاری لال کی بات سن کر لوگوں کا ذہن بھوت پریت اور آتما کی طرف ہو گیا۔

"گردھاری جی! آپ کی بات میں صداقت تو ہے، لیکن آتما اور کتوں کا بھلا کیا مقابلہ، میں نے تو اپنی پوری زندگی میں کسی کے بھی منہ سے یہ نہیں سنا کہ کسی آتما نے گاؤں کے سارے کتوں کو مار دیا ہو۔" شرف الدین چاچا نے کہا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ چوروں یا ڈاکوؤں نے ان کتوں کو مارا ہے تو یقیناً ان کتوں کو برچھی بھالے یا پھر تلوار سے مارا جاتا، اور اس صورت میں کتوں کا خون زمین پر پڑا ہوتا، ان کے جسم پر کٹنے کے نشانات ضرور ہوتے، مگر ان کتوں کے جسم سے ایک بھی قطرہ خون نکلا نظر نہیں آ رہا ہے۔" سلامت کے والد شرافت علی نے کہا۔

"اور یہ بات بھی اچنبھے میں ڈال رہی ہے کہ یہ سارے کتے شرافت علی کے ہی مکان کے سامنے کیوں بھونکنے لگے تھے اور اسی جگہ مردہ ہو گئے۔" ایک شخص نے کہا۔

"یہ بات تو میرے دماغ سے باہر ہو رہی ہے کہ ایسا ہوا تو کیوں ہوا؟" گردھاری لال نے کہا۔ "یہ ضرور کسی ہوائی چیز کا کیا دھرا ہے، اور یہ بالکل کسی انسان کا کیا ہوا تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

اس جگہ موجود ہر شخص اپنی اپنی بولیاں بول رہا تھا۔ یہ بات تھی بھی حقیقت کہ ایک انسان یا پھر کئی انسان مل کر بھی اس حالت میں ان کتوں کو نہیں مار سکتے تھے۔ انسان تو یقیناً ہتھیار سے ہی مار سکتا تھا۔

سارے کتوں کی گردنیں ٹوٹی ہوئی تھیں اور ان کی زبانیں باہر کو لٹک گئی تھیں۔

سلامت جو چپ چاپ کھڑا تھا، اس کے لب ہلے اور وہ بولا۔ "گردھاری کاکا اگر آپ کی بات مان لی جائے، تو آپ کو یاد ہو گا کہ کھلیان میں جمالا کی موت اور پھر اس کے بعد کھلیان میں غلہ لٹیروں کا حشر نشر، اور آج ان کتوں کی موت، ہم نے کھلیان والے واقعات کا [illegible] کہ کوئی تیس آتا ہے جو کہ کسی کی ذلت، رسوائی، پھر گاؤں والوں پر وہ ان دیکھی چیز مہربان ہے اور آج ان کتوں کی حالت جو ہے اس کے متعلق پر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"سلامت بیٹا! بات تو تمہاری صحیح ہے، ہم پورے گاؤں والے اگر ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھ بھی جائیں تو ان تینوں واقعات کی اصل وجہ نہیں ڈھونڈ سکتے، اصل بات تو کوئی سیانا ہی بتا سکتا ہے اور ہمارے گاؤں میں کوئی اتنا بڑا بدھی مان ہے نہیں۔" گردھاری لال نے کہا۔ "بیٹا سلامت جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا لیکن تمہارے ہی دروازے کے سامنے یہ سارے کتے کیوں مرے؟ خیر اب ان کتوں کو تم نوجوان مل کر کسی بیل گاڑی پر لاد دو، اور گاؤں سے باہر ایک گڑھا کھود کر انہیں اس گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دو۔" گردھاری لال نے کہا۔

دو تین گھنٹے کے اندر اندر سارے کتوں کو گاؤں کے باہر گڑھے میں ڈال کر ان پر مٹی ڈال دی گئی اور گاؤں کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ اب پورے گاؤں میں چند کتے ہی رہ گئے تھے اور وہ کتے وہاں تھے جہاں دوری پر گھر موجود تھے۔

چند لوگوں نے مشورہ دیا کہ آج رات میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں اذان دیں گے، تاکہ اگر کوئی ہوائی چیز گاؤں میں موجود ہے یا پھر اس کے اس گاؤں سے گزر ہوتا ہے تو اذان کی آواز سن کر وہ ہوائی چیز ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔ مسلمانوں نے اذان کا طریقہ اپنایا اور ہندو حضرات اپنے گھر میں بھجن گانے لگے۔ اور یہ طے ہوا تھا کہ تین دن تک متواتر با بلند آواز میں اذان دی جائے، کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ رات کے کسی پہر بھی جس کی آنکھ کھل جائے وہ اپنے گھر میں اذان دینا شروع کر دے۔

رات ہوئی اور پھر وقفے وقفے سے پورے گاؤں میں اذان کی آواز گونجنے لگی۔ ایک دن، دو دن اور تین دن تک متواتر پورے گاؤں میں اذان کی آواز سنائی دیتی رہی۔

چوتھے روز لوگوں نے طے کیا کہ اب یہ ضروری نہیں، اگر کوئی ہوائی چیز ہو گی تو وہ اب گاؤں سے نکل گئی ہو گی اور اب اس طرف کا رخ نہیں کرے گی۔ چوتھی رات بھی بخیر و خوبی گزر گئی، کوئی بھی ایسا واقعہ سامنے نہیں آیا جس سے کوئی ڈر خوف محسوس ہوتا۔

ہر شخص اپنے گھر میں [illegible] میٹھی نیند کے مزے لینے لگا تھا۔

ادھر سلامت کی بے قراری عروج پر تھی۔ رات ہوتے ہی سلامت اپنے کمرے میں ماہی بے آب ہو جاتا اسے دونوں جدائی ناقابل برداشت تھی۔ بستر پر لیٹ جاتا مگر پھر بے چین ہو کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ جاتا اور پھر بستر پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تو چپکے سے اتر کر کمرے میں ٹہلنے لگتا، بار بار اپنے ماتھے پر اپنا ہاتھ مارتا۔ دعوے طے آج آٹھواں دن تھا۔ اس کی بے چینی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

جب سلامت بہت زیادہ تھک گیا تو لالٹین کو بجھا

کر بستر پر لیٹ گیا۔ سوتے وقت وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ بستر پر کروٹیں بدلتے بدلتے آخر کار وہ نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

آدھی رات گزر چکی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی کیونکہ اس نے اپنے چہرے پر کسی کے نرم و ملائم ہاتھ کا لمس محسوس کیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر بھی لایا تو وہ نرم و نازک ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا تو اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''کون؟''

''سرگوشی میں ہی جواب ملا۔ ''میں مدھو ہوں۔''

مدھو کا نام سنا تھا کہ وہ ہڑ بڑا کر اپنے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ ''مدھو یہ تم نے کیا غضب کر دیا، اگر کسی نے دیکھ لیا یا پھر کسی کو تمہاری بھنک بھی پڑ گئی تو میں زندہ در گور ہو جاؤں گا۔ میرا عزت دار باپ شرم سے اپنی جان دے دے گا۔ پورے گاؤں میں ہم ذلیل ہو جائیں گے۔'' سلامت بولا۔

''میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی، یہ آٹھ دن میں نے کس طرح گزارے ہیں یہ میں ہی جانتی ہوں۔ اگر دل چیر کر رکھ سکتی تو میں تمہیں دکھا دیتی۔ تمہاری جدائی مجھ سے ناقابل برداشت ہے۔'' مدھو بولی۔

''مگر تم میرے کمرے میں آ ئیں کیسے؟''

''بس میں چلی آئی۔'' مدھو نے کہا۔

''لیکن کمرے کی کنڈی اندر سے لگی ہوئی ہے، باہر دروازے میں اندر سائیڈ تالا لگا ہوا ہے، بابا دروازے کے قریب ہی سوتے ہیں۔ گھر کی دیواریں بھی اتنی اونچی ہیں کہ کوئی مرد بھی اوپر نہ چڑھ سکے، تمہارا میرے کمرے میں آنا، یہ کیسے ممکن ہے؟'' سلامت بولا۔

''مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ بس میں آ گئی۔ اور میں یہ بھی بتا دوں کہ آتے ہوئے مجھے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی کبھی کوئی مجھے دیکھ سکتا ہے۔ تم فکر نہ کرو، دل میں کوئی بھی خیال نہ لاؤ، اگر آج میں نہ آتی تو نہ جانے کیا ہو جاتا؟'' مدھو نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' سلامت بولا۔

''مطلب یہ کہ تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دل پھٹ جاتا۔'' اور یہ بول کر مدھو نے سلامت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل کی جگہ پر رکھ لیا۔ سلامت نے محسوس کیا کہ اس کا دل واقعی ایک عام رفتار کے بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''اب تم ہی بتاؤ کہ میرے دل کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ تمہاری خوشی میری خوشی ہے، جس نے بھی میلی آنکھ سے تمہیں دیکھا تو میں اس کی آنکھ نکال دوں گی۔ کوئی تمہیں تکلیف پہنچا کر زندہ نہیں رہ سکتا، یہ میرا وعدہ ہے، تم سے۔'' مدھو نے کہا۔

''چلو تمہاری باتیں میں مان لیتا ہوں کہ کسی نے تمہیں یہاں آتے دیکھا نہیں اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے۔ مگر یہ ممکن کیسے ہو سکتا ہے؟ اصل حقیقت تم بتاؤ! نہیں تو یہ سوچ سوچ کر میرا دل پھٹ جائے گا اور تمہیں میری قسم یہ بتلا دو کہ تم آ ئیں کیسے؟'' سلامت اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے چہرے کو لیتے ہوئے بولا۔

''تم نے مجھے اپنی قسم دی ہے تو، اب مجھے بتانا ہی پڑے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ میرے باپو بہت گیان دھیان والے ہیں، جنتر منتر کے ماہر ہیں۔ انہوں نے مجھے چند منتر بتا دیئے ہیں، اور وہ منتر ایسے ہیں کہ جب میں پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیتی ہوں تو میں دوسروں کی نظروں سے غائب ہو جاتی ہوں، اور صرف یہی نہیں بلکہ میں ہوا کی مانند جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ میرے لئے کہیں بھی آنا جانا کوئی مشکل نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں بے دھڑک تمہارے پاس آتی ہوں، اور آج تمہارے پاس موجود ہوں۔'' مدھو سلامت کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ ''اب تم شانت رہا کرو، کسی پل بھی کوئی بھی مجھے تمہارے پاس آتے سے نہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی میری آواز سن سکتا ہے۔'' مدھو نے تفصیل بتائی۔

''تو پھر تم دن میں کیوں نہیں آتی ہو، صرف رات کا کیا چکر ہے؟'' سلامت نے سوال کر دیا۔

''دراصل یہ منتر صرف رات میں کام کرتا ہے،

دن کا اجالا پھیلتے ہی یہ منتر بے کار ہو جاتا ہے، یعنی اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے، اچھا اب یہ باتیں چھوڑو۔'' مدھو نے سلامت کو مطمئن کر دیا۔

سلامت نے مدھو کی باتیں سن کر ایک لمبا سانس کھینچا۔ وہ تو خود بھی مدھو کی جدائی میں بے چین تھا۔ اس نے مدھو کو پوری طاقت سے اپنی بانہوں کے حصار میں بھینچ لیا اور بولا۔ ''اگر یہ بات ہے تو تم نے اپنی جدائی میں مجھے سات دن کیوں تڑپایا۔''

''دراصل ایک رکاوٹ آ گئی تھی۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، سے کو ضائع نہ کرو۔'' اور مدھو نے بھی سلامت کو بھینچ لیا۔ اور دونوں جذبات کی رو میں بہتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ اور آخر جذبات کا طوفان سرد پڑ گیا۔

سلامت نے مدھو کو اپنے آپ سے الگ نہیں کیا کہ اتنے میں مدھو کی رسیلی آواز سنائی دی۔ ''اچھا اب میں چلتی ہوں، اب میرے جانے کا سمے ہو گیا ہے۔ اب تم آرام سے سو جاؤ، کل میں پھر آؤں گی۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم نہیں جاؤ، اور اپنا منتر پڑھ کر سب کی نظروں سے غائب رہو، اور میرے قریب رہو۔'' سلامت بولا۔

''میں نے کہا ناں کہ دن کے اجالے میں غائب ہونے کا منتر کام نہیں کرتا۔ اور دن ہوتے ہی میں اپنی اصلیت کھو دوں گی، جو کہ ہم دونوں کے لئے خطرناک ہو گا۔ تم آرام کرو، اب میں جا رہی ہوں۔'' اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئی۔

سلامت اپنا دل مسوس کر رہ گیا، وہ کسی صورت بھی نہیں چاہتا تھا کہ مدھو اس سے ایک پل کے لئے بھی دور ہو جائے مگر بقول مدھو کے ایسی مجبوری تھی کہ وہ چوبیس گھنٹے سلامت کے پاس نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

صبح ہوئی اور دن کا اجالا ہر سو پھیل گیا۔ سلامت کی اماں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ''سلامت بیٹا! کافی دن چڑھ آیا ہے، دروازہ کھولو، بیٹا دروازہ کھولو۔'' انہوں نے کئی آوازیں دیں مگر سلامت تو بہت گہری نیند میں تھا، کئی آوازوں پر وہ نہیں اٹھا تو اس کے بابا نے دروازہ بہت زور سے پیٹ ڈالا۔

دروازہ پیٹنے کی آواز بہت زور کی تھی کیونکہ اس سے پہلے سلامت اتنی گہری نیند نہیں سوتا تھا اور ویسے بھی اس سے پہلے وہ دروازہ بند بھی نہیں کرتا تھا مگر آج اس قدر مدہوشی کی نیند سویا تھا اور پھر دروازہ نہ کھلنے کی تشویش سے گھر والے گھبرا گئے تھے۔ کافی دیر بعد آخر اس نے نیند میں لڑکھڑاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

سلامت کو سامنے دیکھ کر گھر والوں کی جان میں جان آئی۔ ''بیٹا خیریت!'' کہ اچانک اس کے بابا کی ناک سے ایک تیز بساند قسم کی بو ٹکرائی۔ جس سے وہ اپنی ناک پر انگلی رکھے ہوئے دروازہ سے باہر کی طرف ہٹ آئے۔

''سلامت تمہارے کمرے میں یہ بو کس قسم کی ہے؟'' بابا نے پوچھا۔

''بابا مجھے تو کسی بھی بو کا پتا نہیں چل رہا ہے اور میرے کمرے میں بو کا کیا کام؟'' سلامت بولا۔

اتنے میں اس کی امی بھی دروازے پر آ گئیں۔ انہوں نے بھی کمرے سے باہر نکلتی ہوئی عجیب طرح کی بو کا ذکر کیا۔ تو سلامت نے انہیں بھی یہ بول کر ٹال دیا کہ ''آپ لوگوں کو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے اور مجھے تو بالکل بھی بو نہیں آ رہی ہے۔''

اور آج تو سلامت کے چہرے پر بھی ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اس کے پورے منہ پر ہلدی مل دی ہو، بڑے غور سے اس کے بابا نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر واپس آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئے، لیکن ان کا ذہن نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا تھا۔ ان کی تجربہ کار نگاہیں کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہی تھیں، سلامت کی آنکھیں بھی چغلی کھا رہی تھیں کہ سلامت رات بھر سویا نہیں ہے اور صبح ہونے سے پہلے ہی سویا ہے جس کی وجہ سے وہ نیند سے بیدار نہیں ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی آنکھیں بہت زیادہ نیند کی کمی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''بیٹا کیا بات ہے؟ آج کل تم جن حالات سے دو چار ہو، ایسا لگتا ہے کہ جیسے کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ہو، جیسے تمہاری کوئی چیز گم ہوگئی ہو، تمہاری آنکھیں ہر وقت متلاشی نظر آنے لگی ہیں، کہاں تم اذان فجر کے وقت اٹھ جاتے تھے اور اب اٹھانے پر بھی تم نیند سے بیدار نہیں ہوتے تمہارے کمرے اور تمہارے جسم سے عجیب طرح کی بساند بو آتی ہے۔ تمہارے جسم سے کمزوری جھلکنے لگی ہے، چہرا بھی دن بدن پیلا پڑتا جارہا ہے، تمہاری حالت سے تمہارے بابا بہت پریشان ہیں اور یہ ساری باتیں انہوں نے ہی کی ہیں اور ان باتوں سے میں بھی اتفاق کرتی ہوں۔

اگر تمہیں کوئی تکلیف یا کسی قسم کی اندرونی پریشانی ہے تو بیٹا کھل کر بتاؤ۔ بیٹا جوان اولاد کی پریشانی ماں باپ کے لئے بہت اذیت کی ہوتی ہے، میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا، اور پھر مجھے ضرور بتانا، اب تم جا کر غسل کرو، میں تمہارے لئے ناشتہ تیار کرتی ہوں۔''

''ارے امی ایسی کوئی بات نہیں، آپ لوگ پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں، بابا کو بول دیجئے گا بالکل بھی فکر نہ کریں، بس آج نیند نہیں آ ئی تھی، کافی رات گئے میری آنکھ لگ گئی، اس وجہ سے دروازہ کھولنے میں دیر ہوگئی۔ اچھا آپ ناشتہ بنائیں، میں نہا کر آتا ہوں۔'' سلامت نے کہا اور نہانے کے لئے چلا گیا۔

''نہا کر سلامت آیا، ناشتہ کیا اور پھر کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے چلا گیا، پھر کھیتوں سے ہوتا ہوا آموں کے باغ میں آ کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا کیونکہ دھوپ کافی تیز تھی۔ آج وہ ان باتوں پر غور کرنے لگا جن باتوں کی نشاندہی اس کی والدہ نے کی تھی۔ باتوں پر غور کرتے کرتے اس کے دماغ میں مدھو کا خیال آیا۔

اور جو باتیں تھیں ان باتوں کی ذمہ دار صرف مدھو تھی۔

رات میں مدھو کا آنا اور صبح اذان سے پہلے پہلے جانا جس کی وجہ سے وہ رات بھر جاگتا رہتا تھا اور پھر روزانہ مدھو کے پیار میں بے خبر ہو کر جذبات کے رو میں بہتے ہوئے بہت دور تک چلے جانا، یہ ساری باتیں صحت کے لئے مضر تھیں۔ چند منٹ تک اس نے ان باتوں پر غور کیا اور پھر مسکراتے ہوئے اس نے اپنا سر جھٹکا اور اس جگہ سے اٹھ کر اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے چلا گیا۔

لیکن اس کے ذہن میں مدھو کا خیال گردش کرتا رہا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ دن کے بجائے رات کا وقت کر دیتا، اس نے ہاتھ میں بندھی گھڑی دیکھی اور بولا۔ ''اوہ! ابھی تو رات کے بارہ بجنے میں بارہ گھنٹے باقی ہیں، خیر میں کر بھی کیا سکتا ہوں، مدھو تمہارے لئے یہ تو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔'' یہ سوچتے ہوئے وہ اپنے دوست عرفان کے پاس چلا گیا۔

''ارے سلامت خیریت تو ہے ناں!'' اتنی گرمی اور دھوپ میں تو کیسے آج راستہ بھول کر آ گیا، اور کافی تھکا ہوا لگ رہا ہے، تو چار پائی پر بیٹھ میں ٹھنڈا پانی لاتا ہوں۔'' یہ بول کر عرفان ٹھنڈا پانی لینے گھر کے اندر چلا گیا۔

جلدی سے عرفان ٹھنڈا پانی لے آیا۔ سلامت نے ٹھنڈا پانی پیا تو اسے کچھ سکون ملا۔

عرفان نے پوچھا۔ ''سلامت کیا بات ہے؟ واقعی تو بہت تھکا تھکا لگ رہا ہے، کیا کہیں دور سے آ رہا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''یار کیا بتاؤں! آج کل اپنے اندر کچھ کمزوری محسوس کر رہا ہوں، تھوڑی دور چلتا ہوں تو نقاہت سے نڈھال ہو جاتا ہوں، ٹھنڈے پسینے آنے لگتے ہیں اور پھر زیادہ چلوں تو چکر بھی آنے لگتے ہیں۔ بابا بھی میری صحت کے معاملے میں کچھ پریشان ہو گئے ہیں، خیر میں حکیم کے پاس جاؤں گا، دوا لے آؤں گا۔'' عرفان سے سلامت نے کہا۔

''میرا تو مشورہ ہے کہ تو آج ہی حکیم صاحب کے پاس جا کر دوا لے آیا، تیرے چہرے اور جسم سے واقعی لگ رہا ہے کہ تو بہت کمزور ہو گیا ہے۔'' عرفان نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں آج ہی حکیم صاحب کے پاس چلا جاؤں گا۔'' سلامت بولا۔ دونوں بیٹھے باتیں کرتے رہے اتنے میں دن کے ڈھائی بج گئے تو عرفان نے کہا۔

''تو ہاتھ منہ دھونے میں کھانا لاتا ہوں۔ آج تیرے ساتھ کھانا کھا کر مجھے بہت مزہ آئے گا، اور ویسے بھی میں نے اندر امی سے کہہ دیا تھا کہ سلامت آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوئیں اور بولنے لگیں۔ ''سلامت کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دینا۔''

''کھانے وانے کا تکلیف نہ کر، ویسے بھی میں نے آج ناشتہ کافی دیر سے کیا تھا۔ امی بھی گھر پر انتظار کر رہی ہوں گی میں چلتا ہوں۔'' سلامت بولا۔

بیٹھک میں بیٹھے دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بیٹھک میں عرفان کی امی آ گئیں تو انہیں دیکھتے ہی سلامت نے اٹھ کر انہیں سلام کیا اور بولا۔ ''خالہ آپ کیسی ہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔''

''ہاں بیٹا میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر یہ تمہیں کیا ہوگیا، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، کافی دبلے ہوگئے ہو؟ اور تم کھانے کے لئے انکار کیوں کر رہے ہو، چلو خاموشی سے بیٹھ جاؤ، میں کھانا لاتی ہوں، بغیر کھانا کھائے میں نہیں جانے دوں گی، چلو شاباش بیٹھ جاؤ۔'' اور یہ بول کر وہ اندر چلی گئیں۔ ''بچو! اب بولو'' عرفان نے کہا۔

''خالہ کی بات تو میں ٹال نہیں سکتا۔ خیر کوئی بات نہیں۔'' یہ بول کر سلامت بیٹھ گیا۔ چند منٹ میں ہی کھانا آ گیا تو دونوں نے کھانا کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد سلامت اپنے گھر آ گیا، تو اس کی امی نے آتے ہی کہا۔ ''بیٹا اب جلدی سے کھانا کھالو۔''

سلامت بولا۔ ''امی میں عرفان کے پاس چلا گیا تھا، وہاں خالہ نے زبردستی کھانا کھلا دیا۔''

''خیر کوئی بات نہیں، زبیدہ ہے بھی بہت دل والی، جب بھی جاؤ تو بغیر کھانا کھلائے آنے نہیں دیتی۔'' سلامت کی امی بولیں۔

شام کے پانچ بجے اس کے بابا آئے اور سلامت کے پاس ہی بیٹھ گئے اور بولے۔ ''بیٹا تمہیں کل حکیم وقا[ر] نے بلایا ہے، ان کے ساتھ جو حکیم کامل تھے انہوں نے ک[ہا] تھا کہ آپ بچے کو اکیلے بھیج دیجئے گا، آپ کا آنا ضرور[ی] نہیں۔ تم ایسا کرنا کل صبح ہی صبح کرمو کو ساتھ لے کر گھو[ڑا] گاڑی پر نکل جانا۔''

''جی بہت اچھا۔'' کہہ کر سلامت اپنے کمر[ے] میں جا کر لیٹ گیا اور مدھو کے خیالوں میں گم ہوگیا۔

شام ہوئی اور پھر شام کے بعد اندھیرے نے پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد سلامت اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ لیکن لیٹنے سے پہلے اس نے دروازے کی کنڈی لگانا بھولا نہیں تھا۔

ادھر رولوکا نے اپنے علم اور خفیہ کارندوں کی مد[د] سے سلامت اور مدھو کی ساری حقیقت کو معلوم کر لیا تھا کہ آخر سلامت کی بیماری یا کمزوری کا اصل مسئلہ کیا ہے؟

پھر بھی رولوکا حقیقت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتا تھا۔ اسے تو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ مدھو رات کے کس ٹائم سلامت کے پاس آتی ہے، لہٰذا وقت مقررہ پر رولوکا پوشیدہ حالت میں سلامت کے کمرے میں موجود تھا۔

مدھو کے انتظار میں سلامت کروٹیں بدلتا رہا کہ اپنے وقت پر مدھو اس کے پاس آ گئی۔ ''کیا بات ہے، آج تمہیں نیند نہیں آئی، کروٹ پر کروٹیں بدل رہے ہو۔'' مدھو بولی۔

''تم چیز ہی ایسی ہو کہ تمہارے بغیر بھلا نیند آ سکتی ہے؟ آج تو میں دن سے ہی تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ آج میری طبیعت بھی بہت نڈھال رہی ہے اور پتا نہیں کیا ہوگیا ہے کہ اب تو دو قدم چلتا ہوں تو مجھے چکر آنے لگتے ہیں اور میں ستانے کے لئے بیٹھ جاتا ہوں۔'' سلامت بولا۔

"تو اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں، تم ٹھیک ہو جاؤ گے، میں نے اپنے بابا سے بات کی تھی تمہاری طبیعت کے متعلق تو انہوں نے یہ شربت دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ پیتے ہی تم چاک و چوبند ہو جاؤ گے، اور چند دن کے استعمال سے تمہاری ساری کمزوری دور ہو جائے گی، میں نے تم سے پیار کیا ہے تو تمہارے لئے تو یہ سب کرنا ہی پڑے گا۔ چلو اسے جلدی سے پی لو۔" مدھو بولی۔

"بھئی شربت تو بہت میٹھا اور مزیدار ہے۔"

غالباً سلامت نے شربت پی لیا تھا۔ چونکہ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا لہٰذا کچھ نظر آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

شربت کے پیتے ہی سلامت کے جسم میں توانائی کا کرنٹ سا دوڑ گیا تو وہ بولا۔ "ارے مدھو یہ شربت ہے یا بجلی کا جھٹکا، اس کے پیتے ہی میرے جسم میں گرمی دوڑ رہی ہے اور میری کمزوری تو بالکل ختم ہو گئی۔"

"ابھی تو آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟ تم فکر بالکل بھی نہ کیا کرو، میں جو ہوں نا فکر کرنے والی۔

لیکن آج مجھے تمہارے کمرے میں کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے، جیسے اس کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا بھی موجود ہے، میرا من کہہ رہا ہے۔" مدھو بولی۔

"تمہارا من خراب ہو گیا ہے، ہم دونوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے، میں نے خود کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تھی، اگر ایسی بات ہے تو چلو لالٹین جلا کر دیکھ لیتے ہیں، تب تو تمہیں اطمینان ہو جائے گا۔" سلامت بولا۔

"ارے نہیں نہیں لالٹین نہیں جلانا۔" مدھو بولی۔ رات میں روشنی مجھے بہت زہر لگتی ہے۔ اور میں تمہیں ایک شعر سناتی ہوں۔ سنو۔

آج شب وصل ہے گل کر دو ان چراغوں کو
خوشی کے بزم میں جلنے والوں کا کیا کام

"واہ بھئی واہ!! تم تو شعر بھی کہہ لیتی ہو، اور یہ شعر تو تم نے بہت خوب کہا۔" سلامت بولا۔ پھر وہ دونوں جذبات میں بہنے کی تیاری کے لئے پر تولنے لگے تو رولوکا موقع محل کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کمرے سے نکل کر پوشیدہ حالت میں مطب کے اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

وقت مقررہ پر مدھو نے سلامت سے اجازت چاہی اور اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

سلامت نے آج اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھا کیونکہ صبح سویرے ہی دلی حکیم وقار کے پاس پہنچنا تھا۔ اذان فجر کے وقت وہ اٹھا۔ نہایا دھویا۔ آج اس کے جسم میں عجیب طرح کی توانائی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ مدھو نے اسے توانائی کا شربت جو پلایا تھا۔

علی الصبح سلامت نے ناشتہ کیا اور گھر سے نکل گیا، باہر اس کے بابا بھی موجود تھے۔ گھوڑا گاڑی لئے کرمو پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس کے بابا نے کرمو سے کہا۔

"کرمو دیکھ بھال کر گاڑی چلانا اور کوشش کرنا کہ جلدی واپس آ جاؤ۔

بیٹا حکیم صاحب کی بات غور سے سننا اور دوا کے متعلق پوری تفصیل ذہن نشین کر لینا۔ اچھا اب جاؤ خدا حافظ۔" سلامت گاڑی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

اور کرمو نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے اشارہ کیا تو گھوڑا آگے بڑھنے لگا۔ اور تھوڑی دیر میں ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ دن کے ساڑھے دس بجے سلامت حکیم وقار کے مطب پہنچ گیا۔ کرمو نے ایک طرف گاڑی روکی اور پھر سلامت گاڑی سے اتر کر انتظار گاہ میں بیٹھ گیا۔ مریضوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ گیارہ بجے وہ حکیم وقار کے سامنے جا کر بیٹھ گیا تو حکیم وقار بولے۔ "آپ برائے مہربانی حکیم کامل کے پاس جائیں، وہ برابر والے کمرے میں تشریف رکھتے ہیں۔"

یہ سن کر سلامت برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ رولوکا آنکھیں بند کئے پتہ نہیں کن خیالوں میں گم تھا۔ خیر جھجکتے ہوئے سلامت نے السلام علیکم کہا تو رولوکا نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ رولوکا نے سلام کا جواب دینے کے

بعد کہا۔ ''آپ تشریف لے آئے، بیٹھ جاؤ۔''

سلامت رولوکا کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو رولوکا بولا۔

''اور سنائیں طبیعت کیسی ہے؟''

''حکیم صاحب! مجھے طبیعت ٹھیک نہیں لگتی، نقاہت اور کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اب تو چند قدم چلنے سے چکر آنے لگتے ہیں، بس دل چاہتا ہے کہ ہر وقت آنکھیں بند کئے اپنے کمرے میں پڑا رہوں۔'' سلامت بولا۔

''دن بھر آنکھیں بند کئے پڑا رہوں اور آدھی رات کے وقت کسی کی آمد پر آنکھیں کھول کر رات بھر جاگتا رہوں اور پھر اس کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر رہوں، یہی دل چاہتا ہے ناں۔'' رولوکا اپنی نظریں بند کئے سلامت سے بولا۔

''حکیم صاحب کیا مطلب؟'' سلامت جھٹ سے بولا۔

''مطلب تم واضح سمجھ رہے ہو'' رولوکا بولا۔

''میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ باتیں تمہارے والد یا پھر حکیم وقار کے سامنے رکھوں۔ جو کچھ میں بتا رہا ہوں، تم سمجھ رہے ہو۔''

''حکیم صاحب اب میں کیا بتاؤں، آپ ساری حقیقت جان گئے ہیں، بس جی.....'' اور سلامت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اس کا نام مدھو ہے۔'' رولوکا مسکراتے ہوئے بولا۔

''حکیم صاحب آپ کو تو اس کا نام تک معلوم ہے، کیا آپ اسے جانتے ہیں؟ وہ کون ہے، کیا ہے اور کہاں سے آتی ہے؟ میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' سلامت ندامت بھرے لہجے میں بولا۔

''میاں جوانی دیوانی ہوتی ہے سنا ہے اور اکثر نوجوان دیوانگی کے عالم میں اپنے اردگرد کے حالات سے بے خبر، بس جذبات کے سمندر میں کود پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صنف نازک کے چکر میں کسی اور کی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اگر انہیں کوئی سمجھائے تو اسے اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ بس ہر وقت اس کے خیالوں میں گم رہنا اور اگر ان کا بس چلے تو اس کی خاطر ساری دنیا کو تہہ تیغ کر دیں۔ یہی بات ہے ناں۔'' رولوکا مسکراتے ہوئے بولا۔

''حکیم صاحب میں کیا بتاؤں، ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے، اس کے سوا مجھے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا اور اس کی باتوں کے سوا کسی اور کی بات سننے کو دل نہیں چاہتا۔'' سلامت نظریں جھکائے ہوئے بولا۔

''میاں تمہارے اور موت کے درمیان کا فاصلہ دن بدن کم ہو رہا ہے، یہ ایک بہت اہم راز ہے، یہ سلسلہ تمہارے ساتھ کھلیان سے شروع ہوا اور اب تمہارے کمرے تک پہنچ گیا ہے۔''

''حکیم صاحب یہ آپ کیا بتلا رہے ہیں۔ میرا اور موت کا درمیانی فاصلہ.....'' سلامت اچنبھے کی حالت میں بولا۔

''ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ موت کی صورت میں مدھو، تمہیں اپنے شکنجے میں جکڑتی جا رہی ہے اب اس کے شکنجے سے نکلنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ ہر روز تمہارا خون چوس رہی ہے، اور تمہیں کوئی خبر نہیں۔

یہ تو اچھا ہوا کہ تم میرے پاس آ گئے، اور میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ شاید تمہارے والدین کی کوئی نیکی کام آ رہی ہے، ورنہ تم اب تک بہت اذیت ناک موت سے ہمکنار ہو چکے ہوتے۔ اسے بھی تم سے کچھ لگاؤ ہو گیا ہے، نہیں تو وہ اب تک تمہیں اپنے ساتھ لے جا چکی ہوتی، لیکن اس کی کوشش ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گی۔

بہت کم دن رہ گئے ہیں کہ تمہارا ناطہ اس دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ تمہارے جسم میں خون اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔

خیر تم گھبراؤ نہیں، بالکل بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی تم اس پر کسی قسم کا خدشہ ظاہر کرو گے۔

جب وہ تمہارے پاس آئے گی تو ہر روز کی طرح اس سے والہانہ انداز سے ملو گے۔ اس طرح اسے تمہارے رویہ سے کوئی بھی خطرہ ظاہر نہیں ہوگا۔

باقی کا مسئلہ میں سنبھال لوں گا۔ اگر تم نے اس پر اپنا خوف یا پھر اس کی اصلیت اس پر ظاہر کر دیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا، اور پھر وہ تمہیں فوراً جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی، تو کیا خبر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔ میری باتیں اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے میرے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرو گے تو اس سے تمہاری جان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے گی۔" رولوکا نے کہا۔

"جی حکیم صاحب میں آپ کی باتوں پر من وعن عمل کروں گا، میں اس پر کسی قسم کا بھی خوف ظاہر نہیں کروں گا، اور نہ ہی اس سے کوئی ایسی ویسی بات کروں گا کہ اسے پتہ چل جائے کہ مجھے اس کی اصلیت کا پتہ چل گیا ہے۔" سلامت نے کہا۔

"آج رات وہ ٹھیک اپنے مقررہ وقت پر آئے گی، اور تم ہر روز کی طرح اس کا انتظار کرو گے۔"

"جی! میں ایسا ہی کروں گا۔" سلامت بولا۔

رولوکا نے ایک سوئی سلامت کو دی۔ سوئی میں لمبا سا سفید دھاگہ پڑا تھا۔ وہ سوئی دیتے ہوئے بولا۔ "یہ سوئی تم سنبھال کر اپنے پاس رکھنا سوئی میں دھاگہ رہنا چاہئے، ویسے میں نے دھاگہ کے دونوں سروں کو ایک جگہ کر کے گرہ لگا دیا ہے، دھاگہ سوئی سے نکلے گا نہیں۔

سوئی کو تم نے احتیاط سے سنبھال کر رکھنا ہے۔ تا کہ اسے پتہ نہ چلے۔

جب وہ تمہارے پاس آجائے اور ہر روز کی طرح راز و نیاز اور پیار کی باتیں کرنے لگے تو تم بھی بھرپور اس کا ساتھ دینا۔ اس سے پیار و محبت اور والہانہ طریقے سے اس کے ساتھ پیش آنا۔ اس کی نظر میں تم بے خود سے ہو جاؤ گے۔

مگر اندرونی طور پر تم خود پر قابو رکھنا، اپنے آپ کو بہکنے نہ دینا، بلکہ اپنے ہوش وحواس کو قائم رکھنا۔

پھر جب وہ جانے کی بات کرنے لگے تو، بہت احتیاط کے ساتھ یہ سوئی اس کے کپڑے میں لگا کر چھوڑ دینا۔ سوئی اس طرح کپڑے میں لگانا کہ اسے پتہ نہ چلے اور سوئی کے نکلنے کا احتمال نہ ہو۔ یہ کام بہت احتیاط سے تم نے کرنا ہے۔ اور پھر وہ چلی جائے گی۔ اور تم حسب معمول سو کر رات گزارنا۔ دن کے کسی بھی وقت میں تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ پھر باقی کام میرا ہوگا۔

اس بات کا ذکر تم اپنے والد، گھر والوں یا کسی دوست یار سے بھی نہیں کرنا۔ میں تمہیں ایک شربت دے رہا ہوں، تمہارے گھر والے معلوم کریں تو انہیں بتا دینا کہ حکیم صاحب نے یہ دوا دی ہے، اور بولا ہے کہ تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔

جب میں آؤں گا تو باقی باتیں وہیں ہوں گی۔ یہ شربت لو، اور اپنے گھر چلے جاؤ۔

میری باتیں ذہن میں رکھنا اور جیسا میں نے کہا ہے، اس پر ہوش وحواس سے عمل کرنا، بھول چوک میں تمہارا جانی نقصان ہو سکتا ہے۔ اب تم جاؤ۔" بول کر رولوکا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

سلامت نے رولوکا سے مصافحہ کیا اور اپنے گھر آنے کے لئے مطب سے نکل گیا۔ جب وہ باہر آیا تو کرمو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ گھوڑا گاڑی پر بیٹھا اور کرمو سے بولا۔ "کرمو چلو۔" یہ سنتے ہی کرمو نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے اشارہ دیا تو گھوڑا آگے کی جانب بڑھنے لگا۔

گاڑی تیزی سے آگے کو بڑھتی رہی لیکن گاڑی سے کہیں تیز رفتار سے اس کا ذہن دوڑ رہا تھا۔ سلامت سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔

رولوکا کی باتوں نے اسے اندر سے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ مدھو کا ایک بھیانک اور خوفناک چہرا اس کے سامنے آ گیا تھا۔ کھلیان میں اس کا ملنا، کھلیان میں جمالے کی اندوہ ناک موت۔

پھر کھلیان میں ہی غلہ لٹیروں کی اذیت ناک

حالت، بیلوں کا مرا ہونا۔
رات کے وقت گاؤں کے کتوں کا بھونکنا اور پھر تمام کتوں کی وحشت ناک موت۔
پھر سب سے زیادہ اچنبھے میں ڈالتی رات کے وقت کمرے کا دروازہ بند ہونے کے باوجود اس کا کمرے میں آنا۔ یہ تمام کی تمام حقیقت اس پر عیاں ہو چکی تھی۔ اور اب وہ اندرونی طور پر کپکپا رہا تھا۔ اس کی عقل یہ جاننے سے ابھی بھی قاصر تھی کہ "آخر مدھو ہے کیا؟"
مدھو کا ہمیشہ رات میں ہی آنا، اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے پہلے چلے جانا۔ بلکہ کمرے میں لالٹین بھی نہ جلانے دینا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ اس کا ذہن سوچ کے گرداب میں غوطے کھا رہا تھا۔ اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی کمزوری حد سے بڑھ چکی تھی۔
گھوڑا گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی لیکن وہ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہوئے خیالوں میں محو تھا کہ اچانک اس کی زبان سے نکلا۔ "یا اللہ میری مدد فرما، اللہ تو رحمن ہے رحیم ہے کریم ہے، میری غلطیوں کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف فرما۔" پھر وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ "اچھا ہوا کہ میرے بابا حکیم وقار اور حکیم کامل کے پاس مجھے لے کر آئے تھے ورنہ میں تو......"
اس کی سوچ یہیں تک پہنچی تھی کہ کرمو گاڑی روک کر بولا۔ "سلامت بابو، اتریں گھر آ گیا ہے۔" کرمو کی بات سن کر وہ چونک پڑا اور اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تو دیکھا کہ واقعی گھر آ گیا تھا۔ گھوڑا گاڑی دروازے پر کھڑی تھی اور ایک کنارے اس کے بابا کھڑے تھے۔
بابا کو دیکھتے ہی وہ گھوڑا گاڑی سے نیچے اتر آیا۔
"بیٹا آ گئے۔" اس کے بابا نے پوچھا۔
"جی بابا!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔
"حکیم صاحب نے کیا کہا ہے؟" اس کے بابا نے پوچھا تو وہ بولا۔ "حکیم صاحب نے دوا دی ہے اور بولا ہے کہ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
"چلو ٹھیک ہے۔ منہ ہاتھ جلدی سے دھولو اور کھانا کھاؤ۔" اس کے بابا نے کہا۔
کرمو گھوڑے کو کھول کر اس کے آگے چارا ڈال دو، اور تم بھی منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ، وقت زیادہ ہو گیا ہے، بھوک بھی لگی ہوگی۔" انہوں نے کہا۔
"جی مالک!" یہ کہتے ہوئے کرمو گھوڑا گاڑی کو لے کر آگے بڑھ گیا۔
سلامت گھر میں داخل ہوا تو اس کی امی اسے دیکھ کر بولیں۔ "بیٹا کیسی طبیعت ہے، حکیم صاحب نے کیا کہا ہے، دوا دی ہے اور کھانے پینے کا کیا کہا ہے؟"
"ارے ذرا صبر کرو، تم تو ایک ہی سانس میں بولے جا رہی ہو۔" اس کے بابا نے کہا۔ سلامت کی دونوں بہنیں ایک طرف کھڑی بھائی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔
"میں نے معلوم کر لیا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا ہے کہ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں اور کھانے پینے میں بادی چیزیں نہ کھاؤ اور زیادہ سے زیادہ طاقتور خون بنانے والی چیزیں کھاؤ۔"
سلامت کے بابا نے کہا۔ تو سلامت نے مسکرا کر اپنے بابا کو دیکھا۔
"سلامت میں نے ٹھیک کہا ناں۔ یہی باتیں حکیم صاحب نے بتائی ہیں۔"
"جی بابا! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" سلامت بولا۔
"ارے بھئی تم سوالات ہی کرتی رہو گی یا اسے کھانے کے لئے بھی دو گی۔" سلامت کے بابا نے کہا۔ تو اس کی امی بچیوں کی طرف مڑیں اور بولیں۔ "ارے تم دونوں منہ کیا دیکھ رہی ہو، جلدی سے بھائی کے لئے کھانا گرم کرو، اسے بھوک بھی لگی ہو گی۔" یہ سنتے ہی دونوں بہنیں باورچی خانہ کی طرف بڑھ گئیں۔
"امی میں ذرا غسل کر لوں، پھر کھانا کھاتا ہوں، راستے میں کافی گرمی تھی۔" سلامت بولا۔
"ٹھیک ہے بیٹا! تم جلدی سے نہا لو۔ میں کھانا

گرم کرتی ہوں۔" امی نے کہا۔
بہن نے کپڑے لا کر دیئے تو وہ نہانے کے لئے چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں نہا کر آیا اور کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی پھر سے مدھو کے خیالات نے اس کے دل و دماغ پر یلغار کر دی۔ وہ یہ سوچ کر حیران ہونے لگا کہ کس طرح مدھو نے پیار محبت اور چاہت و خلوص کا جال پھیلایا۔ کیا مدھو اس قدر خوفناک اور بھیانک وجود کی مالک ہے اور وہ کس سفاکی سے اس کی جان کی دشمن بن بیٹھی ہے۔"
اتنا کچھ ہونے کے باوجود ابھی بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مدھو اس کی جان لینا چاہتی ہے۔ ہوسکتا ہے اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہو۔
وہ ہر طرح سے سوچتا کہ مدھو اس کا خون کس طرح چوس رہی ہے؟ وہ تو آتی ہے پیار محبت کی باتیں کرتی ہے اور اپنی چاہت و خلوص کا کھیل کھیل کر چلی جاتی ہے۔ بھلا ایک معصوم سی بھولی بھالی نرم و نازک صفت کی لڑکی بھلا میرا خون کس طرح چوس سکتی ہے؟"
جب ان تمام خیالات نے اسے ہر طرح سے جکڑ لیا اور پھر اس کے سر میں درد ہونے لگا تو اس نے اپنا سر جھٹکا اور بستر سے اٹھ گیا۔ اس نے سوچا ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کے لئے سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ "میں اپنے دوستوں میں جا کر بیٹھ جاؤں۔" اور پھر وہ اپنے کمرے سے نکل گیا۔
صحن میں آ کر وہ اپنی امی سے بولا۔ "امی تھوڑی سی چائے بنا دیں۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے، چائے پینے سے ٹھیک ہو جائے گا۔"
اس کی امی نے اس کی بہن کو آواز دی اور بولیں۔ "بیٹا چولہے پر چائے کے لئے پانی رکھ دو، میں ابھی آ کر چائے بناتی ہوں، بھائی کے سر میں درد ہو رہا ہے۔" چند منٹ بعد وہ اٹھیں اور باورچی خانے میں جا کر چائے بنانے لگیں۔

سلامت صحن میں بیٹھ گیا اور بہنوں سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس کی امی چائے بنا کر لائیں تو وہ چائے پینے لگا۔ چائے پیتے پیتے اس کی امی بولیں۔
"سلامت اب تم اپنی صحت کی طرف سے بالکل بھی لاپرواہی چھوڑ دو، اپنی صحت کا خیال رکھو، وقت پر کھانا کھاؤ اور سونے کے لئے بھی وقت کا خیال رکھا کرو، دوستوں میں زیادہ اٹھو بیٹھو، اس طرح تمہارا ذہن بٹا رہے گا کیونکہ دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے سے تمہیں تمہاری بیماری کا خیال زیادہ نہیں آئے گا۔ اللہ نے چاہا تو تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔
تمہارے ابا بول رہے تھے کہ دلی والے حکیم صاحب بہت تجربہ کار اور پہنچے ہوئے ہیں وہ جسمانی بیماری کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی کرتے ہیں۔ ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ پریشان حال مریض آتے ہیں اور صحت یاب ہو کر چلتے ہوئے جاتے ہیں۔
یہ بھی بتا رہے تھے کہ بھوت چڑیل، آسیب اور جنات تک کا علاج کرتے ہیں، اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا دیا ہوا ہے اور سب سے بڑھ کر خوبی یہ کہ ہوائی چیزوں کے علاج کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے۔ اگر یہ دیکھا جائے تو یہ بہت بڑی خوبی ہے۔ اور جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ واقعی کوئی پیسہ پائی نہیں لیتے۔" یہ بول کر اس کی امی خاموش ہو گئیں۔
"جی امی! میں نے بھی یہی سمجھا ہے کہ حکیم صاحب واقعی بہت رحم دل ہیں اور بہت پہنچے ہوئے ہیں۔" سلامت بولا۔
"بیٹا میرے دل سے تو حکیم صاحب کے لئے اٹھتے بیٹھتے دعائیں نکل رہی ہیں، اللہ تعالی انہیں صحت و تندرستی دے تاکہ وہ دکھی انسانیت کی خدمت کرتے رہیں، ایسے نیک اور رحم دل لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں پر اللہ تعالی اپنا خاص فضل و کرم کرتا ہے۔

اچھا اب تم جا کر عصر کی نماز پڑھو، اذان ہو چکی ہے، نماز کے بعد دوستوں میں چلے جانا، تمہارے ابا بتا رہے تھے کہ میں لوگوں کے پاس جا رہا ہوں کہ کل فصل کی کٹائی کرانی ہے اور ہاں مغرب کی نماز کے بعد فوراً ''گھر آ جانا۔'' سلامت کی امی نے کہا تو سلامت اٹھ کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں سلامت کے بابا آ گئے اور آتے ہی پوچھا۔ ''سلامت کہاں ہے؟''

اس کی امی بولیں۔ ''ابھی ابھی چائے پی کر باہر گیا ہے، عصر کی نماز پڑھے گا اور پھر اپنے دوستوں کی طرف بھی جائے گا۔ میں نے بول دیا ہے کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آ جانا۔''

''چلو اچھا ہے، دوستوں میں رہے گا تو اس کا دماغ بیماری کی طرف سے بٹا رہے گا۔'' اس کے بابا نے کہا۔ ''اچھا میں بھی نماز کے لئے جاتا ہوں۔'' اور یہ بول کر وہ بھی گھر سے باہر چلے گئے لیکن جاتے جاتے بول گئے۔ ''میں نے لوگوں سے فصل کی کٹائی کے لئے بات کر لی ہے، تم سلامت کو یاد سے بول دینا کہ کل صبح ہی صبح کھیت کی طرف نکل جائے اور وہاں اپنی نگرانی رکھے، ویسے تو میں بھی وہاں رہوں گا۔''

مغرب کی اذان ہوئی اور پھر تھوڑی دیر میں نماز پڑھ کر سلامت کے بابا گھر آ گئے۔ سلامت کی امی نے پوچھا۔

''سلامت نہیں آیا، آپ نے مسجد میں اسے دیکھا تھا۔''

''ہاں میں نے دیکھا تھا۔ نماز کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ''بابا میں ذرا عبداللہ کے پاس جا رہا ہوں، کئی دن ہو گئے عبداللہ سے ملاقات نہیں ہوئی، تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔'' سلامت کے بابا نے کہا۔

''خیر سلامت عشا کی نماز پڑھ کر گھر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں اس کے بابا بھی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آ گئے تو، رات کا کھانا لگا دیا گیا، سب نے ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے سے فراغت کے بعد اس کے بابا بولے۔ ''بیٹا میں نے کل فصل کی کٹائی کے لئے لوگوں کو بول دیا ہے۔ تم صبح ہی صبح کھیت میں پہنچ جانا۔ ویسے تو میں بھی رہوں گا، تمہاری طبیعت بھی بہل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے بابا، میں پہنچ جاؤں گا۔'' مگر ایک پھانس تھی جو اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔ ''رات میں مدھو آئے گی، اور نہ جانے کب تک رہے گی، پھر حکیم صاحب کے کہنے کے مطابق میں نے اس کے کپڑے میں سوئی لگائی ہے، اور رات زیادہ ہو گئی تو پتہ نہیں میری آنکھ صبح کے وقت کھلے یا نہ کھلے خیر دیکھا جائے گا اگر آنکھ نہ کھلی تو بابا سے معذرت کر لوں گا، یا پھر تھوڑی دیر سے کھیت میں چلا جاؤں گا۔'' یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

''بیٹا! ابھی تم اپنے کمرے میں نہ جاؤ، تھوڑی دیر یہیں بیٹھے رہو، اور گپ شپ کرتے رہو، میں دودھ گرم کر کے لاتی ہوں، یہیں تم دودھ پی لینا اور تمہیں دوا بھی تو پینی ہے، پہلے تم دوا پی لو پھر بعد میں دودھ پی لینا۔ کل رات تم دودھ پینا بھول گئے تھے، میں تمہارے کمرے میں دودھ رکھ کر آئی تھی۔ مگر صبح دیکھا تو دودھ اپنی جگہ پڑا کا پڑا رہ گیا تھا، تمہاری آنکھ لگ گئی ہو گی، تم دودھ پینا بھول گئے ہو گے، ویسے بھی تم تو ہو بھی بھلکڑ، بہن سے بولو تمہاری دوا لے آئے۔'' یہ بول کر وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

سلامت اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کی بہن دوا کی شیشی اٹھا لائی تو اس نے دوا پی۔ تھوڑی دیر میں اس کی امی گرم گرم دودھ لے آئیں تو اس نے اس جگہ بیٹھے بیٹھے دودھ پی لیا۔ دودھ پینے کے بعد وہ بولا۔ ''اچھا امی اب میں کمرے میں جا رہا ہوں، کافی تھکن محسوس کر رہا ہوں، اب بستر پر لیٹوں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا اب تم جا کر آرام کرو۔'' اس کے بابا نے کہا۔ تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور کمرے میں داخل ہو کر کمرے کی کنڈی اندر سے لگا لی۔

بستر پر لیٹ کر وہ مدھو کے خیالوں میں گم ہو گیا۔

''پتہ نہیں کب تک آئے گی۔ آج اسے جلدی آنا چاہئے۔'' وہ سوچنے لگا کیونکہ آج اسے حکیم صاحب کے

کہنے کے مطابق اس کے کپڑے میں سوئی لگائی تھی۔
اس سوئی سے کیا مسئلہ حل ہوجائے گا، کیا دوبارہ بھی مدھو میرے پاس آتی رہے گی؟ یا پھر مدھو کا میرے پاس آنا بلکل ختم ہوجائے گا۔ سوئی لگانے کے بعد حکیم صاحب کیا اقدام کریں گے؟ اور اس کا اثر میری صحت پر کیا پڑے گا؟ حکیم صاحب تو اتنی دور بیٹھے ہیں، خیر مجھے تو وہی کرنا ہے جیسا حکیم صاحب نے کہا ہے۔" وہ سوچتا رہا۔
اپنی جیب سے سوئی نکال کر اس نے تکیہ کے نیچے رکھ لی۔ کیونکہ اگر سوئی اس کی جیب میں رہتی تو ہوسکتا تھا کہ سوئی اسے خود چبھ جاتی۔ یا پھر وقت سے پہلے مدھو کو ہی چبھ جاتی۔
کروٹ پر کروٹ وہ بدلنے لگا۔ جب کروٹ بدلتے بدلتے وہ تھک جاتا تو اٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ جاتا اور جب بستر پر بیٹھے بیٹھے اکتا جاتا تو بستر سے نیچے اتر کر ٹہلنے لگتا۔
کمرے میں جاتے ہی وہ سب سے پہلے لالٹین کو بجھادیا کرتا تھا کیونکہ مدھو کا حکم تھا کہ کمرے میں روشنی نہیں ہونی چاہئے۔
آج وقت بہت کٹھن لگ رہا تھا۔ روزانہ تو وہ مدھو کا انتظار کرتے کرتے سو بھی جایا کرتا تھا۔ اس لئے کہ جب وہ سو جاتا تو آنے کے بعد مدھو اسے جگادیتی تھی۔
لیکن آج تو اسے ہرگز سونا نہیں تھا کیونکہ حکیم صاحب نے اسے تاکید کی تھی کہ تمہیں آج جاگ کر اس کا انتظار کرنا ہے، اس کے ساتھ آج کچھ زیادہ ہی گرم جوشی سے ملنا ہے۔
انتظار کرتے کرتے نہ جانے کتنا وقت ہو چکا تھا۔ وہ بستر پر لیٹے لیٹے کروٹیں بدل رہا تھا کہ اچانک ایک سرگوشی سنائی دی۔
"سلامت میں حکیم کامل بول رہا ہوں، مجھے پتہ ہے کہ تم بڑی بے چینی سے مدھو کا انتظار کر رہے ہو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انتظار کی گھڑیاں بہت کٹھن ہوتی ہیں۔
تو تمہارے اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آج تمہاری مدھو نہیں آئے گی، کیونکہ آج اس کی برادری میں کچھ مصروفیات ہیں، وہ اپنے جاننے والوں میں مصروف ہے، اس کی تو حتی الامکان کوشش رہی کہ وہ آجائے مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی آج وہ نہیں آسکے گی۔ اب اس کے آنے کا وقت بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا میرا مشورہ ہے تمہارے لئے کہ اب تم آرام سکون سے سو جاؤ، مگر سوئی احتیاط سے سنبھال کر رکھنا، ایسا نہ ہو کہ سوئی کسی کے ہاتھ لگ جائے اور وہ سوئی کو کوئی اہمیت نہ دے اور ادھر ادھر کردے۔ سوئی کو تم نے بہت سنبھال کر کل تک کے لئے رکھنی ہے، وہ کل بہت بے چینی کی حالت میں آئے گی کیونکہ تمہاری ایک دن کی بھی جدائی اس کے لئے ناقابل برداشت ہے، چلو اب آرام سے سو جاؤ۔"
سلامت نے رولوکا کی سرگوشی سنی تو اچنبھے میں پڑ گیا۔ اور اذیت سے بھی وہ دوچار ہو گیا کیونکہ اسے بڑی بے چینی سے مدھو کا انتظار تھا۔ "آج مدھو نہیں آئے گی۔" یہ سوچ کر وہ ماہی بے آب ہو گیا۔
یہ بھی سوچنے لگا۔ "حکیم کامل واقعی بہت پہنچے ہوئے ہیں کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ آج مدھو نہیں آئے گی، وہ اپنی برادری میں بہت مصروف ہے اور ساتھ ہی یہ کس قدر اچنبھے کی بات ہے کہ حکیم کامل اپنی جگہ ہیں اور وہ اس طرح بات کر رہے ہیں کہ جیسے میرے قریب ہیں۔
میں نے آج تک اپنی عمر میں ایسا کسی کو نہیں دیکھا کہ سینکڑوں میل دور بیٹھا شخص حالات کو جان لے اور اپنی باتیں کسی تک پہنچادے، یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ریڈیو ہوتا ہے۔"
خیر، اب کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن میں کیا کروں نیند تو مجھ سے کوسوں دور ہے، ایسا ہی سہی۔" اس نے سوچا اور بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگا۔ پھر نہ جانے کس پہر اسے نیند کی دیوی نے آکر دبوچ لیا۔
اذان فجر کے وقت اس کی امی نے نماز فجر کے لئے اس کا دروازہ کھٹکھٹادیا۔ تھوڑی دیر تک دروازہ پیٹنے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھا اور اس نے دروازہ کھول

دیا۔ ”بیٹا فجر کی اذان ہو گئی ہے، منہ ہاتھ دھولو اور وضو بنا کر نماز ادا کرو، تمہارے بابا تو مسجد جا چکے ہیں، اگر مسجد جانا ہے تو چلے جاؤ، یا پھر اگر گھر میں نماز پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔“ اس کی امی نے کہا۔

”ٹھیک ہے امی میں مسجد چلا جاتا ہوں۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک دوستوں کے ساتھ ٹہلنے کے لئے نکل جاؤں گا۔ واپسی پر ناشتہ کے بعد کھیت میں چلا جاؤں گا۔“ سلامت نے کہا اور منہ ہاتھ دھو کر گھر سے نکل کر مسجد چلا گیا۔

نماز کے بعد سلامت کے بابا گھر آئے چائے پی اور ناشتہ کے بعد کھیت میں چلے گئے۔ انہوں نے سلامت کا پوچھا تو پتہ چلا کہ نماز کے بعد وہ دوستوں کے ساتھ تھوڑی دیر تک چہل قدمی کرے گا اور واپس آ کر ناشتہ کے بعد کھیت میں چلا جائے گا۔ یہ سن کر اس کے بابا گھر سے چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں سلامت بھی آ گیا، اس نے ناشتہ کیا اور ناشتہ کے بعد کھیت میں چلا گیا۔

فصل کی کٹائی دو پہر سے پہلے پہلے ہو گئی۔ دونوں باپ بیٹے فارغ ہو کر گھر آ گئے۔ گھر آ کر سلامت کے بابا نے کہا۔ ”سلامت کی ماں میں نے سوچا ہے کہ مولوی صاحب کو بول دوں کہ آج میلاد شریف پڑھ دیں اور لوگوں کو بھی بول دوں گا، عشاء کی نماز کے بعد میلاد شریف کا پروگرام ٹھیک رہے گا، دو مہینے سے زیادہ کا وقت گزر چکا ہے، ہم نے میلاد نہیں کرایا۔

”سلامت تمہارا کیا خیال ہے؟“ انہوں نے کہا۔

”ٹھیک ہے بابا جیسے آپ کی مرضی۔ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے ٹھیک ہے۔ میں بھی اپنے دوستوں کو بول دوں گا۔“ سلامت نے کہا۔

”یہ تو اچھی بات ہے کہ آج میلاد ہو جائے، حلوائی کو بول دیجئے گا، ذرا اچھے شکر پارے بنا دے، چینی کا خاص خیال رکھے، چینی میں کنجوسی نہ کرے، شکر پارے اچھے ہوں تو لوگ تعریف کرتے ہیں۔“ سلامت کی امی نے کہا تو اس کے بابا بولے۔ ”ٹھیک ہے میں بول دوں گا۔“ اور یہ بول کر وہ نماز ظہر کے لئے چلے گئے۔

ظہر کی نماز کے بعد سلامت کے بابا گھر آئے اور آ کر بتایا کہ ”میں نے مولوی صاحب کو میلاد شریف کے لئے کہہ دیا ہے اور مسجد میں یہ بھی اعلان کرا دیا کہ آج میلاد ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد میلاد شروع ہو جائے گی۔“

رات میں میلاد کا سن کر سلامت کے دماغ میں ایک دھماکہ ہوا۔ ”رات میں میلاد کے چکر میں نہ جانے کتنا وقت لگ جائے، میلاد ختم ہونے اور پھر سامان وغیرہ سمیٹتے سمیٹتے وقت کا تو پتہ نہیں چلے گا۔ خیر میں کوشش کروں گا کہ کام سے جلدی فراغت مل جائے۔“ یہ سوچ کر اس نے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا۔

لیکن پھر بھی اسے چین نہیں مل رہا تھا کیونکہ کل رات بھی مدھو نہیں آئی تھی اور آج بھی مدھو کے نہ آنے کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ سلامت کا دل تو ایک پل کے لئے بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مدھو سے دور رہے مگر ہائے مجبوری کے تحت وہ مدھو سے جدائی برداشت کر رہا تھا۔

وقت بڑی تیزی سے گزرنے لگا اور پھر شام ہو گئی۔ شام کے بعد رات ہو گئی اور عشاء کا ٹائم ہو گیا۔ گاؤں دیہات میں چونکہ پہلے وقتوں میں بجلی نہیں ہوتی تھی، کسی تقریب یا شادی بیاہ میں رات کے وقت گیس بتی جلاتے تھے۔ میلاد کے لئے بھی چار گیس بتیاں کرائے پر آ گئی تھیں۔ ساری تیاری مکمل تھی اور پھر مٹھائی بھی شکر پارے کی صورت میں آ گئی تھی۔

گاؤں دیہات میں گھر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ سلامت کا گھر بھی بہت وسیع تھا۔ بڑے بڑے کمرے، بہت بڑا آنگن اور سب سے بڑا دالان تھا۔

دالان اتنا بڑا تھا کہ بیک وقت دو ڈھائی سو لوگ بیٹھ سکتے تھے۔ میلاد کا پروگرام دالان میں ہی رکھا گیا تھا۔

عشاء کی نماز ختم ہوتے ہی دالان میں دری بچھا دی گئی، گیس بتیاں جلا دی گئیں۔ ایک کونے میں تخت پر دری اور سفید چادر بچھا کر سفید ہی دو تکیے رکھ دیئے گئے۔

عشا کی نماز کے بعد میلاد شریف شروع ہوگئی۔

بہت سارے لوگ میلاد میں شریک ہوئے۔ گاؤں میں چونکہ لوگ رات میں جلدی سو جاتے ہیں اور اذان فجر کے وقت اٹھ جاتے ہیں، اور صبح کا سفید پھیلتے پھیلتے لوگ اپنے کام کاج میں لگ جاتے ہیں، اس کے پیش نظر مولوی صاحب نے میلاد ساڑھے گیارہ بجے ختم کردی۔

میلاد کے بعد مٹھائی بانٹی گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

میلاد کے بعد دری اور دیگر سامان سمیٹتے سمیٹتے رات کے ساڑھے بارہ بج گئے۔ اس کے بعد گھر میں کھانے پینے کا انتظام ہونے لگا۔

سلامت اپنے کمرے میں گیا تو اچانک رولوکا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''سلامت میاں آج بھی مدھو نہیں آئے گی، کیونکہ تمہارے گھر میں میلاد کی محفل ہوئی ہے۔ اس لئے گھر متبرک بھی ہے۔ لوگ جاگ رہے ہیں، پورے گھر کے علاوہ تمہارے کمرے میں مکمل تنہائی نہیں ہے اور تم ابھی تک جاگ رہے ہو، اور رات گئے تک جاگنا پڑے گا اور خاص کر مقدس محفل کی وجہ سے مدھو نہیں آئے گی۔

تم گھبراؤ نہیں۔ میں حکیم کامل بول رہا ہوں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں باخبر کردوں۔

تم آرام سکون سے کھاؤ پیو، گھر والوں کے ساتھ جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کھانا کھانے اور دیگر بات چیت کے بعد سکون سے اپنے کمرے میں آکر سوجانا۔

میری بات کو ذہن میں رکھنا، سوئی کو تم نے احتیاط سے سنبھال کر رکھنا ہے، ادھر ادھر نہ ہوجائے، کیونکہ اگر سوئی دھاگہ سمیت ادھر ادھر ہوگئی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا، لہٰذا تم نے سوئی کو بہت سنبھال کر رکھنا ہے، اچھا اب میں بات ختم کرتا ہوں۔ تم اپنے کام کاج میں آرام سکون سے لگ جاؤ۔''

رولوکا کی سرگوشی سن کر سلامت اچنبھے میں پڑ گیا اور سوچنے لگا۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ حکیم صاحب ہر لمحہ میرے ساتھ ساتھ ہیں۔ میری تمام حرکات وسکنات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

مدھو نہیں آئے گی تو میں کر بھی کیا سکتا ہوں، نہ جانے آج کی رات کس طرح کٹے گی، کاش! مجھے مدھو کا اتہ پتہ ہوتا تو میں خود اس کے پاس پہنچ جاتا۔''

وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا اور گھر والوں کے پاس مرجھائے ہوئے دل کے ساتھ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ ''بابا نے بھی میلاد کا پروگرام آج ہی رکھنا تھا۔ بابا کو کیا پتہ کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے، کل مدھو اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہیں آئی اور آج اس میلاد کی......''

اور اس کی سوچ ادھوری رہ گئی۔

کیونکہ اس کے بابا نے کہا۔ ''بیٹا سلامت! کیا سوچنے لگے، چلو دسترخوان پر بیٹھو، ویسے بھی کافی دیر ہوگئی ہے۔ سونا بھی ہے اور فجر میں اٹھنا بھی ہے۔''

سلامت دسترخوان پر بیٹھ گیا اور بے دلی سے کھانا کھانے لگا۔ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جاکر بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹنے کے بعد بڑی بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ آج مدھو سے نہ ملے۔ دوسرا دن تھا۔ کل کی رات تو اس نے جیسے تیسے کرکے کاٹ لی تھی کہ چلو ایک رات کی بات ہے لیکن آج کی رات تو اس پر اذیت ناک بن گئی تھی۔ اسے کسی پل چین نہیں آرہا تھا۔ مدھو کی یادوں نے اسے ہر طرف سے جکڑ لیا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جارہا تھا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

آج اسے پتہ لگ رہا تھا کہ وہ مدھو کے بغیر ادھورا ہے، اب مدھو کے بغیر وہ دو دن بھی نہیں کاٹ سکتا، مدھو اس کے دل ودماغ پر چھا گئی ہے، مدھو کی ایک پل کی بھی دوری اسے اذیت سے دوچار کردیتی تھی۔ اچانک اس کے دماغ میں یہ بات آگئی۔ ''کہیں حکیم کامل نے اپنے علم سے مدھو کی راہ میں رکاوٹ تو نہیں ڈال دی ہے اور مجھ سے اس کی مصروفیات اور میلاد وغیرہ کا بہانہ کر رہے ہیں۔ اگر مدھو کل بھی نہیں آئی تو میں جاکر انہیں منع کردوں گا کہ میں آپ سے اپنا علاج نہیں کراتا، علاج

آپ نے میرا کرنا ہے اور بات مدھو پر ڈال دی ہے، اور میرے علاج کا بہانہ بنا کر آپ نے مدھو کو مجھ سے ملنے سے روک دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ مدھو مجھ سے ملتی رہے اور آپ صاف صاف بتا دیں کہ مدھو کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟ تا کہ میں کوئی اٹل فیصلہ کر سکوں، میں مدھو کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

وہ اور بھی اس قسم کی باتیں سوچتا رہا، اور پھر آخر کار وہ نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

صبح ہوئی اور آج سلامت نے رات کے وقت کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ فجر کے وقت اس کے بابا نے اسے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا تھا کیونکہ رات میں وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ ویسے بھی آج کل چونکہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

صبح نو بجے کے قریب اس کی امی نے اٹھایا۔ بیٹا سلامت دن کے نو بجنے والے ہیں، چلو جلدی سے اٹھ جاؤ۔" یہ سنتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

"ارے نو بجنے والے ہیں، آپ مجھے جلدی جگا دیتیں۔" وہ بولا۔

بیٹا کوئی بات نہیں، تم ویسے بھی رات میں کافی تھکے ہوئے تھے، تمہارے چہرے سے تھکن صاف جھلک رہی تھی۔ تمہارے بابا نے کہا کہ "سلامت کو سونے دو۔ میں خود کھیتوں کی طرف چلا جاتا ہوں۔

اور ہاں وہ بول رہے تھے۔ "سلامت اٹھ جائے اور ناشتہ سے فارغ ہو جائے تو بول دینا کہ کھیت میں جا کر کٹی ہوئی فصل کو اپنی نگرانی میں اٹھوا کر کھلیان میں رکھوا دے۔ اگر ذمہ دار آدمی نہیں ہوتا تو مزدور بہت زیادہ لاپرواہی کرتے ہیں۔

بیٹا تم جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کرو اور کھیت میں چلے جاؤ، اور اپنی نگرانی میں فصل اٹھوا لینا اور اس کے بعد گھر آ جانا۔" اس کی امی نے کہا۔

سلامت نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور کھیتوں کی طرف نکل گیا۔

آج کام کچھ زیادہ ہی تھا، کام ہوتے ہوتے شام کے چار بج گئے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ گھر آیا، کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر لیٹنے کے بعد وہ اٹھا اور اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے آج وہ کچھ زیادہ ہی تھک گیا تھا۔

بہرحال عشاء کی نماز کے بعد وہ گھر میں آیا، رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں جا کر اندر سے کنڈی لگائی اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد اس کے ذہن میں آیا کہ میں مدھو کے کپڑے میں دھاگہ سمیت سوئی نہیں لگاؤں گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس عمل سے مدھو بالکل ہی مجھ سے دور ہو جائے، اور میں مدھو کے لئے تڑپتا ہی رہ جاؤں۔"

پھر اس کے دل میں آیا کہ "نہیں میں اس کے کپڑے میں سوئی لگا کر دیکھوں کہ ہوتا کیا ہے؟ حکیم صاحب نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ سوئی لگنے کے بعد کیا رد عمل ہو گا۔ لہٰذا میں اس کے کپڑے میں سوئی ضرور لگاؤں گا۔ تا کہ مجھے اصل حقیقت کا پتہ تو چلے۔"

جوں جوں رات آگے کو کھسک رہی تھی اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ جیسے ایک ایک پل ایک ایک برس بن کر گزر رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹتا، پھر اٹھ کر بستر پر بیٹھ جاتا اور پھر اس پل بھی چین نہیں آتا تو بستر سے نیچے اتر کر ٹہلنے لگتا۔ اور پھر دونوں ہاتھ ماتھے پر مارنے لگتا۔

پھر وہ آنکھیں موند کر بستر پر لیٹ گیا۔ تھکن تو زیادہ تھی اور اس بنا پر اس کی آنکھیں جھپک گئیں۔

اچانک ایک نسوانی وجود سلامت سے لپٹ گیا۔ تو اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور بولا۔

"مدھو۔"

"ہاں"

"تم دو دن سے کہاں تھیں؟" "تمہارے انتظار میں میری آنکھیں پتھرا گئیں۔" سلامت بولا۔

"میں کیا بتاؤں...... میں ذرا مصروف تھی۔ مگر

تمہارے بغیر انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

''تم انگاروں پر لوٹ رہی تھیں اور میں تو جیسے مجسم آگ میں جھلس رہا تھا۔'' سلامت بولا۔

''اور کل کیا ہو گیا تھا؟ کل تو تمہاری مصروفیات نہیں تھیں۔ کل تو میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور کل مجھے پتہ چلا کہ انتظار کی گھڑیاں کتنی کٹھن ہوتی ہیں؟؟''

''کل تمہارے گھر میں بہت سارے لوگ جمع تھے، کافی رات تک تم لوگ مصروف نظر آ رہے تھے، اور اتنے لوگوں میں میرا تو جیسے دم گھٹنے لگتا ہے، اس لئے میں نہیں آئی۔'' مدھو بولی۔

''جب تم غائب ہونے والا منتر پڑھ کر آتی ہو تو، منتر پڑھ کر آ جاتیں، لوگ تھے تو کیا ہوا، تمہیں تو میرے پاس آنا تھا، اور پھر میں آدھی رات کے وقت کام دام سے فارغ ہو گیا تھا۔ سارے لوگ جا چکے تھے۔ میں اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ تم نے یہ سوچا ہوتا کہ کوئی میرے انتظار میں تڑپ رہا ہوگا۔ چلو زیادہ وقت کے لئے نہ سہی۔ چند منٹ کے لئے ہی آ جاتیں۔''

''اچھا آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' مدھو بولی۔

''تم اپنا اتہ پتہ ہی بتا دو، تاکہ کبھی ایسا ہو تو میں تمہاری جگہ آ کر کم از کم تمہاری ایک جھلک ہی دیکھ لوں اور میری بے قراری کو چین آ جائے۔'' سلامت بولا۔

''تم گھبراؤ نہیں، بہت جلد تمہاری بے قراری ختم ہو جائے گی، تم تو مجھے نہیں لا سکتے، میں خود ہی لے جاؤں گی، پھر تمہیں آنے جانے کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ کیوں ٹھیک ہے ناں۔'' مدھو بولی۔ اور جھٹ سلامت کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ اور سلامت کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا تو سلامت نے بھی برابری کا ساتھ دیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں جذبات کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔

سلامت کو اپنا ہوش نہ رہا وہ جذبات کے طوفانی تھپیڑوں میں اوپر نیچے ہونے لگا۔

اچانک اس کے دماغ میں رولوکا کی آواز گونجی۔

''سلامت اپنے حواس پر قابو رکھو اور وقت ضائع نہ کرو، خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے کپڑے میں سوئی گھسیڑ دو اچھی طرح۔''

سلامت کو اچانک ہوش آ گیا، اس وقت وہ رولوکا کی آواز کے زیر آ چکا تھا، اگر رولوکا ایسا نہ کرتا تو سلامت کو اتنا ہوش نہ تھا کہ وہ سوئی دھاگہ سمیت مدھو کے کپڑے میں گھسیڑ دیتا اس نے جھٹ تکیہ کے نیچے سے سوئی نکالی اور احتیاط سے سوئی کو مدھو کی چندری میں اٹکا دی اور مطمئن ہو گیا۔

''مدھو آج تم نہ جاؤ، آج میرے پاس ہی رک جاؤ، تم تو ویسے بھی غائب ہونے کا منتر پڑھ کر سب کی نظروں سے غائب ہو جاتی ہو، کیا میری خاطر تم ایسا نہیں کر سکتی ہو۔'' سلامت بولا۔

''میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ سورج کی روشنی یا کسی بھی روشنی میں میرا منتر کام نہیں کرتا، تھوڑے دن کی تو بات ہے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس ہی آ جاؤ گے۔ گھبراؤ نہیں بہت جلد ایسا ہوگا۔ اچھا اب میں چلتی ہوں، اب تم آرام سے سو جاؤ، آج تو تمہیں......'' اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

مدھو کے جانے کے بعد رولوکا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''سلامت اب تم آرام سے سو جاؤ اور کل دن کے گیارہ بجے گھر پر میرا انتظار کرنا، کہیں جانا نہیں، تم اپنے بابا سے کچھ نہیں کہنا بلکہ میں خود ان سے رابطہ کر کے انہیں بھی بتا دوں گا کہ وہ بھی کہیں نہ جائیں۔ تم نے اچھا کیا کہ سوئی اس کی چندری میں اٹکا دی۔ اور سرگوشی بند ہو گئی۔

ادھر رولوکا نے سلامت کے والد سے ذہنی رابطہ کیا اور ان کے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ وہ دن میں کہیں اور نہ جائیں بلکہ گھر پر ہی رہیں۔

سلامت سوچنے لگا۔ ''اللہ خیر کرے پتہ نہیں حکیم صاحب آ کر کیا کریں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مدھو کا راز بابا

کے سامنے کھول دیں، اگر ایسا ہوا تو میری عزت خاک میں مل جائے گی، میں گھر والوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں گا، لیکن ایسا لگتا نہیں کہ حکیم صاحب مدعو اور میرے تعلقات کا کھل کر اظہار کر دیں۔ حکیم صاحب باشعور، سمجھدار اور بردبار لگتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو مجھے اکیلے میں کیوں بلاتے، بابا کے سامنے بھی ایسا کچھ بول سکتے تھے، نہیں ایسا نہیں کریں گے، لیکن یہاں آ کر کریں گے کیا؟" سلامت اس قسم کی شک و شبے والی باتیں سوچتا رہا کہ پھر آخر وہ نیند کی گہرائی میں چلا گیا۔

صبح ہوئی دن کا اجالا ہر سو پھیل گیا۔ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ آج سلامت کے بابا کی طبیعت کچھ ناسازی لگ رہی تھی۔ انہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئے، یہی حال سلامت کا بھی تھا، وہ بھی کسی کام یا پھر سیر سپاٹے کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں گیا۔

دن کے نو بجے آج گھر والوں نے ناشتہ کیا۔ ویسے تمام گھر والے صبح ساڑھے سات بجے تک ناشتہ کر لیا کرتے تھے کیونکہ صبح ناشتہ کرنے کے بعد سلامت یا اس کے بابا کام کاج کے لئے گھر سے نکل جاتے تھے۔

سلامت کے دماغ میں یہ بات تھی کہ حکیم کا کل دن کے گیارہ بجے تشریف لائیں گے؟ اور آنے کے بعد وہ کیا قدم اٹھائیں گے؟ کیا باتیں کریں گے۔

گیارہ بجنے میں دس منٹ رہ گئے تو سلامت گھر سے نکل کر دالان میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور بڑی بے چینی سے رولوکا کا انتظار کرنے لگا۔

رولوکا دن کے ٹھیک گیارہ بجے دالان کے سامنے آ کر رک گیا۔

"حکیم صاحب آپ!" سلامت اچنبھے میں پڑتے ہوئے بولا۔ "آپ کو ہمارے گھر کا پتہ کیسے چلا؟ آپ بول دیتے میں گھوڑا گاڑی بھیج دیتا۔"

گاڑی واڑی کی کوئی ضرورت نہیں، بس میں آ گیا، اس دن میں نے تمہارے والد سے گھر کا پتہ لے لیا تھا۔" رولوکا بولا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سلامت کے والد گھر سے نکل کر سامنے آ گئے اور رولوکا کو دیکھتے ہی حیرانی سے بولے۔ "حکیم صاحب آپ کیسے آئے؟ اگر آنا تھا تو مجھے بتلایا ہوتا، میں گھوڑا گاڑی بھیج دیتا۔ ایسا تو نہیں کہ آپ نے یہاں آنے کا وقت سلامت کو دیا تھا۔ لیکن سلامت نے آپ کے آنے کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔ سلامت کیا تمہیں حکیم صاحب نے بتایا تھا کہ آج یہ آئیں گے۔"

"ارے شرافت صاحب آپ پریشان نہ ہوں، میں نے سلامت سے اپنی آمد کا ذکر نہیں کیا تھا، پہلے دن آپ نے مطلب میں اپنے گھر اور گاؤں کا پتہ لکھ دیا تھا۔ اسے دیکھ کر میں آ گیا۔

آج میرا آنا ضروری تھا سو میں آ گیا۔ میں نے سوچا آج آپ کے بیٹے کی بیماری کا خاتمہ کروں، اسی غرض سے میں آ گیا۔

آج کا دن سلامت کی بیماری کا آخری دن ہے، آج اس بیماری کا خاتمہ آپ سب کے سامنے ہو جائے گا، دلی میں بیٹھ کر ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا میں یہاں آ گیا۔" رولوکا نے کہا۔

"حکیم صاحب اللہ آپ کو حوصلہ اور تندرستی دے، اور اپنا فضل و کرم آپ پر ہمیشہ رکھے۔" سلامت کے بابا نے کہا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ سلامت بیٹا حکیم صاحب کے لئے فوراً چائے پانی کا انتظام کرو۔"

"شرافت صاحب اس کی ضرورت نہیں، آپ تکلف نہ کریں۔ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے، کسی بھی چیز کی طلب نہیں۔ آپ گھر پر ہی تشریف رکھیں، کہیں جایئے گا مت، میں سلامت کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں، اور تھوڑی دیر میں ہم واپس آتے ہیں۔

آپ ایسا کریں کہ ایک بڑا دیگچہ، تین سیر سرسوں کا تیل، چولہا بنانے کے لئے چھ عدد پکی اینٹیں اور پانچ چھ گز کے قریب ڈوری کا انتظام کر کے رکھیں، ہم دونوں

تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔ سلامت چلو میرے ساتھ۔" یہ بول کر رولوکا سلامت کے ساتھ آموں کے باغیچہ کی طرف چل پڑا۔

"سلامت تم اندرونی طور پر کچھ گھبرا رہے ہو، تم بالکل بھی فکر نہ کرو، میں تمہارے اور مدھو کے تعلقات کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا، بے فکر رہو۔" رولوکا بولا۔

تھوڑی دیر میں دونوں آموں کے باغ میں پہنچ گئے۔ باغ میں پہنچ کر رولوکا ہر ایک درخت کو اونچائی پر بغور دیکھنے لگا۔ وہ ہر درخت کے پاس جاتا اور درخت کی اونچائی پر بہت غور سے دیکھتا۔ جیسے اسے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔

اسی طرح وہ ہر ایک درخت کو دیکھتا رہا۔ آخر ایک درخت کے سامنے رک گیا۔ اور اوپر کو دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔

"سلامت یہی درخت ہے، تم سامنے غور سے دیکھو، تمہیں سفید دھاگہ نیچے کو لٹکتا ہوا نظر آ رہا ہے؟" رولوکا بولا۔

اور جب سلامت نے غور سے درخت کی تھوڑی اونچائی پر دیکھا تو واقعی سفید دھاگہ نیچے کو لٹکتا ہوا نظر آ گیا۔ "جی حکیم صاحب مجھے دھاگہ نظر آ گیا۔" سلامت بولا۔

پھر رولوکا نے کچھ پڑھ کر درخت پر پھونک ماری اور پھر درخت کے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ دیا۔ اس کے بعد چھلانگ لگا کر وہ درخت پر چڑھ گیا۔ اور جب وہ نیچے اترا تو اس کے ہاتھ میں ایک بالشت کی ایک مضبوط ہڈی تھی۔

سلامت نے دیکھا کہ اس ہڈی میں ایک سوئی دھاگہ سمیت پیوست تھی۔

سوئی اور دھاگہ کو دیکھ کر سلامت حیران رہ گیا مگر منہ سے کچھ بولا نہیں۔ اور نہ ہی اس نے رولوکا سے کوئی بات کی۔ بس وہ حیرانگی کی حالت میں ہڈی کو دیکھے جا رہا تھا۔

رولوکا بولا۔ "چلو واپس چلتے ہیں، کام ہو گیا۔"

دونوں تھوڑی دیر میں واپس آ گئے۔ دالان میں سلامت کے والد بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ گاؤں کے کئی لوگ اور بھی موجود تھے۔

"شرافت صاحب کیا تمام چیزیں حاضر ہیں؟" رولوکا نے پوچھا۔

"جی حکیم صاحب یہ رہیں وہ چیزیں آپ دیکھ لیں کسی اور چیز کی تو ضرورت نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ ایسا کریں ان اینٹوں کو تین سائیڈ رکھ کر چولہا بنا دیں۔ اور دیگچہ میں یہ سارا تیل ڈال دیں۔" رولوکا نے کہا۔

رولوکا کے کہنے کے مطابق وہی ہوا جو وہ چاہتا تھا۔

پھر رولوکا نے اس تیل میں وہ ہڈی ڈال دی اور فوراً ڈھکن سے دیگچے کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے رسی کی مدد سے ڈھکن کو دیگچے پر خوب مضبوط کر کے باندھ دیا، اس کے بعد مٹی گیلی کر کے ڈھکن کے چاروں طرف خوب اچھی طرح لگا دی۔ تاکہ اندر سے بھاپ باہر نہ نکل سکے اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دیگچے کو چولہے پر رکھ دیا۔

اور چولہے کے نیچے ڈھیر ساری لکڑیاں رکھ کر ان پر مٹی کا تیل ڈالا اور پھر دیا سلائی دکھا دی۔ لکڑیاں فوراً زوردار طریقے سے جلنے لگیں۔

اس کے بعد اس نے کچھ پڑھ کر دیگچے کے گرد ایک حصار کھینچ دیا۔

تھوڑی دیر بعد دیگچے کے اندر سے آوازیں آنے لگیں۔ آوازیں ایسی تھیں کہ جیسے دیگچے میں پتھر ڈال دیا گیا ہو، اور وہ پتھر زوردار طریقے سے دیگچے کے اندر جیسے اچھل رہا ہو۔

آہستہ آہستہ ان آوازوں میں زور پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ پھر تو ایسا لگنے لگا کہ بہت بھاری پتھر پوری

قوت سے دیگچے کے اندر اچھل رہا ہے۔

دیگچے کے چاروں طرف اور پھر ڈھکن پر بھی اس پتھر کے اچھل اچھل کر ضرب لگنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

اس جگہ موجود سارے لوگ اچنبھے کی حالت میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ہر آدمی یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ کیا ہے، اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟'' لیکن کسی کے منہ سے ہلکی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، سب سے زیادہ حیران و پریشان سلامت تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا ہڈی میں پیوست سوئی اور دھاگہ وہی تھا جسے رات میں اس نے مدھو کی چندری میں پیوست کیا تھا۔

''مدھو تو جیتی جاگتی مجسم لڑکی تھی اور یہ ہڈی کیا ہے؟''

سلامت سکتے کے عالم میں تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس جگہ موجود سارے لوگ ہی سکتے کے عالم میں تھے کہ ''حکیم صاحب یہ کیا کر رہے ہیں؟''

دیگچے کے نیچے لکڑیاں جلتی رہیں اور دیگچے کے اندر سے مسلسل کسی پتھر کے اچھل کودکی زوردار آوازیں باہر سنائی دیتی رہیں۔

ایک گھنٹہ کے بعد دیگچے کے اندر سے آتی آوازیں مدھم ہونے لگیں اور پھر کافی دیر بعد دیگچے میں سے ہر قسم کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔

جب بالکل بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی تب بھی ایک گھنٹہ تک دیگچہ چولہے پر ہی رہا اور نیچے لکڑیاں جلتی رہیں۔ دو ڈھائی گھنٹے بعد رولوکا نے چولہے کے نیچے سے جلتی لکڑیاں کھینچ دیں اور دیگچے کو چولہے پر ہی رہنے دیا۔ اس طرح مزید دیگچہ دو گھنٹے تک چولہے پر چڑھا رہا۔

دیگچہ جب بالکل ٹھنڈا ہو گیا تو رولوکا نے اسے اینٹ کے بنے ہوئے چولہے پر سے نیچے اتار لیا، اور کچھ پڑھ کر دیگچے پر پھونک ماری۔ اس کے بعد اس نے چاروں طرف سے مٹی ہٹائی، پھر اس نے ڈھکن پر سے رسی کھول دی۔

اور جب اس نے دیگچے پر سے ڈھکن کو ہٹایا تو ایک بہت ہی ناگوار بدبو اس جگہ پھیل گئی۔ لوگوں نے جھٹ اپنی ناک پر انگلی رکھ لی۔

بدبو ایسی تھی کہ جیسے گوشت کو کھولتے تیل میں ڈال کر جلایا گیا ہو، اور وہ گوشت جل جل کر کوئلہ اور پھر راکھ میں تبدیل ہو گیا ہو۔

کھولتے ہوئے تیل میں ہڈی جل کر بالکل ختم ہو چکی تھی۔ دیگچے میں ہڈی کا بالکل بھی نام و نشان نہیں تھا۔

لوگوں کی حیرانی میں اضافہ ہو گیا تھا کہ ان کے سامنے دیگچے میں موجود تیل میں ایک بالشت لمبی اور تقریباً تین انچ موٹائی کی ہڈی ڈالی گئی اور اب ہڈی کا دیگچے میں نام و نشان نہیں تھا۔ ساتھ ہی ساتھ سارا تیل بھی جل کر ختم ہو چکا تھا۔

پھر رولوکا نے دیگچے پر ڈھکن رکھا اور کچھ پڑھ کر دیگچے پر پھونکا۔ پھونک مارنے کے بعد اس نے اپنے دایاں پاؤں سے دیگچے کو دبایا تو دیگچہ ایسے چور چور ہو گیا کہ جیسے وہ المونیم کا مضبوط دیگچہ نہ ہو بلکہ بھربھری مٹی کا کچا دیگچہ ہو۔

اس منظر کو بھی دیکھ کر لوگ سکتے میں آ گئے کہ اتنا مضبوط المونیم کا دیگچہ کیسے بھربھری مٹی میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اور یہ بات تھی بھی سارے لوگوں کو حیران کرنے والی۔

سلامت سے رولوکا بولا۔ ''سلامت ایک ڈبہ لے آؤ جس میں یہ ساری مٹی آ جائے۔''

''جی ابھی لایا۔'' بول کر سلامت گھر کے اندر چلا گیا۔ اور چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹین کا ڈبہ تھا۔ اس نے وہ ڈبہ لا کر رولوکا کے قریب رکھ دیا۔

رولوکا نے دیگچہ والی ساری مٹی اٹھا کر ڈبہ میں ڈال دی اور بولا۔ ''سلامت سامنے جو گندے پانی کا گڑھا ہے اس میں یہ ڈبہ پھینک کر آؤ۔''

سلامت نے ڈبہ اٹھایا اور اسے لے کر آگے کو بڑھ گیا۔ اس کے بعد رولو کا بولا۔ ''شرافت صاحب آپ یہاں پر موجود لوگوں سے کہیں کہ یہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔''

سلامت کے والد شرافت علی نے کہا۔ ''بھائیو! آپ لوگ برائے مہربانی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔'' ان کی بات سن کر کسی نے بھی کچھ نہ کہا اور اچنبھے میں رولو کا کو دیکھتے ہوئے اس جگہ سے چلے گئے۔

''حکیم صاحب! آپ برائے مہربانی تشریف رکھیں، کھانے کا وقت بھی ہو گیا ہے، میں کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔''

''نہیں شرافت صاحب مجھے بھوک نہیں اور ویسے بھی مجھے جلدی مطلب میں پہنچنا ہے۔ خیر چلیے آپ کی بات، میں رد نہیں کرتا، آپ چائے پلا دیں۔'' رولو کا بولا۔

اتنے میں سلامت آ گیا تو اس کے بابا بولے۔

''بیٹا ذرا جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ، حکیم صاحب جانے والے ہیں۔'' یہ سن کر سلامت فوراً گھر کے اندر چلا گیا۔

''حکیم صاحب! آپ نے یہ جو بھی کیا ہے، اگر آپ بتانا مناسب سمجھیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔''

''شرافت صاحب! دراصل آپ کے بیٹے کے ساتھ ایک بری آتما کا چکر ہو گیا تھا۔ وہ آتما آپ کے بیٹے کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اب اسے کوئی جسمانی بیماری نہیں رہی۔ یہ آتما اس طرح اس کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ اگر بروقت اس کا علاج نہیں ہوتا تو آپ کا بیٹا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہو جاتا۔

اصل میں یہ آتما اس کے ساتھ کھلیان سے لگی تھی۔ آتمائیں یا روحیں رات میں اپنے مسکن سے باہر نکل آتی ہیں اور آزادانہ طور سے گھومتی پھرتی ہیں۔

آپ نے دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی۔ وہ آتما دن کے وقت ہڈی کی صورت اختیار کر کے آم کے درخت کے کھوہ میں پڑ جاتی تھی۔ میں نے اپنے تئیں معلوم کر لیا تھا کہ دن میں اس کا مسکن کہاں ہے؟ اور یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ جسم مل گئی۔ اگر جسم نہیں ملتی تو بہت زیادہ دشواری ہوتی۔

میں نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے، اب کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں۔ آپ نے گاؤں میں دو تین جو حادثات ہوئے تھے وہ بھی اسی کا چکر تھا، اگر اس کا خاتمہ نہیں ہوتا تو وقت کے ساتھ مزید جانی نقصانات ہوتے رہتے، اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا کہ آپ کا بیٹا بھی دنیا سدھار جاتا۔ اس قسم کی خاموش اور چپ بھٹکی ہوئی روحیں جو ہوتی ہیں بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ اس خاموشی سے اپنا کام کرتی ہیں کہ سامنے والے کو زیادہ تکلیف اور بیماری کا احساس نہیں ہوتا۔ کچھ روحیں یا بھوت چڑیل یا آسیب و جنات ہوتے ہیں جو کہ کسی پر سوار ہوتے ہیں اودھم مچاتے ہیں وہ فوراً نگاہوں میں آ جاتے ہیں، اور اس طرح لواحقین حرکت میں آ کر اس کا تدارک کرا دیتے ہیں۔ چپ چاپ اثر انداز ہونے والی روحوں میں یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ یہ انسانی جسم میں داخل ہو کر کوئی نہ کوئی ایسی بیماری کی شکل اختیار کر لیتی ہیں کہ لوگ اس بیماری کا علاج کراتے رہ جاتے ہیں۔

میں آپ کو ایک چھوٹا سا مگر انتہائی خطرناک اور جان لیوا واقعہ سناتا ہوں۔

ایک شخص پر جادو کرا دیا گیا۔ جادو کرنے والے نے اپنا ایک گندا بیر اس شخص پر مستقل مامور کر دیا۔ جادوگر نے بیر کو پیٹ تک محدود کر دیا۔ شروع شروع میں اس شخص کے پیٹ میں درد اور مروڑ ہونے لگا۔ شروع میں چھوٹے چھوٹے ڈاکٹروں کے پاس وہ جاتا رہا۔ لیکن ہوا ایسا کہ

جوں جوں دوا کی مرض بڑھتا رہا

ہر روز تینوں وقت وہ دوا کھاتا رہا مگر پیٹ کا درد کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا، گاؤں کے ڈاکٹروں کو چھوڑ کر اس نے شہر کے ڈاکٹروں سے رجوع کرنا شروع کیا۔

جس ڈاکٹر کے پاس جاتا، ڈاکٹر اسے اپنے تجربے کے بنا پر نئی دوا لکھ کر دیتا اور اپنی فیس تھمالیتا۔

درد کی شدت میں روز بہ روز افاقہ کے بجائے اضافہ ہونے لگا تھا۔ رات نو دس بجے کے بعد اس کے درد میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا جس سے اس کی چیخیں سنائی دینے لگتی تھیں۔ چیخیں سن کر سارے گھر والے نیند سے بے کل ہو کر اٹھ جاتے، صبح تک یہی سلسلہ رہتا اور پھر سورج طلوع ہوتے ہی اس کے درد میں شدت کم ہو جاتی۔

مہنگی سے مہنگی دوا دے کر بھی ڈاکٹر پریشان تھے، کوئی دوا بھی زیادہ دیرپا اثر نہیں رکھ رہی تھی۔ مریض کی حالت دن بدن ناقابل برداشت ہونے لگی۔ جب وہ درد سے تڑپنے لگتا تو اس کی پریشانی اور تکلیف دیکھ کر لوگ دعائیں کرنے لگے تھے کہ "اس تکلیف سے تو اچھا ہے کہ اسے موت آجائے۔"

گھر والے اسے نئے سے نئے ڈاکٹر، وید حکیم اور پنڈتوں کے پاس لے کر جاتے جاتے بے حال ہو گئے تھے، جادو کرنے والے نے تین ماہ کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ وہ لوگ تھے بھی کافی امیر، دراصل جگہ جائیداد کا مسئلہ تھا۔ اس کے مرنے سے اس کے بھائی کو فائدہ پہنچنے والا تھا۔

جس بھائی نے اس پر جادو کرایا تھا، وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لئے بھاگ دوڑ خوب کرتا تھا، رات رات بھر جاگ کر بھائی کے پاس بیٹھ کر اپنی چاہت و محبت کا اظہار کرتا تھا۔

پھر جب سارے لوگ اس کی بیماری سے تنگ آگئے اور وہ مریض بھی بہت تھک گیا، جب اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوگئی تو وہ بھی دعا کرنے لگا کہ اسے موت آجائے تو اچھا ہے۔ اور پھر ایک دن اس کی موت ہوگئی۔

اسے لے جا کر چتا پر رکھ دیا گیا۔ آگ زوردار طریقے سے اس کے بدن کو جھلسانے لگی۔ تو لوگوں نے ایک بہت ہی بھیانک منظر دیکھا۔ اس منظر کو دیکھ کر اس جگہ موجود لوگ سکتے میں آگئے، ان کے دل دہل کر رہ گئے۔

وہ بھیانک منظر تھا۔ اس شخص کا پیٹ بہت تیز آواز سے پھٹا اور ایک گول سی چھوٹی تھیلی نکل کر چتا سے دور جا پڑی۔

اچنبھے کی حالت میں لوگ اس طرف بڑھے، جب لوگوں نے اس جگہ جا کر دیکھا تو دنگ رہ گئے وہ تھیلی گول مٹول تھی۔ اس میں کسی طرف بھی ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ اس میں اندر یا باہر کسی چیز کے آنے جانے کے لئے کوئی راستہ ہو۔

تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوگوں نے جب اس تھیلی کو پھاڑا تو بالکل ہی حیران ہو گئے۔ کیونکہ اس تھیلی میں وہ تمام دوائیں موجود تھیں جو وہ کھاتا رہا تھا۔

پورا گاؤں اس واقعے کا سن کر حیران تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک مریض تین ماہ تک دوائیں کھاتا رہا، اور وہ دوائیں پیٹ میں الگ ایک تھیلی میں جمع ہوتی رہیں۔

تھوڑے عرصہ بعد ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے بہت ہی رازدارانہ انداز میں مرنے والے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بہت واسطے دیئے اور یہ وعدہ کیا کہ اب وہ اس کا ردعمل ظاہر نہیں کرے گا تو میں نے اسے اصل واقعہ بتا دیا۔ جسے سن کر وہ کانپ کر رہ گیا اور بولا۔

"حکیم صاحب کیسا زمانہ آگیا ہے کہ ایک بھائی ایک بھائی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے ایسا ظلم کر بیٹھا، کیا وہ بھگوان کو منہ نہیں دکھائے گا۔"

میں نے کہا۔ "خیر! یہ تو اپنے اپنے ضمیر کی بات ہے۔ ہر انسان نے مرجانا ہے، اور مرنے کے بعد مرنے والا اپنے ساتھ کیا لے جاتا ہے۔

تو ہاں! شرافت صاحب اب آپ کا بیٹا بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب میں چلتا ہوں اور کل اسے میرے پاس بھیج دیجئے گا، میں کچھ دوائیں دوں گا جس کے استعمال سے یہ چند روز میں صحت یاب ہو جائے گا۔

آپ نے بہت اچھی چائے پلائی اس کے لئے بہت بہت شکریہ۔"

اتنے میں سلامت بھی اس جگہ آ گیا۔ جو کہ چائے رکھ کر گھر میں چلا گیا تھا۔

رولوکا بولا۔ "سلامت کل تم میرے پاس ضرور آنا۔ میں تمہیں چند دوائیں دوں گا، جس سے تم چند روز میں اپنے جسم میں مکمل توانائی محسوس کرنے لگو گے، تمہاری ساری جسمانی کمزوری بھی دور ہو جائے گی۔"

رولوکا نے دونوں باپ بیٹے سے ہاتھ ملایا اور چل پڑا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے روپوشی اختیار کی اور پلک جھپکتے دلی اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

صبح ہوئی اور دن کے دس بجے حکیم وقار کے مطب میں سلامت پہنچ گیا۔ حکیم وقار بہت ہی اپنائیت سے اس سے ملے، رولوکا کی زبانی حکیم وقار کو سلامت کی بیماری کا سبب معلوم ہو گیا تھا۔ چند منٹ میں رولوکا اس جگہ آیا تو سلامت کو دیکھ کر خوش ہوا اور بولا۔ "تم میرے کمرے میں آؤ۔"

رولوکا کی بات سن کر سلامت اٹھ گیا اور رولوکا کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اپنے کمرے میں جا کر رولوکا بیٹھ گیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سلامت میاں اور سناؤ! رات میں مدھو تو نہیں آئی۔" رولوکا بولا۔

"حکیم صاحب مدھو تو نہیں آئی مگر اس کی یاد رات بھر مجھے پریشان کرتی رہی، میں نے رات اس طرح گزاری ہے جیسے انگاروں پر لیٹ کر۔" سلامت بولا۔

"سلامت شکر کرو کہ تم بچ گئے، ورنہ زیادہ دنوں کے مہمان تم نہیں تھے، بس یہ سمجھو لو کہ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ تمہاری زندگی کا رہ گیا تھا۔

دراصل مدھو ایک چڑیل تھی۔ جو کہ تم پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

وہ جوان بن کر آتی تھی اور تمہارے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ اس کے ساتھ تم جذبات کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے تھے۔ تمہاری جسمانی کمزوری آخری حدوں کو چھونے لگی تھی۔

اپنے پروگرام کے تحت تمہاری موت کے بعد، تمہاری روح کو وہ اپنے قبضے میں کر لیتی، جس کا اظہار وہ تم سے کر چکی تھی کہ "میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

وہ رات میں گوشت پوست کی زندہ جوان بن کر تمہارے پاس آتی اور دن میں آم کے درخت پر کھوہ میں ہڈی بن کر پڑی رہتی تھی۔

تم نے جو سوئی اس کی چندری میں لگائی تھی، جس کا اسے پتہ نہیں چلا۔ دن کے وقت تم نے دیکھا کہ جب وہ ہڈے بن کر پڑی رہی تو وہ سوئی اس ہڈی میں پیوست نظر آ رہی تھی۔ میں نے لمبا سا دھاگہ اس سوئی میں یوں لگایا تھا کہ وہ دھاگہ لٹکتا ہوا نظر آ جائے، اور ایسا ہی ہوا۔

دراصل ہڈی کی شکل میں موجود مدھو تھی، اور تم نے دیکھا کہ جب ہڈی تیل میں جھلسنے لگی تو کس طرح دیگچے میں اچھل کود کرنے لگی تھی اور پھر انسانی گوشت کے جلنے کی بو ہر طرف پھیل گئی تھی، اب تمہاری مدھو جو کہ تمہاری موت بن کر آئی تھی، اس کا خاتمہ ہو چکا ہے، تم کسی قسم کا اندیشہ نہیں کرو۔ چند دن میں تم صحت مند ہو جاؤ گے۔

یہ دوائیں لیتے جاؤ ایک ہفتہ تک استعمال کرنا، تمہارے جسم کی ساری توانائی بحال ہو جائے گی اور تم مکمل صحت مند نظر آؤ گے، جاؤ کھاؤ پیو اور خوش رہو۔

میں نے مدھو کا ذکر تمہارے بابا سے نہیں کیا تھا کہ تم مدھو سے کس حالت میں ملتے رہے ہو، اب تم جاؤ۔

رولوکا سے سلامت نے مصافحہ کیا، شکریہ ادا کیا اور گھوڑا گاڑی پر بیٹھ کر اپنے گاؤں واپس آ گیا۔

☆☆☆